حیات محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم

حصہ دوئم

محمد حسین ہیکل

باب پندرھواں

غزوۂ احد

قریش کے دلوں پر غزوہ سویق نے تو کوئی اثر نہ چھوڑا لیکن بدر کا چرکا ان کے صفحہ قلب سے مندمل نہ ہو سکا، نہ زید بن حارثہؓ کی اس تاخت کا صدمہ مٹ سکا جس کے اثر سے ان کی جدید تجارتی راہ بھی مسدود ہو گئی جو انہوں نے بحیرۂ احمر کے ساحل کو چھوڑ کر عراق کی گزرگاہ پر تجویز کی۔ قریش حادثہ بدر اور اپنی اس راہ کی ناکہ بندی دونوں کے انتقام و مداوا کے لیے آتش زیر پا تھے۔

بدر انہیں فراموش بھی کیسے ہو سکتا تھا جس میں ان کے منتخب روزگار اور سرکردہ (اشخاص) تہ تیغ ہوئے جن کی یادوں میں قریش کی عورتیں ہر لمحہ مصروف گریہ تھیں؟ کوئی اپنے لخت جگر کو بیٹھ کر روتی، کسی کے دل سے اپنے ماں جائے کا ناسور رس رہا تھا، کوئی باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے سے شکستہ خاطر، کسی کا سرتاج مفقود اور کسی کا کوئی دوسرا قرابت دار نابود ہو گیا تھا۔ جن پر رونا اور سینہ کوبی قریش کی عورتوں کا مقدر بن گیا اور وہ اپنے نصیبے کو بھگت رہی تھیں۔ ان کا نوحہ ایسی رقت اور سوز سے بھرا ہوتا جسے قریش سنتے اور مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے حواس باختہ انسانوں کی طرح ایک دوسرے کا منہ تکنے لگتے۔

جنگ احد کے ابتدائی مراحل:

ادھر (مکہ میں) ابوسفیان کا وہ قافلہ شام سے لوٹ کر آ پہنچا جو غزوۂ بدر کا محرک تھا ادھر معرکہ بدر کے بقیۃ السیف مفرورین قریش شہر میں وارد ہوئے اور قریش کے اکابر میں مندرجہ ذیل پانچ ارکان: جبیر بن مطعم، صفوان (بن امیہ)، عکرمہ بن ابوجہل، حارث بن ہشام اور حویطب بن عبدالعزیز کے مشورہ سے قرار پایا کہ اس رقم سے سامان جنگ خرید کر (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سے انتقام لیا جائے، جس کی قوت سے اپنی فوج کی تعداد بڑھائی جائے گی، اور قرار پایا کہ قبائل عرب کو بھی قریش کے مقتولین کا بدلہ لینے کے مشتعل کیا جائے۔ اس کے لیے قریش کی ایک ٹولی قبائل میں گشت کے لیے روانہ ہوئی، جس میں ابوعزہ شاعر بھی تھا جو اسیران بدر میں گرفتار ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے احساناً آزاد فرما دیا۔ اس اہتمام میں انہوں نے اپنی کمک کے لیے اپنے حبشی غلاموں کا ایک دستہ بھی ہمراہ لے لیا۔

احد کے لیے قریش کی عورتوں کی طرف سے پیش کش

جوش انتقام میں مبہوت قرشی عورتیں بھی ہمراہ جانے کے لیے مصر ہوئیں، جس پر ایک شخص نے مجلس مشاورت میں یہ رائے پیش کی ہم لوگ سر سے کفن باندھ کر جا رہے ہیں اگر اپنے مقتولین کا بدلہ نہ لے سکے تو زندہ واپس نہ لوٹیں گے۔ عورتوں کی معیت ہمارے لیے مفید ثابت ہوگی۔ یہ ہمارے جذبات غضب کو اشتعال دلائیں گی اور ہمیں بدر کے واقعات یاد دلا کر آگے بڑھائیں گی۔ دوسرے نے کہا عورتیں ہماری آبرو ہیں۔ اگر ہمیں شکست ہوئی تو ان کی بے حرمتی سے ہمارا ناموس خاک میں مل جائے گا۔ اس موقع پر ہندہ (زوجہ ابوسفیان) بھی موجود تھی اس نے (اپنی تقریر میں) کہا: حاضرین مجلس! اس سے نہ گھبرائیں کہ آپ زندہ بچ کر نہ آسکیں گے۔ آخر آپ لوگ بدر سے بھی بچ ہی نکلے اور اپنی عورتوں کو بھی آ کر دیکھ لیا! پھر آپ لوگ ہمیں شرکت سے منع کرنے والے ہی کون ہیں، جب کہ یہی غلطی بدر میں ہوئی جب آپ لوگوں نے اپنی ان جوان لڑکیوں کو جحفہ (مقام) سے واپس لوٹا دیا جو معرکہ کے وقت موجود ہوتیں تو آپ لوگوں کو غیرت دلا کر آگے بڑھاتیں۔ آہ! بدر جس میں ہمارے عزیز ترین مرد دشمن کے ہاتھ سے مارے گئے۔

قریش کا مدینہ پر خروج:

اور قریش اپنے ہمراہ ایک جرار لشکر لے کر مکہ سے باہر جمع ہوئے جس کے ساتھ وہ عورتیں بھی تھیں جن کے عزیز و خویش بدر میں قتل ہوئے تھے۔ اس لشکر میں بنوثقیف (ساکنان طائف) کے

دوسو شمشیر زن سپاہیوں کے سوا مکہ میں سے اٹھائیس سو شمشیر زن نکلے، جن میں اشراف وسادات قریش کے قبائلی حلیف بھی تھے اور احابیش کا بھی ایک دستہ مع بے شمار سامان رسد وآلات کے بہ تفصیل ذیل ہمراہ تھا:

الف۔ تین علم تے جن میں سب سے بڑا جھنڈا طلحہ بن ابوطلحہ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ علم دار الندوہ میں بیٹھ کر بنائے گئے۔

ب۔ گھوڑے دوسو

ج۔ تین ہزار اونٹ

د۔ سات سو زرہیں

ہ۔ اسلحہ حساب وشمار سے فزوں تر

اور لشکر مدینہ کے رخ پر بہہ نکلا۔

سیدنا عباسؓ کی خبر رسانی:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عم مکرم سیدنا عباسؓ (بن عبدالمطلب) جو ابھی تک اپنے جدی مذہب پر قائم اور مکہ میں تشریف فرما تھے، قریش کی ہر سازش، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوتی، نظر غائر سے مطالعہ فرماتے۔ اس کی دو وجوہات تھیں 1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت داری اور 2 اپنے برادر زادہ کا حسن کردار! جس میں جناب عباسؓ کے ساتھ مسلمانوں کا وہ حسن سلوک بھی شامل ہو گیا جو ان کے اسیر بدر ہونے کے دوران میں ان کے ساتھ ہوا۔ جناب عباسؓ کا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدائیت کا ایک وقت پہلے بھی آ چکا ہے، ہجرت سے قبل اوس وخزرج کی بیعت کے موقع پر جو بیعت شب کی تاریکی میں ہوئی اور عقبۃ الکبریٰ کے عنوان سے ملقب ہے، جس کے لیے شب کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ سے نکلے تو جان نثار عم کریم سے اپنے برادر زادہ کا اہل مدینہ سے تنہا معاملہ طے کرنے پر ضبط نہ ہو سکا۔ سائے کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ محل بیعت (عقبۃ الکبریٰ) میں رہے اور

مبایعین اوس وخزرج سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> آپ لوگ میرے برادرزادہ کو تو اپنے ہاں لے جا رہے ہیں مگر اپنی عورتوں اور بچوں کی طرح ان کی پاسداری ہو سکے تو انہیں شوق سے مدینہ لے جائیے، ورنہ انہیں ان قبیلہ میں ہی رہنے دیجئے۔ جس طرح بنو ہاشم نے پہلے ان کی حفاظت میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ لی تھی آئندہ بھی انہیں اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

آج حضرت عباسؓ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت داری، آپ کے حسن وکردار اور اسیر بدر ہونے کے دوران میں خود پر حسن مراعات کی وجہ سے ایک خط میں اطلاع دی جس میں قریش کا تازہ جنون، ان کے لشکر کی تعداد اور سامان جنگ کی پوری تفصیل قلم بند فرما کر ایک غفاری ہرکارہ کے ہاتھ مدینہ بھیجی جو مکہ سے چل کر تیسرے روز مدینہ جا پہنچا۔

قریش کی بربریت:

کفار کا لشکر مقام ابوا پر آپہنچا (جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے) تو جوش انتقام میں بھرے ہوئے قریش کے چند کوتاہ اندیش نوجوان جناب آمنہ کے مزار کی بے حرمتی پر آمادہ ہو گئے۔ انہیں ان کے سربراہوں نے یہ کہہ کر روک دیا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو اس سے عرب میں ایک وبا پیدا ہو جائے گی۔ بنو بکر اور بنو خزاعہ موقع پا کر ہمارے مردوں کی قبریں کھود کر رکھ دیں گے۔ اس پر وہ لوگ اپنے ارادے سے دستبردار ہو گئے۔

قریش کا احد میں پڑاؤ:

قریش ابوا سے کوچ کرتے ہوئے (مقام) عقیق میں آپہنچے اور احد پہاڑی کے دامن میں ایک ہموار میدان میں پڑاؤ ڈال کر جم گئے۔ یہ مقام مدینہ سے پانچ میل کی مسافت پر ہے۔

حضرت عباسؓ کی ہرکارہ کی باریابی:

ادھر سیدنا عباسؓ کا غفاری ہرکارہ مدینہ میں آ پہنچا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد قبا میں دروازہ پر اپنے مرکب پر سوار ہونے کو تھے (قبا مدینہ سے چھ میل باہر ایک ملحقہ بستی ہے: م) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خط کعب بن مالک سے پڑھوا کر سنا اور اس سے راز داری کی تاکید فرما کر خود (مدینہ میں) سعد بن ربیع کے ہاں تشریف لائے۔ انہیں خط کے مضمون سے آگاہ کیا اور ان سے بھی راز داری کی تاکید فرمائی لیکن سعد کی اہلیہ نے بالا خانہ میں بیٹھے ہوئے سن لیا اور ضبط نہ کر سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر مندی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب انس و مونس (ابنائے فضالہ) کو قریش کی جاسوسی کے لیے بھیجا اور ان کی واپسی پر حباب بن منذرؓ (بن الجموح) کو پہلے دونوں بھائیوں نے قریش کے گھوڑے اور شتر مدینہ کے کھیتوں میں چرتے ہوئے دیکھنے کی اطلاع پیش کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر جناب عباسؓ کے خط کی تصدیق سے انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے۔

اسی طرح دشمن کا جائزہ لینے کے لیے حضرت سلمہ بن سلامہؓ نکلے اور قریش کے ایک دستہ کو شہر سے اس قدر قریب دیکھا جیسے ذرا دیر بعد شہر کے اندر داخل ہونے کو ہیں۔ سلمہ بھاگے ہوئے آئے اور مسلمانوں کو ان کے کوائف سے آگاہ کیا۔ ان خبروں سے قبیلہ اوس و خزرج کے مسلمان اور دوسرے لوگ آنے والی جنگ سے بے حد متاثر ہوئے کہ عرب کی تاریخ میں آج تک کسی جنگ کے لیے ایسی تیاری سننے میں نہ آئی تھی۔ قریش پوری قوت اور لشکر جرار لے کر حملہ آور ہونے کو ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے بے شمار مسلح مسلمان مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رات بھر پہرے پر رہے اور مسلمانوں کا ایک دستہ تمام شب شہر کی حفاظت کرتا رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسروں سے مشاورت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح ہوتے ہی مسلمانوں کے ساتھ ان لوگوں کے اہل الرائے کو بھی طلب کر لیا جو خود کو مسلمان ظاہر کرتے اور قرآن انہیں انہی باتوں کی وجہ سے منافق سے نامزد کرتا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ تھا کہ دشمن کی مدافعت کے لیے ایک متفقہ رائے قائم کر لی جائے اور سب سے پہلے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے بیان فرمائی کہ

1۔ مہاجرین قریش شہر سے باہر نگرانی کریں۔

2۔ اہل مدینہ شہر میں قلعہ بند ہو کر موقع کے منتظر رہیں تاکہ دشمن کے حملہ پر مدافعت کی جا سکے۔

راس المنافقین عبداللہ کی رائے:

عبداللہ (بن ابی سلول) نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیشہ سے اس شہر کے رہنے والوں نے مدینہ کی حفاظت اس طریق سے کی ہے:

الف۔ عورتوں اور بچوں کو کسی محفوظ قلعہ میں بند کر کے ان کے چاروں طرف پتھروں کے ٹکڑے جمع کر دیئے۔

ب۔ شہر کے باہر فصیل کھڑی کر کے نگرانی کے لیے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چوکیاں تعمیر کر دیں۔

ج۔ اگر دشمن نے ہلہ ہی بول دیا ہے تو ادھر عورتیں اور بچے پتھراؤ کرنے لگے اور

د۔ ادھر سے مرادتلواریں سونت کر پل پڑے۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مدینہ کی مثال اس زن باکرہ کی سی ہے جس کی بکارت کبھی زائل نہ ہوئی۔ آج تک کسی دشمن نے ہم پر فتح حاصل نہیں کی لیکن ہم لوگ جب بھی شہر میں رہ کر دشمن کے مقابلہ پر آئے کبھی ناکام نہیں ہوئے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حملہ آوروں کو ان کے حال پر چھوڑ کر میری تجاویز پر عمل کیجئے۔ مدینہ کی حفاظت کے یہ داؤں مجھے اپنے بزرگوں سے ترکہ میں ملے ہیں اور میرے دور کے داناؤں نے بھی مجھے یہی بتایا ہے۔

3۔ مہاجرین وانصار بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رائے سے متفق تھے کہ شہر میں بند رہ کر دشمن کی مدافعت کی جائے۔

4۔ جو گروہ کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے بے قرار تھا اس میں دو قسم کے لوگ تھے۔

الف۔ وہ نوجوان جو بدر کی شوکت سے محروم رہ گئے تھے اور اب موقع غنیمت سمجھ کر داد شجاعت دینے کے لیے سرگرم تھے۔

ب۔ وہ شیر بیشہ دلاور جنہیں بدر میں بھی شرکت کا موقع مل چکا تھا اور معرکہ کارزار میں ذات باری کی بروقت نصرت نے جن کے حوالے پہلے سے بڑھا رکھے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ دنیا کی کوئی قوت ان پر غالب نہیں آ سکتی۔ یہ حضرات شہر میں بند ہونے کو بزدلی پر محمول کرتے کہ اس سے دشمن کو ہماری بزدلی کا یقین ہو جائے گا۔ اس گروہ کا خیال تھا کہ بدر کے موقع پر اپنے شہر سے دور ہونے کے باوجود ہم نے قریش پر فتح حاصل کر لی اور آج تو ہم اپنے شہر سے قریب تر ہیں۔ احد ہمارے شہر کا سوانا ہی تو ہے۔ اس کے نشیب وفراز ہمارے دیکھے بھالے ہیں نہ کہ دشمنوں کے!

اور اس گروہ کے ایک نوجوان نے اپنی تقریر میں عرض کیا:

مجھے یہ گوارا نہیں کہ وہ (قریش) یہاں سے واپس لوٹ کر کہیں کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ڈر کر یثرب اور اس کے قلعوں میں دبک گئے۔ شہر میں ہمارے بند ہو جانے سے دشمن کی جرأت اور بھی زیادہ ہو جائے گی۔

دوستو! جن دشمنوں نے ہمارے کھیت اور پھل اور پودے تاراج کر دیئے ہیں اگر ہم نے انہیں اپنے باغات کی بربادی سے نہ روکا تو ان درختوں کا پھل ہمیں کیسے نصیب ہوگا؟

ہمارا دشمن بدر کی شکست کے بعد ایک سال تک دوڑ بھاگ میں لگا رہا تب جا کر مٹھی بھر عرب اور ان حبشی غلاموں کو اپنے ہمراہ لانے میں کامیاب ہوا۔ قریش کی یہ جرأت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے اسپ اور شتر ہمارے شہر کے سوانے میں لے آئے!

آپ لوگوں کو پسند ہے کہ وہ ہمیں شہر اور قلعوں میں بند کر کے خود زخم کھائے بغیر واپس لوٹ جائے اور یہ بات مشہور کرے کہ ہم نے مسلمانوں کو قلعوں میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو ہمارے خلاف دشمن کے حوصلے کس قدر بڑھ جائیں گے؟ وہ آئے دن اسی طرح ہمارے سرسبز و شاداب کھیت برباد کرتے رہیں گے۔ کبھی کسی طرف سے ہمیں نرغہ میں لینے کی کوشش کریں گے، کبھی کسی جانب سے آ کر ہمیں گھیر لیں گے۔ ان کے جاسوس انہیں ہر وقت ہماری خبریں پہنچایا کریں گے اور ہمارا شہر ان کی گھات سے کبھی محفوظ نہ رہے گا۔ حتیٰ کہ ایک نہ ایک دن قریش ہم پر غالب آ جائیں گے۔

اس تقریر نے مسلمانوں کی ہمت اور ولولہ شہادت کو از سر نو بیدار کر دیا۔ ہر شخص کی زبان پر یہی نعرہ تھا۔ جو حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع تھے، جن کے دل اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار تھے، خدا کی کتاب اور حساب آخرت پر یقین تھا، جنہیں اپنے اس کینہ توز جفا پیشہ دشمن کی ناکامی کا پورا بھروسہ تھا کہ ہماری تلواریں دشمن کی تکا بوٹی اڑا دیں گی اور اگر ان میں سے دس پانچ سلامت رہ گئے تو ہماری ہیبت سے تتر بتر ہو جائیں گے اور ہم میں سے جو مسلمان شہید ہوگا اسے جنت ملے گی جس کا وعدہ ایسے لوگوں کو دیا گیا ہے۔

ان الذین قالو ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیهم الملئکة الا تخافو ولا تحزنو وابشرو بالجنة التی کنتم توعدون نحن اولو کم فی الحیوة الدنیا وفی الاخرة ولکم فیها ما تشتهی انفسکم ولکم فیها ماتدعون1۔ (41:30-31)

بے شک جن لوگوں نے اللہ کی وحدانیت کا زبان سے اقرار کیا اور اس پر سدا قائم رہے، رحمت الٰہی کے فرشتے ان کے پاس یہ پیغام لے کر آتے ہیں کہ اب تمہیں کوئی خوف و ہراس نہ ہوگا بلکہ تمہارے لیے اس جنت کی بشارت ہے، جس کا تم سے ایمان لانے کے بدلے میں وعدہ کیا گیا تھا (اللہ کی طرف سے یہ انعام بھی ہے) کہ دنیا اور عقبیٰ میں ہم تمہارے ولی ہیں اور اس جنت میں تمہاری ہر خواہش پوری ہوگی۔

ان نوجوانوں کے دلوں میں یہ خیال بھی گدگدا رہا تھا کہ آج کے شہیدوں کی جنت میں اپنے ان بھائیوں سے بھی ملاقات ہوگی جو کل بدر میں دشمن کے ہاتھ سے جام شہادت پی کر ابدی نیند سو گئے۔ یہ ملاقات اس جنت میں ہوگی جہاں:

لا يسمعون فيها لغواً ولا تاثيماً الا قيلاً سلما سلما(56:25-26)

جس (جنت میں) ایک دوسرے کے متعلق سلامت باشید کے سوا بے سود اور گناہ کی بات زبان پر آئے ہی گی نہیں۔

مرد معمر خیثمہ کی تقریر

عسى الله ان يظفرنا بهم او تكون الاخرىٰ الشهادة لقد اخطاتنى وقفة بدر وكنت عليها حريصاً حتىٰ بلغ من حرصى عليها ان ساهمت ائنى فى الخروج فخرج سهمه فارزق الشهادة وقدرايت ابنى البارحة فى النوم وهو يقول الحق بنا تر افقنا فى الجنة فقد و جدت ما وعدنى ربى حقا وقدو الله يا رسول الله اصبحت مشتاقا الى امرافقة فى الجنه وقد كبرت سنى ورق عظمى واحييت لقاء ربى.

امید ہے کہ اللہ ہمیں فتح یاب کرے۔ یا شہادت ہی نصیب ہو، جس شہادت سے میں بدر میں محروم رہ گیا ہوا ہوں۔ میں بدر میں شرکت سے دستبردار ہونے پر راضی نہ تھا۔ اور میرا فرزند (سعد) بھی اس پر مصر تھا۔ آخر دونوں نے قرعہ اندازی کی۔ میری فرزندت کی قسمت بیدار ہوگئی اور وہ اس معرکہ میں شہید ہوگیا۔

1م: مصنف علام نے آیات کے مضمون کو بڑے دل کش انداز میں سمو دیا ہے مگر جہاں بھی مشاہدہ حق کی گفتگو چل نکلے بادہ وساغر کی حکایت کے بغیر سرور نہیں بڑھتا اس لیے راقم نے ترجمہ کی بجائے آیت سے محفل کو

گرمانا چاہا۔

اسی شب رویا میں اس نے مجھ سے کہا خدا نے ہمارے ساتھ جو وعدے کیے تھے ہم نے سب پورے ہوتے دیکھ لیے آپ بھی ہمارے ساتھ آ کر جنگ میں رہیے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بخدا! میں اسی لمحہ سے اپنے فرزند کے ساتھ جنت میں رہنے کے اشتیاق میں بیٹھا ہوں۔ یوں بھی بوڑھا ہو گیا ہوں، میری ہڈیوں میں دم نہیں رہا۔ اب میں اپنے رب سے ملاقات کو زیادہ پسند کرتا ہوں (اور حضرت خیثمہ احد میں فائز بہ شہادت ہوئے) (اصابہ نمبر:4-230:م)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان میں مقابلہ کرنے والوں کی اکثریت دیکھ کر اپنی اسی رائے کو پھر دہرایا کہ مجھے تمہاری شکست کا خطرہ ہے لیکن اس پر بھی لوگوں کا اصرار کم نہ ہو سکا جس کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثریت کی رائے پر عمل ضروری سمجھا کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نظام حیات مربوط رکھنے کے لیے شوریٰ کے فیصلہ پر توجہ کرنا زیادہ پسند فرماتے، الا اس صورت میں کہ خدا کی طرف سے وحی نازل ہو جس پر عمل کرنے میں صرف اپنی رائے کو سب پر ترجیح دیتے۔

اور احد کی تیاری:

جمعہ کا دن تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز (جمعہ) پڑھ کر فرمایا مسلمانو! اگر تم نے صبر واستقامت کا ثبوت دیا تو تمہاری ہی فتح ہوگی اور مسلمانوں کے لیے تیاری کا فرمان صادر فرمایا۔ نماز عصر ادا کرنے کے بعد اپنے ہمراہ ابوبکرؓ اور عمرؓ دونوں کو لے کر دولت خانہ پر تشریف لائے، ان دونوں حضرت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ باندھنے میں (آپ کی) مدد کی، زرہ پہنوائی اور تلوار حمائل کی اور جب تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانہ میں رہے مسلمان قلعہ بندی یا میدان میں مقابلہ دونوں امور پر گفتگو کرتے رہے۔ اسید بن حضیرؓ اور سعد بن معاذؓ نے جو قلعہ بندی کے حامی تھے دوسرے گروہ سے کہا:

> آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قلعہ بندی چاہتے ہیں۔ پھر بھی آپ حضرات کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میدان میں نکلنے کے لیے مجبور کیا جا رہا ہے۔ ابھی وقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا مقدم سمجھی جائے اور جو کچھ حکم فرمائیں آپ بلا عذر اس کی اطاعت کریں۔

قلعہ بندی کا خلاف گروہ بہت پریشان تھا۔ انہیں سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ مبادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے جرم میں ان کے خلاف کوئی آیت نازل ہو۔ جونہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہن کر باہر تشریف لائے ان لوگوں نے آگے بڑھ کر عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارا مقصود آپ کی مخالفت کرنا نہیں۔ آپ قلعہ بند رہ کر مدافعت پر کاربند ہوں یا میدان میں صف آرائی کا حکم فرمائیں، ہم اطاعت کے لیے حاضر ہیں۔ خدا کے بعد آپ کا فرمان ہمارے لیے واجب العمل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جب میں نے آپ لوگوں کو مشورہ دیا تو انکار کر دیا گیا لیکن کسی نبی کے شایاں نہیں کہ زرہ پہن لینے کے بعد دشمن کا مقابلہ کیے بغیر زرہ بدن سے اتارے۔ اب تم میرے حکم پر عمل کرو کہ اگر تم نے صبر و استقامت کا ثبوت دیا تو تمہاری ہی فتح ہو گی۔

اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شوریٰ کی بنیاد رکھی جس پر نظام کی تعمیر کا انحصار ہے کہ جس مسئلہ کو بحث و تمحیص کے بعد طے کر لیا جائے اسے کسی رائے کے خلاف ہونے کی بناء پر مسترد نہیں کیا جا سکتا، بلکہ طے شدہ مشورہ پر عمل کیا جائے، اس کے نفاذ میں تعجیل اور اس کے نتیجہ کا انتظار مدنظر ہو۔

روانگی اور جنگ میں غیر مسلم گروہ کا امداد سے انکار:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقاء کو ہمراہ لے کر دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے احد

کی طرف کوچ فرمایا۔ مقام شیخین پر پہنچے تو وہاں ایک دستہ پہلے سے پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دریافت پر معلوم ہوا کہ یہ لوگ ابن ابی (منافق) اور یہود کے حلیف ہیں جو مسلمانوں کی نصرت کے لیے نکلے ہیں، فرمایا:

لا یستنصر باھل الشرک علی اھل الشرک مالم یسلموا.

مشرکوں کے ایک گروہ کے خلاف جنگ میں اسلام کی رو سے دوسری قسم کے مشرکوں کی امداد کوئی معنی نہیں رکھتی جب تک ایسے لوگ تہ دل سے مسلمان نہ ہو جائیں۔

یہود کا یہ دستہ مدینہ واپس لوٹ گیا۔ راستے میں انہیں ابن ابی اور اس کا دستہ ملا۔ انہوں نے ابن ابی سے گلہ کیا: کہ آپ نے تو انہیں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوات اللہ علیہ) بہتر مشورہ دیا، اپنے بزرگوں کی رائے بتا دی۔ پہلے وہ آپ کی رائے سے متفق ہو گئے، لیکن بعد میں اپنے ناتجربہ کار نوجوان کی بات مان کر ان کے ہمراہ میدان میں جا پہنچے۔ ابن ابی نے کہا آپ لوگ صحیح کہتے ہیں میں ہی جا کر کیا کروں گا! اور اپنا دستہ واپس لے آیا۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف خالص مومنین رہ گئے۔ ان کی تعداد سات سو تھی اور وہ مکہ کے ان تین ہزار کینہ توز قریشیوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے۔ جو بدر میں انہی لوگوں سے شکست کھا کر فرار ہوئے اور آج نئے سرے سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے میدان میں اتر آئے۔

فریقین کی صف آرائی:

مسلمان قدم بڑھاتے ہوئے احد میں آ پہنچے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف صف آرائی فرمائی کہ فوج کی پشت پہاڑ کے اس سمت میں رہے جس سمت میں درہ ہے، مبادا دشمن عقب سے حملہ آور ہو۔ اس درہ پر پچاس تیر اندازوں کا دستہ متعین کرنے کے بعد انہیں یہ ہدایات فرمائیں: مبادا دشمن ادھر سے حملہ آور ہو، آپ لوگ ان کے ساتھ جو برتاؤ کریں اسی موقع پر متعین رہتے ہوئے کیجئے۔ اگر ہم دشمن کے قدم اکھاڑ دیں تب بھی آپ محاذ نہ چھوڑیں۔ اگر دشمن ہمیں

پامال کرتا ہوا نظر آئے تو بھی ہماری نصرت کے لیے آنے کی بجائے یہیں سے ان کے گھوڑوں پر تیر برساتے رہیے۔ گھوڑے تیروں کے سامنے نہیں جمتے۔ اس کے بعد آپ صفوں کی طرف لوٹے اور انہیں صرف ایک تاکید فرمائی جب تک میں حکم نہ دوں کوئی شخص اپنا حربہ استعمال نہ کرے۔

قریش کی صف آرائی میں عورتوں کا حصہ:

اہل مکہ نے اپنی صفیں اس طرح بنائیں میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا، میسرہ پر عکرمہ بن ابو جہل کو متعین کیا۔ لشکر کا علم عبدالعزیٰ طلحہ بن ابوطلحہ کی سپردگی میں دیا اور سب سے بڑے مورچے کی کمان عورتوں کے ہاتھ میں ہے جن میں سے کسی کے ہاتھ میں دف ہے کوئی طبل لیے ہوئے ہے۔ ہر ایک عورت سولہ سنگھار کیے ہوئے اٹھلاتی، کبھی اس قطار کے آگے اور کبھی اس صف کے پیچھے۔ ان کی سپہ سالار اعظم ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ ہے۔ قریش کے زنانہ لشکر کا اسلحہ رجزیہ اشعار تھے جس کا ایک بند یہ ہے:

وبھا بنی عبدالدار
ویھا حماۃ الادبار
ضرباً بکل بتار
ان تقبلوا نعانق
ونفرش النمارق
او تدبروا نفارق
فراق غیر وامق

ہماری طرف دیکھو۔ ہم زہرہ اور مشتری کی کوکھ سے پیدا ہونے والیاں ہیں۔ نرم قالینوں پر ناز ونزاکت سے اٹھلانے والی! آج اگر تم نے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کیا تو کل ہم تمہیں اپنے سینے سے چمٹا لیں گی اور اگر تم پیچھے ہٹ گئے تو ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہ رہے گا۔

اسی طرح فریقین کے اکابر واعاظم اپنے اپنے لشکروں کے دل بڑھاتے قریش بدر کی شکست

کے حزنیہ اور اپنے چودہریوں کے قتل کے المیہ سے لشکر کو ابھارتے مگر مسلمانوں کے دلوں میں صرف خدا کی محبت اور نصرت کا سہارا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر جو خطبہ دیا اس میں بھی یہی فرمایا کہ اگر تم نے صبر و استقامت کا ثبوت دیا تو فتح تمہاری ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار پیش فرمائی:

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار میان سے نکال کر آگے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے فرمایا: مسلمانو! تم میں سے کون بہادر اس تلوار کا حق ادا کر سکتا ہے؟ کئی مسلمان آگے بڑھے مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کی درخواست منظور نہ فرمائی۔

جناب ابو دجانہؓ

ابو دجانہ (سماک بن خرخشہ) عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس تلوار کا کیا حق ہے؟

فرمایا اس تلوار کا حق یہ ہے کہ دشمن کے ٹکڑے بکھیرتی ہوئی خم کھا جائے۔

مرد شجاع ابو دجانہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر ہی سے سر پر وہ سرخ پٹی باندھ کر نکلے (جسے عرب میں موت کا تسمہ کہا جاتا ہے) انہوں نے ایک ہاتھ تلوار کے قبضے پر رکھا دوسرے ہاتھ سے سر کی پٹی کو مضبوطی سے کس لیا اور فاخرانہ چال سے قدم اٹھاتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی چال پر فرمایا ایسے موقع کے سوا یہ انداز خدا کو قطعاً ناپسند ہے۔

احد میں قریش کا پہلا مبارز:

مدینہ کا رہنے والا قبیلہ اوس کا فرد ابو عامر (عبد عمرو بن صیفی الاوسی) اسی غرض سے چل کر مدینہ سے مکہ پہنچا کہ آؤ سب مل کر (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں۔ وہ بدر کے معرکہ میں شریک نہ ہوا تھا۔ اس کی کمان میں اپنے قبیلہ (اوس) کے پندرہ شمشیر زن تھے اور اہل مکہ کے چند

غلام۔ ابو عامر نے یہ گرہ باندھ رکھی تھی کہ جونہی وہ میدان میں آ کر مسلمانوں کو مبارزت کرے گا، لشکر اسلام سے اس کے قبیلہ داران اوس لپک کر اس کے لشکر میں شامل ہو جائیں گے اور سب مل کر قریش کو فتح یاب کر دیں گے۔

ابو عامر نے بآواز بلند پکارا اے برادران اوس! دیکھو میں تمہارا بھائی ابو عامر ہوں۔

اوس کا جواب:

ارے بد اطوار! ہم تجھے خوب پہچانتے ہیں۔ خدا تیری مدد نہیں کرے گا! اور جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ عکرمہ بن ابوجہل نے کہ (لشکر کفار کے) میسرہ پر تھے اپنے غلاموں کا دستہ لے کر مسلمانوں کے ہراول (مقدمتہ الجیش) پر حملہ کیا، جسے کلمہ گویان توحید نے صرف پتھراؤ سے ناکام بنا دیا۔ عکرمہ کے ساتھ ابو عامر (مذکور) بھی پیٹھ دکھا کر لوٹ گیا۔

شیدالشہداء حمزہ بن عبدالمطلب شیر ببر کی طرح گرجتے ہوئے رن میں نکلے کہ

جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

اور لشکر کفار کے قلب میں شگاف کرتے ہوئے کئی کافروں کو فی النار کر کے دم لیا۔ ادھر طلحہ بن ابوطلحہ نے مبارزت کی ڈینگ ماری۔ علی بن ابی طالبؓ بڑھے۔ کچھ دیر دونوں ایک دوسرے پر وار کرتے اور بچاتے رہے۔ علیؓ کے آخری حملہ نے طلحہ کی کھوپڑی میں شگاف ڈال دیا۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بآواز بلند نعرۂ اللہ اکبر بلند کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے ساتھ مسلمانوں نے اپنی آواز ملا کر سعادت دارین حاصل کی جس سے مسلمانوں کے قدم مضبوط ہو گئے۔

ابو دجانہؓ کی شجاعت:

اتنے میں ابو دجانہؓ نکلے۔ ہاتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ شمشیر اور سر پر موت کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ کافروں میں سے جو زد میں آ گیا زمین پر لوٹنے لگا۔ (ابو دجانہؓ)

مشرکین کو قتل کرتے ہوئے ان کے قلب میں در آئے۔ اتفاق سے ایک ایسے انسان پر نظر پڑی جو دوسرے انسان کے اعضاء قطع کر رہا تھا۔ ابو دجانہؓ نے تلوار اٹھائی ہی تھی کہ بے رحم قاتل نے واویلا شروع کر دیا۔ غور سے دیکھا تو ابوسفیان کی بیوی ہندہ (بنت عتبہ) ہیں۔ ابو دجانہ اس خیال سے واپس لوٹ آئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کو عورتوں پر آزمانا زیبا نہیں۔

قریش مکہ کے تمام سرغنے بدر کی بھینٹ ہو چکے تھے۔ آج انہوں نے خدا کے نبی کے ساتھ ایک اور جنگ چھیڑ دی۔ (واضح رہے) کہ بدر کی طرح اس جنگ میں بھی طرفین کی تعداد و سامان میں کوئی توازن تھا نہ دونوں کے مقاصد میں یکسانیت۔ ایک گروہ جذبہ انتقام سے مشتعل اور دوسرا فریق اپنے ایمان و اعتقاد کے لیے دشمنوں کی مدافعت اور وطن کی حفاظت کے لئے سربکف۔ انتقام کے دیوانے مسلمانوں کے مقابلہ میں قوت اور تعداد ہر ایک میں فائق، جن کے اس وصف کا مقابلہ کرنے کی مسلمانوں میں ذرہ برابر سکت نہ تھی۔ کہ اہل مکہ کے ہمراہ لولیان قریش سولہ سنگھار کیے ہوئے ہیجان انگیز نغمہ و سرود سے اپنے لشکر کو ابھار رہی تھیں اور ان میں کئی ایک نے اپنے غلاموں سے انعام و اکرام کے وعدے کر رکھے تھے۔ قریش کی انہی مہ وشوں میں کسی نے اپنا حقیقی بھائی بدر کی بھٹی میں جھونک دیا تھا، کسی کا خاوند اس لاوے میں بہہ چکا تھا، کسی کا باپ اس چتا میں بھسم ہو گیا تھا اور بدر میں جن مسلمانوں کی شمشیر خارا شگاف قریش کے اکابر کے قلب و جگر میں پیوست ہو کر ان کی ہلاکت کا سبب ثابت ہوئی ان (مسلمانوں) میں عرب کے سب سے بڑے دلاور حمزہ بن عبدالمطلبؓ ہیں جن کی ضربت سے ان مہ لقاؤں کی سردار ابوسفیان کی اہلیہ ہندہ کا باپ عتبہ مارا گیا۔ عتبہ کے ساتھ ہی ہندہ کا ایک بھائی اور چند عزیز بھی اپنی اپنی کرنی کا پھل بھوگ کر اوندھے منہ قلیب بدر میں پڑے ہوئے تھے۔

حمزہؓ، اسد اللہ و سیف اللہ، آج احد میں اپنی ہاشمیانہ ہیبت کے سائے میں دشمنوں کو موت کے پہلو میں دھکیل رہے تھے کفار کا مشہور شمشیر زن ارطاۃ بن عبد شرجیل بھی حمزہؓ کے ہاتھ سے ختم ہوا۔ سباع بن عبدالعزیٰ (الغبشانی) انہی کی تلوار سے کیفر کردار کو پہنچا۔ جس کافر پر حمزہؓ کی تلوار کا

سایہ پڑتا اس کی روح جواب دے کر ایک طرف چلی جاتی۔

سیدالشہداء حمزہ بن عبدالمطلبؓ کی شہادت:

بدر میں جبیر بن مطعم قرشی کے چچا اور ہندہ زوجہ ابوسفیان کے باپ انہی حمزہؓ کے ہاتھ سے قتل ہوئے تھے۔ جبیر نے اپنے حبشی غلام سے جس کا نام وحشی تھا معاملہ کیا کہ اگر تم حمزہؓ کو قتل کر دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ اسی وحشی سے دوسری معاملت ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے جن کا باپ بدر ہی میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا کہ اگر تم حمزہؓ کو قتل کر دو تو میں تمہیں سیم و زر سے لاد دوں گی۔ سیدالشہداء حمزہؓ اسی وحشی (غلام حبشی) کے ہاتھوں شہید ہوئے جس کی داستان بدنصیب وحشی نے (اسلام لے آنے کے بعد) یوں بیان کی ہے:

سیدالشہداء کے قتل کی داستان وحشی کی زبانی:

مجھے بھی احد میں قریش کے ساتھ خروج کرنا پڑا۔ میں حبشیوں کے مشہور حربہ (نیزہ) کا استعمال اس طریق سے جانتا تھا کہ میرا نشانہ کبھی خطا نہ کرتا۔

جب احد میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے تب میں بھی اپنے شکار کی تاک میں نکل آیا۔ حمزہؓ کی رنگت گندم گوں تھی۔ میں نے بھیڑ میں بھی انہیں شناخت کر لیا۔ اس وقت (وہ) قریش کے قلب میں دراتے ہوئے ہر طرف کشتوں کے پشتے لگا رہے تھے۔ میں نے اپنا نیزہ تول کر ان کی طرف پھینکا جو ان کی ناف میں پیوست ہو کر پار ہو گیا۔ حمزہؓ نے مجھے دیکھ لیا وہ میری طرف بڑھے مگر گر پڑے۔ میں نے ان کے ٹھنڈے جسم سے اپنا نیزہ کھینچ لیا اور ان کی موت کا یقین آ جانے پر اپنے پڑاؤ میں آ کر بیٹھ گیا۔ میری شرکت کا مقصد حمزہؓ ہی کو قتل کرنا تھا جس کے بعد مجھ پر کوئی ذمہ داری نہ رہی۔ یہ بھی میں نے اپنی آزادی کے لیے کیا اور جب ہم واپس مکہ پہنچے تو مجھے آزاد کر دیا گیا۔

قزمان منافق کی وطن سے مدافعت:

ادھر وطن پر سے حملہ کی مدافعت کرنے والوں میں ایک شخص قزمان نام جو منافق تھا اور صرف

ظاہری طور پر اسلام کا اقرار کرتا مسلمانوں کے ساتھ نہ آیا تھا۔ جب اس دن کی صبح ہوئی تو عورتوں نے قزمان سے کہا شرم نہیں آتی۔ عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھ گئے اور قوم کے دوسرے حضرات رزم گاہ میں جا پہنچے!

قزمان عورتوں کی طعن و تشنیع سے پیچ و تاب کھا کر گھر میں داخل ہوا اور اپنے تیر و ترکش اور تلوار لے کر نکلتے ہی بنی۔ مرد دلیر تھا۔ احد میں پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صف بندی میں مصروف تھے قزمان آنکھ بچاتا ہوا صفیں چیر کر پہلی صف میں جا پہنچا اور سب سے پہلے قریش پر اسی نے تیر پھینکا۔ قزمان کے تیروں کے پھل نیزہ کی انی کی مانند دشمنوں کے جسم میں پیوست ہو جاتے اور جان کے سات باہر نکلتے۔ دوپہر تک اس نے کافروں کے کئی آدمی قتل کر دیئے لیکن تیسرے پہر ایک لمحہ میں دشمن کے ساتھ آدمیوں کو ڈھیر کرنے کے بعد قزمان نے خودکشی کر لی۔ جس وقت وہ موت کے سکرات میں مبتلا تو ابوالغید اق ادھر سے گزرے اور قزمان کو شہادت کی مبارک باد پیش کی۔ قزمان نے جواب دیا اے دوست! میری موت دین کی حمایت کی وجہ سے نہیں جو آپ مجھے اس فراخ دلی سے شہادت پر مبارک دے رہے ہیں۔ میں صرف اس جذبہ سے بے قرار ہو کر گھر سے نکلا کہ مبادا قریش ہمارے کھیت برباد کر دیں یا ہماری عورتیں ان کے ہاتھوں ذلیل ہوں، بخدا! میں صرف قومی عصبیت سے لڑنے کے لیے خود کو نثار کر رہا ہوں۔ اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو میں گھر سے کبھی نہ نکلتا۔

مسلمانوں کا ثبات قدم:

مخلص مومنین احد میں سات سو سے زائد نہ تھے۔ پھر بھی یہ اقلیت اپنے سے چار گنا زیادہ تعداد کے مقابل میں صف آرا تھی۔ قریش کی اکثریت و ہمت و رفوج کے مقابلہ میں حمزہؓ وابو دجانہؓ نے جس ثبات قدم کا ثبوت دیا اس سے مسلمانوں کی معنوی قوت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ان کے سامنے قوی ہیکل دشمن کی صفیں بید کی طرح لچک اٹھیں۔ وہ انہیں اپنی مرضی کے مطابق گھما رہے تھے۔ ان قریش کو جن کی شجاعت و دلاوری کے سامنے تمام عرب تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ان کی ہمت و

جان نثاری کا اس سے اندازہ کر لیجئے کہ ان میں جونہی کسی کے ہاتھ سے علم گرنے کو ہوتا دوسرا بہادر لپک کر اس سے لے لیتا۔ قریش کا یہ قومی جھنڈا سب سے پہلے طلحہ بن ابوطلحہ پکڑے ہوئے تھا۔ جب علی ابن ابی طالبؓ نے اسے ٹھکانے لگا دیا تو فوراً عثمان بن ابوطلحہ نے اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ یہ (عثمان) حمزہ بن عبدالمطلبؓ کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچا تو ابوطلحہ مقتول مذکور کا ناخلف ابو سعد بڑھا اور علم ہاتھوں میں لیتے ہی فخر و غرور سے مسلمانوں کو پیغام مبارزت دیا۔

ابو سعد قرشی کی تقریر: کیا تم اس گھنڈ میں ہمارا مقابلہ کر رہے ہو کہ تمہارے قتیل جنت نشین ہوں گے اور ہمارے مردے دوزخ کا کندہ بنیں گے؟ بخدا تم غلطی پر ہو۔ اگر تمہارا یہ گمان صحیح ہے تو آؤ! تم میں سے کون مجھے قتل کر سکتا ہے۔

ابو سعد (قرشی) کے اس متکبرانہ بول پر ادھر سے سعد بن ابی وقاص بڑھے اور ایک ہی وار سے اس کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے کر کے اسے ڈھیر کر دیا۔ ابو سعد کے بعد قبیلہ عبدالدار کے نو شجاعت پیشہ یکے بعد دیگرے علم لہراتے ہوئے مقابلے پر ڈٹے رہے جن کا آخری شمشیر زن اسی قبیلہ کا حبشی غلام صواب نامی تھا۔ جب اس کا دایاں ہاتھ قزمان کی ضربت سے قلم ہو گیا تو اس نے علم بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ قزمان نے اس کا یہ ہاتھ بھی القط کر دیا تو صواب نے اپنی دونوں کہنیوں کے سہارے اسے سنبھالے رکھا۔ وہ زخموں کی شدت سے نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑا مگر اس حالت میں بھی اپنے علم کی حرمت قائم رکھنے کے لیے اسے پشت کے نیچے دبائے پڑا رہا۔ مرتے ہوئے اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا اے بنو عبدالدار! صواب قزمان یا سعد بن ابی وقاص کی ضربت سے قتل ہوا ہے۔

قریش کی شکست:

جب قریش میں کوئی علم اٹھانے والا آگے نہ بڑھا تو وہ شکست خوردہ ہو کر بھاگ نکلے۔ اس بھگڈر میں انہیں اپنی ان ماہ پارہ نازنینوں کا خیال بھی نہ رہا جو مکہ سے ان کے ساتھ (اپنے لشکر کو معرکہ کارزار میں اپنے حسن و جمال کی گرمی سے مشتعل کرنے کے لیے آئی تھیں، جنہیں مسلمانوں

نے اپنے نرغے میں لیا۔ اور تو اور وہ قریش اس تباہ حالی میں ان مہ پاروں کو بھی اپنے ہمراہ نہ لے جا سکے۔

قریش اپنے صنم کو بچانا بھول گئے:

اہل مکہ جنگ میں جس معبود کی برکت حاصل کرنے کے لیے اسے کعبہ سے اٹھا لائے تھے اور وہ تنہا ایک ہودج میں براجمان تھا، آہ! قریش کا یہ بے بس پروردگار بھی اس افراتفری میں اپنے نشیمن سے اوندھے منہ زمین پر آ گرا اور دوست و دشمن دونوں کی روند سے پامال ہوتا رہا۔

احد میں مسلمانوں کی فتح پر تبصرہ:

غزوۂ احد میں مسلمانوں کی پہلی فتح ان کی حربی قابلیت کا وہ ناقابل انکار معجزہ ہے جسے بعض اہل نظر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی مہارت سے تعبیر کرتے ہیں، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ایسے دستہ کو درہ کے ناکہ پر متعین فرما دیا جس کا ایک ایک فرد قدر اندازی میں بے مثل تھا۔ بے شک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حربی مہارت اسی درجہ کی تھی۔ یوں اگر اس ناکہ بند دستہ پر دو یا تین سو دشمن مل کر حملہ بول دیتے تو ان کا ثابت قدم رہنا ممکن نہ تھا۔ لیکن کثرت کے مقابلہ میں جو قوت سب سے بڑی طاقت ہے، جس کے اجزاء میں فکر صحیح ہے، عقیدہ ہے اور خدائے برحق و برتر پر ایمان۔ ایسے لوگوں کی قلیل سے قلیل تعداد پر غالب آنا محال ہے۔ بشرطیکہ ان کا مقصد محض خدا طلبی ہو۔ یہی وجہ ہے جس کی بناء پر قریش کے تین ہزار شمشیر زن بہادروں نے سات سو مسلمانوں کے مقابلہ سے منہ پھیر لیا۔ نرغے میں آئی ہوئی قریش کی عورتوں کو باقاعدہ گرفتاری میں لانے کے لیے مسلمان تل ہی رہے تھے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ بھاگتے ہوئے دشمن کے تعاقب میں انہیں دور تک پہنچا آیا، مگر یہی دستہ واپس لوٹ کر غنیمت سمیٹنے میں لگ گیا جیسا کہ لشکریوں کی عادت ہے۔ گویا اس معاملہ میں مسلمان دشمن کی گھات سے بے فکر ہو کر دنیا کے لالچ میں مبتلا ہو گئے۔

اور لڑائی نے اپنا رخ بدل لیا:

درہ کی ناکہ بندی پر جو دستہ متعین تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تاکید فرما رکھی تھی کہ اگر دشمن ہمیں قتل بھی کر رہا ہو تو آپ لوگ اپنے مورچہ سے قدم نہ ہٹائیں۔ مگر درہ والوں نے جب یہ دیکھا کہ دوسرے مسلمان غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو ان کے دلوں میں بھی دنیا کی محبت عود کر آئی۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا اب یہاں پہرہ دینے کی کیا ضرورت ہے؟ دشمن شکست کھا کر بھاگ چکا ہے۔ مسلمان ان کے پڑاؤ میں گھس کر غنیمت لوٹ رہے ہیں۔ چلو ہم بھی ان کے ساتھ مل کر دشمنوں کا متروکہ مال جمع کریں۔ اس معاملہ میں دوسری رائے بھی تھی۔ دوسرے گروہ نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تاکید نہیں فرمائی کہ اگر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ ہوتا ہوا بھی دیکھیں تو یہاں سے قدم نہ ہٹائیں؟ پہلے گروہ نے جواب دیا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشا نہ تھا کہ مشرکین کی شکست ہو جانے کے باوجود ہم اس جگہ کو نہ چھوڑیں۔

ہر شخص کی اپنی اپنی رائے تھی۔ آخر دستہ کے امیر جناب عبداللہ بن جبیرؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی روا نہیں اس پر بھی دس سے کم حضرات کے سوا بقیہ لشکری مورچہ چھوڑ کر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہو گئے۔

مسلمان دشمن کے نرغہ میں:

مشرکین کے سپہ سالار خالد بن ولید نے دیکھا کہ درہ پر متعین دستہ کے اکثر سپاہی مورچہ سے ہٹ کر غنیمت کشی میں لگے ہوئے ہیں۔ خالد نے پہلے تو ان مسلمانوں کا صفایا کیا جو عبداللہ بن جبیر کے ہمراہ درہ کے ناکہ پر رہ گئے تھے اور دیکھا کہ غنیمت سمیٹنے والے مسلمانوں کی نظر خالد کے حملہ پر پڑی ہی نہیں تو ان پر بھی ہلہ بول دیا۔ جب ایک ایک مسلمان کے ہاتھ سے غنیمت کی ہر چیز رکھوالی گئی تو قریش کو اس انداز سے بلایا جیسے اس نے مسلمانوں کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔

مشرکوں نے بھی یہی سمجھا اور شکست خوردہ فوج غافل مسلمانوں پر پل پڑی۔ اب فتح یاب مسلمان دشمن کے نرغے میں تھے۔ ہر چند انہوں نے مال غنیمت پھینک کر تلواریں سونت لیں لیکن وقت گزر چکا تھا اور صف بندی ختم ہو چکی تھی اور مٹھی بھر مسلمانوں کو کفار کے اتنے بڑے لشکر نے گھیر لیا۔ افسوس یہ ہے کہ جو مسلمان ذرا دیر پہلے کلمتہ اللہ کی سرفرازی اور عقیدہ کی حفاظت کے لیے صف بندی اور ترتیب کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے ذرا دیر بعد ان کی صفیں تسبیح کے دانوں کی مانند بکھر گئیں۔ وہ موت کی دلدل میں پھنس گئے اور بربادی و ہلاکت کے چنگل میں آ کر دم توڑنے لگے۔ جو سپاہی ابھی ابھی ایک دور اندیش اور حوصلہ مند کی نگرانی اور ہدایت کے مطابق دشمنوں کے ساتھ نبرد آزمائی میں مصروف تھے۔ اس لمحہ میں انہیں اپنے قائد لشکر کی اتنی خبر نہ تھی کہ وہ کس جگہ پر ہیں۔ اس افراتفری میں خود مسلمان مسلمانوں پر وار کرنے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ:

ناگہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی آواز سننے میں آئی، مسلمانوں کے دل بیٹھ گئے۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ اب فوج کا کوئی امیر نہیں رہا۔ فوج میں پہلے ہی سے انتشار تھا۔ مصیبتوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اگرچہ دشمن کا مقابلہ کیا جا رہا تھا لیکن سردار لشکر کی سربراہی کے بغیر۔ اس عجلت و ہراس میں مسلمانوں سے وہی کچھ ہوا جس کی توقع کی جا سکتی تھی، حتیٰ کہ مہاجرین کے ہاتھ سے ان کے ہم وطن حذیفہ کے والد حسیل (بن جابر) شہید ہو گئے جنہیں حملہ کے وقت شناخت نہ کیا جا سکا۔ ایسا نازک وقت آ پہنچا کہ چند مسلمانوں کے سوا جن میں علی بن ابی طالبؓ اور ان جیسے کچھ اور لوگ تھے ہر مسلمان کو اپنی جان بچانے کی فکر دامن گیر ہو گئی۔ جونہی قریش کے کانوں میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی آواز پڑی اس مقام کی طرف سیلاب کی مانند امنڈ کر جا پہنچے جہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوج کی نگرانی فرما رہے تھے۔ کفار مکہ کا ارادہ یہ تھا کہ فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش و بینی قطع کر کے دوسروں پر انہیں فخر حاصل ہو۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے گھیرے میں

جب کافروں کا لشکر امنڈ کر آ پہنچا تو قریب کے مسلمان دائرہ بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد کھڑے ہو گئے۔ ایمان از سرنو لوٹ کر ان کے روئیں روئیں میں بس گیا۔ اسی موت سے انہیں محبت ہو گئی جس کے خوف سے وہ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ دنیا کی اس زندگی کی ہوس ان کے دل سے نکل گئی جس کے لیے وہ ذرا دیر پہلے دم توڑ رہے تھے۔ اور جب مسلمانوں نے دیکھا کہ قریش کے پھینکے ہوئے پتھروں سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو کر دو دندان مبارک شہید ہو گئے ہیں۔ لبوں پر زخم آ گیا ہے اور خود کے دو حلقے رخساروں میں دھنس گئے ہیں تو مسلمان کی نظر میں دنیا اور بھی حقیر ہو گئی۔ ان کی قوت ایمان ہزار گنا بڑھ گئی۔ ہر شخص نڈر دلیر کی طرح موت کے ساتھ کھیلنے کے لیے آمادہ تھا۔

(یہ پتھر عتبہ بن ابی وقاص نے پھینکا تھا) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے ہٹ جانا گوارا کر لیا اور جو مسلمان آپ کو حصار میں لیے ہوئے تھے ان کے ہمراہ وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ ذرا اور چل کر اس کھائی میں گر پڑے جو ابو عامر نے مسلمانوں کی ہلاکت کے لیے کھود کر گھاس سے ڈھانک رکھی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرنے پر علی ابن ابی طالب نے فوراً ہاتھ پکڑ کر آپ کو سنبھال لیا اور طلحہ بن عبید اللہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا کر کھائی سے باہر نکال لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ احد پر تشریف لے گئے جہاں دشمنوں کے تعاقب سے قدرتی طور پر حفاظت حاصل تھی۔

مسلمانوں کی سرفروشی:

جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے ہتھیلی پر سر رکھ لیا تھا اور کسی حالت میں انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف گوارا نہ تھی (انہوں نے) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حصار میں لے لیا۔

ام عمارہؓ کی بہادری

یہ نیک نہاد بی بی انصار کے خاندان سے تھیں۔ دوپہر تک ان کا یہ مشغلہ تھا کہ اپنے مشکیزہ میں پانی بھر کر زخمی سپاہیوں کو پلاتی رہیں۔ یہ سماں (دوپہر کے بعد) دیکھا کہ مسلمان کفار کے نرغے میں آجانے کی وجہ سے اس حالت تک آپہنچے ہیں تو مشکیزہ پھینک کر تلوار سونت لی اور قریش پر ٹوٹ پڑیں۔ تیراندازی کا موقع آیا تو ان کے پاس کمان اور ترکش میں تیر بھی تھے۔ تیروں سے کفار کی تواضع فرمانے لگیں۔ اس طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو دشمنوں سے بچاتی ہوئی زخمی ہو کے گر پڑیں م: لیکن اللہ نے ان کی زندگی ایک اور غزوہ کی شرکت کے لیے باقی رہنے دی حتیٰ کہ مسلیمہ کذاب کے غزہ میں شہید ہوئیں۔ 1

ابودجانہ کی پشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سپر بن گئی:

حضرت ابودجانہؓ کی محبت قابل دید ہے۔ بلا انتظار اپنا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال کے طور پر استعمال کیا۔ جو تیر سرور کائنات کی طرف آتا وہ اسے اپنی پشت پر روک لیتے۔

اے سعد تجھ پر میرے ماں باپ نثار:

جناب سعد بن ابی وقاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑے ہوئے دشمنوں پر تیر برسا رہے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے انہیں تیر عنایت فرماتے اور زبان مبارک سے ارم فداک ابی و امی! فرماتے کہ اے سعد! تجھ پر میرے ماں باپ نثار ہوں۔ یہ لو تیر اور کافروں پر چلاؤ!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیراندازی:

سعد بن ابی وقاص کے یہاں پہنچنے سے پہلے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شدت سے کافروں پر تیر پھینکے کہ کمان کا چلہ بھی ٹوٹ گیا۔ مسلمانوں میں سے جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید ہونے کا یقین ہوگیا ان میں ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی تھے۔ جب یہ افواہ ان کے کانوں میں پہنچی تو گھبرا کر ایک طرف پہاڑ کے کنارے جا بیٹھے۔ یہاں انہیں حضرت انس بن نضرؓ نے دیکھا اور یوں بیٹھ رہنے کا سبب پوچھا تو جناب ابوبکرؓ و عمرؓ نے جواب دیا ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر حیران ہیں۔ انس نے کہا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے ہیں تو آپ لوگ زندہ رہ کر کیا کریں گے؟ اٹھئے جس مقصد کی غرض سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی ہے آپ لوگ بھی اس مقصد کے لیے زندگی نثار کر دیجئے۔ اس کے بعد ہر سہ حضرات دشمنوں پر پل پڑے۔ انس بن نضرؓ دشمنوں کے ڈھیر میں در آئے اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ مقتل میں ان کا سا واسطہ کسی کو نہ پڑا ہوگا۔ زخموں کی کثرت کی وجہ سے (انہیں) شناخت کرنا دشوار ہوگیا۔ آخر ان کی حقیقی بہن تشریف لائیں تو اپنے بھائی کی انگشت پر ایک نشان کی وجہ سے انہیں شناخت فرمایا۔

؂1 اصابہ ابن حجر کتاب النساء:م

قریش کی دم بازی:

دشمنوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی افواہ سے کس قدر خوشی حاصل ہوئی! ابو سفیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود گرامی کو مقتولین میں تلاش کرنے لگا۔ اس کے ہوا خواہوں کو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین اس لیے بھی ہوگیا کہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسی آواز کانوں تک نہ پہنچ سکی جس سے وفات کی تکذیب ہوتی ہو۔ لیکن مسلمانوں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی وجہ سے آپ کی زندگی کی اطلاع نہ کی۔ دوسرے یہ کہ اس

اطلاع سے کافر ہم پر ٹوٹ پڑیں گے اور ہمیں مغلوب ہونا پڑے گا۔ اتفاق سے حضرت کعب بن مالکؓ جب ابو دجانہؓ کے دستہ کی طرف سے آگے بڑھے تو ایک چہرۂ گرامی پر نظر پڑی جس پر خود کے نیچے دونوں آنکھیں نور برسا رہی تھیں۔ کعب نے پہچان لیا اور دفعتہً نعرہ لگایا۔

یا معشر المسلمین! ھذا رسول اللہ

اے مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو زندہ تشریف فرما ہیں۔

کعب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر بھی ضبط نہ کر سکے۔ مسلمانوں میں جس کے کان میں یہ آواز پڑی چشم زدن میں کعب کی آواز کی جگہ پر آ پہنچا۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما سے یہاں سے ہٹ کر ایک پہاڑی گھراؤ میں چلے آئے۔ اس مقام پر جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حصار میں رکھا ان میں دوسرے حضرات کے سوا جناب ابو بکرؓ و عمرؓ و علیؓ اور زبیر بن العوامؓ بھی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابی بن خلف کی مبارزت:

قریش کو پہلے سے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا پورا یقین نہ تھا بلکہ وہ اسے مسلمانوں کی چال سمجھتے تاکہ ان کے طرف دار جان کی بازی لڑا دیں۔ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اپنے لیے موت کا پیش خیمہ سمجھتے۔ انہوں نے ایک مرتبہ پھر دھاوا بول دیا۔ ان کے اس دستہ کے سپہ سالار ابی بن خلف (قرشی) تھے۔ وہ اپنے ہاتھ میں چھوٹی برچھی لے کر نکلے اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے کرو۔ اگر انہیں اپنا نجات دہندہ مطلوب ہے تو ان کی یہ تمنا میں پوری کر دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جناب) حارث بن الصمہؓ کے ہاتھ سے ان کا حربہ (نیزہ) لے کر ابی کی طرف پھینکا جس کی ضرب سے ابی گھوڑے کی زین ہی پر اوندھا ہو گیا۔ اس کا گھوڑا جس طرف سے آیا تھا خود بخود اسی راہ پر چل نکلا تاکہ ابی راستے میں بے یار و مددگار زندگی سے نجات حاصل کر سکے۔ اور ایسا ہی ہوا۔

دندان مبارک:

ادھر علی ابن ابی طالبؓ اپنی ڈھال میں پانی بھر لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخساروں کا زخم دھویا۔ بقیہ پانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک تر کیا۔ ابوعبیدہ الجراحؓ نے رخساروں سے خود کے حلقے کھینچ کر نکالے جن کے ساتھ سامنے کے دو دانت مبارک خود بخود اکھڑ آئے۔

قریش کا ایک اور حملہ:

مسلمانوں کو اس طرح مصروف پا کر خالد بن ولید نے ایک اور حملہ کیا جس کا رخ حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھ دوسرے مسلمانوں کو ملا کر پھیر دیا مگر مسلمان یہاں سے ہٹنے پر بھی مجبور ہو گئے۔ اب وہ احد کے ایک بلند ٹیلے پر جا پہنچے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخموں کی شدت سے بیٹھ کر نماز ادا کرنے پر مجبور ہوئے اور مسلمانوں نے بھی آپ کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔

ابوسفیان کا نعرہ:

قریش اپنی فتح کے نشے میں اس طرح بدمست ہو گئے جیسے انہوں نے معرکہ بدر کا انتقام لے لیا ہو۔ اسی جوش میں ابوسفیان نے نعرہ لگایا۔

یوم بیوم و الموعد العام المقبل

آج بدر کا انتقام لے لیا گیا ہے اگلے سال ایک میدان اور ہوگا۔

ہندرہ زوجہ ابوسفیان کی درندگی (مسلمان نعشوں کا مثلہ)

ابوسفیان کی اہلیہ (ہندہ) نے نہ تو فتح پر ہی قناعت کی نہ اپنے باپ کے قاتل (سیدہ حمزہؓ) کی شہادت سے اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ اس نے اپنی آتش غیظ بجھانے کے لیے جاہلیت کی بہیمانہ خصلت سے کام لیا۔ اس نے مسلمانوں کی لاشوں سے ایک ایک کے کان اور ناک کٹوائے۔ ان

سے گلے کا ہار گوندھا۔ باقی اپنے کرن پھول میں پروئے، الامان! اس پر بھی غضب کم نہ ہوا۔

عم رسولؓ کا کلیجہ چبانا:

جناب حمزہؓ کی لاش ڈھونڈ وائی اور ان کا کلیجہ نکال کر چبایا مگر نگلا نہ جا سکا، اگلنا پڑا۔ اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ (ہندہ نے) اپنی سولہ سہیلیوں کے ساتھ مسلمانوں کی لاشوں کی توہین میں بھی بہت کچھ کیا۔

اور یہ سعادت قریش کی عورتوں ہی کے لیے مقدر نہ تھی، ان کے مردوں نے بھی جی کھول کر ارمان نکالے۔ البتہ ابوسفیان نے اس سے اپنا دامن بچائے رکھا۔ بایں ہمہ اس نے کہا نہ تو انہیں میری طرف سے یہ ترغیب دی گئی اور نہ مجھے ان کا یہ فعل ناگوار گزرا۔ حتیٰ کہ ابوسفیان نے ایک مسلمان کے بالمواجہہ یہ بھی کہہ دیا کہ تمہاری لاشوں کے مثلہ کرنے میں خوش ہوں نہ بیزار۔ نہ میں نے اپنے ساتھیوں کو یہ حکم دیا اور نہ اس سے انہیں منع کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار غم:

قریش اپنے مردے دفن کر کے مکہ واپس لوٹ گئے تو مسلمان اپنے شہیدوں کی لاشیں جمع کرنے کے لیے میدان میں آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم بزرگوار کی لاش ڈھونڈ رہے تھے۔ جونہی ان کا پیٹ چاک اور مثلہ دیکھا کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا خدا نہ کرے دوبارہ ایسی مصیبت دیکھوں۔ آج تک میں ایسے صدمے سے دوچار نہ ہوا تھا! اور فرمایا اگر خدا نے مجھے ان پر غلبہ دیا تو میں ان کی لاشوں کا ایسا مثلہ کروں گا جو عرب کے لیے مثال بن جائے! اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين واصبر وما صبرک الا بالله ولا تحزن عليهم ولا تک فی ضيق مما يمكرون (127-126:16)

(اومسلمانو!) دین کی بحث میں مخالفین کے ساتھ سختی بھی کروتو ویسی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی۔ اور اگر (لوگوں کی ایذاؤں پر) صبر کروتو بہر حال صبر کرنے والوں کے حق میں صبر بہتر ہے اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! تم مخالفوں کی ایذاؤں پر) صبر کرو اور خدا کی توفیق کے بدوں تم صبر کر بھی نہیں سکتے اور ان (مخافوں کے حال پر) افسوس نہ کرو اور یہ لوگ جو تمہاری مخالفت میں تدبیریں بھی کیا کرتے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہو۔

جس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ارادہ ترک فرمادیا اور مسلمانوں کو بھی متنبہ فرمادیا کہ کبھی کسی کا مثلہ نہ کریں۔

شہدائے احد کی تدفین:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حمزہؓ کے کفن میں اپنی رداء مبارک استعمال فرمائی۔ ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ اتنے میں سیدہ صفیہ (بنت عبدالمطلب) کہ سیدنا حمزہؓ کی ہمشیرا پنے بھائی کے شہید ہونے کی خبر سن کر تشریف لے آئیں۔ وہ بھی انہیں اس حالت میں دیکھ کر ہکا بکا رہ گئیں۔ آخر دعائے مغفرت کرنے کے بعد حمزہؓ کو دفن کر دیا گیا اور اسی طرح مسلمانوں کے دوسرے شہیدوں کو بھی مقتل ہی میں دفن کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ہمراہ لے کر مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ (احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تشویش:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانہ میں تشریف لائے اور مختلف تصورات میں ڈوب گئے۔ کبھی خیال گزرتا کہ مدینہ کے یہود و منافق اور مشرکین کو ہماری شکست سے بہت خوشی ہوئی ہو گی۔ کبھی یہ کہ کل تک یثرب میں کوئی شخص مسلمانوں کے سامنے سرتابی نہ کر سکتا تھا اور یہ کہ عبداللہ بن ابی سلول اپنی جماعت کو اس لیے احد سے واپس لوٹا لایا کہ میں نے اس کی رائے پر عمل کیوں نہیں کیا کہ مدینہ ہی میں بند ہو کر دشمن کی مدافعت کی جائے۔ ابن ابی سلول کو ہم سے یہ گلہ بھی تو ہو

گا کہ میں نے اس کے حلیف یہودی جرگہ کو شہر سے جلاوطن کر دیا۔ کبھی یہ خیال گزرتا کہ اگر مسلمان احد کی شکست کے بعد خاموش ہو کر بیٹھ گئے تو ظاہر ہے کہ میں اور میرے رفقاء سب کے سب اہل عرب کی نظر میں حقیر ہو جائیں گے۔ مدینہ میں ہمارا وقار ختم ہو جائے گا اور قریش اپنے فرستادے ملک میں بھیج کر ان کی زبان سے ہمیں خوب ذلیل کرائیں گے، ہم پر تمسخر اڑا کر ہمیں تمام عرب میں رسوا کریں گے! ہمارے خلاف ان طریقوں سے مشرکین اور بت پرستوں کی جرات سے قیامت برپا ہو جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ مستحکم فرمالیا کہ جس طرح ہو سکے احد کی شکست کا دھبہ صاف کر کے مسلمانوں کے اندر ایسی قوت کو ابھارا جائے جس کے رعب سے یہود اور منافقین کے حوصلے بڑھنے نہ پائیں اور اپنے رفقاء کے ساتھ پہلے کی طرح یثرب میں عزت وشان کی زندگی بسر کی جا سکے۔

احد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا فیصلہ:

دوسرے روز (17 شوال دوشنبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناد نے ان مسلمانوں کو قریش کے تعاقب کے لیے پکارا جو احد میں شریک ہوئے تھے اور سب کے سب دشمن کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔

حمراء الاسد:

ابوسفیان نے بھی سن لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (جب) حمراء الاسد تک پہنچے تو ابوسفیان اس سے چند میل آگے روحاء (مقام) میں پڑاؤ ڈالے پڑا تھا (حمراء الاسد، مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے) معبد الخزاعی سے جو ادھر (حمراء الاسد) سے گزر کر روحاء میں پہنچا اور ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوا تھا ابوسفیان نے دریافت کیا تو اس نے کہا (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسا لشکر لے کر آ رہے ہیں جس کی مثال آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ اس فوج میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو احد میں شریک نہ ہوئے تھے۔ انتقام کے جوش میں ان کی تلواریں میان سے نکلی ہوئی ہیں۔

یہ سن کر ابوسفیان طرح طرح کے تفکرات میں غرق ہو گیا۔ کبھی اسے خیال گزرتا کہ احد کی فتح یابی کے بعد (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ سے فرار بہتر ثابت ہو گا مبادا مقابلہ کرنے کی صورت میں جیتی ہوئی بازی ہارنا پڑے۔ عرب خصوصاً میرے رفقاء ہی مجھے ملامت کریں گے۔ اسے یہ وہم بھی گزرتا کہ شکست کی صورت میں ہمارے خلاف قضاوقدر کا یہ آخری فیصلہ ہو گا جس کے بعد ہم کبھی نہ سنبھل سکیں گے۔ آخر ہمیں کیا کرنا چاہیے جس سے ملک میں سرخ رو رہ سکیں؟

ابوسفیان کو ایک تدبیر سوجھی جب قبیلہ عبدالقیس کا ایک کارواں مدینہ کی طرف جاتے ہوئے اس نے دیکھا اور اسی کی زبانی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ تہدید پہنچانے کی سازش بنائی۔ جونہی قبیلہ مذکور حمراء الاسد (منزل گاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) میں پہنچا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف سے کہا ابوسفیان آندھی کی طرح آرہا ہے تاکہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ کر نابود کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو اظہار ضعف و عجز کے بغیر اپنے قدموں پر جمے رہے اور قریش کے سامنے (انہیں دکھانے کی غرض سے) اپنا استقلال ثابت کرنے کے لیے مسلسل تین شب تک آگ کا بہت بڑا الاؤ جلائے رکھا۔ ابوسفیان بھی الاؤ کو جلتا ہوا دیکھتا رہا۔ آکر اس کی ہمت دوسرا مقابلہ کرنے سے جواب دے گئی اور وہ احد ہی کی فتح کو اپنے لیے غنیمت سمجھ کر مکہ کی ڈگر پر چل دیا۔

منافقین مدینہ کا تمسخر:

ان کے چلے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **بھی واپس** تشریف لے آئے۔ منافقین نے اپنے مشہور انداز میں مسلمانوں کا تمسخر اڑانا شروع کر دیا۔ ان میں سے ایک شوخ چشم (منافق) نے مسلمانوں سے سوال کیا بدر کی فتح مندی اگر (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توثیق رسالت کی نشانی تھی تو احد میں آپ کے صاحب کی شکست کو کس سے تعبیر کیجئے گا؟

☆☆☆

باب 16

احد کے نتائج

ابوسفیان کی مکہ میں واپسی:

مکہ میں مسلمانوں کی شکست کی خبر پہلے سے پہنچ چکی تھی، مگر جب ابوسفیان احد کا میدان مار کر مکہ پہنچا تو فخر سے اٹھلاتا ہوا پہلے کعبہ میں داخل ہوا (کیونکہ اس فتح سے قریش کی بدر میں شکست کا دھبہ دور ہوگیا تھا) اور اپنے پشتینی معبود ہبل کے حضور حمد وثنا کا تحفہ پیش کیا۔ اس نے بت پرستی کی مروجہ رسم کے مطابق کانوں کی لو سے بڑھے ہوئے بال کٹوائے۔ لیجئے آج ابوسفیان کی وہ قسم پوری ہوگئی جس میں اس نے بدر کا انتقام لیے بغیر بیوی کو خود پر حرام کرلیا تھا۔ وہ خوشی خوشی اپنے گھر میں داخل ہوا۔

اور مدینہ میں مسلمانوں کی مراجعت:

کافروں کے مکہ کی طرف لوٹ جانے کے بعد مسلمان مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے تو اپنے خلاف طرح طرح کی باتیں سنیں۔ باوجود یہ کہ انہوں نے (حمراء الاسد) میں مسلسل تین شب آلاؤ مشتعل رکھا جسے دشمن دیکھتا رہا اور اسے آگے قدم بڑھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ خود احد میں مسلمانوں کی باتوں سے ایذاء برداشت کرنا پڑی۔ بایں ہمہ شہر میں اب بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی اقتدار تھا تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک گہرے غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ مدینہ اور اس کے باہر رہنے والے قبائل جو کل تک ہمارے مطیع ومنقاد تھے وہ احد کے حادثہ سے ہمارے خلاف کوئی سازش نہ کرلیں۔ اس پیش بندی کے مدنظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ اور بیرونی قبائل کی خبریں حاصل کرنے کا پورا انتظام کرلیا تاکہ مسلمانوں کی سطوت وعظمت

بحال رکھنے کی تدبیر میں کمی نہ آنے پائے۔

سریہ ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ:

احد سے دو ماہ بعد اطلاع عرض ہوئی کہ بنو اسد کے سر غنے طلیحہ وسلمہ (پسران خویلد) اپنے گروہ لے کر مدینہ پر چڑھائی کر رہے تھے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے گھر میں حملہ کر کے تمام مال لوٹ لیا جائے اور مسلمانوں کے وہ مویشی مدینہ میں باقی نہ رہنے پائیں جو شہر کی ہری دوب چر کر فربہ ہو رہے ہیں۔

بنو اسد کی جرأت کا سبب مسلمانوں کی احد میں ہزیمت ہی تو تھی جس کی بنا پر سمجھ لیا گیا کہ اب مسلمانوں میں تاب مقاومت نہیں رہی۔ یہ خبر سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ کو ان کے استیصال کی غرض سے نامزد فرمایا۔ علم دست مبارک سے تیار فرمایا۔ اس دستہ میں ایک سو پچاس مسلمان تھے جن میں سر عنوان ابو عبیدہؓ (الجراح) سعد بن ابی وقاصؓ اور اسید بن حضیرؓ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مندرجہ ذیل عنوانات فرمائیں:

الف۔ (اہل دستہ) شب میں سفر اور دن میں کسی محفوظ مقام پر چھپے رہیں۔

ب۔ شب میں بھی عام شاہراہ سے ہٹ کر چلیں تاکہ کوئی رہ گزر نہ دیکھ لے۔

ج۔ دشمن پر اچانک حملہ کریں۔

سالار دستہ (حضرت ابو سلمہؓ) نے ہدایات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پابندی کی اور ایک صبح کے وقت اچانک دشمن پر بزن بول دیا۔ کفار سنبھلنے نہ پائے تھے کہ مسلمانوں کی زد میں آ گئے اور فرار پر مجبور ہوئے۔ جناب ابو سلمہؓ نے دستہ کے دو گروہ اس کے تعاقب میں بھیجے اور انہیں ہدایت کر دیا کہ دشمن اور اس کے مال دونوں پر قابو پا لیا جائے! سپہ سالار خود کچھ دیر تک اسی مقام پر رہے حتیٰ کہ مسلمانوں سپاہی دشمنوں کا سامان لے کر واپس تشریف لے آئے۔ امیر دستہ نے وہیں غنیمت تقسیم کر دی۔ پہلے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مساکین اور مسافروں کا خمس علیحدہ کر لیا۔ اس کے

بعد جو کچھ بچا غازیوں میں تقسیم فرما کر ظفریاب مدینہ میں واپس تشریف لائے۔ اس فتح سے مسلمانوں کی ہمت بندھ گئی اور احد کی ہزیمت کے صدمہ میں گونہ تخفیف ہوگئی، لیکن سالار دستہ حضرت ابوسلمہؓ نے جلدی وفات پائی۔ احد میں انہیں جو زخم لگا تھا وہ اس دوڑ دھوپ میں کھل گیا۔

سریہ عبداللہ بن انیس:

مذکورہ واقعے کے بعد اطلاع عرض ہوئی کہ کافروں میں سے خالد بن سفیان (بن فبیح الہذلی) مقام نخلیا (عرنہ جائے است در عرفان منتہی الارب م) میں مدینہ پر یلغار کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن انیس کو جاسوسی پر متعین فرمایا جب عبداللہ حریف کے سر پر جا پہنچے اس وقت خالد مذکور اپنی (کئی) بیویوں کو ہمراہ لے کر ان کے پڑاؤ کی غرض سے جگہ کا انتخاب کر رہا تھا۔ جونہی عبداللہ کو دیکھا خالد نے کہا آپ کون ہیں؟ جواب میں بھی عرب باشندہ ہوں سنا تھا کہ آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لشکر جمع کر رہے ہیں۔ اسی خبر پر یہاں پہنچا ہوں۔ دشمن (خالد) نے اپنا منصوبہ عبداللہ کے سامنے بیان کر دیا۔ بے شک میں مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے فوج جمع کر رہا ہوں عبداللہ نے دیکھا تو دشمن کے ساتھ کوئی مرد نہ تھا وہ ان کے ساتھ ادھر ادھر پھرتے رہے جونہی موقعہ نظر آیا خالد کو قتل کر کے ان کی بیویوں کو اپنے شوہر کی لاش پر نوحہ گری کے لیے چھوڑ دیا اور مدینہ حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور واقعہ عرض کیا۔

خالد الہذلی کا انتقام:

مقتول خالد بن سفیان کے قبیلہ دار کچھ مدت تک خاموش بیٹھے رہے۔ آکر ان کے ایک خاندانی جو بنولحیان کے نام سے موسوم تھا نے مسلمانوں سے اپنے مقتول کا بدلہ لینے کی تدبیر پیدا کر لی۔ بنولحیان کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا ہم مسلمان ہو چکے ہیں برائے خدا ہمارے قبیلہ میں ایسے مسلمان حضرات بھیج دیجئے جو ہمیں شریعت

کی تلقین کریں اورقرآن کی تعلیم سے بہرہ مند فرما سکیں۔

غزوۃ الرجیع:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطیرہ تھا کہ جب کوئی شخص آپکے سامنے ایسی خواہش ظاہر کرتا آپ اس کی درخواست رد نہ فرماتے تا کہ لوگوں کو ایسے دین کی تعلیم سے ہدایت وراہ حق کی طرف لانے میں کامیاب ہوں اور رفتہ رفتہ انہی زیر تبلیغ لوگوں کے سامنے مسلمان ہوجانے سے دشمنان دین و حاسدان اسلام کے خلاف ان کی کمک حاصل ہو سکے جیسا کہ مکہ میں بیعت عقبۃ الکبریٰ کے موقعہ پر اوس وخزرج کی اسی قسم کی درخواست پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی یثرب میں اپنے داعی مقرر فرمائے۔

قبیلہ ھذیل کے لیے چھ صحابہ کا تقرر اور حادثہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست کنندوں کی تربیت کے لیے چھ مومنین کو ان کے ساتھ بھجوا دیا مگر جونہی دونوں گروہ (ہذلی اور ہر شش مومنین) علاقہ حجاز کے رجیع نامی مقام پر پہنچے دھوکہ باز ھذیل نے مسلمانوں کے ساتھ غداری کی اپنے قبیلہ (ھذیل) کو پکارا جنھوں نے چاروں طرف سے ان چھ مومنوں کو گھیر لیا۔ مسلمانوں نے دیکھا اور تلواریں سونت کر مقابلہ پر اتر آئے۔ ھذیل نے مسلمانوں سے کہا ہم خود تمہیں قتل کرنے کی بجائے اہل مکہ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں! یہ سن کر مسلمانوں نے اشاروں میں طے کرلیا کہ اہل مکہ جیسے دشمنوں کے ساتھ قید ہونے سے بہتر ہے کہ انہیں کے ہاتھوں ہو جائیں۔ اور انہوں نے حوالگی سے انکار کر دیا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ وہ ان سے عہدہ برآنہ ہوسکیں گے اور مقابلہ میں ڈٹ گئے۔ مگر ھذیل نے ان میں سے تین مسلمانوں کو شہید کر دیا اور تین حضرات کو گرفتار کر کے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں جناب عبداللہ بن طارق کافروں کے ہاتھ سے نکل گئے اور تعاقب پر تلوار سونت کر مقابلہ کے لیے کھڑے ہو گئے مگر کافروں نے مقابلہ کرنے کی بجائے پتھراؤ سے انہیں شہید کر دیا۔

حضرت زیدؓ وخبیبؓ اہل مکہ کے ہاتھ میں

ان دونوں کو مکہ لے گئے۔ حضرت زید بن دثنہؓ نے بدر میں امیہ بن خلف (قرشی) کو قتل کیا تھا۔ انہیں امیہ کے بیٹے صفوان نے خرید کر قتل کرنے کے لیے اپنے غلام نسطاس کے حوالے کر دیا۔

زیدؓ اور ابوسفیان کا مکالمہ:

انہیں مقتل میں پہنچا دیا گیا تو ادھر سے ابوسفیان آ پہنچے۔ انہوں نے زیدؓ سے دریافت کیا:

زیدؓ! آپ کو یہ گوارا ہو سکتا ہے کہ اس مقتل میں (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن ماری جاتی اور آپ اپنے اہل وعیال میں ہوتے؟

زیدؓ! بخدا! مجھے یہ گوارا نہیں کہ میری جگہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور انہیں کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے اہل وعیال کے جھرمٹ میں بیٹھا رہوں۔

ابوسفیان نے حیرت سے کہا میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کے دوست (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقوں سے بڑھ کر اپنے دوست کے محبّ ہوں! اس کے بعد نسطاس کی تلوار نے زید بن دثنہؓ کے خون سے مکہ کی گرم زمین کو سیراب کر دیا۔ زیدؓ نے اس راہ میں جس طرح جان دی اس سے ثابت ہوا کہ دین اور خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں جان دینا کتنا سہل ہے!

خبیبؓ کی شہادت:

خبیب کو کئی روز قید میں رکھنے کے بعد قتل گاہ میں لایا گیا۔ آج انہیں دار پر لٹکایا جانا ہے۔

حضرت خبیبؓ کافروں سے اجازت لے کر دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد ان سے یوں مخاطب ہوئے:

اما والله! لولا ان تظنوا انى انما طولت جزعا من القتل لا ستكثرت من الصلاة

(بخدا! اگر تمہاری طرف سے اس بدگمانی کا شبہ نہ ہوتا کہ میں موت کے ڈر سے نماز کو طول دے رہا ہوں تو ابھی قیام وقعود میں اور اضافہ کرتا)

حضرت خبیبؓ کی بددعا سے کافروں پر لرزہ

ایک ناہنجار جب ان کے گلے میں پھانسی کی رسی ڈالنے کے لئے تیار ہوا تو آپ نے غضب ناک ہو کر باآواز بلند یہ دعا مانگی:

اللهم احصهم عدداً و اقتلهم بدداً و لا تغادر منهم احداً

یا اللہ! ان میں سے ایک ایک کو اپنی گرفت میں لے لیجیو۔ سب کے سب تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر جائیں ان میں سے کوئی زندہ نہ بچے۔

یہ سن کر کافروں کے دل بیٹھ گئے، مبادا انہیں غیبی عذاب گھیر لے اور سب پہلو کے بل زمین پر لیٹ گئے۔ ذرا سنبھلے تو خبیبؓ کے گلے میں پھانسی کی رسی کھول کر انہیں قتل کرا دیا۔ آہ! اپنے پیش روزیدؓ بن دثنہ کی طرح حضرت خبیبؓ نے بھی دین اور خدا اور رسولؐ کی محبت پر جان نثار کر دی۔

ذرا دیر میں زیدؓ اور خبیبؓ دونوں کی روحیں پاک آسمان پر جا پہنچیں۔ اگر وہ دین سے انکار کر دیتے تو انہیں اپنی جان سلامت رہنے کا پورا موقعہ حاصل تھا لیکن اس سے کہیں زیادہ انہیں خدا پر یقین تھا۔ انہیں ایک دفعہ مرنے کے بعد بقائے نفس اور یوم حساب پر تیقن تھا، یعنی:

الیوم تجزی کل نفس بما کسبت (17:40)

آج ہر شخص کو کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔

اور:

الا تزروازرة وزرا اخری (38:53)

کوئی شخص دوسرے کا بوجھ اپنی گردن پر نہیں لے گا۔

زیدؓ اور خبیبؓ دونوں نے موت کو اپنی اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر فیصلہ کر لیا کہ زندگی کا یہ رشتہ ایک نہ ایک دن یوں بھی منقطع ہونے کو ہے، کیوں نہ اسے خدا کی محبت پر نثار کر دیا جائے انہیں یہ

تیقن بھی تھا کہ مکہ کی جو زمین آج ہمارا خون پینے کے لئے بے قرار ہے۔ چند روز کے بعد ہمارے دینی بھائی اس سرزمین پر فاتحانہ کروفر کے ساتھ قدم رنجہ فرمائیں گے اور کعبہ کے ان بتوں کو اپنے پیروں سے مسل کر رکھ دیں گے۔ خدا کے گھر کو شرک اور بتوں کی نجاست سے پاک کر کے اس کی تقدیس میں وہ تحفہ پیش کریں گے کہ جو اس گھر کے شایان ہے جس کے بعد یہ کعبہ خدا کے سوا کسی کی پرستش کا گہوارہ نہ بن سکے گا۔

مستشرقین کی خیرہ چشمی

حیرت ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے بدر کے دو جنگی اسیروں (نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط) کے قتل پر مستشرقین نے واویلا نے زمین و آسمان ایک کر دیے، لیکن اہل مکہ کے ہاتھ سے حضرت زیدؓ و حبیبؓ جنگی قیدی بھی نہ تھے بلکہ انہیں فریب دیا گیا۔ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے بنو ھذیل کی تعلیم کی غرض سے لے جائے گئے، جن میں سے چار مسلمانوں کو ھذیل ہی نے شہید کر دیا اور دو قریش کے ہاتھوں فروخت کر دیے گئے اور انہیں اہل مکہ نے نہایت بے رحمی و دنائت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا۔

انصاف یہ ہے کہ مستشرقین نے جس قوت کے ساتھ نضر و عقبہ (بدر کے اسیروں) کے قتل پر واویلا کیا زیدؓ و خبیبؓ کے کافروں کے ہاتھ سے قتل ہونے پر بھی تو کچھ لکھتے آہ! ان دو مسلمانوں کے قتل ناحق پر جنہیں ہذیل دین سکھانے کے فریب سے لائے، ان میں چار حضرات کے خون سے اپنا دامن رنگین کیا اور دو کو مکہ کے خونخوار وحشیوں کے حوالے کر دیا!

نابکاران ھذیل نے جس فریب کے ساتھ ان چھ مومنوں کو شہید کیا، مسلمانوں کے لیے وہ بے حد رنج و ملال کا باعث بن گیا۔ صحابہ میں سے (شاعر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جناب حسان بن ثابتؓ نے حضرت خبیبؓ اور زیدؓ پر رقت انگیز مرثیہ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فکر دامن گیر کہ اگر اس حادثہ سے شہہ پا کر عرب مسلمانوں کو پامال کرنے کے لیے جمع ہو گئے تو کیا ہو گا۔

حادثہ بئر معونہ

اسی دوران (۴ھ:م:) میں قبیلہ کلاب کا سردار ابو براء (عامر بن مالک) باریاب ہوا (اس کا لقب ملاعب الاسنہ ہے) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے انکار کے باوجود ابو براء نے عرض کیا کہ میں اسلام کا دشمن نہیں ہوں آپ میرے ہمراہ ایک وفد ہمارے صوبہ نجد میں بھیج دیجے جو وہاں اسلام کی تبلیغ کرے امید ہے کہ وہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔

ادھر ھذیل کا لگایا ہوا زخم ابھی تازہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو براہ کو نفی یا اثبات میں کوئی جواب نہ دیا۔ تب ابو براء نے عرض کیا میں ذمہ دار ہوں آپ اپنا وفد بھیجے جو انہیں اسلام کی دعوت پیش کرے۔ ابو براء اپنی قوم میں موقر تھا وہ جس شخص کو امان دیتا تھا کسی کو اس سے تعرض کی مجال نہ تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب منذر بن عمرو (برادر بنو ساعدہ) کی نگرانی میں چالیس (م: ستر: بروایت بخاری) منتخب روزگار مسلمانوں کا وفد بجھوا دیا۔ یہ حضرات بئیر معونہ پر پہنچے (جو بنو عامر اور بنو سلیم دونوں کے حلقے میں واقع تھا) تو سب سے پہلے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ک اگرامی نامہ جو عامر بن الطفیل (عدو اللہ و عدو رسول) کی طرف تھا ایک مسلمان جناب حرام بن ملحان کے ہاتھوں بھیجا جسے عامر نے کھولا تک ہیں اور حضرت حرامؓ کو قتل کر دیا۔ اس نے ابو براء (عامر بن مالک مذکور جوان مسلمانوں کو تبلیغ اسلام کے لیے لایا تھا) کے قبیلہ کو اپنی کمک کے لیے پکرا مگر انہوں نے اپنی ضمانت دہی کی وجہ سے عامر کی نصرت سے انکار کر دیا۔ تب بھی اس نے دوسرے قبائل کو اپنے ہمراہ ملا کر مسلمانوں کو قتل کرنا واجب سمجھ کر انہیں نرغہ میں لے لیا۔ اور محصورین نے خود کو اس بے بسی میں پا کر تلواریں سونت لیں اور ان ستر حضرات میں سے دو مسلمان زندہ رہ سکے (۱) کعب بن زیدؓ جنہیں عامر بن طفیل نے بے روح سمجھ کر چھوڑ دیا یہ صحیح سلامت مدینہ تشریف لے آئے (اور غزوہ خندق میں شہید ہوئے زاد المعاد: م:) اور (۲) حضرت عمرو بن امیہ ضمری جو اسیر کر لیے گئے۔ جب عامر کو ان کے ضمری ہونے کا علم ہوا تو ان کی

چوٹی کاٹ کر غلام کی حیثیت سے آزاد کر دیا کہ ایک غلام آزاد کرنے کا قرج اس کی ماں کے ذمہ تھا جو عامر نے اس صورت میں ادا کیا۔

جناب عمروؓ (بن امیہ) مدینہ روانہ ہوئے ارمقام قرقرہ پر پہنچے تو آرام کرنے کے لیے ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ مدینہ کی طرف سے دو شخص آ رہے تھے۔ وہ بھی اسی درخت کے سائے میں آرام کرنے کے لیے آ بیٹھے۔ عمروؓ کو معلوم ہو گیا کہ یہ اسیکلاب خاندان سے ہیں (فتح الباری: م:) جن کا سردار انہیں ہمراہ لے گیا تھا جب دونوں نیند میں ڈوب گئے تو عمرو بن امیہؓ نے انہیں موت کے سمندر میں بہا دیا۔ (م: باضافہ از زادالمعیاد) عمروؓ مدینہ پہنچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور تمام سرگزشت عرض کی تو معلوم ہوا کہ دونوں مقتول قبیلہ ابو براء سے تھے جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاہدہ تھا۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امان میں تھے س کی وجہ سے ان کی دیت ادا کرنا واجب تھی اور وہ ادا کر دی گئی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرط غم

بئیر معونہ کے حادثہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور زیادہ صدمہ پہنچا فرمایا یہ ابو براء کی شرارت کا نتیجہ ہے۔ مجھے شروع ہی سے کھٹکا تھا (م: ابو براء عامر بھی طفیل کا حقیقی بھائی تھا) ادھر ابو براء (اپنے بھائی: م:) عامر ابن طفیل کا شاکی کہ ظالم نے میری ضمانت میں مداخلت کر کے میرا بھرم خاک میں ملا دیا ہے اور اسی شکوہ کی بنا پر ابو براء نے اپنے فرزند حقیقی ربعی کے ہاتھوں عامر کو فی النار کرا دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس صدمہ ی وجہ سے مسلسل ایک مہینہ تک نماز فجر کے بعد قنوت میں ان ظالموں پر بددعا کرتے رہے۔ مسلمانوں کے قلوب بئر معونہ کے حادثہ سے علیحدہ مجروح تھے اگرچہ انہیں یقین تھا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوں ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

یہود اور منافقوں کے گھروں میں خوشی

مدینہ کے یہود اور منافقین جن کے ہاں مسلمانوں کی ہر مصیبت پر خوشی کے شادیانے بجنے لگتے احد کے بعد بئر معونہ کے واقعہ نے ان کی خوشی میں اور بھی اضافہ کر دیا اگرچہ مسلمانوں کے حمراء الاسد میں کامیابی کا ناسور ان کے دلوں میں رسنا بند نہ ہوا تھا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت ان کے قلوب سے محو ہوئی تھی۔

یہود بنونضیر کا امتحان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دور اندیش مفکر کی حیثیت سے فیصلہ کیا کہ اگر اہل مدینہ کے دلوں سے مسلمانوں کی ہیبت مٹ گئی تو قبائل کا مدینہ میں در آنا ممکن ہوگا اور اس کے نتیجے میں شہر کے اندر خانہ جنگی سے مدینہ کی تباہی لازم ہے بہتر ہے کہ ایسا موقعہ آنے سے قبل یاران شہر ہی کا امتحان کر لیا جائے۔

مدینہ کے یہود بنونضری اس موقبیلہ (بنو عامر) کے بھی حلیف تھے جن کے دو آدمی شبہ میں حضرت عمرو بن امیہ کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور بنونضیر و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان معاہدہ بھی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی مقتولین کی دیت کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے بنونضیر کی گڑھی میں تشریف لائے جو شہر مدینہ سے باہر چھ میل کے فاصلے پر تھی۔ اس وقت آپ کے ہمراہ دس صحابی تھے جن میں ابوبکرؓ و عمرؓ اور علی بن الخطابؓ سرعنوان ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنونضیر کو یہ بتائے بغیر ان سے مشورہ طلب کیا کہ بنو عامر کے ایک مقتول کی دیت کیا ہونا چاہیے۔

پہلے تو بنونضیر اس میں اپنی عزت افزائی سمجھ کر خوشی سے پھولے نہ سمائے لیکن ذرا دیر کے بعد ان کی روش میں تبدیلی نظر آنے لگی۔ ان میں سے ایک ٹکڑی علیحدہ ہو کر باہم سرگوشی میں ڈوب گئی۔ آج ان کے اپنے مقتول سرغنہ کعب بن اشرف کا زخم پھر بھر آیا۔ اسی طرح ایک دوسرے

سے اشارے کرتے کراتے ان میں سے عمرو بن حجاش بن کعب اس گھر میں داخل ہوا جس کی دیوار کے ساتھ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان چالوں کو دیکھ رہے تھے۔ رفتہ رفتہ آپ کا شک قوی ہوتا گیا اور اپنے رفقا سے کچھ کہے بغیر واپس تشریف لے آئے۔ اصحاب نے سمجھا کہ شاید قضائے حاجت کے لیے قصد فرمایا ہو لیکن یہودی سمجھ گئے کہ ان کا منصوبہ نا تمام ہو کر رہ گیا۔ بنو نضیر اصحاب رسول ے ساتھ وہ سلوک کرنے میں معاملہ میں گومگو میں پڑ گئے کہ جو برتاؤ ہم ان کے صاحب کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں اگر ان کے ساتھ کیا گیا تو (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے انتقام لیے بغیر نہ رہیں گے۔ بنو نضیر کوی خیال بھی تھا کہ اگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلامت لوٹ گئے تو ممکن ہے کہ ہماری سازش کا انہیں علم نہ ہوا ہو اور اس طرح مسلمانوں کے ساتھ ہمارا سابقہ معاہدہ بدستور قائم رہ سکے گا۔ بنو نضیر نے مسلمانوں کی چاپلوسی شروع کر دی لیکن وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واپسی کے لیے چشم براہ تھے۔ ان کی بتوں سے متوجہ ہوئے بغیر وہاں سے اٹھ کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک صاحب نے جو مدینہ سے آ رہے تھے ان کی دریافت پر بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں پہنچ گئے ہیں تب جا کر ان کی جان میں جان آئی اور وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر مدینہ میں حاضر ہو گئے۔

بنو نضیر کو اعلان جنگ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ان دوستوں سے بنو نضیر کے سرگوشی اور ایک دوسرے کے ساتھ اشارے کنایے سے ان کی بدنیتی کا تذکرہ فرمایا جسے یہ حضرات بھی موقع پر موجود ہونے کی وجہ سے دیکھ رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ن تنبہ سے ان کے سامنے بھی وہی حقیقت واضح ہو گئی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کی بصیرت اور وحی الٰہی کے ذریعہ منکشف ہو چکی تھی۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت محمد بن مسلمہؓ کے ذریعہ بنو نضیر کی طرف یہ

اعلان جنگ بھیجا:

ان اخرجوا من بلادی لقد نقضتم العهد الذی جعلت لکم بما هممتم به لقد اجلتکم عشرا فمن ری بعد ذالک ضربت عنقهل.

ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ تم نے باہمی معاہدہ کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا ہے ورنہ دس روز کے بعد تم میں سے جو شخص مدینہ میں دیکھا گیا اس کی گردن ماردی جائے گی۔

بنونضیر یہ پیغام سن کر دم بخود رہ گئے اور ان کے سوا ان سے کوئی جواب بن نہ آیا اے ابن مسلمہؓ قبیلہ اوس کے کسی فرد سے یہ توقع نہ تھی کہ اپنے صاحب کی طرف سے ہمیں ایسا پیغام پہنچائے۔

بنونضیر کا یہ اشارہ اس عہد کی طرف تھا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری سے قبل قبیلہ خزرج کے خلاف یہود اور اوس ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ ان کے جواب میں ابن مسلمہؓ نے صرف یہ فرمایا کہ دلوں کی حالت وہ نہیں رہی۔

بنونضیر کو ابن ابی منافق کی شہ

مگر بنونضیر مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مدینہ کے سب سے بڑے دم باز عبداللہ بن ابی (منافق) نے یہ رنگ دیکھ کر یہود کو شہ دینے کے لیے ان کے پاس اپنے دو ایلچی بھیجے مبادا تم مال اور گھربار چھوڑ کر جلا وطن ہونا منظور کر لو ثابت قدمی سے اپنے قلعوں میں جمے رہنا۔ میرے ساتھیوں میں دو ہزار شمشیر زن اور گرد و نواح کے قبائل انہی قلعوں میں تمہاری نصرت کے لیے پہنچ رہے ہیں۔ ان میں کوئی ایسا شخص نہیں کہ اپنی زندگی میں مسلمانوں کو تم پر حاوی ہونے کا موقعہ آنے دے۔

بنونضیر کی پریشانی

انہیں ابن ابی کے پیغام پر کچھ کرتے دھرتے نہ بن آئی۔ جو لوگ اس کی طینت سے آگاہ تھے

کہہ اٹھے کہ اس نے اسی قسم کی شہ بنو قینقاع کو بھی تو دی تھی۔ جب وہ نرغے میں لے لیے گئے تو ابن ابی نے انہیں بے یارو مددگار چھوڑ کر اپنی راہ لی۔

انہوں نے اپنے یاران طریقت بنو قریظہ کی طرف نظر دوڑائی مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بنو قریظہ کے درمیان معاہدہ دوستی کی وجہ سے انہیں مایوس ہونا پڑا۔ انہوں نے یہ بھی سوچا کہ اگر انہیں شہر سے نکلنا پڑا تو وہ خیبر یا مدینہ کی کسی قریب جگہ پر بسیرا کر لیں گے تا کہ اپنے یثرب کے باغات کے پھل بھی حاصل کرتے رہیں۔ اس صورت میں انہوں نے مدینہ سے جلاوطنی پر اپنے لیے کوئی خسارہ نہ سمجھا۔

حی بن اخطب

بنو نضیر کے سب سے بڑے چودھری نے کہا کہ یہ نہ ہوگا کہ ہم شہر خالی کر دیں ہم جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہلاتے ہیں کہ شہر اور اموال دونوں میں سے کسی شے سے ہم دست بردار نہیں ہو سکتے۔ ہمارے خلاف جو چاہے کیجیے یہ کہنے کے بعد انہوں نے قلعہ بندی کی تیاری شروع کر دی اور اپنے ساتھیوں سے کہا آیئے ہم اپنے اپنے قلعوں کو ضبوط کر کے ان میں بیٹھ جائیں۔ حاصرین پتھراؤ کے لیے چھتوں پر پتھر کے ٹکڑے جمع کر لیں۔ ہمیں اپنے گھراؤ پر کوئی خطرہ نہیں غلہ کی کوٹھاریں بھری پڑی ہیں جن یں ایک سال تک اجناس ختم نہیں ہو سکتا پانی کے قدرتی وسائل ہمارے بس میں ہیں۔ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اتنی سکت نہیں کہ ہمارا محاصرہ کر سکیں۔

بنو نضیر اپنے سرغنہ حی بن اخطب کی رائے پر عمل پیرا ہو کر قلعہ بند ہو گئے اور مسلمانوں نے دس روز گزرنے پر بزن بول دیا۔ ان کے جس گھر پر مسلمان حملہ کرتے یہ خود اسے تاراج کر کے پاس کے مکان میں جا چھپتے۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کھجوروں کے درخت کاٹ کاٹ کر جلانے شروع کر دیے تا کہ مدینہ میں ان کی اقتصادی دل چسپیاں ختم ہو جائیں جس کی وجہ سے وہ جنگ جاری رکھنے کے لیے یوں قدم جمائے بیٹھے ہیں۔

بنو نضیر کی شکست اور اخراج

اس پر یہود منتیں کرنے پر اتر آئے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ تو دوسروں کو فساد کرنے سے منع کرتے ہیں پھر خود ہی ہمارے ہرے بھرے پودے کاٹ کر جلانا کہاں کا انصاف ہے؟ ان کی تنبیہ کے لیے یہ آیات نازل ہوئیں۔

ماقطعتم من لینته او ترکتمو ها قائمة علی اصولها فباذن الله و الیخزی الفسقین (۵۹:۵)

(اے مسلمانو! ان کے) کھجوروں کے درخت جو تم نے کاٹ ڈالے ہیں ان کو ہاتھ نہ لگانا اور بدستور ان کو جڑ سمیت کھڑا رہنے دیا تو یہ سب کچھ خدا ہی کے حکم سے تھا اور خدا کو منظور تھا کہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔

ادھر ان کی نصرت کے لیے نہ تو ابن ابی منافق کے دو ہزار شمشیر بکف بہادر نکلے۔ نہ ان کی مصیبت کی طرف قبائل نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ مقابلہ جاری رکھنے کی صورت میں وہ کہیں کے نہ رہیں گے۔ اپنے انجام سے خائف ہو کر خود ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ از راہ ترحم ہماری اور ہمارے بچوں کی جان بخشی فرمائی جائے۔ منقولہ اموال ہیں ساتھ لے جانے کی اجازت مرحمت ہو اور ہم شہر خالی کیے دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شرط پر قبول فرما لیا کہ فی کس ایک شتر پر جس قدر کھانے پینے کا سامان اور اموال جو قسم وہ چاہیں ہمراہ لے جا سکتے ہیں۔

یہود نے اپنے سرغنہ حی بن اخطب کے زیر سایہ مقررہ شرائط کے مطابق مدینہ خالی کر دیا۔ یہاں سے نکلنے کے بعد کچھ لوگ خیبر میں آباد ہو گئے اور کچھ شام کی بستی ازرعات میں منتقل ہو گئے۔

بنو نضیر کے جلاوطن ہو جانے کے بعد غلہ کی بھری ہوئی کوٹھاروں اور باغات و اراضی کے سوا پچاس درعیں اور تین سو چالیس تلواریں حاصل ہوئیں۔ لیکن یہ اموال اور اراضی غنیمت کی اس حد

میں نہ آ سکتی تھی۔ جس میں تمام مسلمان فوجی شریک ہوں۔ یہ خاصہ تھا کہ جس میں صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختار ومجاز تھے۔ تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غرباء ومساکین کے لیے اراضی کا ایک قطعہ وقف کر دینے کے بعد ماباقی اموال واراضی اور باغات مہاجرین اولین میں تقسیم کر دیا جس کی وجہ سے یہ حضرات انصار کی محتاجی سے بے نیاز ہو کر تھوڑے دنوں میں انصار کے ہم پلہ ہو گئے۔ البتہ انصار میں حضرت ابودجانہؓ اور جناب سہیل بن حنیفؓ کو ان کی زبوں حالی کے اظہار کی وجہ سے مہاجرین کے برابر حصہ دیا گیا۔

اس موقعہ پر بنونضیر میں سے دو حضرات مشرف بہ اسلام ہوئے جن کے اموال واراضی سے کوئی تعرض نہ کیا گیا۔

بنونضیر کی جلاوطنی سے مدینہ میں امن کا دور دورہ

بنونضیر کی جلاوطنی سے مسلمانوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی ظاہر ہے خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اندازہ فرما لینے کے بعد مدینہ میں ان (بنونضیر) کا وجود فتنوں کا منبع ہے، حتیٰ کہ مدینہ کے منافقین میں بھی مسلمانوں کو کسی سیاسی مصیبت میں گھرا ہوا دیکھتے تو یہود ان کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس خیال کے مطابق بھی ان کا مدینہ سے اخراج ضروری تھا کہ اگر کبھی کوئی باہر سے دشمن مدینہ میں در آیا تو یہود کی بدولت شہر کا ہر گھر لڑائی کا میدان بن جائے گا۔ قرآن مجید کی سورۃ حشر انہی امور کا مرقع ہے ازاں جملہ:

الم ترا ای الذین نافقو یقولون لا خوانهم الذین کفروا من اهل الکتاب لئن اخرجتم لنخرجن معکم ولا نطیع فیکم احدا ابدا وان قوتلتم لننصرنکم والله یشهد انهم لکاذبون لئن اخرجوا لا یخرجون معهم ولئن قوتلوا لا ینصرونهم ولئن نصروهم لیولن الادبار ثم ا ینصرون لا نتم اشد رهبة فی صدروهم من الله ذلک بانهم قوم لا یفقهون (۵۹: ۱۱ تا ۱۳)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے منافقوں (کے حال پر نظر نہیں کی جو اپنے ہم جنس بھائیوں یعنی کفار اہل کتاب سے کہا کرتے ہیں کہ اگر تم گھروں سے نکالے جاؤ گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہارے بارے میں ہم کبھی کسی کی ماننے ہی کے نہیں اور اگر تم سے اور مسلمانوں سے لڑائی ہوگی تو ہم تمہاری مدد کریں گے؟ اور (مسلمانو!) اللہ (تم کو) بتائے دیتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں کہ اگر اہل کتاب نکالے جائیں گے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر اہل کتاب سے اور مسلمانوں سے لڑائی ہو پڑے گی تو یہ منافق اہ کتاب کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر ان کی مدد کریں گے تو ضرور پیٹھ دکھا کر بھاگتے نظر آئیں گے پھر کسی طرف سے ان کو کمک بھی تو نہیں پہنچے گی۔ اے مسلمانو! تمہاری ہیبت تو ان کے دلوں میں اللہ سے بھی بڑھ کر ہے اور یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ناسمجھ ہیں۔

اس سورۃ (حشر) میں ان آیات کے بعد ایمان باللہ اور خدائے برتر کی سلطانی کے متعلق جو آیت مذکور ہے اس کے متعلق خیال رہے کہ خداوند عالم کے ساتھ ایمان کی قدر و قیمت اس کی سلطانی اور غلبہ ظہور کے بغیر واضح نہیں ہو سکتی۔

هو الله الذی لا اله الا هو عالم الغیب والشهادة هو الرحمن الرحیم هو الله الذی لا اله الاهو الملک القدوس السلام المومن المهیمن العزیز الجبار لمتکبر سبحان الله عما یشرکو ن.

هو الله الخالق الباری المصور له الاسماء الحسنیٰ یسبح له ما فی السموات والارض وهو العزیز الحکیم (۵۹ : ۲۲ تا ۲۴)

وہ اللہ ایسا (پاک ذات) ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر (سب) کا جاننے والا وہ بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔ وہ اللہ ایسا (پاک ذات) ہے کہ تمام عیبوں سے بری ہے۔ امن دینے والا نگہبان ہے۔ زبردست ہے بڑا دباؤ والا ہے۔ بڑی عظمت رکھتا ہے یہ لوگ جیسے جیسے شرک کرتے ہیں اللہ (کی ذات) اس سے پاک ہے۔

وہی اللہ (ہر چیز) کا خالق (ہر چیز) کا موجد (مخلوقات کی طرح طرح کی) صورتیں بنانے والا ہے اس کی اچھی اچھی صفتیں ہیں جو مخلوقات آسمانوں میں اور زمین میں ہیں (سب ہی تو) اس کی (تسبیح و تقدیس) کرتی ہیں اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہودی محرر

اب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محرر ایک یہودی نوجوان تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے عبرانی اور سریانی زبانوں کے احکام کی خط و کتابت کرتا مگر آپ نے اس اندیشہ سے کہ مبادا غیر مسلم محرر ہمارے رازوں سے واقف ہو جائے' ایک مسلمان محرر کو مقرر کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

اب سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خط و کتابت کے بارے میں غیر مسلم پر اعتماد مصلحت کے منافی سمجھ کر حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی زبانیں سیکھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے چند دنوں میں یہ قابلیت حاصل کر لی۔ زیدؓ کاتب وحی بھی ہیں عہد صدیقی میں انہی کی نگرانی میں قرآن مجید مدون ہوا اور جب حضرت عثمانؓ کی خلافت میں قرآن کے بعض الفاظ کی قرات میں اختلاف کا اندیشہ محسوس ہونے لگا تو جناب زیدؓ ہی نے وقت نظر کے بعد قرآن مجید کے ایک ایک حرف کی پڑتال کی۔ متعدد نقلیں خلافت کی طرف سے دوسرے صوبوں کو بھجوا دی گئیں اور تصحیح شدہ نسخہ کے سوا قرآن کے باقی نسخے جلوا دیے گئے۔

مدینہ میں سکون

بنو نضیر کی جلا وطنی سے شہر میں پورے امن و سلامتی کا موجب ثابت ہوئی۔ اب مسلمانوں کو نہ تو منافقوں کا ڈر تھا نہ مہاجرین کو فلاکت سے واسطہ رہا۔ انہیں بنو نضیر کی اراضی و باغات نے خوش حال کر دیا۔ انصار کو یہ خوشی تھی کہ خدا تعالیٰ کی نظر کرم نے ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی بے فکری سے گزر بسر کرنے کی توفیق بخشی۔ انصار و مہاجرین دونوں ایکدوسرے کے دوش بدوش

مساویانہ زندگی بسر کرنے لگے۔

قریش کی طرف سے دوسرے بدر کا پیغام جنگ

اسی طرح تھوڑا سا زمانہ گزرا تھا کہ ادھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور احد کی دت کی طرف منتقل ہوا تو ایک سال خت ہونے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوسفیان کا وہ قول یاد آ گیا جو اس نے احد سے لوٹتے ہوئے با آواز بلند دہرایا تھا۔

یوم بیوم بدر و الموعد العام المقبل

بدر کا انتقام لے لیا گیا ہے۔ آئندہ سال پھر میدان ہوگا!

اسی دوران میں ابوسفیان نے (مکہ سے) نعیم کو اس طرح پڑھا کر بھیجا کہ اس کی ہوائی سے مسلانوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ نعیم مدینہ پہنچا اور اس نے گھر گھر جا کر کہنا شروع کر دیا کہ اس مرتبہ قریش نے جو لشکر جمع کیا ہے عرب کی کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ابوسفیان نے ارادہ کر لیا کہ مسلمانوں پر احد سے بھی زیادہ کوئی سختی برتی جائے۔

مسلمان ششدر رہ گئے۔ بہتوں کی خواہش تھی کہ اس دفعہ بدر کو آنکھوں سے بھی نہ دیکھا جائے مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کو تھڑ دلی کا اندازہ ہوا تو اظہار برہمی کے بعد قسم کھا کر فرمایا اگر مجھے بدر میں تنہا بھی جانا پڑا تو پیچھے قدم نہ ہٹاؤں گا۔

مسلمانوں کی بدر ثانی کے لیے روانگی

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتنی سخت تہدید اور عملاً عزیمت کی وجہ سے ہر شخص اپنے لیے اسلحہ کی فراہمی میں مصروف ہو گیا آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ پر حضرت عبداللہ بن ابی کو اپنا نائب مقرر کر کے بدر کی طرف کوچ فرمایا جہاں قریش کے ساتھ جنگ کے لیے جھنڈے گاڑ کران کا انتظار کیا جانے لگا۔

قریش کا بدر ثانی کے لیے خروج

کہنے کو تو ابوسفیان قریش کے دو ہزار سے زائد بہادروں کا دل لے کر نکل آیا لیکن استقلال و جواں مردی کا یہ حال تھا کہ دو روز کی مسافت طے کرنے کے بعد پاؤں توڑ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے یاران سرپل سے کہا:

یا معشر قریش انه لا یصلحک الا عام خصیب وان عامکم هذا جدب وانی راجع فارجعوا!

اے دوستان قریش تم لوگ خوشحالی کے سال میں جنگ کر سکتے ہو۔ اس مرتبہ خشک سالی کا دوردورہ ہے میں تو واپس لوٹ رہا ہوں بہتر ہے کہ فی الحال تم بھی لوٹ چلو۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ روز تک اپنے لشکر سمیت (بدر میں) تشریف فرما رہے (یہ بدر تجارت کا بازار بھی تھا) اس اٹھوارے میں مسلمانوں نے خرید و فروخت سے تھوڑا بہت نفع بھی حاصل کر لیا۔ آخر کار قریش کی راہ دیکھتے دیکھتے واپس لوٹنا پڑا اور خدا کا شکر ہے کہ مسلمان مدینہ میں شاداں وفرحاں داخل ہوئے اللہ تعالیٰ فضل ونعمت سے بہرہ مند ہو کر اس واقعہ کے متعلق یہ آٹھ آیتیں نازل ہوئیں۔

۱۔ الذین قالو الاخوانهم وقعدوا لو اطاعونا ما قتلوا قل فادده واعن انفسکم الموت ان کنتم صدقین (۳:۲۸)

”جن لوگوں کا خیال ہے کہ خود تو جنگ کے وقت اپنے گھروں میں بیٹھ رہے لیکن اب اپنے بھائیوں کے حق میں کہتے ہیں کہ اگر ہماری بات پر چلے ہوتے تو کیوں مارے جاتے (اے پیغمبرؐ) تم کہہ دو کہ اچھا اگر تم واقعی اپنے خیال میں سچے ہو تو جب موت تمہارے سرہانے آ کھڑی ہو تو نکال باہر کرنا (اور اپنی چترائی اور پیش بینی سے ہمیشہ زندہ رہنا)

۲۔ ولا تحسن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا احیاء عند ربھم یرزقون(۳:۱۶۹)

”۲۔ (اور اے پیغمبرؐ) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں ان کی نسبت ایسا خیال مت کرو۔ کہ وہ مر گئے نہیں وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے حضور اپنی روزی پا رہے ہیں“۔

۳. فرحين بما اتهم الله من فضله ويستبشرون بالذين لم يلحقوا بهم من خلفهم الا خوف عليهم ولا هم يحزنون (۳:۱۷۰)

”۳۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اس سے خوش حال ہیں اور جو لوگ ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں اور وہ بھی ان سے ملے نہیں ان کے لیے خوش ہو رہے ہیں کہ نہ تو ان کے لیے کسی قسم کا کھٹکا ہوگا نہ کسی طرح کا غم گیتی۔“

۴. يستبشرون بنعمة من الله وفضل وان الله لا يضيع اجر المومنين (۳:۱۷۱)

”۴۔ وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے تعین سے مسرور ہیں۔ نیز اس بات سے کہ انہوں ں ے دیکھ لیا اللہ ایمان رکھنے والوں کا اجر کبھی اکارت نہیں کرتا“۔

۵. الذين استجابو الله والرسول من بعد ما اصابهم القرح للذين احسنوا منهم واتقوا اجر عظيم (۳:۱۷۲)

”۵۔ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دیا (اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے) باوجودیکہ (ایک برس پہلے جنگ احد کا) زخم کھا چکے تھے سو یاد رکھو کہ ان میں جو لوگ نیک کردار اور متقی ہیں یقیناً ان کے لیے اللہ کے حضور بہت بڑا درجہ ہے“۔

۶. الذين قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم

ايمانا وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل (۳:۱۷۳)

”۶۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن سے بعض آدمی کہتے تھے تم سے جنگ کرنے کے لیے دشمنوں نے بہت بڑا گروہ تیار کرلیا ہے پس چاہیے کہ ان سے ڈرتے رہو۔ (اور مقابلے کے لیے باہر نہ نکلو) لیکن (بجائے اس کے کہ یہ بات سن کر وہ ڈر جاتے) ان کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہو گیا (وہ بے خوف وخطر ہوکر) بول اٹھے ہمارے لیے اللہ کا سہارا بس ہے اور جس کا کارساز اللہ ہو تو کیا ہی اچھا ہے اس کا کارساز ہے“۔

۷. فانقلبوا بنعمة من الله فضل لم يمسسهم سوء واتبعوا رضوان الله والله ذو فضل عظيم (۳:۱۷۴)

”۷۔ پھر (ایسا ہوا) کہ یہ لوگ بے خوف ہو کر نکلے اور اللہ کی نعمت اور فضل سے شادکام واپس آ گئے۔ کوئی گزند ان کو نہ چھو سکا اور وہ اللہ کی خوشنودیوں کی راہ میں گامزن ہوئے (یہ اللہ کا فضل تھا) اور اللہ بڑا فضل رکھنے والا ہے“۔

۸. انما ذلكم الشيطن بخوف اولياء فلا تخافوهم وخافون ان كنتم مومنين (۳:۱۷۵)

”۸۔ (اور یہ دشمنوں کا بھیجا ہوا ایک مخبر انہیں بہکانا چاہتا تھا تو) یہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ شیطان تھا جو تمہیں اپنے ساتھیوں سے ڈرانا چاہتا ہے۔ اگر تم ایمان رکھنے والے ہو تو شیطان کے ساتھیوں سے نہ ڈرو اللہ سے ڈرو اگر تم دل سے اللہ پر ایمان رکھتے ہو“۔

قریش مکہ جو مسلمانوں کی ہیبت کے خوف سے جنگ کے بغیر واپس لوٹ گئے۔ اس سے مسلمانوں کے لیے احد کی تلافی کا ایک گونہ ذریعہ پیدا ہو گیا۔ کافروں کا اس طرح لوٹ جانا بدر کی

پہلی شکست سے کم موثر نہ تھا۔ تاہم قریش آئندہ سال کے لیے جنگ کے منصوبوں سے غافل نہ تھے۔

غزوہ ذات الرقاع

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر ثانیہ سے واپسی کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یاوری کے صدقے میں بہت مطمئن تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں قریش پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جانے کی مسرت موجزن تھی تاہم آپ دشمنوں کی جانب سے غاف نہ تھے اور اپنے جاسوس چاروں طرف لگا رکھے تھے۔

اس دوران میں اطلاع ہوئی کہ بنو غطفان مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے نجد میں جمع ہو رہے ہیں۔ ایسے معاملات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل یہ تھا کہ دشمن کی ایسی غفلت میں اس پر حملہ آور ہوتے جس کی وجہ سے مدافعت کا موقعہ نہ مل سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ خبر سنتے ہی چار سو سواروں کا ایک دستہ لے کر بنفس نفیس نکلے۔ ان کے پڑاؤ کے قریب تشریف لائے تو بنو محارب اور بنو ثعلبہ (از غطفان) دونوں جمع ہو رہے تھے۔ جونہی ان کی نظر مسلمانوں کے لشکر پر پڑی سامان کے ساتھ عورتیں بھی وہیں چھوڑ کر اپنے گھروں کی طرف بھاگ نکلے۔[۱] ان کے متروکہ سامان میں سے جس قدر مسلمانوں سے اٹھایا گیا لے گیا اور مدینہ کی طرف کوچ فرمایا (مگر انکی عورتوں سے تعرض نہ کیا: م:)

مسلمان دشمن کے تعاقب کے خطرہ کی وج سے راستے میں صلوۃ خوف ادا کرتے اس طرح کہ ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں نیت باندھ کر مصروف قیام ہوتا اور دوسرا حصہ پاسبانی کرتا۔ ان کے بعد پاسبانی کرنے والا گروہ نماز میں مصروف ہوتا۔ اور پہلا حصہ ان کی

---

[۱] کفار کے اس لشکر میں خالد بن ولید بھی موجود تھے (زدالمعاد ابن القیم: م)

چوکیداری کرتا۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ فتح مندانہ واپس مدینہ تشریف لائے یہ سفر پندرہ دن میں ختم ہوا۔

غزوہ دومتہ الجند ل

اس سے کچھ مدت بعد (رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غزوہ دومتہ الجند ل میں تشریف لے گئے۔ یہ مقام اس نخلستان میں واقع ہے جو بحیرہ احمر (قلزم) سے خلیج فارس اور شام وحجاز کے مقام اتصال پر واقع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمنوں کے سر پر اچانک جا پہنچے جن سے فرار کے بغیر کچھ نہ بن پڑا۔ ان پر اس قدر وحشت چھائی کہ اپنا بے حساب ال وسامان بھی چھوڑ گئے جو مسلمانوں کے غنیمت میں ان کے کام آیا۔

جغرافیائی حیثیت سے دومتہ الجند ل کے بعد مسافت اور محل و وقوع سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی دھاک لوگوں کے دلوں پر کس قدر بیٹھ گئی۔ تمام عرب قسم کھانے پر مجبور ہو گئے اور یہ کہ مسلمان دین کی راہ میں کس ثبات واستقلال کے ساتھ مصائب کا استقبال کرتے، جس میں نہ تو موسم کی شدت سے گھبراتے نہ خشک سالی ان کے عزئم میں مانع ہوتی اور نہ پانی کی قلت ان کے عزائم میں حائل ہوتی۔ بات یہ ہے کہ ان کے استقلال و ہمت کا واحد ذریعہ ان کی وہ معنوی قوت تھی جس نے ان کا ایمان خدائے یکتا سے اس طرح وابستہ کر دیا تھاک وہ ااس کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانتے۔

آج ۵ ھ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ میں چند مہینے اطمینان سے سانس لینے کا موقع نصیب ہا۔ اس دوران میں صرف قریش کی طرف سے آنے والے سال میں حملہ کا خطرہ ضرور پیش نظر تھا۔

اس وقفہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کے اس اجتماعی نظام کی ترتیب پر توجہ فرما رہے تھے فی الحال جس میں صرف چند ہزار نفوس منسلک ہیں لیکن یہ وقفہ گزر جانے کے بعد کروڑوں انسانوں کے معاشرہ کا مدار آج کے مربوط شدہ نظام پر قائم کیا جانا تھا جسے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری دقت نظر اور حسن سیاست سے مدون فرما لیا، جس کے نظم و ترتیب میں وحی الٰہی کی رہنمائی و تعلیم شریک تھی کہ اگر کسی معاملہ میں منشائے وحی کے خلاف شبہ ہو سکتا ہو تو وہ اس پر آگاہ کر دے۔ چنانچہ ایسے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے اعتراف اور اصلاح فرمانے میں ذرا تامل نہ فرماتے کہ:

وانہ الکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدید ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید (۴۱:۴۱‘۴۲)

”(قرآن) بڑے پائے کی کتاب ہے کہ جھوٹ نہ تو اس کے آگے ہی کی
طرف اس کے پاس پھٹکنے پاتا ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے۔
کیوں کہ حکمت والے سزاوار حمد و ثنا (یعنی خدا) کی اتاری ہوئی ہے“۔

☆☆☆

باب ۱۷

تذکرہ ازواج مطہراتؓ

سابقہ دو فصلوں (۱۵ اور ۱۶) میں جن حوادث کا بیان ہوا ان حوادث کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (یکے بعد دیگرے) تین بی بیوں کو اپنے حبالہ عقد میں آنے کی عزت بخشی:

۱۔ (ام المومنین) زینب بنت خزاعہؓ

۲۔ (ام المومنین) ام سلمہؓ بنت امیہ ابن المغیرہؓ

۳۔ (ام المومنین) زینب بنت جحشؓ

ان میں ام المومنین زینبؓ دختر جحش کی پہلی شادی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے مشورہ سے) حضرت زید بن حارثہؓ سے ہوئی تھی۔ زید غلام تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو ام المومنین حضرت خدیجہب کے ال سے خرید کر آزاد کر دیا۔ (شادی اس آزادگی کے بعد ہوئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی سے پہلے انہیں اپنا متبنیٰ ہونے کا شرف بخشا۔

اتفاق ایسا ہوا کہ میاں بیوی دونوں کی بن نہ پائی اور حضرت زیدؓ نے انہیں طلاق دے کر علیحدگی اختیار کر لی، جس کے بعد رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ زینبؓ کو اپنی زوجیت کے فخر سے ممتاز فرمایا۔ یہ معاملہ ہے کہ جس پر مستشرقین اور ان کے زلہ ربا مسیحی واعظین نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی کی بنا پر دلوں کا غبار نکالنے میں کوئی کمی نہیں رہنے دی۔

مسیحی اعتراف

مسیحی منادوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کیا حیرت انگیز تبدیلی رونما ہوگئی۔ مکہ میں تو ان کی حیثیت ای ایسے داعی کی تھی جو قناعت کا علم بردار ہے۔ زہد کا حامل، توحید کا مدعی ہے اور خواہشات دنیا میں کوئی شغف نہیں رکھتا، مگر مدینہ پہنچ کر حالت یہ نہیں رہی۔ اب عورتیں ان میں رغبت وشق کے جذبات کو ابھار دینے میں کامیاب ہیں حتیٰ کہ پہلے کی تین بیویوں پر بھی اکتفا نہیں کیا۔ ان تین کے بعد اور تین عورتیں حرسرا میں داخل فرمالیں۔ اور نہ یہ کہ صرف ایسی عورتوں کو اپنے عقد میں لائے ج کے سر پر ان کے شوہر نہ تھے بلکہ شوہر دار بی بیوں کو ان کے خاوندوں سے طلاق دلوا کر اپنے حبالہ عقد میں لانا شروع کر دیا۔ جیسا کہ زینبؓ دختر جحش کا واقعہ ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام (رہ چکے) تھے۔

واقعہ اس طرح رونما ہوا کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیدؓ کے ہاں تشریف لے گئے جو گھر میں موجود نہ تھے۔ ان کی اہلیہ بی بی زینبؓ نے ان کا استقبال کیا۔ اس وقت یہ پرتکلف پوشاک پہنے ہوئے تھیں۔ انہیں ایسے لباس میں دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور رغبت ہوگئی اور زبان سے کلمہ سبحان اللہ مقلب القلوب کہتے ہوئے واپس تشریف لے آئے۔ یہ کلمہ زینبؓ کے کان میں بھی پڑ گیا انہوں نے سمجھا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر کسی قدر مہربان ہیں انہوں نے اپنے دل میں ایک امید..........................ان کے شوہر (زیدؓ) دولت خانہ پر تشریف لائے تو بی بی نے تمام ماجرا من وعن بیان کر دیا۔ زیدب اسی وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ میں زینبؓ کو طلاق دینے کے لیے آمادہ ہوں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیدؓ سے فرمایا کہ نہیں خدا سے ڈرو اور اپنی اہلیہ کو طلاق مت

۱؎ بلکہ جناب خدیجہؓ نے از خود انہیں خرید کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حبہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آزاد فرمایا (:م:)

دو۔ لیکن اس وقت زینبؓ اپنے شوہر سے بےتعلق سی ہوگئیں جس سے زیدؓ نے مجبور ہر کر انہیں طلاق ہی دے دی۔

ادھر جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دل سے اگر چہ بی بی زینبؓ کے ساتھ عقد داری کے خواہاں تھے۔ لیکن اس معاملہ میں وہ کوئی بات زبان پر نہ لاتے تھے جس پر یہ وحی نازل ہوئی:

واذ تقول للذی انعم اللہ علیه وانعمت علیه امسک علیک زوجک واتق اللہ و تخفی فی نفسک ما اللہ مبدیه وتخشی الناس واللہ احق ان تخشه فلما قضی زید منها وطرا زوجنکها لکی لا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائهم اذ قضوا منهن وطرا وکان امر اللہ مفعولا (۳۳:۳۷)

> ”اور (اے پیغمبرؐ اس بات کو یاد کرو کہ) جب تم اس شخص کو سمجھاتے تھے (یعنی زید بن حارثہؓ کو) جس پر اللہ نے اپنا انعام کیا اور تم بھی اس پر احسان کرتے رہے کہ اپنی بی بی زینبؓ کو اپنی زوجیت میں رہنے دو اور اللہ سے ڈرے اور اس کو چھوڑ کر نہیں اور تم (اس بات کو) اپنے دل میں چھپاتے رہے کہ جس کو (آخرکار) اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور تم (اس معاملے میں) (لوگوں سے ڈرتے تھے اور خدا اس کا زیادہ حق دار ہے۔ کہ تم اس سے ڈرو۔ زیدؓ اس (عورت) سے بےتعلقی کر چکا (یعنی طلاق دے دی) اور عدت کی مدت پوری ہوگئی تو ہم نے تمہارے ساتھ اس عورت کا عقد کر دیا تاکہ (عام) مسلمانوں کے لے پالک جب اپنی بی بیوں سے بےتعلق ہو جائیں تو مسلمانوں کے لیے ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے۔ اور خدا کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے“۔

جس کے بعد آپ بی بی زینبؓ کے ساتھ عقد فرما کر انہیں اپنے دولت کدہ پر لے آئے۔

سوال یہ ہے کہ آپ عجیب قسم کے نبی ہیں جو خود کو دوسروں کے ساتھ توازن میں اس قدر

ترجیح دیتے ہیں کہ آخر وہ خود اس قانون کی پابندی کیوں نہیں کر سکتے (قانون) کے متعلق انہیں مرسل من اللہ ہونے کا دعویٰ ہے ان کے حرسرائے میں عورتوں کو وہ ہجو جو صرف ہوس ناک امراء کے محلوں میں ہوسکتا ہے نہ کہ انبیاء علیہم السلام کے حرم میں جو نیک نہاد ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح کے داعی بھی ہوں تعجب ہے کہ خلعت نبوت سے مفتخر ہوتے ہوئے زینبؓ کی محبت اس قدر دل دادہ کیوں ہوگئے کہ آپ کی وجہ سے آپ کے آزاد کردہ غلام زیدؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی جس کے بعد آپ اسے اپنے حبالہ عقد میں لے آئے؟ اپنے متبنیٰ کی بیوی سے مناکحت تو جاہلیت میں بھی روا نہ تھی، لیکن مسلمانوں کے نبی نے ان تمام حدوں سے گزر کر اپے لے جائز کرلیا کہ صرف نفسانی متابعت پر مبنی ہوسکتا ہے۔

جواب

مستشرقین یا مسیحؒ مناد اعتراضات کرنے کے موقع پر وضعی تصورات کی رو میں اس طرح بہہ جاتے ہیں ک جیسے آندھی کے ساتھ تنکا معترضن کا ایک طائفہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نیم برہنہ بالکل عریاں دیکھ لیا اس حالت میں کہ زینبؓ کی سیاہ زلفیں ان کے سیمیں بدن پر بکھری ہوئی تھیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ان کی محبت کی لگن پیدا ہوگئی۔

دوسرا گروہ

جس وقت آپؐ نے خود زینبؓ کے گھر کا دروازہ کھولا وہ شب باشی کا لباس پہنے سو رہی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھ لیا اور......مگر یہ راز دل میں چھپائے رکھا لیکن تابہ کے!

اس قسم کے ذہنی مفروضات خصوصاً مندرجہ ذیل مستشرقین کی قوت متخیلہ کی پیداوار ہیں ولیم میور، درمنگھم، واشنگٹن ارونگ، لامنس وغیرہ اور واعظین کلیسا میں سے ہر ایک عل بردار مسیحیت یہ

اعتراضات دیکھنے کے بعد ان مدعیان تحقیق کے حامیان عدل وانصاف کی دیدہ دلیری پر خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے؟

انہوں نے سیرت اور حدیث کی کتابوں کا اپنا ماخذ نو بنایا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے حرکی نسبت ایسے مرویات کو اپنے تصورات کا جامہ پہنا کر پیش کیا جس پر تحقیق وعدل دونوں نے سر پیٹ لیا۔ ان نکتہ چینیوں کو سب سے بڑا اسہارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم سرائے میں نو یا اس سے کچھ زائد بیویوں کے ہونے سے مل گیا۔

ہم ان تمام نکتہ چینیوں کا ایک ہی اصولی جواب یہ دے سکتے ہیں کہ اس میں مضائقہ ہی کیا ہے؟ اور اس سے خات المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت پر کیا حرف آ سکتا ہے؟ جبکہ قانون یں بعض مستثنیات ایسی بھی تسلیم کی جا چکی ہیں کہ جو عوام کی مانند (خواص) کے مقابلہ میں کہیں بلند درجہ رکھتے ہیں (مثلاً)

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اسرائیلی اور قبطی کو باہم دست وگریبان دیکھا تو قبطی کو مکا مار کر ہاک کر دی ظاہر ہے کہ اس قسم کا قتل جنگ یا جنگ کے قریب کی حالت میں ہی روا ہو سکتا ہے۔ کیا فرماتے ہیں کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معترض اس مسئلہ میں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یک ہاتھ سے یہ قتل روا تھا یا ناروا؟ اگر جائز ہے تو شریعت موسوی سے بھی ثابت فرمایا جائے اور اگر ناروا ہے تو کیا حضرت کلیم اللہ کی نبوت وعظمت اسی طرح داغ دار نہیں ہو سکتی جس طرح آپ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ طعن فرما رہے ہیں؟

(۲) اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قضیہ ہے جو حضرت موسیٰؑ کے متذکرہ الصدر واقعہ اور جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر معترض علیہ معاملہ بلکہ تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے احوال وکوائف سے عجیب تر ہے اور کسی قانون وشریعت وحدود معاشرہ میں اس کے جواز کے لیے دلیل نہیں مل سکتی یا قانون شریعت وآئین فطرت سب کے خلاف ہے یعنی در ولادت جناب مسیح ابن مریمؑ جر الزامات کی بریت میں خود مسیحیوں نے دلیل میں کہا کہ خدا کی پاک

روح انسانی روپ میں مریم عذرا کے ساتھ یہ کہہ کر ان سے ہم کنار ہوئی کہ وہ ان کے رح میں ایک پاک نہاد طف کا نطفہ رکھے تا۔ جسے سن کر مریم نے روح رحمانی سے کہا سبحان اللہ میرے بطن سے فرزند متولد ہوگا۔ جسے مرد نے مس تک نہیں کیا روح رحمانی نے کہا کہ مرد نے بے شک مس نہیں کیا مگر خداوند خدا کا یہی ارادہ ہے کیونکہ وہ اس مولود کو نشان ثابت کرنا چاہتا ہے۔

اور جب مریم پر وضع حمل کی ساعت نازل ہوئی تو وہ ادھرادھر دبکنے لگیں۔ اس ندامت کے عالم میں ان کی زبان سے بھی نکل گیا کہ کاش اس گھڑی سے پہلے مجھ پر موت وارد ہو جاتی اور دنیا نے مجھے بھلا دیا ہوتا۔ اس وقت بھی روح مقدس (رحمان) نے مریم کی سمع عالی تک یہ بات پہنچائی کہ آپ اس قدر غمگین کیوں ہو رہی ہیں؟ خداوند تعالیٰ نے آپ کے قدموں ک نیچے پانی کا چشمہ جاری فرما دیا ہے۔

پھر جب مریم اس بچے کو گود میں اٹھائے باہر نکلیں تو لوگوں نے دیکھ کر بڑا تعجب کیا کہ ان کے سر پر تو شوہر تو ہے نہیں یہ بچے کیسے پیدا ہو گیا؟ اور لوگوں نے اسی حیرت و برہمی میں بی بی سے کہا سبحان اللہ یہ ان ہونی شے آپ کہاں سے لے آئیں؟ اس کا جواب مریم کے بجائے خود طفل نومولود نے دیا۔ میں اللہ کا غلام ہوں جس نے مجھے اپنی کتاب (انجیل) عنایت فرمائی اور میں جہاں بھی رہوں مجھے بابرکت بنایا اور جب تک میں زندہ رہوں گا مجھے نماز و زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔

یہود کا حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت پر اعتراض

یہ ہے مسیحی مسلمات کے مطابق حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی داستان ولادت جس پر یہودیوں نے برملا کنواری مریمؑ کو یوسف نجار کے سر منڈھ دیا۔ جیسا کہ ربناں اور موجودہ زمانہ کے بعد دوسرے یہودی مصنفین کا حال ہے۔ ان کے دشمن کچھ کہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و رسالت اس امر کی ضامن تھی کہ خداوند عال نے اس کے اثبات کے لیے قانون فطرت میں تبدیلی پیدا کر دی۔ لیکن ایک طرف مسیحی مبلغین کا یہ تقاضا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے

خلاف فطرت پیدا ہونے کے معجزہ کی بنا پر تمام عالم صرف انہی کو آخری اور ابدی نجات دہندہ تسلیم کر لے اور اگر اسی قسم کی استثنائی حالت جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پائی جائے جو عام قانون سے علیحدہ نظر آتی ہو تو مسیحی حضرات اس پر اعتراض ومواخذہ شروع کر دیں۔ حالانکہ دنیا کی ممتاز شخصیتیں بعض حالات میں سماج کے عام قانون سے مستثنیٰ ہیں۔

ہم اس دعویٰ کا پھر اعادہ کرتے ہیں کہ حاسدان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعتراضات کا اور جواب بھی دیا جا سکتا ہے۔ مسیحی مبلغین اور ان کے مستشرقین ارباب قلم دونوں کا۔ لیکن یہ انداز تاریخ کا سب سے بڑا گناہ ہوگا جس سے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ورسالت کی ناقابل تسلیم توہین کا ارتکاب ہوگا۔ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان معترضین کے تصورات کے مطابق ایسے گئے گزرے نہ تھے کہ واقعی آپ کی عقل وفرزانگی محبت بے جا کر شاکر ہو گئی جب کہ آپ نے کسی بی بی کو صرف محبت کی بنا پر اپنے حرم سرائے میں شامل ہونے پر مجبور کر دیا اور جو بعض سیرت نویس مسلمانوں تک نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اس قسم کے تصورات زیب قرطاس فرمائے ہیں تو ان کی ذاتی خوش اعتقادی کے سوا اور کس سے تعبیر کیجیے گا؟ ان مسلمانوں نے بھی دشمنان اسلام کے ہاتھ اپنے خلاف مضبوط کر دیے۔ اگرچہ اس میں ان کی نیک نیتی سہی۔

اس قسم کے مسلمان مصنفوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ ایسی گھٹیا درجہ کی باتیں منسوب کرنے کو بھی عشق رسول میں اپنا کمال دکھانے کا تحفہ حاصل کرنا چاہا حتیٰ کہ شہوت دنیا جیسی ادنیٰ خصلت بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کر دی گئی۔ حالانکہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن ان لغویات سے قطعا مبرا ہے۔

انتخاب حرم کا طریق

زندگی کی پچیسویں بہار آنے پر بی بی خدیجہؓ سے عقد فرما لیا۔ جب کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شباب کی فرحتوں سے متمتع تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدیجہؓ کے

ساتھ اٹھائس سال گزرے۔ بی بی کی وفات کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن پچاس سال سے متجاوز ہو چکا تھا عرب میں تعداد ازواج کا عام رواج تھا گر آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم میں صرف ایک خاتون تھیں۔ ان کے بطن سے کئی فرزند پیدا ہوئے گران میں سے ایک بھی زندہ نہ رہ سکا۔ چار دختر تھیں اور خدا کے فضل وکرم سے چاروں زندہ اور بیٹے زندہ نہ رہنے کی وجہ سے دوسری عورت سے نکاح کر لینے میں کوئی امر مانع نہیں تھا۔ عرب میں دختروں کے زندہ در گور کر دینے کا دستور ونجابت میں داخل تھا۔ وہ فرزندوں کی سلامتی پر جان چھڑکتے تھے اور ان کے تخلف میں خوشی محسوس کرتے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدیجہؓ کی معیت میں نبوت کے قبل سترہ سال اور بعثت کے بعد گیارہ سال رفاقت فرمائی۔ کل مدت اٹھائیس سال ہوتی ہے لیکن ربع صدی سے زائد عرصہ میں بھی آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی دوسری عورت کو ان کے ساتھ حرم سرائے میں رکھنا گوارا نہ کیا۔ نہ کبھی اس اٹھائیس سالہ زندگی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایسے تصورات کا اظہار ہی ہوا۔ حالاں کہ اس عہد تک (تا بہ زمانہ مصاحبت ام المومنین حضرت خدیجہؓ) ملک میں عورتوں کی بے حجابی سے فتنوں کا طوفان برپا رہتا جو گھروں سے باہر نکلتیں ت اس طرح بن سنور کر جسے بعد میں اسلام نے حرام قرار دے دیا۔ اس لیے یہ امر قطعاً غیر طبعی ہے کہ جب آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن مبارک پچاس برس سے متجاوز ہونے پر آیا تو بی بی زینبؓ نے اپنی جگہ یہ متصور فرما لیا ہو تکہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جس نظر سے دیکھا ہے اس سے آپ کے قلب کی پہلی حالت میں سراسر انقلاب آ گیا ہے، وہ بھی اس حالت میں کہ حر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پانچ بی بیاں موجود ہوں جن میں عائشہؓ جیسی نیک نہاد اہلیہ جن کی درازی عمر کی آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ہمیشہ تمنا رہی۔ لیکن زینبؓ کے معاملہ میں آپ کے قدم اس طرح ڈگمگا گئے اور شب وروز زینبؓ ہی کی دھن میں لگے رہے۔ غیر طبعی امر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پچاس سال سن کے بعد انہیں دیکھ کر یوں وارفتہ بن گئے

ہوں خصوصاً جب کہ پانچ سال میں آپ کے حرف میں سات بیویاں اور سات برس تک نو تک ہوں یہ صورت تمام ایسے اعتراض جو بے سمجھ مسلمان ارباب سیرت اور عیار فرنگی مورخین دونوں کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی تشویش پر کیے گئے ہیں سب کی نفی کرتی ہیں جو تشویش کہ پست ذہنیت کے آدمیوں میں نہیں پائی جاسکتی چہ جائے کہ ایسی عظیم المرتبت شخصیت جس نے تمام دنیا میں انقلاب کی رو پیدا کردی اور آج کے بعد جلد ہی توقع ہو کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت دنیا میں پھر ایک انقلاب آ کر رہے گا۔

سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے اس پہلو پر نظر ڈالیے۔ سن گرامی پچاس سال کے قریب تھا۔ جب حرم اولیٰ جناب خدیجہؓ کے بطن سے اولادیں پیدا ہوئیں یا (حضرت) ماریہ قبطیہؓ کے ہاں ایک فرزند (ابراہیم) متولد ہوئے۔ اس وقت نبوت پناہ کا سن مبارک ساٹھ سال تک پہنچ چکا تھا۔ کہنا یہ ہے کہ ان دو حرم (جناب خدیجہؓ وحضرت ماریہؓ) کے ماسوا سات یا نو بیویوں میں سے کسی کے بطن سے اولاد پیدا نہیں ہوء باوجودیکہ ان بی بیوں یں سے ہر ایک کا سن گرامی تیس چالیس برس کے قریب تھا جو تولید کا مناسب زمانہ ہوسکتا ہے۔

انہی ازواج مطہرات کے ہاں ان کے پہلے شوہروں کے صلب سے اولاد پیدا ہو چکی تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم میں ان کے داخل ہونے کے بعد پھر ایسا اتفاق نہ ہوا۔ سوال یہ ہے کہ اس قسم کا حادثہ ان طبعی قوانین کے خلاف نہ تھا۔ جن کا طعنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور زینبؓ دختر جحش کے مبادی عقد میں دیا جاتا ہے باوجودیکہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان تھے جس سے آپ کی ذات میں اولاد کا میلان بھی ہوسکتا ہے جو ہر انسان میں پای جاتا ہے (اگرچہ خدا کا رسول ہونے کے اعتبار سے آپ تمام امت کے روحانی باپ ہیں)۔

تاریخ کا فیصلہ اور تعدد ازواج نبی پر مسیحانہ بہتانات

مسیحی منادو مستشرقین کی کارگاہ الزامات میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو الزام عائد کیے گئے ہیں ان میں تعدد ازواج کے بارے میں تاریخ ان کی تردید کے لیے کافی ہے بایں

ترتیب کہ:

(۱) ام المومنین خدیجہؓ آپ کی رفاقت میں اٹھائیس سال تک زندہ رہیں۔ اس دوران ممدوحہ کے ساتھ کسی اور بی بی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرف زوج نصیب نہ ہوسکا اور ان کی رحلت کے بعد ام المومنین حضرت جناب سودہؓ بنت زمعہ سے عقد فرمایا جو اس سے قبل سکران بن عمرو کی زوجیت میں تھیں اور جو مسیحی کارگاہ بہتان کے خلاف حسن و جمال جیسے اوصاف سے غیر مشہور تھیں نہ ثروت و عالی مرتبت ہونے کے اعتبار سے قابل رشک تھیں۔ اس کے اسباب یہ ہیں کہ یہ بی بی پہلے اسلام لانے والی مسلمان عورتوں سے تھیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہر قسم کے رنج و محن برداشت کیے۔ اپنے شوہر اول کے ساتھ حبشہ میں ہجرت فرمائی اور اس سفر میں دوسرے مہاجرین کے ساتھ ہر قسم کے دکھ سکھ میں شریک رہیں (حتیٰ کہ آپ کے شوہر نے انتقال فرمایا: م:) اور ان کے بے مثل صبر و تحمل کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ام المومنین کہلانے کا شرف بخشا) یہ جذبہ کس قدر شائستہ اور قابل مدحت ہے۔

(۲،۳) ام المومنین جناب عائشہؓ و حضرت حفصہؓ کے ساتھ مناکحت کی توجیہہ

دونوں امہات المومنین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر دو وزراء کی صاحب زادیاں تھیں۔ ان سے تزویج کا ایک مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ دور اندیشی ہے جس میں دونوں حضرات کو اپنے اور قریب کرن مدنظر ہے۔ جیسا کہ جناب عثمانؓ و حضرت علیؓ کو اپنی دامادی میں لینے سے اپنے قریب تر رکھنا مطلوب تھا۔

بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جناب عائشہؓ کے اتھ بے حد محبت تھی لیکن تزویج کے قبل ان کے ساتھ کوئی اس محبت کا کوئی شائبہ نظر نہیں آتا۔ غور کیجیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تے کے لیے خطبہ فرمایا تو بی بی کا سن مبارک سات برس کا تھا رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی ظاہر ہے

کہ اس سن میں رغبت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔

ام المومنین جناب حفصہ ؓ سے التفات

آپ کے ساتھ تزویج سے قبل یہ نوبت آئی تھی جیسا کہ حضرت حفصہ ؓ کے والد عمر ؓ فرماتے ہیں:

واللہ! انا کنا فی الجاھلیہ ما نعد للنساء امر احتی انزل اللہ فیھن ما انزل وقسم لھن ما قسم ال فیبنما انا فی امر آتمرہ ا ز قالت لی امراتی لو صنعت کذ و کزا فقلت لھا ومالک انت ولما ہ ھسنا و ما تکلفک فی امر اریدہ فقالت لی عجبالک یا ابن الخطاب ما ترید ان تراجع انت وان ابنتک لتراجع رسول اللہ حتی یظم یوہ غضبان قال عمر فاخذت ردائی ثم اخرج مکانی حتی ادخل علی حفصہ فقلت لھا یابنیة انک لتراجعین رسول اللہ حتی یظم یومہ غضبان؟ فقلت حفصہ واللہ انا لنراجعہ فقات تعلمین انی احذرک عقوبہ اللہ وغضب رسول یا بنیہ لا یغرنک ھدالتی قد اعجبھا حسنھا وحب رسول اللہ ایاھا وقال واللہ لقد علمت ان رسول اللہ لا یحبک ولاانا لطلقک

> ”بخدا! اسلام سے قبل ہمارے نزدیک عورتوں کی کوئی منزلت نہ تھی مگر اسلام آیا تو اس نے انہیں ترکہ میں شریک فرمایا تب ہم نے سمجھا چنانچہ ایک مرتبہ میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ کسی امر میں صلاح مشورہ کر رہا تھا کہ میری اہلیہ نے ایک بات کہہ دی۔ میں نے اپنی اہلیہ کو زجر کی۔ اس پر میری بیوی نے کہا اے ابن الخطاب آپ گھر میں اپنی گفتگو میں بولنے نہیں دیتے لیکن جناب کی صاحبزادی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاموں میں دخل اندازی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض کر رکھا ہے حتیٰ کہ ایک پورا دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حفصہ ؓ نے ناراض کر رکھا ہے عمر فرماتے ہیں کہ میں کاندھے پر اپنی ردا رکھ

> کر حفصہؓ کے ہاں پہنچا وار کہا کیوں بی بی تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناشقہ کر کے آپ کو اس قدر برہم کر رکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن بھر ناراض رہتے ہیں؟ حفصہ نے کہا کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے میں نے کہا بی بی! میں آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے ڈرانے آیا ہوں اے حفصہؓ آپ کو اس معاملہ میں عائشہؓ کی برابری نہ کرنا چاہیے۔ ان سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت محبت فرماتے ہیں پھر حضرت عمر نے فرمایا اور اے بیٹی میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم سے کوئی لگاؤ نہیں اگر میرا واسطہ نہ ہوتا تو طلاق ہی دے دی ہوتی''۔

اس سے ثابت ہوا کہ جناب عائشہؓ و حفصہؓ کے ساتھ عقد ان کی محبت کی بجائے دونوں حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کی شخصیت کی وجہ سے فرمایا تھا تاکہ ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کو اپنے قریب لایا جاسکے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کے بعد۔

(۴) ام المومنین سودہؓ کے ساتھ عقد کی توجیہہ انہیں حبالہ عقد میں لانے سے سرفروشان اسلام کی دل جوئی مقصود تھی۔ اگر مسلمانوں سے کوئی شخص اللہ کی راہ میں شہید ہو جائے تو اسے اپنے پس ماندگان پر اس وجہ سے نہ ڈرنا چاہے کہ ان کی وفات سے وہ فاقوں میں گھر جائیں گے۔

(۵) ام المومنین جناب زینبؓ بنت خزیمہ عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب کے عقد میں تھیں وہ غزوہ بدر میں شہید ہو گئے۔ بی بی زینبؓ عطاء و بخشش میں دست سخاوت رکھنے کی وجہ سے ام المساکین کے لقب سے مشہور تھیں نیک محضر اور صافی القلب تھیں نہ کہ حسن و جمال سے شہرہ یاب۔ پھر شباب کی حدوں سے متجاوز ہو چکی تھیں۔ ام المومنین زینبؓ بنت خزیمہؓ حرم نبویؐ میں شامل ہونے کے دو یا ایک سال بعد جنت کو سدھار گئیں (جناب خدیجہؓ کے بعد حرم رسول میں آپ نے رحلت فرمائی)

(۶) ام المومنین جناب ام سلمہؓ یہ بی بی حضرت ابوسلمہؓ کی اہلیہ تھیں۔ جن کے صلب سے کئی فرزند بقید حیات تھے ان میں سے ابوسلمہؓ غزوہ احد میں مجروح ہو گئے۔ ان کے زخم ابھی پوری طرح بھرے نہ تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو غزوہ احمرالاسد میں امیر دستہ فرما کر بھیج دیا۔ جس میں کامیاب ہو کر واپس تشریف لے آئے۔ مگر زخموں کے منہ کھل چکے تھے کہ دوبارہ بھرنے پر نہ آئے۔ اسی حالت میں ملائے اعلیٰ سے ملاقات فرمائی۔ اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوسلمہؓ کی بالیں پر تشریف فرما تھے۔ ادھر ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسلمہؓ کے لیے دعا مغفرت فرما رہے تھے اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔

بی بی ام سلمہؓ کی عدت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے خطبہ فرمایا تو ام سلمہؓ نے کثرت عیال کے ساتھ اپنی سن رسیدگی کا بھی عذر کیا۔ تزویج کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین کے بچوں کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ فرمایا۔ اگر اس پر بھی مسیح مبشتین و مستشرقین کی کارگاہ اتہامات سے یہی ہوائیاں چلتی رہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام سلمہؓ کے ساتھ بھی صرف ان کے حسن و جمال کی وجہ سے عقد فرمایا تو آپ ہی انصاف کیجیے کہ

ایسے دشمن کا کیا کرے کوئی!

کیا انصار و مہاجرین کے ہاں ایسی عورتیں نہ تھیں جو حسن و جمال میں بے مثل اور ثروت و شہرت میں ام سلمہ سے بدرجہا بہتر ہوں اور ان میں کسی کی گود میں پہلے شوہر کی اولاد بھی نہ ہو۔

جناب ام سلمہؓ کے حبالہ عقد میں لانے کا وہی داعیہ تھا جو حضرت زینتؓ بنت حزیہ کو شرف تزویج بخشنے میں کارفرما تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ مزید قرب ان کے دلوں میں خدا اور رسول کی عظمت بیش از بیش پیدا کرنے کا وسیلہ، مسلمانوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی و رسول ہونے پر آپ کو امت کا روحانی باپ متصور کرانا ہر ایک مسکین و بے نوا و ناتواں محتاج اور

بے کس بمنزلہ باپ ہونا اور وہ بچے جن کے باپ راہ خدا میں شہید ہو جانے کی وجہ سے اپنی اولاد کو یکہ وتنہا چھوڑ گئے ہیں ایسے بچے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا باپ سمجھیں۔

متذکرۃ الصدر تاریخی تفحص میں کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ یہ کہ ملک وملت کے عام حالات میں ایک بیوی پر اکتفا کیا جا سکتا ہے جیسا کہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ کے ساتھ اٹھائیس سال بسر کیے۔ اسی طرح قرآن مجید اموال وظروف کے مطابق ایک سے لے کر چار بیویوں تک کی بھی اجازت دیتا ہے۔

تعدد ازواج

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلاث وربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدة اوما ملکت ایمانکم (۴:۳)

> ’’وہ عورتیں جو تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کر لو (یعنی دوسری عورتوں سے جو تمہیں پسند آئیں نکاح کر لو ایک وقت میں) دو دو تین تین چار چار تک کر سکتے ہو (بشرطیکہ ان میں انصاف کر سکو یعنی سب کے حقوق ادا کر سکو اور سب کے ساتھ ایک ہی طرح کا سلوک رکھو)۔ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر چاہیے کہ ایک بیوی سے زیادہ نہ کرو یا پھر جو عورتیں (لڑائی کے قیدیوں میں) تمہارے ہاتھ آ گئی ہیں (انہیں بیوی بنا کر رکھو)۔

ولن تستطیعوا ان تعدلو بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلو ا کل المیل فتذروها کالعلقة (۴:۱۲۹)

> ’’اور تم اپنی طرف سے کتنے ہی خواہش مند ہو لیکن یہ بات تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ (ایک سے زیادہ) عورتوں میں (کامل طور پر) عدل کر سکو (کیوں کہ دل کا) قدرتی کھچاؤ تمہارے بس کا نہیں۔ (کسی کی طرف

> زیادہ کھینچے گا کسی کی طرف کم) پس ایسا نہ کرو کہ کسی ایک ہی کی طرف جھک جاؤ اور دوسری کو اس طرح چھوڑ بیٹھو گویا کہ وہ معلقہ ہے (یعنی ایسی عورت ہے کہ نہ تو بیوہ اور طلاق دی ہوئی ہے کہ اپنا دوسرا انتظام کر لے اور نہ شوہر ہی اس کا حق ادا کرتا ہے کہ شوہر والی عورت کی طرح ہو بیچ میں لٹک رہی ہے)۔

یہ دونوں آیتیں ہجرت کے بعد آٹھ سال میں نازل ہوئیں۔ جس سے پہلے آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جملہ ازواج سے عقد فرمایا تھا۔ اب آ کر چار عورتوں کی تحدید فرما دی گئی اور اس حکم آسمانی سے قبل ایک اور چار کی کوی حد بندی نہ تھی۔ اس سے معترضین کا یہ اعتراض رفع ہو گیا کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس شے کو دوسروں کے لیے حرام کر دیا ہے اسے اپنے لیے مباح بنا لیا لیکن تعداد اسی صورت میں روا ہے کہ جب ان کے درمیان پورا عدل و انصاف قائم رکھنے کا ہو۔ ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بیویوں کے درمیان عدل و انصاف عام انسانوں کی طاقت سے باہر ہے۔

اگرچہ ایک ہی عورت عام حالات کے مطابق قطعاً مناسب ہے مگر قوم و ملک کے حالات میں تبدیلی بھی تو ممکن ہے جس تبدیلی کے زمانہ میں ایک مرد کا چار عورتوں کے ساتھ عقد جائز بلکہ ضروری ہے۔ لیکن تعدد کی حالت میں عدل و انصاف کی شرط لازم ہے اور ایک مرتبہ اس تعدد کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی عہد میں فرما دی گئی۔ کیوں کہ جنگوں میں مسلمان مردوں کے میدان میں کام آ جانے کی وجہ سے عورتیں بے شوہر رہنے لگیں جس سے تعدد ازدواج کے بغیر چارہ نہ رہا۔ لیکن تعدد کی حالت میں ہم لوگ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ کسی عالم گیر جنگ یا وبائے عام یا دوسرے حوادث جن کے نتائج میں لاکھوں مرد طعمہ اجل ہو جائیں ایسے دور میں صر ف ایک ہی عورت پر اکتفا لازمہے؟ کیا ایسے ارباب مغرب یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ عال گیر جنگ کے بعد ان کا یہ قانون کہ جو ایک بیوی پر اکتفا کے لیے ہے ان کے ہاں عملاً بھی اس طرح جاری

ہے؟ ام المومنین خدیجہؓ کی زندگی میں دوسری شادی کا خیال قطعاً ثابت نہیں، نہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ خدیجہؓ سے تزویج سے قبل کسی عورت سے معاملہ کے لیے اپنا لگاؤ ظاہر کیا تھا۔ باوجودیکہ اس دور میں پردہ کا رواج بھی نہ تھا۔ عورتیں ایسے بناؤ سنگار میں آزاد تھیں جسے بعد میں اسلام نے حرا کر دیا۔ اندرین حالات میں یہ بات قطعاً غیر عقلی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچاس سال کے سن سے متجاوز ہونے کے بعد دفعتہً ایسے رجحانات میں گھر گئے کہ سیدہ زینبؓ بنت جحش کے معاملہ میں یوں دل گرفتہ ہوگئے چہ جائے کہ حرم میں پانچ ازواج تشریف فرما ہوں جن میں سیدہ طاہرہؓ جیسی مونسہ ہوں جو تادم رحلت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معتمد علیہا رہی ہوں۔ ان حالات میں کیوں کر باور کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن رات سیدہ زینبؓ کے خیال میں گھلے جارہے تھے؟

یہ ایسے حقائق ہیں جو ان مسلمانوں کے مفروضات کی تردید کے لیے بھی کافی ہیں، جنھوں نے اپنی طرف سے اضافہ فرما کر مستشرقین کے سامنے ایسی روایات رکھ دیں جو مادہ پرست انسان کے بھی شایان شان نہیں۔ چہ جائے کہ ایسی عظیم المرتبت ہستی جس نے نئی دینا بنانے کے لیی تاریخ عالم میں اپنا مقام تمام بنی نوع بشر سے بلند حاصل کرلیا ہو۔

حضرت زینبؓ بن جحش سے مناکحت کے مبادی میں بعض مسلم اور بے شمار مسیحی واعظین و مستشرقین نے جو اضافات فرمائے ہیں ان میں یہ واقعہ عشقیہ داستان بن گیا ہے۔ چہ جائے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تزویج سے آپ کے مفاخر میں ایک اور اضافہ ہوگیا ہے ایک ایسے کامل الایمان کی مانند جس نے اپنے لیے بھی وہ اختیار فرمایا ہو جو دوسروں کے لیے کہا بحسب حدیث

لا یکمل ایمان امرء حتی یحب لا خہ ا یجب لنفسہ

”کوئی انسان کامل الایمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے لیے وہی پسند کرے جو اسے دوسروں کے لیے پسند ہو“۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاہلیت کی ایک مذموم رسم توڑنے کے لیے سب سے پہلے خود قدم اٹھایا تاکہ اس نظام جدید میں جسے اللہ نے اپنے بندوں پر رحم وکرم کی صورت پر عائد فرمایا تھا خالی نہ رہ جائے۔

اس افتراء کی تغلیط کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ زینبؓ بنت جحش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں جو بچپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھیلا کرتی تھیں۔ ان معنوں میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بمنزلہ دختر یا خواہر خورد کے ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں پہچانتے تھے۔ ان کے زیدؓ کی تزوتج میں آنے سے قبل انہیں دیکھا ہوا تھا۔ بی بی زینبؓ کی طفولیت سے لے کر عہد جوانی تک کے ہر ہر سال وماہ ویوم میں اور زیدؓ کے لیے خطبہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس کے بعد ان تمام مفتریات پر نظر دوڑائے جن میں دو باتیں کہی جاتی ہیں۔

(الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیدؓ کے ہاں تشریف لے گئے تو وہ گھر میں موجود نہ تھے اور آپ زینبؓ کے حسن وجمال پر فریفتہ ہو کر سبحان اللہ مقلب القلوب کہتے ہوئے وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔

(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت ان کے ہاں تشریف لاء اس وقت بی بی زینبؓ ایک باریک عبا زیب تن فرمائے ہوئے تھیں۔

کیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصور سے آپ کو اپنی موجود چھ بیویوں کا وجود بھی محو ہو گیا خصوصاً خدیجہؓ کا تصور جن کے متعلق عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے خدیجہؓ کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی بیوی پر رشک نہیں کیا۔ وٗجب بھی ذکر آتا ان کی بے حد مدح فرماتے۔ بی بی زینبؓ کے متعلق یہ ارادہ ہوتا تو آپ شروع ہی میں زیدؓ کی بجائے اپنے لیے خطبہ فرما سکتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور زینبؓ کی اس قدر قریبی رشتہ داری تھی کہ

اس قسم کے مفروضہ الزامات کی تردید کے لیے کافی ہے کہ اگر زینبؓ بی بی کا حسن و جمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں اس حد تک جاگزیں تھا تو آپ زیدؓ کی بجائے اپنے لیے خطبہ پیغام نکاح میں کیا مانع تھا؟ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب زینبؓ کی قرابت خاصہ اور بیبی کی طفولیت سے لے کر سن رشد تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب رہنا افتراء بازوں کی خیالی بندشوں پر ایسی ضرب ہے جس کے سامنے ان کے اتہامات کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔

خطبہ برائے زیدؓ

اس معاملہ میں تاریخ ہماری کیا رہنمائی کرت ہے بیشک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ کے لیے اپنی پھوپھی زاد ہمشیرہ سیدہ زینبؓ سے خطبہ فرمایا جس سے ان کے بھائی عبداللہ (پسر جحش) نے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ ان کی ہمشیرہ ہاشمیہ ہیں اور انہیں ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ کیا ایسی نجیب الطرفین خاتون کا عقد اس شخص سے کر دیا جائے جسے قریش کی ایک ہی خاتون (ام المومنین خدیجہؓ) نے خریدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد کیا؟ یہ امر نہ صرف زینبؓ بلکہ تمام عرب کے اشراف کے لیے عار و ندامت کا موجب ہوگا کہ شرفاء کی صاحب زادی کو غلاموں کے حبالہ عقد میں دے دیا جائے۔

عرب کی عجم پر عدم فضیلت

مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس قسم کے نسلی امتیازات عملاً ختم کرنے کو تھے کہ عربی النسل ہونا اس بات کی ضمانت نہیں کہ ان سے ہر عجمی نژاد پر برتری حاصل ہو جیسا کہ قرآن جو مجید میں ارشاد ہے:

ان اکرمکم عنداللہ اتقکم (۴۹:۱۳)

> ''اللہ کے نزدیک تم میں سے بڑا وہ ہے جو تم میں پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ
> جاننے والا باخبر ہے''۔

اور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نسلی برتری کے مٹانے کی غرض سے اپنے خاندان کے سوا کسی اور کو اس امر کے لیے اتنا مجبور نہ فرما سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھ لیا کہ آپ کی پھوپھی زاد زینبؓ عرب کے نسلی امتیاز کو اس طرح رفع کر سکتی ہیں کہ ایک شریف زادی کا عقد ایسے شخص سے بھی ہو سکتا ہے کہ جو عام نظروں سے اس قدر کم درجہ کا سمجھا جاتا ہو کہ سماعت اس تصور کو گوارا نہ کر سکے۔ جناب زیدؓ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہونے کے ساتھ حضرت کے متبنیٰ ہونے کے فخر سیبھی بہرہ مند تھے۔ اور دستور عرب کے مطابق دوسرے عصبات و ذی العروض ے ساتھ اپنے منہ بولے والد گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیک ورثہ میں بھی شریک جسے بعد میں اسلام نے ختم کر دیا آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسلسل اصرار پر آپ کی پھوپھی زاد زینبؓ اور ان کے بھائی (جناب عبداللہ بن جحش) اس پر رضامند ہو گئے کہ جن کی درح میں یہ آیت نازل ہوئی:

وماکان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ ورسوله امرا ان یکون لهم الخیرة ن امرهم ومن یعص اللہ ورسوله فقد ضل ضلال مبینا (۳۳:۳٦)

> ''اور کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کو شایاں نہیں ہے کہ جب اللہ
> اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے میں کوئی بات ٹھہرا
> دیں تو وہ (اپنی رائے کو دخل دیں) اور اس بات میں ان کا (اپنا)
> اختیار (باقی) رہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
> کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑ چکا۔

عقد زینبؓ میں جبری رضامندی

آیت مذکورہ نازل ہونے کے بعد عبداللہ اور زینبؓ دونوں بہن بھائی اظہار رضامندی

پر مائل ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق مہر ادا فرما دیا۔ لیکن زینبؓ کے فخر ونسب اور زیدؓ سے نفرت کسی میں کمی نہ آئی۔ زینبؓ بار بار زیدؓ کے مقابلہ میں اپنی نجابت اور تشخص پر برتیری سے اظہار فرماتیں میں آزاد شدہ نہیں ہوں!

ہر گھڑی کی اس چپقلش نے زیدؓ کا ناطقہ بند کر دیا۔ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا دکھڑا سناتے اور طلاق دینے کی اجازت طلب کرتے۔ ہر چند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

امسک علیک زوجک واتق الله ہ ا (۳۷:۳۳)

سے تلقین فرماتے لیکن زیدؓ کا ان کے ساتھ زندگی بسر کرنا اجیرن ہو گیا۔ آخر کچھ مدت انتظار کرنے کے بعد انہیں طلاق دے کر برطرف ہو گئے۔

منہ بولے بیٹوں کا معاملہ

بات یہ ہے کہ عرب میں منہ بولے بیٹوں کے معاملہ میں حد سے بڑھ چکے تھے۔ انہیں صلبی اولاد کے حقوق حاصل تھے مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت آفرینی اس کو بھی گوارا نہ کر سکی کہ وہ بلاحجاب گھروں میں گھس آئیں یا استحقاق وحرمت نسب میں انہیں صلبی اولاد کا ہم پلہ قرار دیا جائے۔ اور میراث وترکہ میں برابر کا حصہ دار ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ضروری سمجھا کہ منہ بولے بیٹوں کے حقوق ایک دوست یا دینی بھاء سے زیادہ نہ رہنے پائیں۔ ان حقوق بندی پر آخر یہ آیت نازل ہوئی:

وما جعل ادعیاء کم ابنائکم ذلکم قولکم بافواھکم واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل (۴:۳۳)

> ”اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا نہ تمہارے زبان بدلنے کی ضرورت ہے اور اللہ تو حق بات کو پسند فرماتا ہے اور وہی لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے“۔

لے اپنی بی بی زینبؓ کو اپنی زوجیت میں رہنے دے ارو اللہ سے ڈر اور اسے چھوڑ نہیں۔

اس آیت کے مفہوم کے مطابق رسوم کے اصلاح کنندہ کو خود ہی ایسا قدم اٹھانا چاہیے کہ سب سے پہلے باپ اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے عقد کر سکے۔ اور متبنیٰ کو اپنے منہ بوے بیٹے کی زوجہ سے عقد گوارا ہو۔ لیکن کسے یارا تھا جو ان رسوم کے خلاف عملاً قدم اٹھائے پھر عرب جیسے ملک میں جہاں صدیوں سے یہ رسمیں قوی طور پر دستور کے طریق پر تہذیب وتمدن میں داخل ہو چکی تھیں ماسوائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جن کی قوت عزیمت اور حکمت خداوندی پر عمیق ادراک وفکر نے آپ کو عملاً اس پر آمادہ کرلیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے اس حک کو نافذ کرنے کے لیے بی بی زینبؓ کے ساتھ عقد فرمالیا جنہیں آپ کے منہ بولے فرزند زیدؓ نے طلاق دے کر برطرف کر دیا تھا۔ مگر آپ کے دل میں یہ احسس بھی تھا کہ ملک کی اتنی قدیم رسم کے توڑنے پر لوگ کیا کہیں گے جیسا کہ:

وتخفی ی نفسک ما الله مبديه و تخشى الناس و الله احق ان تخشه

(۳۷:۳۳)

> ’’اور تم اس بات کو اپنے دل میں چھپاتے تھے کہ جس کو آخر کار اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تم (اس مقابلے میں) لوگوں سے ڈرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ ت اس سے ڈرو۔‘‘

لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احکام الٰہی کی انجام دہی میں تمام امت سے پیش پیش اور ان حکموں کی تبلیغ کے ذمہ دار تھے۔ آپ نے لوگوں کی چہ میگوئیوں سے بے پروا ہو کر اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ کی مطلقہ سے عقد فرمالیا کیوں کہ احکام خداوندی کی تعمیل میں لوگوں سے ڈرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی خشیت اصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بی بی زینبؓ سے اس لیے عقد فرمالیا تا کہ حکیم ودانا شارع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حکم خداوندی کو جاری کرسکیں جو منہ

بولے بیٹے اور باپ دونوں کی وجہ سے باطل ہورہا ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہے:

فلما قضی زید منها وطرا زوجنکها لکی لا یکون علی المومنین ؤحرج فی ازواج ادعیائهم اذا قضوا منهن وطرا وکان امر الله مفعولا (۳۷:۳۳)

> ''پھر جب زیدؓ (اس عورت) سے بے تعلق کر چکا (یعنی طلاق دے دی او رعدت پوری ہوگئی تو) ہم نے تمہارے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دیا تاکہ عام مسلمانوں کے لے پالک جب اپنی بی بیوں سے بے تعلق ہو جائیں تو مسلمانوں کے لیے ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے اور خدا کا حکم تو ہوکر ہی رہتا ہے''۔

ام المومنین زینبؓ کے واقعات

صرف اتنے میں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد ہیں اس رشتہ کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں زیدؓ کے نکاح میں آنے سے قبل ہمیشہ دیکھا۔ آپ ہی نے زیدؓ سے ان کا خطبہ فرمایا۔ زیدؓ سے ان کا عقد ہوجانے کے بعد جب تک یہ آیہ حجاب نازل نہ ہوئی تھی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ار بی بی زینبؓ کے درمیان قرابت کی وجہ سیا یک دوسرے کے سامنے آنے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ ان کے ہاں آنے جانے میں کوئی تکلف کہ زینبؓ آپ کے منہ بولے بیٹے زیدؓ کی اہلیہ تھیں بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دونوں میاں بیوی کے باہمی ان بن کی وجہ سے ان کے ہاں بار بار جانا پڑتا تھا اور اس لے بھی کہ اس معاملہ میں احکام الٰہی کا نزول شروع ہوگیا جن میں اس طلاق کے بعد بی بی زینبؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ککے عقد میں آنے کا اشارہ بھی تھا۔

غلام اور حقوق شہریت

یہی احکام دوسری حیثیت سے آزادہ کردہ غلا کو شہریت کے حقوق دلانے کا سبب ہوئے اور

یہی احکام منہ بولے بیٹوں کے وہ حقوق ختم کرنے کا موجب ہوئے جن (حقوق) کی وجہ سے ان صلبی بیٹوں کے ساتھ کلی مناسبت قائم ہو چکی تھی اور انہی احکام نے آئندہ کے لیے منہ بولے بیٹوں کے لیے کوئی ایسی گنجائش نہ چھوڑی کہ جس کے وہ مستحق نہ ہوتے ہوئے ان سے مستفید ہو رہے تھے۔

سوال یہ ہے کہ اس قدر واضح احکام اور صحیح واقعات کے ہوتے ہوئے ان فسانوں کی اہمیت کیا رہ جاتی ہے جو اس عقد میں وضع کیے گئے اور مستشرقین نے ان کی فسانوی حیثیت کو جانتے ہوئے ان سے اپنی تالیفات میں استفادہ کیا؟ ان محققین میں برسرِ عنوان میور ارفنج اسپرنگر سیل درمنگھم اور لامنس وغیرہ ہیں جنہوں نے تحقیق کی آڑ میں مسیحیت کی تبلیغ کے لیے یہ گل کھلائے۔ ان مسیحی مصنفین کے دلوں میں حروب صلیبیہ کی وجہ سے جو آگ صدیوں سے سلگ رہی تھی اس کی وجہ سے یوں جلتے رہنا ان کے لیے مقدر میں تھا کہ وہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ایسی کتابیں لکھیں کہ ج میں آپ کی ازدواج خصوصاً زینبؓ کے عقد کی وجہ سے پانی پی پی کر کوسا جا سکے۔ انہوں ے تاریخ کا کتنا بڑا گناہ کیا کہ دیدہ ودانستہ اپنی تحقیق کا مبنی ضعیف اور موضوع روایات کو قرار دیا۔ اگر یہ تحقیق صحیح روایتوں پر مبنی ہوتی تو پھر ہمیں یہ کہنے کا حق ہوتا کہ دنیا کے بلند ترین اشخاص کی عوام کی طرح ہر قانون کا پابند نہیں ہوتے جیسا کہ:

(الف) حضرت موسیٰ نے ایک قطبی کو قتل کر دیا اور ان پر سزا وارد نہ ہو سکی[1] (اور ان کے رسول ہونے کی حیثیت سے ان پر نازل شدہ کتاب (تورات) یہودیت کا دستور شریعت قرار پائی :م:)

(ب) جناب مسیحؑ باپ کے بغیر پیدا ہوئے اور مسیحیت کی روح سے انہیں روح القدس[2] اور کیا کیا نہ کہا گیا بلکہ مسیح علیہ السلام کا اس طرح متولد ہونا ہی ان کے لیے وجہ تقدیس بن گیا (طریق تولید کے اس قدر خلاف اور اس کے متعلق یہ حسن عقیدہ: م)

---

[1] خروج باب ۱ نمبر ۱۲، ۱۳، ۱۴

---

[2] لوقا، باب ۱ نمبر ۲۶ تا ۳۵

---

(۳) حضرت یونسؑ (جنہوں نے برملا خداوند خدا کی بے فرمانی کی پاداش میں عبرت انگیز سزا پائی[1] لیکن انبیائے مرسلینؑ پر ایسے عوارض کی وجہ سے ان کے علو مرتبت کے ہوتے ہوئے طعن نہیں کیا جاتا)۔

بخلاف ان کے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنہوں نے وحی خداوندی کی رہبری میں نظام اجتماعی کی بنیاد رکھی اور اسی الہام کی رہنمائی میں اس نظام کو مربوط و مستحکم فرمایا جس کی بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بلند مرتبہ نصیب ہوا اور آپ کے اس اسوہ حسنہ کو سراہا گیا کہ آپ نے خدا کے احکام کی تبلیغ میں کس قدر فراست وتدبر کو سمو دیا ہے ایسی جامع الصفات ہستی کے لیے مسیحی مبلغوں نے چاہا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسروں کے لیے چار بیویوں کی تحدید کر دی خود بھی اسی حد تک رہتے اور اپنی چار بیویوں کے ماسوا سب کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیتے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یہی مناسب ہوتا اور ایسا ہی کر گزرتے تو کیا آپ مسیحؑ مہربانوں کے ان طعنوں سے بچ سکتے تھے؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے حرم کے ساتھ سلوک کو جو تذکرہ حضرت عمر بن الخطابؓ کی زبان سے پیش کیا گیا ہے اور ابھی اس کی اور وضاحت ہوگی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ بیویوں کا جس قدر احترام جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا اس کے مطابق اس صنف پر لطف وکرم کی کوئی اور نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔

---

[1] خداوند خدا کا کلام یوناہ (م: یعنی یونس) بن تی پر نازل ہوا کہ اٹھ اور اس شہر نینوا کو جا اور اس کے خلاف منادی کر کیوں کہ اس کی شرارت میرے حضور پہنچی ہے لیکن یوناہ خداوند کے حضور سے ترسیس کو اٹھ بھاگا اور یافا

میں پہنچا ار وہاں سے اسے ترسیس کو جانے والا جہاز نہ ما اور وہ کرایہ دے کر اس پر سوار ہوا تا کہ خداوند خدا کے حضور سے ترسیس کواہ جہاز کے ساتھ لے جائے۔ لیکن خداوند نے سمندر پر بری آندھی بھیجی اور سمندر میں سخت طوفان برپا ہوا اور اندیشہ تھا کہ جہاز تباہ ہو جائے۔ تب ملاح ہراساں ہوئے اور ہر ای نے اپنے دیوتا کو پکارا۔ تب وہ خوف زدہ ہو کر اس سے کہنے لگے کہ تو نے یہ کیا یا۔ کیوں کہ ان کو معلوم تھا کہ وہ خداوند کے حضور سے بھاگا ہوا ہے اس لیے کہ اس نے خود ان سے کہا تھا (یوناہ باب ۱ نمبر ۱ تا ۱۰): م۔

☆☆☆

باب ۱۸

جنگ خندق (یا احزاب) اور یہود بنو قریظہ

مدینہ میں یہود کے تین بڑے قبیلے آباد تھے:

(الف) بنو قینقاع: سب سے پہلے انہی کا اخراج عمل میں آیا۔

(ب) بنو نضیر: (الف) کے بعد خارج البلد کیے گئے۔

(ج) بنو قریظہ: جن کی داستان زیر تسوید فصل اٹھارہ میں بیان ہو رہی ہے۔

بنو قینقاع کے بعد بنو نضیر بھی اپنے تمرد کی پاداش میں مدینہ سے جلا وطن کر دیے گئے۔ غزوہ بدر ثانیہ میں ابوسفیان مقابلہ پر آئے کہ واپس لوٹ گئے۔ قبائل نے غزوہ غطفان و دومتہ الجندل میں اپنی فوج کشی کا نتیجہ دکھ لیا تب کہیں مسلمانوں کو مدینہ میں سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔ اگرچہ وہ تجارت کے لیے اب بھی سفر نہ کر سکتے تھے نہ کھیتی باری کے لیے کھلے بندوں شہر کے باہر نق و حرکت کی گنجائش تھی بلکہ اس عرصہ میں غنیمت اور فے میں سے جو جس کے حصے میں آیا اسی پر گزر بسر کر کے زندگی کا یہ وقفہ بسر کر دیا۔

اس وقفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکر مندی

لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقفہ میں یکسو نہ رہ سکے کہ دشمن کس وقت کون سی چال چل جائیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاسوس ادھر ادھر پھیلا دے تا کہ وقت سے پہلے مدافعت کی تیاری کی جا سکے۔ مسلمانوں کے لیے چارہ کار بھی کیا تھا۔ قریش مکہ اور قبائل نے ان کے خلاف جو قیامت برپا کر رکھی تھی کسی وضاحت کی محتاج نہیں۔ ہر ایک رسم میں اندھی تقلید وار جمود کے باوجود ملک کے تمام باشندے شہری ہوں یا بدوی سبھی ایک قسم کا جمہوری

نظام مروج تھا۔ جس میں لباس و اطوار و خصائل بلکہ مذہب تک میں توحد تھا۔ عرب کے رہنے والے بعد مسافت کے باوجود ایک دوسرے کے اس قدر قریب تھے کہ جس کی نظیر دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔

جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب نژاد ہونے کی وجہ سے اپنے ملک میں بسنے والی قوموں کے شعور سے پوری طرح واقف تھے۔ اور ان سے ہمہ وقت خائف رہتے تھے کہ نہ معلوم کینہ توز عرب کس وقت مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں۔ قریش مکہ بدر کے مقتولین کی وجہ سے ان کے خون کے پیاسے بنو قینقاع اور بنو نضیر مدینہ سے اخراج کے غصہ میں ان کے دشمن بنو غطفان و بنو ھذیل ان سے انتقام لینے کے درپے اور قبائلی عصبیت کی وجہ سے تمام عرب ایک دوسرے کی حمایت میں کمر بستہ۔

عرب کا ایک ایک متنفس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی کئی وجوہ سے انتقام لینے کے لیے سر بکف ہے۔ انہیں یہ دکھ بھی کھائے جا رہا تھا کہ کل جو شخص اپنے وطن سے ایمان باللہ کے سوا کوئی اور دولت لیے بغیر نکل آیا تھا اسنے مدینہ میں پانچ سال کے اندر اس قدر قوت حاصل کر لی تھی کہ اطراف و جواب کے تمام بڑے شہر اور صحرائے عرب کے ہر ایک قبیلہ میں اپنی ڈھاک بٹھا لی۔

یہود کی خصومت

حاسدان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمام عرب سے زیادہ یہود کی خصومت خطرناک تھی، جو اپنی علمی بصیرت کے پرتو میں یہ جاننے کے باوجود کہ ایک نہ ایک روز جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے سامنے ان یہود کی سیادت کا چراغ بجھ جائے گا اگرچہ وہ خود بھی توحید کا پرچار کر رہے تھے ادھر نصاریٰ کے ساتھ ان کی شروع سے رقابت تھی جن پر غالب آنے کی امید میں انہوں نے صدیاں گزار دیں۔ یہود کی برتری کی یہ تنا بعید از قیاس بھی نہ تھی کہ بلند مرتبہ انسان طبعاً توحید پر مائل رہتا ہے اس کی وجہ سے انہیں مسیحانہ تثلیث سے رغبت نہ ہو سکی۔

آج یہود کے نصرانی دشمنان توحید کے مقابلہ میں ایک داعی توحید جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے ظہور فرمایا جو عالی نژادگی میں بے مثل اور دنیا کی عظیم ترین تمام شخصیتوں سے برتر تھے۔ توحید کی دعوت جس انداز میں پیش فرمائی دلوں میں یوں بس گئی کہ جسے قبول کرنے والوں نے خود میں اپنی پہلی حالت سے بہت کچھ برتری دیکھی۔

اور جونہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوت حاصل کی پہلے یہود بنوقینقاع کو مدینہ سے خارج ہونے کے لیے مجبور فرمایا اور اس کے بعد یہود بنونضیر کو انہی کے قدموں پر چنے کے جرم میں شہر سے باہر دھکیل دیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہود کے یہ دونوں ٹولے جب اپنا گھر بار چھوڑ کر اپنے آبائی وطن بیت المقدس (ارض موعود) کی ست لوٹے تو اپنے دل میں غیظ وغضب کے بغیر چلے گئے؟ یا انہوں نے یہ ارادہ نہ کیا کہ جس طرح بن پائے اپنا انتقام لینے کے لیے قبائل عرب کو بھڑکایا جائے؟

بنوقریظہ کا مشرکین سے الحاق

بنوقریظہ کے دل میں غیظ کی جو چنگاری سلگ رہی تھی اسے ہوا دینے کے لیے انہوں نے رو رو کر عرب سے التجائیں کیں۔ ابن ابوالحقیق کے دونوں بیٹے (سلام وکنانہ) اور حی بن اخطب ھرسہ یہودان ابونضیر اور بنووائل کے دو بڑے سرغنے ہوذہ بن قیس اور ابوعمارہ (پانچ آدمیوں کا غول) وفد کی صورت میں قریش مکہ کے ہاں پہنچا جنہوں نے حیی بن اخطب سے دریافت کیا کہ بنونضیر کے عزائم کیا ہیں۔

حیی: وہ خیبر اور مدینہ کے درمیان پڑاؤ ڈالے تمہاری راہ تک رہے ہیں۔ تاکہ قریش کے ساتھ مل کر جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں پر حملہ آور ہوں۔

قریش: اور بنوقریظہ کس حال میں ہیں؟ (یہ قبیلہ ابھی تک مدینہ میں تھا)

حیی: بنوقریظہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فریب میں رکھنے کے لیے ابھی تک مدینہ ہی میں موجود ہیں اور موقع کے منتظر ہیں۔

اس منزل پر قریش اس فکر میں ڈوب گئے کہ آیا انہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کرنا

مناسب بھی ہے یا نہیں۔ ان اک اختلاف ان کے ایمان باللہ کی وجہ سے شروع ہوا تھا۔ اب ان کی دعوت کا حلقہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ حق پر ہیں؟ یہاں پہنچ کر قریش نے یہود سے ایک اور سوال کیا:

قریش کا یہود سے مذہبی تفاوت کا سوال

قریش مکہ نے ان یہود سے برملا پوچھا کہ اے برادران یہود! حضرات کو اہل کتاب ہونے میں اولیت حاصل ہے آپ کو ہمارے اور جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اختلاف بھی معلوم ہے۔ ہم آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا دین بہتر ہے یا ہمارے حریف کا؟

یہود کا جواب

صاحبو آپ کا دین اسلام سے بہتر ہے اور ان کے مقابلہ میں آپ لوگ حق بجانب ہیں!

ادھر یہود کے اس کتمان پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتب یومنون بالجبت و الطاغوت ویقولون للذین کفروا ھولاء اھدی من الذین امنوا سبیلا اولئک الذین لعنھم اللہ ومن یلعن اللہ فلن تجدلہ نصیرا ہ (۴:۵۱:۵۲)

”(اے پیغمبرؐ) کیا تم نے لوگوں (کے حال پر) نظر نہیں ک جن کو کتاب آسمانی سے حصہ دیا گیا اور لگے بتوں کا اور شیطان کا کلمہ پڑھنے اور (نیز) مشرکین کی نسبت کہنے لگے کہ مسلمانوں سے تو یہی لوگ زیادہ روبراہ ہیں۔ (اے پیغمبرؐ!) یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے پھٹکار دیا اور جس کو اللہ کی پھٹکار ہے ممکن نہیں کہ تم کسی کو اس کا مددگار پاؤ“۔

یہود کے جواب سے ان کے مشہور مستشرق کی برمات

توحید کے مقابلہ میں قریش کے سامنے بت پرستی کی تعریف میں ڈاکٹر اسرائیل ولنسفوں اپنی

کتاب (تاریخ یہود فی العرب) میں فرماتے ہیں: ''یہود نے کیسا ستم ڈھایا کہ جو قریش کے سامنے بت پرستی کو توحید اسلامی کے مقابلہ میں بہتر قرار دیا! انہیں اس معاملہ میں اس درجہ دشمنی کا ثبوت نہیں دینا چاہیے تھا۔ کہ جادہ حق سے منحرف ہو جائیں اور قریش کے قائدین کے روبرو ہرگز یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ بت پرستی توحید سے بہر حال اعلیٰ ہے۔ چاہے اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ مشرکن مکہ اس سازش میں ان کے ہم نوا نہ ہو سکتے۔ مگر وہ بھول گئے کہ خود ان کے مورث اعلیٰ یعنی بنی اسرائیل نے بت پرستی کے خلاف کس طرح قوموں سے جنگیں جاری رکھیں اور توحید پھیلانے کے جرم میں ان کے پیش رووں میں سے کتنے حضرات نے جام شہادت نوش کیا اور ان میں کتنے حضرات صرف خدائے واحد پر ایمان لانے کی پاداش میں زخمی ہوئے۔ یہود کو چاہیے تھا کہ بت پرستوں کو سرنگوں کرنے کے لیے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف کر دیتے اور جس قدر مال و دولت ان کے قبضہ میں تھا اس راہ میں لٹا دینا اپنا فرض سمجھتے نہ یہ کہ انہوں نے بت پرستوں کے سامنے ان کے عقیدہ کو سراہا۔ یہ تو اپنے عقیدہ کے خلاف جنگ کرنا تھا اور تورات کی اس تعلیم کے منافی جس میں بت پرستوں سے نفرت اور ان کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم موجود ہے''۔

قریش کے ساتھ سازش کے بعد قبائل میں تحریک

قرار پایا کہ حملہ کیا جائے اور تیاری کے لیے اتنے مہینوں کی مہلت طے کی گئی حیی بن اخطب اور ان کے دوسرے یاران سرپل (یہود) نے قریش مکہ ہی کے ساتھ معاہدہ کافی نہ سمجھا بلکہ مندرجہ ذیل قبیلوں میں سے ایک ایک کے ہاں چل کر گئے۔ غطفان (از قیس بن عیلان) بنو مرہ، بنو فزارہ، اشجع، سلیم، بنو سعد، بنو اسد، اور ان کے ہر اس قبیلہ کے پاس جس کا کوئی ایک متنفس مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا جا چکا تھا۔ یہود نے ہر ایک قبیلہ کو مسلمانوں سے اپنا اپنا بدلہ لینے کے لیے بھڑکایا اور انہیں یہ کہہ کر تسکین دی کہ اس معاملہ میں قریش بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ یہود ان قبائل کے سامنے بھی بت پرستی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے میں پیش پیش رہے اور اس حملہ پر انہیں فتح و نصرت کا یقین دلانے میں انہوں نے کوئی کسر باقی اٹھا نہ رکھی۔

مدینہ تاراج کرنے کے لیے

یہود بنو نضیر کی محنت کا ایک حصہ بار آور ہو ہی گیا۔ چاروں طرف سے کفار کے دل یک دل امڈ آئے۔ ابوسفیان مکہ سے چار ہزار شمشیر زن لے کر نکلے جن کی سواری میں تین سو کمیت گھوڑے اور ایک ہزار بادرفتار سانڈنیاں تھیں لشکر کا علم قریش کے دارالندوہ میں بیٹھ کر بانس سے پرویا گیا تھا۔ عثمان بن طلحہ کو علم برداروں کا منصب عطا ہوا جس کا باپ احد میں اسی علم برداری کے صدقے میں مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو چکا تھا۔

قبائلی لشکر

بنو فزارہ کے ان گنت نوجوان نکلے جن کے پاس سواری میں ایک ہزار تیز رو سانڈنیاں تھیں ان کا سپہ سالار عیینہ بن حصن بن حذیفہ تھا۔ قبلہ اشجع اور مرہ سے ہر یک کے چار چار سو دلاور نکلے۔ ان کے امیر لشکر مسعر بن رحیلہ اور حارث بن عوف علی الترتیب تھے قبیلہ بنو سلیم جنہوں نے مقام قرقرہ الکدر پر اپنے خروج کی سزا پائی تھی۔ سات سو سورماؤں کے ہمراہ لے کر آ پہنچے۔ اسی طرح بنو سعد اور انہی کی مانند بنو اسد سب کی مجموعی تعداد دس ہزار کے قریب ہو گئی۔ لشکر کے سپہ سالار اعظم ابوسفیان بن حرب تھے۔ محاصرہ کے دوران میں قبائل نوبت بہ نوبت لڑتے۔ آج اگر ان میں سے ایک مورچہ پر آیا تو کل دوسرا اور اسی قبیلہ کا سپہ سالار انہیں لڑائی کے لیے مشتعل کرتا۔

مسلمانوں کی گھبراہٹ

مدینہ میں تمام خبریں سنی جاتیں۔ مسلمان ڈر رہے تھے کہ مبادا یہ لشکر جرار انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دے۔ کبھی خیال گزرتا کہ عرب کی تاریخ میں اتنی بڑی فوج آج تک یکجا نہیں ہوئی۔ یہ کیا ہوا؟ کبھی انہیں احد کا حادثہ یاد آ جاتا کہ وہاں اس سے ک فوج نے انہیں شکست دے دی اور اتنے بڑے لشکر کے سامنے وہ کیوں کر ثابت قدم رہ سکیں گے جو تعداد و اسلحہ و سواری اور رسد کی اس قدر قوت رکھتا ہے۔

مسلمانوں کی مشاورت اور خندق کھودنے کی قرارداد

قرار پایا کہ کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے کی بجائے شہر میں رہ کر ہی مدافعت کی جائے اگرچہ مسلمانوں کو اس صورت میں بھی اپنے عہدہ برا ہونے کا یقین نہ تھا۔ سلمان فارسیؓ مدینہ میں تشریف فرما اور خندق کھودنے کے طریقے سے واقف تھے۔ (جس سے عرب بے خبر تھے) سلمانؓ جنگ کے بھی ماہر تھے انہوں نے مشورہ دیا کہ داخلی قوت مجتمع کر کے شہر کے اردگرد خندق کھود لی جائے۔ ان کے نقشہ کے مطابق کھدائی شروع کر دی گئی۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ڈلیا سر پر اٹھاتے سلمانوں کے حوصلے بڑھاتے اور صحابہ کو جدوجہد تیز کر دینے کی تلقین کرتے۔

یہود بنو قریظہ آج تک مدینے میں موجود تھے اور ان کے ساتھ باہمی تعاون کا معاہدہ بھی تھا۔ کھدائی کا ضروری سامان ڈلیا گینداراکدال اور پھاوڑے وغیرہ جو یہودیوں کے پاس بکثرت تھے ان سے حاصل کیے گئے۔

تکمیل خندق عورتوں اور بچوں کی حفاظت

خندق چھ روز میں مکمل ہوئی۔ اسی عرصہ میں ان مکانوں کی مرتب بھی کرالی گئی جو دشمن کی زد میں آسکتے تھے اور خندق سے باہر دو فرلانگ کے فاصلہ کے اندر تھے۔ عورتوں اور بچوں کو محفوظ حویلیوں میں یکجا کر دیا گیا اور خندق کے اندرونی کنارے پر پتھر کے ایسے چھوٹے بڑے ٹکڑے جمع کر دیے گئے جو وقت پڑنے پر دشمن پر برسائے جاسکیں۔

کفار کی خندق دیکھنے سے تلملاہٹ

قریش اپنے گھر سے یہ امیدیں لے کر نکلے تھے کہ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی احد ہی میں رن پڑے گا اور اسی لگن میں میدان احد میں پڑاؤ ڈال دیا۔ جب وہاں کسی کو نہ پایا تو مدینہ کی طرف بڑھے یہاں خندق کھدی ہوئی دیکھ کر تلملا اٹھے عرب کے لیے اس طرح سے اوٹ میں لڑنا عار

ہے۔

کفار کے مورچے

قریش اور ان کے لگے بندھے قبائل نے اس تلیا کے سہارے مورچہ بنا لیا، جس میں وادی رومہ کا پانی سمٹ کر جمع ہوتا ہے۔ قبیلہ غطفان اور ان کے پہاڑی یاران سرپل نے مدینہ کی وادی نقمی کے کنارے پڑاؤ ڈال لیا۔

اور مسلمانوں کا محاذ

جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صرف تین ہزار مسلمان تھے۔ (اور کفار کی تعداد کا دس ہزار) خندق سے شہر کی سمت سلع نامی پہاڑی کی پشت کی طرف مسلمانوں کا مورچہ تھا۔

جس میں فخر کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سرخ رنگت کا خیمہ نصب کیا گیا۔ فریقین کے درمیان خندق حائل تھی۔ قریش اور ان کے فریب خوردہ لشکریوں نے جب خندق کا عبور کرنا موت سے کھیلنا سمجھا تب انہوں نے تیر برسانا شروع کر دیے جس کے جواب میں ادھر سے بھی ان کے تواضع میں کمی نہ ہونے پائی۔

لشکر کفار سردی کی زد میں

ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو یقین ہو گیا کہ خندق انہیں مدت تک کامیاب نہ ہونے دے گی۔ سرما کا موسم اور چلے کا جاڑا جسے ٹھنڈی ہواؤں نے اور مہمیز دے رکھا تھا اوپر سے مہاوٹ کا خطرہ۔ ٹھٹھرن سے ہر شخص کے سر پر موت منڈلا رہی تھی۔ کفار اپنے اپنے گھروں میں لاکھ بے سروسامان سہی مگر اہل مکہ اور غطفان کے گھر اور خیمے کے سردخانے تو نہ تھے۔ مہاوٹ کے تصور

---

[1] شہر سے باہر کے حصہ میں صرف شام کا رخ کھلا ہوا تھا اور اس طرح خندق کھودی گئی باقی تینوں سمتوں میں پہاڑ ہیں: م

سے ان کی روحیں سمٹ کر رہ گئیں ایک وقت ایسا آیا تو یثرب کے میدانی خیمے انہیں موت کی گرفت سے کیوں کر بچا سکیں گے۔ پھر یہ احزابی لوٹے تو ایسی امید لے کر آئے تھے کہ احد کی طرح ایک ہی دن میں میدان مار لیں گے اور فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے واپس ہوں گے۔ غنیمت اور مسلمان قبیلوں کے سامان سے مالا مال ہو کر۔

یہود بنونضر نے غطفان سے یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ یثرب فتح ہو جانے پر خیبر کے سرسبز و شاداب باغوں کے یووں کی پوری فصل ان کی نذر ہو گی۔ بنوغطفان کے دماغ میں یہ منصوبہ کھول رہا تھا کہ یثرب فتح کرنے کے بعد ان کے ساتھ خیبر کے باغات کی پھلوں سے بھری ہوئی گونیں بھی ہوں گی۔

ایک طرف تو یہ توقعات تھیں اور سامنے خندق حائل، جس کا عبور کرنا ان کی ہمت سے باہر تھا۔ کفار کو اپنی نامرادی کا یقین سا ہو گیا۔ بنونضیر کو یہ دغدغہ کھائے جا رہا تھا کہ اگر غطفان نے سردی کی شدت سے خیبر کے پھلوں کی پروانہ کی اور مورچہ چھوڑ کر بھاگ گئے تو ان کا کیا حشر ہو گا۔ قریش کی جمعیت کو جو زخم بدر اور اس کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے پہنچے وہ ابھی تک رس رہے تھے کہ خندق اور مدینہ کے قلعوں نے ان زخموں پر اور نمک چھڑکا۔ حملہ آوروں کو یثرب میں رہنے والے یہود بنوقریظہ کی وجہ سے بھی خطرہ تھا۔ کہ ان کی طرف سے مسلمانوں کی امداد محاصرہ کی مدت میں کمی نہ آنے دے گی کبھی یہ خیال گزرتا کہ حملہ سے دست بردار ہو کر لوٹ جانے میں کیا مضائقہ ہے، لیکن ا اس لمحہ سے وہ ڈر جاتے کہ روز روز اتنا بڑا لشکر جمع کرنا بھی تو آسان نہیں۔ اس مرتبہ حیی بن اخطب کی وجہ سے یہودی اپنے اور برادران ملتر بنوقینقاع کی وجہ سے انتقام پر آمادہ ہو گئے تھے اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا اور لشکری اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فتح ہو گی جس کے بعد ابدالآباد تک یہود کا ٹھکانا کہیں نہیں رہے گا۔

حیی بن اخطب (یہود بنونضیر کا سرغنہ) کے دماغ میں ایسے کئی خطرات پہلو بدل رہے تھ ے۔ وہ اپنے انجام سے بے حد خائف تھا۔ اس نے ایک آخری داؤ لگانے کا تہیہ کر لیا۔ جس

طرح ہوسکے یہود بنوقریظہ (اور اہل مدینہ) کو مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی پر آمادہ کیا جائے۔ اگر اس میں کامیابی ہوگئی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسد بند ہوجائے گی اور اس تجویز کی بار آوری ان کی فتح پر منتج ہوگی۔ جب اس نے اپنے منصوبے سے قریش مکہ اور بنوغطفان کو آغاہ کیا تو سننے والے خوشی سے پھولے نہ سمائے۔

حیی بن اخطب اور کعب بن اسد سے یہودی کی ملاقات

(یثرب میں) بنوقریظہ کا سرغنہ کعب بن اسد تھا۔ شدہ شدہ یہ منصوبہ اس نے بھی سن لیا اور حیی کے آنے سے پہلے اپنی گڑھی کا دروازہ مقفل کرادیا۔ اگرچہ اسے یقینت ھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عہد شکنی کے بعد اگر مسلمان معتوب ہوگئے تو نہ صرف اسے بلکہ تمہام یہود کو نفع ہوگا، لیکن حملہ آوروں کی شکست بنونضیر کو ہیں کا نہ رہنے دے گی۔ حیی بن اخطب کے اسرار پر دروازہ کھولنا ہی پڑا۔ حیی نے کعب سے کہا کہ اے کعب! تمہیں کیا ہوگیا ہے میں ل ے دنیا کے مشہور لوگوں کا لشکر جمع کرلیا ہے۔ قریش اور بنوغطفان اپنے اپنے سرغنوں کی سرکردگی میں شمشیر بکف ہیں وہ معاہدہ کرکے آئے ہیں کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انکے رفقا کو تہس نہس کرکے قدم پیچھے ہٹائیں گے۔ لیکن کعب ابھی تک متردد تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایفائے عہد اور صدق مقال کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ کہہ کر انکار کردیا کہ مبادا ہمارا حشر خراب ہو! مگر حیی بن اخطب متواتر اصرار کرتا رہا۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہود کو جو تکلیفیں پہنچ چکی تھیں ان کی بنا پر اس نے کعب سے کہا اگر یہ حملہ ناکارہا تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو دوسرے یہود کا ہوا ہے۔ اور حیی نے اس کے سامنے حملہ آور لشکر کی قوت وجمیت کی تعریف میں زمین آسمان کے کلابے ملانے کے بعد کہا کہ اگر خندق ہمارے راستے میں حائل نہ ہوتی تو اب تک مسلمانوں کو ملیامیٹ کردیا ہوتا۔ کعب مائل ہو ہی گیا۔ اس نے حیی سے ریافت کیا کہ اگر حملہ آور ناکام واپس لوٹ گئے تو ہماری نگہداشت کی کیا صورت ہوگی؟ حیی نے کہا کہ اس وقت ہم لوگ بھی تمہارے ہی قلعوں میں آجائیں گے اور تمہارے دکھ سکھ میں شریک رہیں گے۔ کعب (بن اسد)

کی یہودیانہ عہد شکنی عود کر آئی، اس نے اپنے یہودی برادر حیی بن اخطب کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے دوستوں کے ساتھ اس تحریری معاہدہ کو ختم کر دیا جس میں ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری کے عہد و پیمان تھے۔

کعب (بنوقریظہ) کی بدعہدی کے بعد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب کبار بنوقریظہ اور حملہ آوروں کی نئی سازشوں سے مطلع ہو گئے، جس سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصورات میں ایک نئے خطرے کا اضفہ ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب میں سے مندرجہ ذیل چار معتمد حضرات کو تصدیق خبر اور کعب بن اسد سے تجدید گفتگو کی غرض سے بھیجا اور اس میں یہ رعایت ملحوظ رکھی کہ شہر کے ہر دو ممتاز قبائل اوس و خزرج کا ایک ایک سر برآوردہ ہو۔ (۱) حضرت سعد بن معاذؓ سید قبیلہ اوس (۲) حضرت سعد بن عبادہؓ سردار قبیلہ خزرج (۳) جناب خوات بن جبیرؓ (از اوس) اور (۴) حضرت عبداللہ بن رواحہؓ خزرجی تھے۔ (ان چار حضرات کو کعب یہودی کے پاس بھیجا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہدایت فرما دی کہ واپسی پر مسلمانوں سے وہاں کی گفتگو کا ذکر مبہم لفظوں میں کیا جائے۔

کعب کی شرائط

یہ حضرات کعب کے پاس پہنچے تو وہ پہلے سے بھرا بیٹھا تھا۔ اناپ شناپ بکنا شروع کر دیا۔ مگر ان کے بار بار کہنے پر اس نے یہ شرط پیش کی۔ پہلے بنونضیر کو شہر میں دوبارہ آباد ہونے کا موقع دیا جائے۔

حضرت سعد بن معاذؓ بنوقریظہ کے ساتھ ذاتی معاہدہ بھی تھا۔ انہوں نے از راہ ہمدردی کعب سے فرمایا مبادا آپ کا حشر بھی بنونضیر ہی کا سا ہو۔ مگر بنوقریظہ کے دل بدل چکے تھے۔ انہوں نے یہ الٹا جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے

ساتھ ہمارا کوئی معاہدہ نہیں۔ حتیٰ کہ فریقین میں سخت کلامی ہوتے رہ گئی۔

مسلمانوں کے سفیر واپس تشریف لے آئے۔ بنوقریظہ کی عہد شکنی نے رسول الہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت متاثر کیا۔ خطرات بڑھ گئے اور یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ عہد شکن بنوقریظہ کہیں حلہ آوروں کو شہر میں داخل ہو جانے کا راستہ نہ دے دیں جس سے کفار مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیں۔ یہ خیال وہم ہی نہ تھا۔ مسلمانوں کو بنوقریظہ کے رسد بند کر دینے کا خطرہ بھی اس میں شامل تھا۔

حیی (ابن اخطب) کی واپسی پر حملہ آوروں کا جوش

بنوقریظہ کے ہاں سے حیی بن اخطب کی کامیاب واپسی پر قریش وغطفان کے حوصلے بڑھ گئے۔ کعب اور حیی کے معاہدہ میں طے ہوا تھا کہ ادھر بنورقریظہ دس روز تک جنگ کی تیاری کر لیں اور اس مدت میں بغیر توقف حملہ آوروں کو مسلمانوں پر یلغار کر دینا چاہیے۔

حملہ احزاب کی صورت

(الف) مشرق فوق الوادی کی سمت پر بنو اسد اور غطفان بڑھے غطفان پر الک بن عوف النصری اور عینیہ بن حصن انفزاری کمان کر رہے تھے اور بنو اسد پر طلیحہ بن خویلد الاسدی۔

(ب) مغرب بطن الوادی بمصداق قرآن ومن اسفل منکم (۳۳:۱۰) کی سمت پر قریش اور بنوکنانہ جن کی کمان ابوسفیان کے ہاتھ یں تھی۔

(ج) خندق کی سمت پر عمرو بن سفیان ابوالاعور سلمی۔

کفار کا لشکر اور مومنین دونوں کے اس موقف پر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

اذ جاء کم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار و بلغت القلوب الحناجر و تظنون بالله الظنونا هنالک ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالا شدیدا. واذ یقول المنفقون والذین فی قلوبهم مرض ما وعدنا الله ورسول الا غرورا (۳۳:۱۰.۱۲)

> ”جس وقت (دشمن) تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اترے اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور مارے خوف کے تمہاری آنکھیں پھری کی پھری رہ گئی تھیں اور کلیجے مونہوں کو آ گئے تھے اور خدا کی نسبت تم (لوگ) طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے اس موقعہ پر مسلمانوں (کے استقلال) کی آزمائش کی گئی اور خوب ہی جھڑ جھڑائے۔ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (شک کے) روگ تھے (بے اختیار) بول اٹھے کہ خدا اور اس کے رسول کے جو ہم سے وعدہ کیا تھا بس نرا دھوکا ہی تھا“۔

واذ قالت طائفة منهم يثرب لا مقام لكم فارجعو ويستاذن فريق منهم النبى يقولون ان بيوتنا عورة وما هى بعورة ان يريدون الا فرارا (۳۳:۱۳)

> ”اور جب ان سے ایک گروہ کہنے لگا کہ مدینے کے لوگو تم سے (اس جگہ دشمن کے مقابلے میں) نہیں ٹھہرا جائے گا تو (بہتر ہے کہ لوٹ چلو) اور ان میں سے کچھ پیغمبر سے (گھر لوٹ جانے کی) اجازت مانگتے اور کہتے کہ ہارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں بلکہ ان کا رادہ تو صرف بھاگنے کا ہی ہے“۔

مدینہ میں محصور مسلمانوں کی پریشانی

مصیبتوں نے (یثرب میں) محصور مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا ان کے دل دشمن کے اژدھام سے بیٹھ گئے محصورین میں منافقوں کے جس گروہ کے کارنامے شکوہ کے لائق تھے اس گروہ نے مسلمانوں سے الٹا یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم سے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسریٰ و قیصر کے ذخیروں پر قبضہ ہونے کا وعدہ کر رکھا تھا یا یہ حالت ہے کہ آج ہم قضائے حاجب کے لیے بھی شہر سے باہر نہیں جا سکتے“۔

ان میں سے ایسے لوگ بھی تھے جن کی آنکھیں حملہ آوروں کو دیکھ کر کھلی کی کھلی رہ گئیں بعضوں

کے دل خوف سے بیٹھے جا رہے تھے۔ یہ لوگ قریش و غطفان کی شمشیروں کی چمک اپنے لیے برق خاطف سمجھ رہے تھے۔ کچھ لوگوں کے دل بنو قرظہ کی عہد شکنی سے پارہ پارہ ہو رہے تھے۔ اے یہود! ت پر خدا کی لعنت ہو کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنونضیر کو جلا وطن کرنے کی بجائے تہہ تیغ کر دیتے تو آج ان کے ہاتھوں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ آہ اے حیی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی دن کے لیے تجھے زندہ رہنے دیا کہ تو قریش اور قبائل عرب کو مسلمانوں پر مشکا دے۔ اے کاش! جس زمین پر آج خندق کھود کر اپنا بچاؤ کیا جا رہا ہے مدینہ کا یہ ٹکڑا حیی بن اخطب اور اس کے لگے بندھوں کے خون سے سیراب ہو گیا ہوتا تا کہ اس میں مسلمانوں کا لہو پینے کی تڑپ باقی نہ رہتی۔

آہ! اے طامۃ الکبریٰ!

وصد آہ! اے فزع الاکبر

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

غزوہ خندق میں کفار کا حملہ

الغرض حیی بن اخطب کی واپسی پر حملہ آوروں کا جوش سوا ہو گیا۔ خندق کا ایک کنارہ سمٹا ہوا تھا۔ کافروں نے یہیں سے خندق عبور کرنے کا تہیہ کیا۔

آگے آگے قریش کا لشکر تھا۔ پیش رومی میں سب سے بڑے سورما عمرو بن عبدود تھے۔ ان کے پیچھے عکرمہ بن ابوجیل اروضرار بن الخطاب وغیرہ۔ ان سب نے مل کر خندق کے بیرونی کنارے سے اپے گھوڑوں کو مہمیز جو دیا تو وہ چش زدن میں مسلمانوں کے سر پر آ پہنچے۔ ادھر سے علیؓ بن ابی طالب اور عمر بن الخطاب: زادالمعاد: م: وغیرہ بڑھے اور حملہ آوروں کا راستہ روک لیا۔ یہ دیکھ کر ابن عبدود نے مبازرت طلبی کی تو علی بن ابی طالبؓ شمشیر بکف آگے بڑھے۔ عمرو نے کہا اے عزیز من میں تجھے قتل نہیں کرنا چاہتا۔ علیؓ نے فرمایا مگر میں تو اپنی ذوالفقار تمہارے خون میں تر

کرنا چاہتا ہوں! دونوں بہادر آمنے سامنے ہوئے آخر علیؑ کے ہاتھ سے عمرو بن عبدود اپنی سزا کو پہنچ گیا۔ عمرو کے ساتھی اپنے سب سے بڑے پہلوان کو ایڑیاں رگڑتا ہوا دیکھ کر اس طرح بھاگے کہ ان میں سے کسی نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔

غروب آفتاب کے بعد

حملہ آوروں میں نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ خندق کو عبور کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ اس کا اپنے گھوڑ کو مہمیز دینا دونوں کی موت کا مقدمہ تھا۔ سوار اور سواری ہر دو اوندھے منہ خندق میں گر پڑے۔[1] ابوسفیان نے نوفل کی لاش حاصل کرنے کے لیے دیت میں ایک سو اونٹ پیش کیے جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما کر ٹھکرا دیا کہ خبیث کی دیت نا قابل قبول ہے۔ اور اس کی لاش مٹی میں چھپا دی گئی۔

تخویف کا آخری پہلو اور شہر میں بنو قریظہ کی کارستانی

حملہ آوروں نے شب کے وقت بہت بڑا الاؤ دہکایا جس کے شعلوں سے مسلمانوں کو ڈرانا مقصود تھا۔ اسی رات میں بنو قریظہ کے دلاور قلعوں اور برجیوں سے نکل کر شہر میں گشت کرنے لگے

سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب کی دلاوری

شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان بن ثابتؓ کی حویلی میں مسلمان عورتوں کو یکجا کر دیا گیا تھا۔ ان میں سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب بھی تھیں انہوں نے ایک یہودی کو حویلی کے اردگرد گھومتا ہوا دیکھ کر حسان کو اطلاع دی کہ ذرا اس یہودی بچے کے تیور تو دیکھو یہ ہماری جاسوسی کر کے یہود سے حویلی پر حملہ نہ کرا دے۔

---

[1] بلکہ نوفل سے مبارزۃ طلبی ہوئی اور وہ زبیر بن العوام و بروایت دیگر علی کے ہاتھ سے قتل ہوا (فتح الباری: ضمن باب غزوہ الخندق): م:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسری طرف متوجہ ہیں۔ اے حسان جایئے اور اس کا قصہ ختم کر دیجیے۔ حسان نے جواب دیا کہ اے دختر عبدالمطلب خدا تعالیٰ[۱] آپ کو معاف فرمائے میں وہ مرد نہیں جسے کسی پر ہاتھ اٹھانے کی جرات ہو۔

سیدہ خود لاٹھی لے کر نکلیں ار یہودی کو قتل کرے کے بعد حسان کو فرمایا میں تو مرد کے بدن پر اسلحہ اور پوشاک نہ اتار سکی۔ یہ کام آپ کر لایئے مگر حسان میں اس کی جراب بھی نہ تھی۔ مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔

بنو غطفان سے خراج کی پیش کش میں مسلمان سیر نویسوں کی غلطی

محصور مسلمان خائف ولرزاں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو غطفان کو محاصرہ سے دست بردار ہونے کے صلہ میں ایک تہائی ادا کرے کا پیام بھیجا۔ ادھر غطفان اپنی جگہ پشیمان کہ انہوں نے یہود کی باتوں میں آ کر کیا کر لیا۔

---

[۱] طبرانی میں یہ واقعہ ان لفظوں میں مذکور ہے:

جاء الحادث الغطفانی الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال یا محمد ناصفنا تمر المدینہ والا ملانا ھا علیک خیلا ورجالا قال حتی استامر السعو دسعد بن عبادۃ و سعد بن معاذ فشاورھما فقالا ل واللہ ما اعطینا الدنیہ من انفسنا فی الجاہلیۃ فکیف وقد جاء اللہ بالاسلام ورجع الیہ الحارث فاخبرہ فقال غدرت یا محمد فقال حسان

یا حارن یغدر بذمہ جارہ
منکم فان محمداً یغدر

ان تغدروا فالغدر من عاداتکم
واللوم ینبت فی اصول السنجر
وامانۃ الندھی حیث لقیتھا
مثل الزجاجۃ صدعھا تجبر

فقال حارث کف عنا یا محمد لسان حسان فلو مزج بہ ماء البحر لمزجہ (طبرانی و بزار)

ترجمہ: حارث غطفانی نے رسول اللہ کے حضور حاضر ہو کر اپنی قوم کی طرف سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ کو مدینہ کی پیداوار کا نصف بطور خراج ہمیں ادا کرنا منظور ہو تو بہتر ورنہ ہماری فوجیں مدینہ کو پامال کرنے کے لیے کافی ہیں۔ فرمایا میں اوس و خزرج کے دونوں سرداروں سے مشورہ کر کے جواب دے سکتا ہوں عرض کیا ایسی دنائت ہم نے جاہلیت میں بھی گوارا نہ کی اور اب تو ہم اسلام ہی لا چکے ہیں اس پر حسان بن ثابت نے ارتجالاً چند اشعار حارث کے سامنے پڑھے۔ حارث حسانؓ کی طنز کی تاب نہ لا سکا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدارا حسانؓ کو منع کیجیے۔ ان شعروں یں اس بلا کی تلخی ہے کہ اگر سمندر مین رکھ دیے جائیں تو اس کا پانی کڑوا ہو جائے۔ کہنا یہ ہے کہ:

(الف) غطفان طول محاصرہ سے گھبرا چکے تھے اور حارث غطفانی ان کی طرف سے بطور سفیر حاضر ہو کر خراج کی تجویز لائے تھے۔

(ب) مدینہ کی اراضی و باغات اور ان کی پیداوار انصار کی ملکیت تھی جن میں اوس وخزرج کی غالب اکثریت تھی۔ دونوں کے سردار سعد بن معاذؓ وسعد بن عبادہؓ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے مشورہ دریافت کیا اور ان کے انکار پر آپ نے ایک لفظ کا اضافہ نہ فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جو دنایت سعدین کو گوارا نہ ہو سکی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا کیوں تحمل فرما سکتے ہیں۔

نعیم بن مسعود اشجعی کی تدبیر

ان کے مسلمان ہو جانے کی خبر عام نہ ہونے پائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت ہی سے انہوں نے ایک مہم جاری کی نعیم کی بنو قریظہ سے رانی راہ ورسم تھی۔ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور تعلقات کے ذکر اور اذکار کے بعد کہا کہ آپ نے کس قدر ہمت کی جو قریش اور بنو غطفان کو جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سمیٹ لائے۔ لیکن حالات اس قسم کے ہیں کہ بنو غطفان اور قریش دونوں میں سے کسی کے رکنے کی امید نہیں۔ اگر ایسا ہوا اور وہ محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشانہ آپ لوگ بن جائیں گے اور وہ آپ سے بدلہ لیے بغیر نہ رہیں گ۔ بہتر ہے کہ جب تک آپ قریش اور غطفان دونوں کے چند آدمی بطور یرغمال اپنے قبضہ میں نہ لے لیں لڑائی میں ان کی اعانت نہ کیجیے گا۔ بنو قریظہ کو نعیم کی یہ تجویز پسند آئی انہوں نے کہا ہم آپ کی ہدایت کے خلاف عمل نہ کریں گے۔

نعیم قریش کے ہاں

نعیم بنوقریظہ کے ہاں سے اٹھ کر قریش کے ہاں پہنچے اوران کے سامنے اس طرح گفتگوفرمائی مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنوقریظہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی عہدشکنی پر پشیمان ہیں اورانہیں خوش کرنے کے لیے ہر تدبیر سوچ رہے ہیں۔ جس میں ان کی یہ تجویز ہے کہ اگران کے ہاتھ قریش کے کچھ آدمی آ جائیں تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوخوش کرنے کے لیے ان کے قتل کی غرض سے پیش کردیں مبادا آپ لوگ اپنے آدمی ان کے حوالے کردیں۔

نعیم غطفان کے پاس

وہ یہاں سے سیدھے بنوغطفان کے ہاں پہنچے اور جو کچھ قریش سے کہا تھا وہی ان سے کہا اورانہیں بھی قریش کی طرح ہوشیار کردیا کہ وہ اپنے آدمی بنوقریظہ کے حوالے نہ کریں۔

نعیم کی تجویز سے قریش اور بنوغطفان دونوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہوگیا اورابوسفیان نے فوراً اپنے ایک قاصد کی زبانی کعب بن اسد یہودی کو یہ پیغام بھیجا کہ اے کعب! ہمیں اس شخص (جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا محاصرہ کیے ہوئے اتنی مدت ہوگئی اور کچھ بھی نتیجہ نہ نکلا۔ میری تجویز یہ ہے کہ آپ کل صبح اس پرحملہ کردیجیے۔ اور ہم آپ کی کمک پر ہوں۔

بنوقریظہ کا جواب

کل یوم السبت ہے اوراس روز جنگ یا دنیا کا کوئی کام نہیں کیا جا سکتا۔

ابوسفیان کا یہ دوسرا پیغام (یہ یقین کر لینے کے بعد کہ نعیم نے ان کے متعلق صحیح کہا) اے دوست! اس سبت کی عبادت کسی دوسری سبت میں کر لیجیے گا۔ مگر کل کے روز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پرحملہ کرنا ضرور یہ ہے اگر ہم جنگ کے لیے نکلے اور آپ نے ہماری معیت نہ کی تو سمجھا جائے گا کہ آپ ہم سے معاہدہ توڑ کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیف بن گئے ہیں۔

بنوقریظہ کی طرف سے جواب

سبت کے روز ہم کسی کو جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے کیونکہ جن لوگوں نے اس دن کی تعظیم سے منہ پھیرا ان پر خدا کا عذاب نازل ہوا حتیٰ کہ وہ بندر اور خنزیر بنا دیے گئے۔

اس کے ساتھ ہی بنوقریظہ نے ابوسفیان سے ان کے چند آدمی بطور یرغمال اپنی تحویل میں رکھنے کے لیے طلب کر لیے یہ سن کر ابوسفان کو نعیم کی بات کا پورا یقین ہو گیا۔ کوئی بات بنتی نظر نہ آئی اس نے بنوغطفان سے مشورہ کیا مگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مدینہ کی پیداوار میں حصہ کی امید میں بیٹھے تھے جسے بعد میں سعد بن عبادہؓ کی طرف سے صاف جواب مل گیا۔ تاہم بنوغطفان کی طرف سے ابوسفیان کی کوئی ہمت نہ بندھائی جا سکی۔

حملہ آوروں کی پسپائی

اسی رات آندھی اپنے دامن میں موسلا دھار بارش کا طوفان لے کر کافروں پر چھا گئی۔ بادلوں کی ہولناک گرج اور اس پر بجلی کے کوندے کفار کے خیمے زمین سے پرواز کر کے ہوا میں معلق ہو گئے۔ بھنڈارے دار دیگیں اوندھی ہو کر چولہوں میں دھنس گئیں کافروں میں سے ایک ایک متنفس لرز اٹھا۔ انہیں خطرہ لاحق ہو گیا کہ اگر ایسے میں مسلمان ٹوٹ پڑے تو ہمارا کیا حشر ہو گا۔

قبیلہ اسد کے سپہ سالار طلیحہ بن خویلد نے با آواز بلند پکارا اے دوستو یہ مصیبت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے آئی ہے یہاں سے بھاگ کر نجات حاصل کرو۔

ابوسفیان کا زہرہ آب آب ہو گیا تھا وہ پکار اٹھا اے برادران قریش طوفان نے ہماری سواری ے گدھے اور گھوڑے دونوں ختم کر دیے ہیں بنوقریظہ پہلے ہی بدعہدی کر کے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ اس پر یہ طوفان اب ہمارا ایک لمحہ کے لیے رکنا حال ہے۔

بدنصیب اس قدر سراسیمہ و بدحواس تھے کہ پورا سامان بھی نہ اٹھا سکے۔ اکے فرار پر ہوا کی شدت نے ان کے قدم زمین پر جمنے نہ دیے۔ اس بھگدڑ میں قریش سب سے آگے تھے۔ ان کے

پیچھے بنوغطفان اوران کے بعد دوسرے قبائل اتنا کچھ بھگتنے پر اور فرار کی حالت میں بھی حق تقدم و تاخر میں ترتیب نظر انداز نہ ہونے پائی۔

ادھر مدینہ میں صبح ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنوں کا مورچہ خالی پایا تو شہر میں لوٹ کر ایک ایک مسلمان نے خدا کے حضور ہدیہ امتنان وتشکر پیش کیا کہ انہیں مصیبت سے نجات ملی جیسا کہ اس معاملہ میں فرمایا:

ورد الله الذين كفروا بغيظهم لم ينالو خيرا و كفى الله المومنين القتال (۲۵:۳۳)

> ”خدا نے اپنی قدرت سے کافروں کو مدینہ سے ہٹا دیا وہ لوٹتے وقت غصے میں بھرے ہوئے تھے۔ خدا نے مسلمانوں پر یہ کرم بھی فرمایا کہ انہیں جنگ کرنے سے بچالیا“۔

عہد شکن بنوقریظہ کی شامت اعمال

دشمن کے لوٹ جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستقبل پر نظر دوڑائی تو سب سے پہلے کفار کی ہزیمت پر چین کا سانس لیا۔ جو یہودی اس مرتبہ انہیں اکسا کر مدینہ پر لے آئے تھے آئندہ کبھی ایسا کر سکتے ہیں صرف اس پیش بندی کے ساتھ کہ چلے کی سردی نہ ہو۔ خصوصاً بنوقریظہ کے معاملہ میں ان کی طرف ذہن منتقل ہوا کہ اگر قریش وغطفان سے ان کا اختلاف نہ ہو جاتا تو انہوں نے دشمن کو مدینہ میں راہ دے کر مسلمانوں کو قلع قمع ہی کرا دیا ہوتا۔ سردست بنوقریظہ ہمارے دباؤ میں ہی سہی لیک یہ دباؤ اس سانپ کی مانند ہے جس کی دم زخمی ہوگئی ہو اور باقی تمام جسم سلامت ایسے سانپ کی طرف سے حملہ کا اندیشہ کم نہیں ہوسکتا۔ اس لیے بنوقریظہ کی سرکوبی ضروری ہے۔

مغضوب بنوقریظہ پر نفیر عام کی منادی

اس کا اعلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں کرایا:

من کانا سامعاً مطیعاً فلا یصلین العصر الا ببنی قریظة

”جو شخص ہمارا وفادار ہے اس کے لیے حکم دیا جاتا ہے کہ عصر کی نماز محلّہ بنو قریظہ میں ادا کرے“۔

اور اس منادی کے ساتھ ہ علی بن ابی طالبؑ کو ایک مختصر سا دستہ کے ساتھ بنو قریظہ کے محلّہ میں بھجوادیا۔

باوجودیکہ مسلمان مدینہ پر طول محاصرہ کی وجہ سے تھکے ہوئے تھے لیکن بنو قریظہ کے معاملہ میں انہیں اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ اگرچہ دشمن محفوظ قلعوں میں پناہ گزین تھے مسلمان اس سے قبل اسی وضع قطع کے قلعوں میں بنو نضیر یہود کا حشر دیکھ چکے تھے۔ بنو قریظہ کے ہراول یعنی بنو نضیر اوران میں اتنا فرق تھا کہ بنو نضیر کے مقابلہ میں ان کے قلعے ذرا زیادہ مضبوط تھے لیکن مسلمانوں کو بنو قریظہ کی طرف سے کسی مقابلہ کا اندیشہ نہ تھا۔ ادھر بھگوڑے قریش بھاگتے ہوئے اس قدر غلہ چھوڑ گئے تھے کہ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو قلت رسد کا خطرہ نہ رہا۔

بنو قریظہ کا محاصرہ

مسلمان شاداں وفرحاں علیؑ کے پیچھے پیچھے جانا شروع ہو گئے۔ جب ارض موعود میں پہنچے تو حیی بن اخطب اور دوسرے یہودی سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بدزبانی کر رہے تھے۔ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دروغ گو کہا جاتا تو کبھی ایسا ہی کوئی اور طعنہ! اور حرم مطہرات کی زبان میں زبانیں آلودہ کی جا رہی تھیں۔ لشکر کفار کی واپسی سے مایوسیوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ وہ اپنا حشر جان چکے تھے۔ انہوں نے دل کے پھپھولے یوں پھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری اور بنو

قریظہ سے سوال

اتنے ہی میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔ سیدنا علیؓ ے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ آپ ان کے سامنے نہ جائیے فرمایا میرے متعلق انہوں نے لب کشائی تو نہیں کی۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی باتھے۔ ان کی یہ ہمت نہیں کہ وہ میرے روبرو ایسی جرات کرسکیں۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قریب پہنچ کر با آواز بلند فرمایا۔

یااخوان القردة هل اخزاکم الله وانزل بکم نقمة

”اے بندروں کی برادری! کیا خدا نے تمہیں ذلیل نہیں کیا تھا ارتم پر اپنا غضب نہیں بھیجا تھا“۔

یہود کا جواب

یا ابو القاسم ماکنت جهولا

”اے ابوالقاسم! آپ ہماری تاریخ سے بے خبر نہیں ہیں۔

مسلمان پے درپے آ رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے محاصرہ کا حک نافذ فرما ہی دیا۔

مدت محاصرہ

مسلسل پچیس روز تک محاصرہ جاری رہا۔ اس دوران میں دو ایک مرتبہ ادھر سے پتھراؤ اور مسلمانوں کی جانب سے ان پر تیر برستے رہے۔ مگر بنو قریظہ کو باہر نکا کر لڑنے کی جرات نہ ہوئی۔ وہ گھبرا اٹھے کہ اس طرح ایک نہ ایک روز مسلمان ان پر قابض ہو کر رہیں گے۔ اور ہماری قلعہ بندی موت کے گڑھے میں دھکیل کر ہمارا پیچھا چھوڑے گی۔

یہود کی طرف سے درخواست

بنو قریظہ نے ایک قاصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیجیے ہم صلح کے معاملہ میں ان کے ذریعے سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ ابولبابہ نسبتاً قبیلہ اوس سے تھے اور بنو قریظہ سے ان کا ذاتی معاہدہ بھی تھا یہ ان کے ہاں پہنچے تو یہود کے زن و بچہ ان کے اردگرد جمع ہو گئے۔ عورتوں اور بچوں نے رو رو کر کہرام مچا دیا۔ جس سے ابولبابہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہود نے کہا کہ کیا آپ متفق ہیں کہ ہم خود کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر دیں؟ ابولبابہ نے کہا میں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔ اور اپنی گردن پر ہاتھ پھیر دیا جس سے مقصود یہ تھا کہ تم جو چاہو کرو تمہیں قتل ہونا ہی ہے بروایت ارباب سیرت بعد میں ابولبابہ اپنی اسی حرکت سے بہت نادم ہوئے۔ اور وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔

کعب بن اسد کی اپنی قوم کو ہدایت

اس نے اپنی قوم کو یکے بعد دیگرے تین مشورے دیے مگر انہوں نے ایک بھی آمادگی کا اظہار نہ کیا۔

پہلا مشورہ: بہتر ہے کہ آپ لوگ مسلمان ہو کر اپنی جان و مال اور اولاد کو تلف ہونے سے بچا لیں۔

جواب: ہم تورات سے منحرف ہو کر دوسری شریعت قبول نہیں کر سکتے۔

دوسرا مشورہ: اپنے زن و بچہ کو خود قتل کر کے مقابلہ کے لیے باہر نکل آیئے پھر جسے خدا دے اگر ہم ہلاک ہو گئے تو اپنے زن و بچہ کی ہلاکت کا غم دل میں لے کر نہ جائیں گے اور اگر زندہ بچ گئے تو اپنے اپنے گھر پھر آباد کر لیں گے۔

جواب: اپنے زن و بچہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دینے کے بعد ہم اگر سلامت بھی رہ گئے تو ان کے بغیر ہماری زندگی سے کیا حاصل ہو گا۔

تیسرا مشورہ: پھر خود کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر دیجیے۔ لیکن ابولبابہ کے اس اشارہ کر نہ بھولیے کہ حوالگی کے بعد ہمارا کیا حشر ہو گا۔

عوام بنو قریظہ کی کمیٹی (کعب بن سوار کے ماسوا)

بنو قریظہ کے عوام مشورہ کے لیے علیحدہ ہو کر بیٹھے اور ایک شخص نے یہ تجویز پیش کی کہ ہمارا حشر بنو نصیر سے بڑھ کر نہ ہو گا۔ اس معاملہ میں قبیلہ اوس کے مسلمان دوت بھی ہماری دستگیری میں کوتاہی نہ کریں گے۔ ہمارا مطالبہ یہ ہونا چاہیے کہ ہمیں شام کی طرف جاے دیا جائے۔ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قاصد بھیج کر درخواست کی کہ ہمیں اپنا مال اور سامان لے کر شام کی بستیوں میں ہجرت کا موقعہ دیا جائے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تسلیم نہ فرمایا اور حوالگی کا مطالبہ کیا۔

بنو قریظہ نے فوراً اپنا وکیل قبیلہ اوس کے مسلمانوں میں بھیج کر استدعا کی کہ اے برادران اوس جس طرح خزرج نے کل اپنے معاہدین بنو نضیر کی سفارش کی تھی آپ بھی ہماری سفارش کیجیے۔ اوس نے منظور کر لیا اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پیش ہو کر عرض کیا کہ یا نبی اللہ جس طرح آپ نے خزرج کی سفارش ان کی حلیفوں کے بارے میں قبول فرمائی تھی یہ بنو قریظہ ہمارے حلیف ہیں ہم ان کی سفارش کرتے ہیں انہیں اپنا مال و اسباب لے کر مدینہ سے خارج ہونے کی اجازت مرحمت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ لوگوں کو یہ منظور ہے کہ میں اپنے اور بنو قریظہ کے معاملہ میں کسی ایک شخص کو ثالث تسلیم کر لوں۔ اوس نے اسے قبول کر لیا۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بنو قریظہ کے ہاں جائیے اور میں اپنا اختیار بھی انہیں تفویض کرتا ہوں کہ وہ جس شخص کو پسند کریں میرے اور اپنے درمیان حکم تسلیم کر لیں۔

اس پر بنو قریظہ نے جناب سعد بن معاذؓ کو ثالث تسلیم کر لیا مگر وہ اس گھڑی سے غافل رہ گئے جب یہی سعد محاصرہ کے دوران انکے پاس آئے تھے تو انہوں نے سعد بن معاذؓ سے کہا تھا کہ یاد ہو گا انہوں نے اس موقعہ پر نہ صرف مسلمانوں کی توہین کی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بھی لب کشائی سے باز نہ رہ سکے۔

سعد بن معاذؓ کا فیصلہ بنو قریظہ کا قتل

سعد نے طرفین سے عہد و پیمان لینے کے بعد اپنا فیصلہ ان لفظوں میں صادر فرمایا کہ:

(الف) بنو قریظہ کے بالغ مرد قتل کیے جائیں۔

(ب) زن و بچہ گرفتار کیے جائیں۔

(ج) ان کا تمام مال و اسباب ضب کر کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

اس فیصلہ پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بخدا اے سعد! آپ کا یہ فیصلہ خداوند عالم اور مسلمانوں کی مرضی کے حرف بہ حرف موافق ہے۔ مجھے بھی وحی کے ذریعے یہی حکم دیا گیا[1]۔

بازار کے وسط میں گہرے گڑھے کھودے گئے مجرموں کو ٹولیوں میں لایا گیا اور ایک ایک کی گردن مار کر گڑھوں میں پھینک کر لاشیں مٹی سے بھر دی گئیں۔

یہ آیت بنو قریظہ ہی کے انجام پر نازل ہوئی۔

---

[1] م: سعد بن معاذؓ کا یہ فیصلہ تورات کے مطابق بھی تو تھا کہ جب تو کسی شہر پر حملہ کرنے کے لے جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح تسلیم کر لیں لیکن اگر صلح نہ کریں تو انکا محاصرہ کرارو جب تک تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ نہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے باقی بچے عورتیں جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لیے مال غنیمت ہوں گی (تورات کتاب تثنیہ اصحاب (۲۰) آیت نمبر ۱۰)

گویا اسی اصول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے آسمانی فیصلہ سے تعبیر فرمایا۔

وانـزل الـذيـن ظـاهـروهـم من اهل الكتب من صياصيهم وقذف فى قلوبهم الـرعـب فريقا تقتلوا و تاسرون فريقا. و اورثكم ارضهم و ديارهم ا وامو الهم و ارضالهم تطوها وكان الله على كل شئى قديرا

(۳۳:۲۶،۲۷)

> ’’اوراہل کتاب میں سے جو (یہودی) مشرکین کے مددگار رہوئے تھے خدا نے انہیں ان کی گڑھیوں کے نیچے اتار لایا اوران کے دلوں میں مسلمانوں کی ایسی دھاک بٹھادی کہ تم بے دھڑک لگے بعض کو قتل کرنے اور بعض کو قید کرنے اوران کی زمین اوران کے گھروں اوران کے مالوں کا (اور نیز) اس زمین (خیبر) کا جس میں تم نے قدم نہ رکھا تھا تم (ہی) کو مالک کردیا اوراللہ ہر چیز پر قادر ہے‘‘۔

بنوقریظہ کو سعد بن معاذؓ سے ایسی توقع نہ تھی بلکہ انہیں بھروسا تھا کہ جس طرح کل عبدااللہ بن ابی (منافق) نے بنوقینقاع کی سفارش کرکے ان کا خون معاف کرادیا تھا اسی طرح سعد کے ذریعہ ہماری جان بھی بخشی ہو سکے گی (لیکن بنوقینقاع اور بنوقریظہ دونوں کا معاملہ مختلف تھا) سعد بن معاذؓ کے سامنے وہ خوفناک منظر تھا کہ یہی لوگ تو کفار کے حملہ آوروں کو مدینہ میں ردآنے کا راستہ دے رہے تھے اگر یہ کامیاب ہو جاتے تو اس وقت مدینہ میں مسلمانوں کی پود بھی دکھائی نہ دیتی۔ ایک ایک مسلمان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا اور کسی کی لاش مثلہ کے بغیر نہ چھوڑی جاتی (جیسا کہ قریش نے احد میں کیا)۔

مقتول میں یہود کی حوصلہ مندی

جب حیی بن اخطب کو جلاد کے سپرد کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے فرمایا اے حیی کیا خدا تعالیٰ نے تجھے رسوا نہیں کیا؟

جواب: موت سے کس کو رستگاری ہے۔ جس قدر میری عمر مقرر تھی مجھے مل چکی ہے آج بھی

مجھے آپ کے ساتھ دشمنی پر کوئی ملال نہیں اور حیی بن اخطب[1] نے دوسروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے لوگو خدا کے حکم سے گھبرانا مردانگی نہیں۔ ہم بنی اسرائیل کی یہ مصیبت بھی ہمارے نوشتوں میں تھی۔

اسی طرح زبیر بن باطا قرضی کا معاملہ ہے یوم بعاث میں ثابت بن قیس (بن شموس خزرجی: م:) کی جان بچائی تھی۔ آج ثابتؓ نے حضرت سعد بن معاذؓ کا فیصلہ سن کر زبیر کے احسان کا بدلہ اتارنا چاہا تو ان کی سفارش پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبیر کا خون معاف فرما دیا مگر مجرم نے کہا میں مرد مسن ہوں۔ اپنے اہل اور لڑکوں کے بغیر زندگی میں کیا لطف ہے؟ حضرت ثابتؓ کی دوسری سفارش پر مجرم کے لڑکوں کا خون معاف کر دیا گیا اور اس کی بیوی کو بھی آزادی دے گی گئی۔ اب زبیر نے کعب و ابن اخطب و عزال بن سمول اور دوسری قرظی سرغناؤں سے دریافت کیا کہ کیا ان کا حشر معلوم ہونے پر مجرد نے کہا اے ثابت آج کے دن میں اپنے احسان کا یہ معاوضہ چاہتا ہوں کہ مجھے میری قوم کے پاس پہنچا دے۔ بخدا! میں اپنے دوستوں سے ملاقات چاہتا ہوں اور اس درجہ بے تاب ہوں کہ اتنے صبر کی بھی تاب نہیں رکھتا جتنا عرصہ ڈول کنویں میں رہ سکتا ہے۔ بدنصیب مجرم کی یہ درخواست منظور کرنا ہی پڑی۔

اسی طرح ایک زن یہودیہ کی دلاوری کا واقعہ قابل ذکر ہے۔ معلوم ہے کہ مسلمان جنگوں میں عورتوں اور بچوں کا قتل نہ کرتے تھے۔۔ مگر آج کے دن انہیں اس یہودیہ کے خون سے ہاتھ رنگنا پڑے جس نے ایک مسلمان ے سر پر چکی کا پاٹ گرا کر اسے شہید کر دیا تھا۔ مجرمہ نے کس

---

[1] اس بدنصیب کے جرائم کی فہرست طویل ہے۔ ازاں جملہ یہ کہ مدینہ سے جلاوطنی کے موقع پر اس نے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کسی کی مدد نہ کرے گا۔ (از بلاذری طبع یورپ ص ۲۲ بحوالہ سیرۃ النبی ج ص ۴۳۷): م:)

دلاوری سے جان دی ام المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں۔

واللہ میں اس عورت کو نہیں بھلا سکتی جو مقتل میں خوش وخرم آئی اور ہنستے ہوئے اپنی گردن جلاد کے آگے رکھ دی۔

یہود میں چار حضرات نے مسلمان ہونے پر آمادگی ظاہر کی اور ان کا خون معاف کر دیا گیا۔

قتل بنو قریظہ کی ذمہ داری یہودیوں پر

یہود نبو قریظہ کا قتل انہی کے برادر دینی سرغنہ بنو نضیر حیی بن اخطب ک یگرن پر ہے جو کود بھی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔ حیی نے پہلے وہ معاہدہ ختم کیا جو اس نے اپنی قوم بنو نضیر کو ساتھ لے کر مدینہ سے جلا وطن ہونے پر کیا تھا اس جس معاہدہ کی بدولت بنو نضیر میں سے ایک متنفس کو بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حک سے قتل نہ کیا گیا لیکن حیی بن اخطب نے عہد شکنی کی قریش مکہ کو ابھارا اور بنو غطفان کو مسلمانوں کے خلاف آمادہ پیکار کیا اور تمام عرب میں ایک طرف سے لے کر دوسری طرف تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف آگ لگا دی۔ حیی بن اخطب کی ان کوششوں سے مسلمان اور یہودیوں کی دشمنی کا پودا تناور درخت کی انند چاروں طرف پھیل گیا۔ یہود کے دلوں کی حالت اس طرح ہو گئی کہ جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے رفقا کو ملیا میٹ کرنے کے بغیر ان کا دم گھٹ رہا ہو۔ پھر تام عرب کو مدینہ رپ ھشکا دینے کے بعد بنو قریظہ نے عہد شکنی سے مسلمانوں کو ایسا چرکا دیا کہ جس کی نظیر تمام عرب میں نہ تھی۔

اگر بنو قریظہ عہد شکنی نہ کرتے تو ان سے تعرض کا سوال ہی نہ تھا۔ مگر انہوں نے تو مسلمانوں پر ستم ہی برپا کر دیا ہوتا حیی بن اخطب کفار کو مدینہ میں جمع کر لینے کے بعد بنو قریظہ کے ہاں پہنچا اور انہیں بھی مسلمانوں کے ساتھ مقاتلہ کے لیے آمادہ کر لیا۔ یہ بھی سہی لیکن جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو قریظہ کے ہاں کفار کے لوٹ جانے کے بعد تشریف ائے تب بھی ان سے تعرض کا سوال نہ تھا۔ اگر یہ قلعہ بند ہو کر مقاتلہ شروع کر دیتے اور یہ لوگ اس موقعہ پر خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پیش کر دیتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ان کی گردنیں ماری جاتیں لیکن رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف حیی بن اخطب کے خمیر میں جو دشمنی سمو دی گئی تھی اور یہ دشمنی جو بنو قریظہ تک متعدی ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ سے ان کے حلیف سیدالمسلمین اسعد بن معاذؓ کو بھی یقین ہو گیا کہ اگر آج یہ زندہ رہ گئے تو کل دوبارہ قریش اور قبائل عرب کو مدینہ پر چڑھا دیں گے۔ اور مسلمانوں کے زن و بچہ کو ان کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اس لیے سعد کا یہ فیصلہ جو بظاہر ناگوار سا نظر آتا ہے۔ لیکن سعد کے نزدیک یہود کو زندہ رکھنا مسلمانوں کی پوری نسل کی موت کا مترادف تھا۔

اموال بنو قریظہ کی تقسیم

ان کے اموال خمس علیحدہ کرنے کے بعد غازیوں میں تقسیم کر دیے گئے۔ ایک سوار کو تین حصے دیے گئے۔ ایک اس کا حصہ اور دو حصے اس کی سواری کے۔ مگر پیادہ کو صرف ایک حصہ۔ بنو قریظہ پر چڑھائی کے موقع پر صرف چھتیس سوار تھ۔

اسیران بنو قریظہ کے لیے سعد بن زید انصاری کو حکم دیا گیا کہ انہیں نجد کی طرف لے جائیں ان کی قیمت سے دشمنان اسالم کے حملوں کی مدافعت کے لیے گھوڑے اور آلات حرب خریدے گئے۔

بی بی ریحانہ

ان قیدیوں میں بی بی ریحانہ خمس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصہ میں آئیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسلام پیش فرمایا جسے انہوں نے نامنظور کیا۔ پھر نبی صلوت اللہ علیہ نے ان سے فرمایا کہ تمہارے مسلمان ہونے پر میں تم سے عقد کر لوں گا بی بی نے عرض کیا جناب کی تزویج میں رہنے کی بجائے کنیز کی مانند آپ کی خدمت کروں گی اور یہ طرفین کے حق میں زیادہ مناسب ہوگا۔

بی بی ریحانی کا شادی سیانکار ان کی قومی عصبیت کی وجہ سے تھا۔ اسی وجہ سے وہ مسلمانوں

اوران کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناخوش رہیں اوران (ریحانہ) کے حسن و جمال کی تعریف میں زینب بنت جحشؓ کے خدوخال کی طرح نہیں کی گئی اگر چہ وہ اس نعمت سے بہرہ مند تھیں۔

سیرنویس وُحضرات نے ان کے پردہ میں رہنے کے متعلق اختلاف کیا ہے لیکن وہ تا بہ زندگی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے ہاں رہیں۔

مدینہ سے کفار کی واپسی اور بنوقریظہ کے حشر سے مسلمانوں کو گونہ تسکین ہوئی منافقین مرعوب ہوگئے اور عرب کے گھر گھر میں مسلمانوں کی شوکت کے چرچے ہونے لگے مگر خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا منتہا صرف مدینہ ہی تک نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے رفقا نے دنیا کے ہر گوشے میں کلمۃ اللہ کی تبلیغ اور اس مہم میں حاء ہونے والے بدسرشت لوگوں سے راستہ صاف کرنے کی کوشش جاری ہی رکھی۔

۱؎ اصابہ بن حجر در تذکرہ سعد بن معاذ

☆☆☆

باب ۱۹

بنو قریظہ کے استیصال سے لے کر صلح حدیبیہ تک

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے

وقفہ سکون

جیسا کہ اٹھارہویں فصل کی آخری سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ (مدینہ سے) لشکر کفار کی ہزیمت اور شہر میں بنو قریظہ کے استیصال سے خیر الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے رفقا کو گونہ تسکین نصیب ہوئی اور دوسری طرف عرب کے گھر گھر میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

اس کے ساتھ ہی قریش اس غور وفکر میں ڈوب گئے کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آخر ایک دوسرے کے قرابت دار ہیں۔ اگر ان سے تنازع ترک کر دیا جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ خصوصاً جب کہ ان کے رفقائے مہاجرین بھی ان کے ہی اکابر وسردار ہیں۔

بہر حال مسلمان یہود کو ان کے کیفر کردار تک پہنچانے کے بعد پورے سکون وطمانیت کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ اسی طرح دشمنوں کے خوف سے یک سو ہو کر زندگی کے کیف وکم سے بہریاب ہوتے ہوئے چھ مہینے گزر گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے منصب کی عملی تائید میں مصروف یعنی ازدیاد ایمان اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر حکم کی تعمیل کا جذبہ بڑھانے کی استعداد میں منہمک تھے۔

اجتماعیت کی طرح نو

اس ششماہی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان مل کر ایک ایسا اجتماعی نظام

مربوط کرنے کی تگ و دو میں منہمک رہے جو آج سے پہلے عرب میں متشکل نہ ہوا تھا۔ اور اس دانش مند متمدن وم کو اس نظام کی بے حد ضرورت تھی جو اسلام پر عمل پیرا ہوئی اور اس کی قوت عمل اور مسائل دین و معاشرت میں دن بدن اضافہ و ترقی ہوتی گئی۔ بنا بریں اسلام کا یہ جدید نظام جسے ابھی ابتائی خاکہ سے زیادہ اہمیت نہ تھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے رفقاء اس وقفہ سے یہاں تک مکمل کرنے کی سعی میں تھے جو اپنے دور کے ایرانی رومی اور مصری نظام اجتماعی کو اپنے اندر لیتا ہوا بتدریج اس حد کمال تک جا پہنچے کہ جس کے بعد یہ آیت نازل ہونے کا محل پیدا ہو جائے۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (۵:۳)

> ”آج کے دن تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے پسند کر لیا کہ دین اسلام کو“۔

عرب کے شہروں کی قبل از اسلام تمدنی حالت

قبل از اسلام اس ملک کی بدویت یا تمدن کے متعلق جو رائے بھی سہی یہاں تک بھی جو کہا جاتا ہے کہ مکہ و مدینہ اور ملک کی دوسری بری بڑی بستیاں بدوؤں کے مقابلہ میں تمدن سیز یادہ بہرہ مند تھیں۔ لیکن نہ صرف قرآن مجید بلکہ دوسرے تاریخی آثار سے ثابت ہے کہ ان شہروں کے رہنے والے عورتوں اور مردوں کے جنسی میلانات تک کا طریق چار پایوں سے بہتر نہ تھا۔

اس عہد میں مرد اور عورت کے ملاپ کا طریقہ

اس دور (قبل از اسلام) میں عورتیں جاہلیت کا بناؤ سنگار کرتیں زینت کے مقامات کے ابھار میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتیں اور قضائے حاجت کے لیے صحرا میں دور نکل جاتیں بعض ٹولیں میں جاتیں عض دو دو مل کر ارو کوئی ت تنہا یہاں ان کے قدردان بھی پہنچ جاتے نو جوان اور ادھیڑ عمر

مرد دونوں قسمیں۔ مرد و زن ایک دوسرے کے سامنے آنے کے وقت ہیجان انگیز حرکات اور جنسیت ابھارنے والے جملوں سے ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے۔

جیسا کہ ہندو زوجہ ابوسفیان نے احد کے معرکہ کارزار میں دھایا جن کے ساتھ ان کی سہیلیوں کا پورا جھمگٹا تھا۔ اٹھکیلیاں کرتی ہوئی مردوں کو اس قسم کے اشعار سے اپنی جانب راغب کرتیں۔

ان تقلبوا نعائق ونفرش المنزق
او تدبروا نفارق فراق غیر وامق

”آج اگر تم نے دل کھول کر مقاتلہ کیا تو کل تم ہماری آغوش میں ہوگے اور اگر دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگے تو ہم تم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں گی“۔

عرب میں قبل از اسلام زنا پر کوئی پرسش نہ تھی

اس دور میں زنا کی پرسش نہ تھی۔ عشق و ہوس دونوں ان کی گھٹی میں پڑے ہوئے تھے۔ ابوسفیان جیسے معزز سرغنہ کی بیگم ہندہ برملا دوسرے مردوں سے معاشقہ کرتی اور اس کے قبیلے کے لوگ دل میں میل نہ لاتے۔ (مکہ ت میں اہ دستور تھا کہ ایک ایک ماہ پارہ کے دسیوں باقاعدہ شوہر ہوتے: م:) اور جب ایسی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو صرف نسب متعین کرنے کے لیے ان شوہروں میں جس میں اس بچے کا حلیہ ملتا ولود کو اس سے منسوب کر دیا جاتا۔ ادھر ایسی عورت کے شوہر اپنے گھروں میں باقاعدہ بیویوں اور زرخرید کنیزوں کا جھمگٹ بھی رکھتے۔ لطف یہ ہے کہ ان کی یہ بیویاں اور کنیزیں ادھر ادھر مبتلا رہتیں جس کے شوہروں اور مالکوں کو بھی اطلاع ہوتی مگر وہ ان سے تعرض نہ کرتے۔ یا یہ حالت کہ مرد اور عورت کے معاشقہ میں ایک دوسرے کے ہر عیب اور برائی کو چھپا کر رکھا ہے یا فریقین یں خصومت کے ساتھ یہ نوبت آجاتی کہ اپنی محبوبہ کی پردہ داری کرتے۔ عرب سدا سے سقف آسمان کے سائے میں زندگی بسر کرنے والی قوم ہے۔ بعینہ فکر

معیشت کے لیے سرگرداں خودستائی اور دروغ گوئی سے انہیں کبھی نفرت نہیں ہوئی۔ صلح وآشتی اور جنگ وجدل دونوں حالتوں میں مبالغہ آرائی ان کی طینت میں مضمر ہے یا تو محبت کے زمانہ میں محبوبہ اور اس کی عصمت وعفت کے سراپا میں اسے تقدیس کی دیوی ثابت کر رہے ہیں یا خصومت کے عہد میں اسی پیکر عصمت کی عریانی اور بے حیائی کے دفتر اس طرح کھل جاتے ہیں جیسے برائی کے سوا اس میں خوبی ہے ہی نہیں۔ اس کی صاف وشفاف گردن کا نقشہ اور اس کے ابھرے ہوئے سینے کا خاکہ اس طرح لفظوں میں ڈھالا جاتا ہے کہ شرم اپنا منہ نوچ لے۔ اسی طرح کمر اور اس کا پیٹا جس کے بعد اس کی سرین کا پھیلاؤ وما دون ذلک الغرض بدن کا کوئی حصہ نہیں جس کی ہجو اور مذمت اٹھا رکھی جائے!

ان قصیدوں میں شاعر ایک عورت کو صرف عورت ہی فرض کرتا ہے اور اس کی عزت وحرمت کا خیال رکھے بغیر جو چاہتا کہتا۔

جو لوگ عرب کے تمدن پر فریفتہ ہیں حتیٰ کہ انہیں قدیم جاہلیت کے سر پر بھی تمدن کا تاج رکھنے میں باک نہیں۔ آج کل کے انداز ونہج پر قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ قیاس بے محل ہے اور ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آج کا مطالعہ کرنے والا اس دور کے صحیح حالات کا اندازہ کر سکے خصوصاً مرد اور عورت کے ان تعلقات کا جو ان کے باہمی روابط ازدواج یا طلاق اور میاں بیوی کی دوسری علائق مثلاً اولاد کے متعلق دونوں کا معاملہ ہے اگر انہیں آج کے معیار پر پرکھا جائے تو یہ موازنہ ومقابلہ صد گونہ غلطی کا سبب ہوگا۔ خصوصاً وہ عرب کے قبائل جن کی بود وباش کا ایک شمہ ہم ساتویں صدی مسیحی میں عرب تمدن کا تدمن کے ماتحت بیان کر چکے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دور (ساتویں صدی) کی مسیحی قوموں کے ساتھ بھی ان کا موازنہ کیا جائے۔

اس دور میں عرب قبائل نیم وحشی زندگی بسر کرنے کے باوجود یورپ اور شام میں رہنے والے مسیحی قوموں سے بدرجہا بہتر حالت میں تھے (اس موازنہ میں چین وہند کے تمدن سے ناواقف ہونے کی وجہ سے عرب کا موازنہ ان کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا) لیکن شمالی اور مغربی یورپ

میں آباد مسیحی قومیں اس دور میں تمدن وترقی سے اس قدر دور تھیں کہ اگر انہیں محض وحشی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

ساتویں صدی مسیحی میں روم کا تمدن

ساتویں صدی عیسویں میں روم کا تمدن یہ تھا کہ ایک طرف انہیں حامل شریعت ہونے کا غرا تھا۔ سیاسی غلبہ بھی حاصل تھا۔ ایران بھی ان کے زیر نگیں تھا۔ بایں ہمہ ان کے ہاں عورت کا شہری درجا تو کجا بدوی عورت کے مساوی بھی نہ تھا۔

روم میں عورت کا درجہ باندی کے برابر

ساتویں صدی کے مسیحی رومیوں کے ہاں بیوی ایسی مملوکہ تھی کہ جس کا استعمال اس کے شوہر ہر طریق سے کر سکتا تھا۔ وہ اسے قتل بھی کر دے تو مواخذہ سے بری تھا۔ شوہر کا اپنی بیگم کونیز کی حیثیت سے فروخت کر دینا تو کوئی بات ہی نہ تھی۔ کاوند کا یہ سلوک رومی شریعت کے منافی نہ سمجھا جاتا تھا۔ ایک ہی وقت میں وہ اپنے حقیقی باپ کی دختر بھی تھی اور اس کی باندی بھی۔ کل جب وہی قسمت کی ماری شوہر کے گھر میں آ گئی تو یہاں وہ بیگم بھی ہے اور کنیز بھی اور اب جو اس کی کوکھ سے جنا ہوا فرزند جوان ہوا تو شوہر کو اختیار ہے کہ صاحبزادہ کی حقیقی ماں کو اس کے فرزند کی باندی بنا دے۔ گویا عورت ذات ایک ایسی جنس بے مایہ ہے کہ بیگم اور ماں بننے کے باوجود کنیز بھی ہے اور کنیز بھی خدمت گار ہی نہیں بلکہ قابل فروخت بمثل مویشی اور دیگر اشیائے فروختنی۔

عورت ذریعہ ہے

اور وہ کسی حال میں سہی مردوں کی جنسیت کو تہیج کرنے کا آلہ ضرور رہی ہے پھر وہ اپنی عفت و عصمت کی خود مالکہ بھی نہیں۔ عورت صدیوں تک اس بے اعتباری کا شکار رہی ہے کہ اس کا شوہر یا مالک اگر سفر میں جاتا تو احتمال زنا سے بچنے کے لیے عورت کو غلاف عصمت پہننا پڑتا جو اس کی کمر سے لے کر دونوں پیروں کو جکڑے رکھتا اور جب شوہر یا مالک سفر سے لوٹتا تو اسے کو یہ بند

کھولتا۔ یہ اس دور کا حال ہے جب جزیرہ عرب میں عورت آج سے کہیں بہتر حالت میں زندگی بسر کر رہی تھی اور اس وقت بھی جب روم میں قائم شدہ مسیحیت کے بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مریم مجدلیہ کو رحم کرنے کی تجویز پر فرمایا کہ جو تم میں بے گناہ ہو وہی پہلے اس کے پتھر مارے[۱]۔

مسیحی یورپ میں عورت کی درگت

اس زمانہ میں یورپ کے بت خانوں اور پرستاران عیسویت میں عورتوں کے ساتھ بدسلوکی رنے میں کوئی امتیاز نہیں تھا۔ حوا کی بیٹی کو تو شہوت رانی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا یا خدمت گار کنیز۔ اس سے زیادہ عجیب تو یہ امر ہے کہ اس دور میں مسیحؒ علماء میں عورت کے متعلق اس پر بحث ہونے لگی کہ اس میں انسانی روح بھی ہے یا نہیں؟ اور مردوں کی طرح ورت کا بھی حساب کتاب ہوگا؟ کیا وہ ایسا حیوان تھیں جس میں انسان کی سی روح نہ ہو اور عنداللہ وہ سزا و جزا سے بے بہرہ ہو؟

---

[۱] فقیہ اور فریسی ایک ایسی عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی اور اسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوعؑ سے کہا اے استاد! یہ عورت زنا میں فع کے وقت پکڑی گئی ہے تو اس ے سیدھے ہو کر ان سے کہا کہ جو تم میں سے بے گناہ ہو وہی پہلے پتھر اس کے مارے۔ (انجیل یوحنا باب ۸۹ آیت ۱ تا ۱۱: م:)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اجتماعی اصلاح و تجدید

اسی عورت کے متعلق جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی خداوندی کی امداد سے یہ سمجھا کہ اجتماعیت کے فروغ اور ارتقاء کے لیے مرد اور عورت کا دوش بدوش رہنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ دونوں ایک ہی جسم کے دو ایسے حصے ہیں جو باہم مودت و رحمت کے رشتہ میں منسلک ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی الٰہی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یوں تو دونوں کے ایک دوسرے پر مساوی حقوق ہیں لیکن بعض صورتوں میں عورت کے حقوق مرد کے ذمہ اور زیادہ ہیں۔

لیکن مردوزن دونوں کو بیک وقت ایک مقام بخش دینا آسان نہ تھا۔ صدیوں کے مزمن امراض کا ازالہ بتدریج ممکن ہے ہرچند یورپ کا قرآن اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قوی ایمان تھا جو تدریجا قوی تر ہوتا گیا اور مددگاران اسلام کی تعداد بڑھتی گئی۔

قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے جو اجتماعی اصلاحات فرض کیں وہ رفتہ رفتہ حد کمال تک پہنچیں۔ عبادات میں نماز روزہ زکوۃ حج اور محرمات (حرام شدہ امور) میں شراب وجوا اور خنزیر ہر دو قسموں میں تدریجاً شدت پیدا کی گئی۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوزن کے تعلقات میں اسی انداز سے اصلاح فرمائی‘ جس حد تک رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے حرم کے سات سلوک تھا اور جو مسلمانوں کے مشاہدہ میں بھی آتا رہتا تھا کیوں کہ آیت حجاب غزوہ خندق (در ماہ شوال ۵ ھ کے) نازل ہوئی۔ اسی طرح ایک شوہر کے لیے چار بیویوں کی تحدید بشرط عدل وانصاف غزوہ خیبر کے ایک سال بعد معین کی گئی۔ قابل غور یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زن وشوہر کے تعلقات میں اس استواری کا لحاظ رکھا جو تمہید تھی آنے والے قرآنی حکم کی جس میں مرد اور عورت دونوں کے ایک دوسرے پر مساوی حقوق عائد کر دیے گئے بلکہ دونوں طبع تفاوت کے ہوتے ہوئے مردوں پر کچھ اور زیادہ۔

اسلام کے ابتدائی عہد میں بھی زن ومرد کے ظاہری میل جول میں جاہلیت ہی کے طور طریقے تھے جیسا کہ گزشتہ اوراق میں بیان ہوا ہے۔ عورتیں جاہلیت کا بناؤ سنگار کر کے گھروں سے نکلتیں یہ زیب وزینت مردوں کے لیے بے پناہ کشش کا باعث تھی۔ اور دونوں کے ایسے چال چلن کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ مردوزن کے باہمی تعلقات میں شرف انسانی اور روحانی اشتراک کا وجود اکبرتی احمر سے کم نہ تھا۔

عورتوں کی بے حجابی اس پر بناؤ سنگار کی مہمیز پر مدینہ ہی کا ایک واقعہ لکھا جا چکا ہے۔

(معلوم ہے کہ) مدینہ میں رہنے والے یہود اور منافقین نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کرنے میں کوئی کمی نہ رہنے دی۔ یہاں تک کہ دونوں گروہوں نے مسلمان عورتوں کی بے حرمتی کرنے میں بھی تامل نہ کیا۔ جس پر تنگ آ کر مسلمانوں نے (مدینہ کے یہود) بنوقینقاع پر بزن بول دیا اور ان کے قلعہ بند ہو جانے کے بعد انہیں خارج البلد کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ عورتوں کی بے حجابی ہی سے تو یہ نوبت پیش آئی۔ کاش! مسلمان بی بیاں جاہلیت کے سنگار سے اجتناب کرتیں تو نہ ان کی طرف مردوں کا میلان ہوتا اور نہ ان کی توہین ہونے پاتی ءاور نہ یہ مشکلات رونما ہوتیں۔

آیہ حجاب

آخر اسلام نے مرد وزن کے درمیان مساوات حقوق کی بنیاد رکھ دی باوجودیکہ خود مسلمانوں کی قوت فکر کا اس طرف میلان نہ تھا۔

والذین یوذون المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقداحتملو بهتانا وائما مبینا (۳۳:۵۸)

”اور جو لوگ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بے اس کے کہ انہوں نے قصور کیا ہو ناحق کی تہمت لگا کر ایذا دیتے ہیں تو وہ (جھوٹ) طوفان اور صریح گناہ کا بوجھ انی گردن پر لیتے ہیں“۔

یا ایها الذین قل لا زواجک وابناتک ونساء المومنین یدنین علیهن من جلا بیبهن ذلک ادنی ان یعرفن فلا یوذین وکان الله غفورا رحیما (۳۳: ۵۹)

”اے نبی! اپنی بیبیوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی چادروں کے گھونگھٹ نکال لیا کریں۔ اس سے غالبًا یہ (الگ) پہچان پڑیں گی (کہ نیک بخت ہیں) اور کوئی چھیڑے گا نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے“۔

لئن لم ینته المنافقون والذین فی قلوبهم مرض والمرجفون فی المدینة

لنغرینک بهم ثم لا یجاورونک فیها الا قللا ملعونین اینما ثقفواا خذوا وقتلو تقتیلا (۳۳. ۶۰ تا ۶۱)

> ”منافق اور وہ لوگ جن کی نیتیں بد ہیں اور جو لوگ مدینے میں جھوٹی افواہیں پھیلایا کرتے ہیں اگر اپنی حرکات سے باز نہ آئیں گے تو اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم تم ہی کو ایک نہ ایک دن ان پر اکسا دیں دے۔ پھر (یہ لوگ) مدینے میں تو تمہارے پڑوس میں ٹھہرنے کے نہیں مگر چند روز (عارضی طور پر) ان کا یہ حال ہو گا کہ (ہر طرف سے پھٹکار یہوئے) جہاں ملے پکڑا اور مارے ٹکڑے اڑا دیئے“۔

سنة الله فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنة الله تبدیلا (۳۳: ۶۲)

> ”اور جو لوگ پہلے ہو گزرے ہیں ان میں بھی خدا کا (یہی) دستور رہا ہے اور اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم خدا کے دستور میں ہرگز (کسی طرح کا) ردوبدل نہ کر پاؤ گے“۔

مسلمانوں نے اسی تمہید (آیات متذکرۃ الصدر) کی بناء پر جاہلیت کی ان رسوم کو پیروں تلے روند دیا جو عورتوں کے عریاں نکھار اور بے حجابی کا آلہ تھیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس منشاء کے مطابق تھا کہ جس کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاشرہ کو آلائشوں سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے زنا کو سنگین جرم قرار دے کر مسلمانوں کو متوجہ کیا اور عورتوں کو بغیر محرم مردوں کے سامنے بن سنور کر نہ آنا چاہیے جیسا کہ:

قل للمومنین یغضوا من ابصارهم ویحفظوا فروجهم ذلک ازکی لهم ان الله خبیر بما یصنعون وقل لمومنت یغضضن من ابصارهن ویحفظن فروجهن ولا یبدنی زینتهن الا ما ظهرمنها ولیضربین بخمرمن علی جیوبهن ولا یبدین زینتهن الا لبعولتهن او ابائهن او اباء بعولتیهن او ابنائهن او ابناء بعولتهن او

اخوانهن اونبی اخوانهن او نبی اخواتهن او نسائهن او ما ملکت ایمانهن او التبعین غیر اولی الاربة من الرجال او الطفل الذین لم یظهرو علی عورت النساء ولا یضربن بار جلهن لیعلمم ما یخفین ن زینتهن وتوبوا الی الله جمعیا اية المومنون لعلکم تفلحون (۲۴ : ۳۰. ۳۱)

”(اے پیغمبرؐ) مسلمانوں سے کہو کہ اپنی نظریں نیچیر کھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ اس میں ان ی زیدہ صفائی ہے (لوگ) جو کچھ بھی کیا کرتے ہیں اللہ کو سب خبر ہے۔ اور اے پیغمبرؐ! مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو اس میں سے (چارو ناچار) کھلا رہتا ہے واس کا ظاہر ہوتے رہنا مضائقتے کی بات نہیں اور اپنے سینوں پر دوپٹوں کے بکل مارے رہیں اور اپنی زینت (کے مقامات) کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے خاوند کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی یعنی اپنے میل جول ک عورتوں پر یا اپے ہاتھ سے مال یعنی لونڈی غلاموں یا گھر پر لگئے ہوئے ایسے خدمتیوں ُرکہ مرد تو ہیں مگر عورتوں سے کچھ غرض و مطلب نہیں رکھتے۔ (جیساے خواجہ سرا یا بڈھے پھوس) یا لڑکوں پر جو عورتوں کے پردے کی بات سے آگاہ نہیں اور چنے میں اپنے پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں خہ لوگوں کو ان کے اندرونی زیور کی خبر ہو اور مسلمانو! تم سب اللہ کی جناب میں توجہ کرو تا کہ تم (آخرکار) فلاح پاؤ“۔

عادات میں توراث

اسلام کے اس طریق سے مرد و زن کے باہمی روابط کی اصلاح فرمائی اور دونوں کو فتنہ و شرارت کے مواقع پر بچانے کے لیے ایک دوسرے سے دور رکھنے کی ہدایت فرمائیں۔ لیکن فتنہ و فساد کے سوا دوسرے مواقع میں دونوں کو ایک دوسرے سے دور رکھنے کی کوئی ہدایت نہ کی' کیوں کہ دونوں کا درجہ برابر ہے۔ دونوں ایک خدا کے بندے ہیں اور دونوں نیک کاموں میں ایکدوسرے سے معاون اگر ان میں کوئی جنسی میلان پر گامزن ہے تو اسے خدا کے حضور اپنی معیصیت میں رجوع کرنا چاہیے جو توبہ قبول کرنے میں پس وپیش نہیں فرماتا۔

لیکن عرب کے باشندے جو صدیوں سے بری رسومات کے عادی ہو چکے تھے۔ ایسی تعلیم اتنیکم مدت میں ان کے اندر اس قسم کا انقلاب پیدا نہ کر سکتی تھی۔ جس قس کا تغیر ان کا عیقدہ میں ایمان باللہ اور ترک شرک کی صورت میں رونما ہوا جو طبعی بھی ہے۔ جس میں مادہ تدریج کے بغیر ارتقاء کی حدیں طے نہیں کرسکتا یعنی منزل بہ منزل۔ گویا مادہ ترقی کرنے میں ایک قانون کا پابند ہے۔ اس طرح انسانی زندگی بھی انقلاب کے لیے قانون ارتقاء ہی میں مقید ہے۔ جب انسان میں عادات متوارثہ اس حد تک جاگزیں ہو جائیں کہ اس کی زندگی کو اپنی جولان گاہ بنالیں تو اسے ان (عادات) سے نجات حاصل کرنے کے لیے آہستہ قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ پھر جونہی طبیعت ان کے دباؤ سے ہلکی ہونا شروع ہو انسان کو اپنے عواطف میں تبدیلی پیدا کرنے میں تامل نہ کرنا چاہیے۔

انسانی مزاج میں یہ ملکہ موج زن ہ۔ کہ وہ اپے گرد وپیش کے تغیرات کے مطابق اپنی زندگی کے قالب کو متغیر کر سکے جیسا کہ اسلام نے مسلمانوں کے اندر توحید ایمان برسالت اور یوم آخرت کے بارے میں تلقین کی جسے مسلمانوں نے تسلیم کر لیا۔ بایں ہمہ بعض ایسی رسول جو ان کی زندگی کا لازمی جزو بن چکی تھیں اسلام کے آنے کے بعد بھی وہ ان رسوم سے کچھ عرصہ نجات حاصل نہ کر سکے۔ جس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اس عہد تک ان (مسلمانوں) کے اندر قبل از اسلام کی زندگی میں نمایاں فرق نہ آنے پایا اور یہ ان کی صحرائی زندگی کے اثرات تھے۔ کہ جب صحرا میں قدم

اٹھایا تو چلتے چلتے تھک گئے مگر رکے نہیں۔ ان کی یہی رغبت عورتوں کے معاملہ میں تھی کہ صدیوں سے ان کے ساتھ بے تکلافہ میل ملاپ اور نشست و برخاست میں خوگر ہونے کی وجہ سے یک دم تجنب پر مائل نہ ہو سکتے تھے۔

تاہم اسلام نے عورتوں کے ساتھ روابط میں ان کے رجحانات میں کسی حد تک اصلاح کرنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی لیکن اس بارے میں اان عربوں کے بعض رجحانات ابھی پہلے کی طرح قائم تھے۔ بسا اوقات ایک مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در و دولت پر حاضر ہوتا (آیہ حجاب کے نازل ہونے سے قبل) آنے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امہات المومنینؓ کے قریب گیٹھا ہوا گرم گفتار کیا کرتا۔ حالانکہ پردہ سے قطع نظر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاغل نبوت پر طول مجلس سے اثر پڑتا جس کی وج سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہمات امور پر یکسوئی سے متوجہ نہ ہو سکتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمالیا کہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قسم کے ادنی امشاغل سے یک سو کر دیا جائے اور یہ آیت ازل فرمائی۔

مومنین کے لیے درباره امہات الامہ ہدایت خداوندی:

یا ایها الذین آمنوا لا تدخلو بیوت النبی الا ان یوذن لکم الی طعام غیر نظرین ان ولکن اذا عدیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ان ذلکم کان یوذی النبی فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق واذا سالتموھن متاعا فسئلوھن من وراء حجاب ذلکم اطھر لقلوبکم و قلوبھن وما کان لکم ان توذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا ان ذلکم کان عنداللہ عظیما (۳۳:۵۳)

”مسلمانو! پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر یہ تم کو کھانے کے لیے (آنے کی) اجازت دی جائے (تو اس صورت میں ایسا وقت تاک کر جاؤ) تم کو کھانے کے لی یتیار ہونے یا انتظار نہ کرنا پڑے۔

مگر جب تم کو لایا جائے تو عین وقت پر جاؤ اور جب کھا چکو تو اپنے گھر کو چل دو۔ اور باتوں میں نہ لگ جاؤ اس سے پیغمبرؐ کو ایذا ہوتی ہے اور وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تو حق بات کیکہن میں کسی کا کچھ لحاظ نہیں کرتا اور کہ پیغمبرؐ کی بیویوں سے تمہیں کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے سے باہر (کھڑ ے رہ کر) ان سے مانگو۔ اس سے تمہارے دل (ان کی طرف سے) خوب پاک (صاف) رہیں گے اور اس طرح ان کے دل (بھی) اور تم کو کسی طرح شایان نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دو اور نہ یہ بات (شایان ہے) کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو۔ خدا کے نزدیک یہ بڑی (بے جا) بات ہے“۔

اور جس طرح یہ آیہ ۳۳:۵۳ سورہ احزاب امہات المومنینؓ کے احترام حقوق پر ارشاد فرمائی اسی طرح مومنین کے حقوق کی پاس داری کے لیے امہات الامہؓ کی اطلاح کے یے یہ دو آیتیں نازل فرمائیں:

۱۔ یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذیفی قلبھمرض وقلن قولاً معروفا (۳۳: ۳۲)

”ا۔ اور اے پیغمبرؐ کی بی بیو! تم کچھ عام عورتوں کی طرح تو نہیں ہو (پس) اگر تم کو پرہیزگاری مقصود ہے تو دبی زبان سے (کسی کے ساتھ) بات نہ کیا کرو کہ ایسا کرو گی تو جس کے دل میں کسی طرح کا کھوٹ ہے وہ خدا جانے تم سے کس طرح کی توقعات پیدا کر لے گا اور بات بھی کرو تو بے لاگ لپیٹ جیسا کہ پاک لوگوں کا دستور ہے“۔

۲۔ وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولی واقمن الصلوة واتین الزکوة واطعن اللہ ورسولہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل

البیت ویطھر کم تطھیرا (۳۳:۳۳)

> ”۲۔ اور اپنے گھروں میں جمی (بیٹھی) رہو اور اگلے زمانہ جاہلیت کے سے بناؤ سنگار کرتی دکھاتی نہ پھرو اور نماز پڑھو اور زکوۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری کرو۔ (اے پیغمبرؐ کے گھر والو!) خدا کو تو بس یہی منظور ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) گندگی کو دور کرے اور تم کو ایسا پاک صاف بنائے جیسے پاک صاف بنانے کا حق ہے“۔

اسلام نے فروغ انسانی کے لیے نظام جدید کی طرح ڈالی اور زن و مرد کے جنسی میلانات میں یہ اصلاح اسی کی تمہید ہے۔ مدنظر یہ تھا کہ طرفنین مرد وزن کی جو توجہ جنسایت کے دائرہ یں محصور ہے اسے ہر دو کے لوح وقلب سے اس طرح مندمل کر دیا جائے کہ وہ اس کشش کو قدرت کے دوسرے مناظرہ وکوائف سے زیادہ نہ سمجھیں۔ یہ ایسا طریقہ ہے کہ جس پر عمل پیرا ہو کر معاشرہ اصل راہ کا نشان معلوم کر سکتا ہے۔ اور زندگی کے مادی ثمرات سے حظ اندوز ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس منزل پر پہنچ کر بھی نسان کو اپنا وقار برقرار رکھنے کے لیے جنسی میلانات کا مقابلہ کرنا ہی پڑتا ہے۔

الغرض انسان اپنے کمال مراتب کی وجہ سے کائنات کے ساتھ زراعت وصنعت اور گرد و پیش کے دوسرے فنون سے بہرہ اندوز ہو کر ایسا غلو حاصل کر لیتا ہے کہ جس کے صدقے نیک مخضر انسانوں بلکہ ملائکہ مقربین کے حلقے میں شامل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ صناعت و زراعت اور دوسرے علمی و عملی مشاغل کے ساتھ نماز بھی ادا کرتا ہے۔ روزہ بھی رکھتا ہے زکوۃ بھی نکالتا ہے اسی قسم کے تمام حقوق خداوندی کی ادائیگی کے لیے دہل ہو جاتی ہے۔ جس کے ثمرہ میں وہ از خود زنا اور اس کے مبادی سے تنفر کرنے لگتا ہے۔ بے حیائی اور سرکشی کے ارتکاب سے اس کا مزاج بے اختیار انکار پر مائل اور اپنے قب اور نفس کو غیر اللہ کی محبت سے پاک کر لیتا ہے۔ جس سے ایسے پاک طینت انسان ایک طرف مومنین کے رشتہ مودت میں منسلک ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف

انسانیت اور کائنات کے درمیان وجہ تعلق ثابت ہونے لگتے ہیں۔

اس وقفہ میں اجتماعیت کی تشکیل تدریجا جاری تھی جو اس عالم گیر انقلاب کی تمہید تھی جس کا مکمل خاکہ انسان کی رفاہیت اور بہبود کے لیے اسلام کے سامنے تھا۔ اس وقفہ میں قریش اور قبائل دونوں وقت کے انتظار میں چشم براہ تھے کہ جس طرح ہو سکے جلد از جلد جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اثرات کو ختم کیا جائے۔ ادھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دشمنان توحید کے دوبارہ ہجوم کر کے مدینہ میں در آنے کے خطرہ سے لرزاں اور ایسے موقعہ کی تیاری میں منہمک جس میں کفار کے قلب وجگر پر تاک کر نشان لگایا جا سکے۔

غزوہ بنولحیان

عادت شریف یہ تھی کہ جس سمت کا ارادہ ہوتا اعلان سے اجتناب فرماتے کہ مبادا دشمن پیش بندی کر لے۔ مدینہ سے کوچ کے موقعہ پر آپ نے شام کا ارادہ فرمایا تا کہ دشمن پر بے خبری میں حملہ کیا جائے۔

مقصد یہ تھا کہ دو سال قبل بنولحیان نے از رہ فریب حضرت خبیب بن عدیؓ کو اسیر اور انکے رفقاء کو رجیع میں قتل کر دیا تھا۔ ان سے اپنے مقتولوں کا قصاص لیا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بظاہر شام (جو مدینہ سے شمال مغرب کی سمت واقع ہے) کی طرف جانے کا قصد فرمایا تھا تا کہ غیروں پر منشکف نہ ہو۔ جمعیت ساتھ لے کر شام کی راہ پر گامزن ہوئے اور جب اطمینان ہو گیا کہ قریش اور ان کے ہوا خواہوں پر آپ کا اصل مقصد ظاہر نہیں ہو سکا سفر کا رخ مکہ کی جانب (جنوباً) پھیر لیا اور رفتار تیز کر لی یہاں تک کہ قبیلہ بنولحیان کی اس وادی تک آ پہنچے جو غران کینام سے مشہور ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس منزل میں اپنا رخ شمال سے پھیر کر جنوب کی سمت کر لیا تھا۔ بنولحیان میں سے کسی نے دیکھ لیا اور وہ لوگ فوراً اپنے مویشی اور سامان لے کر پہاڑ میں جا چھپے جس سے حملہ ناکام ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے تعاقب میں ابوبکرؓ کو دو سو سواروں کے ہمراہ عسفان تک بھیجا مگر ان کا کہیں کھوج نہ ملا۔ اس کے

بعد مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔ گرمی اس بلا کی تھی جیسے سورج سوا نیزے پر اتر آیا ہو۔ مدینہ میں داخل ہونے کے موقع پر زبان مبارک سے یہ کلمات سنائی دے رہے تھے۔

آئبون تائبون لربنا حامدون اعوذ باالل وعشائالسفر و کابة المنقلب و سو المنظر فی الاھل و المال.

> ”ہم سب اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے واپس آ گئے‘ میں سفر کی مصیبت کی زحمت اور خاندان اور مال کو بری حالت میں دیکھنے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں“۔

غزوہ ذی قرد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غزوہ بنولحیان سے واپسی کے چند روز بعد عیینہ بن حصن انفزاری نے مدینہ کی چراگاہ پر ڈاکہ ڈالا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا اور مقتول کی بیوی[1] کو اونٹوں کے ریوڑ سمیت اسیر کر کے واپس ہونے کو تھا کہ جناب سلمہ بن عمرو بن الاکوعؓ نے دیکھ لیا۔ ڈاکو بھاگ رہے تھے اور سلمہؓ ان پر تیر برسا رہے تھے جب (مدینہ کے پہاڑ) سطع پر سے گزرے تو یہاں پہنچ کر سلمہؓ نے مسلمانوں کی دوہائی مچا دی اور خود بھی ان کا تعاقب نہ چھوڑا ڈاکو بھاگتے رہے اور سلمہ ان پر تیر برساتے رہے۔ ادھر شہر کی طرف منہ کر کے آوازیں دیا کیے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا اور شہر میں فوراً منادی کرا دی، جس کے سنتے ہی چاروں طرف سے مسلمان سمٹ کر آ گئے۔ ہر شخص مسلح تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو اپنی کمان میں لے کر ڈاکوؤں کے تعاقب میں آگے بڑھتے ہوئے ذی قرو نامی پہاڑ پر جا پہنچے۔ ادھر غارت گر عیینہ اپنے گروہ کو سمیٹ کر تیز رفتاری کے ساتھ بھاگ رہا تھا کہ جس طرح ہو سکے قبیلہ بنوغطفان میں

---

[1] (یہ بی بی حارس کی اہلیہ تھیں)

پہنچ کر مسلمانوں کی گرفت سے بچ جائے، مگر مسلمان دلاوروں نے اس کے دستہ کے آخری حصہ کے اونٹوں پر قبضہ کرلیا۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آ پہنچے۔ ذرا دیر بعد وہ مسلمان بی بی تشریف لے آئیں جنہیں ڈاکو گرفتار کر کے لے گئے تھے۔

ان مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ڈاکوؤں کا تعاقب کیا جائے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب وہ بنوغطفان میں پہنچ چکے ہوں گے اس لیے تعاقب مناسب نہیں اور مسلمان مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

مسلمان اسیر بی بی نے منت مان رکھی تھی کہ اگر یہ ناقہ (جس پر وہ سوار ہوکر مدینہ آئی) اسے صحیح سلامت مدینہ لے پہنچی تو اللہ کی راہ میں اس کی قربانی پیش کر دیں گی۔ اس نذر کی اطلاع رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے اس قربانی سے ان الفاظ میں منع فرمایا:

بئس ماجزيتها ان حملک الله عليها ونجاک بها ثم تنحرينها انه لا نذرنی معصية الله ولا فيها لا تملكين

> اتنا برا بدلا! اللہ نے اس ناقہ کے ذریعے دشمنوں سے نجات دلوائی اور اسے ذبح کرنے پر تیار ہو گئیں۔ یہ اللہ کی بے فرمانی ہے، ایسی نذر کوئی معنی نہیں رکھتی نہ وہ شے نذر کی جا سکتی ہے جو اپنی ملکیت نہ ہو (کہ اونٹنی تو مسلمانوں کی ملکیت تھی)

غزوۂ بنی المصطلق (یا مریسیع)

تقریباً دو ماہ قیام کے بعد غزوۂ بنی المصطلق (مقام مریسیع میں) پیش آیا۔ یہ (غزوۂ) ہر اس اہل قلم کی توجہ کا مستحق ہے جو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نویسی کا آغاز کرے۔ نفس معرکہ یا مسلمانوں کی صعوبت ومحنت کی وجہ سے نہیں، اس لیے کہ:

الف۔ مسلمانوں میں ناکردنی خلفشار پیدا ہو گیا جس سے خطرہ تھا آئندہ کے لیے برے نتائج کا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تدبیر نے اسے خوش اسلوبی سے سلجھا دیا۔

ب۔ اور اس لیے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب جویریہ بنت حارثؓ کو نکاح کی عزت بخشی (جس کے نتائج حیرت انگیز رونما ہوئے)

ج۔ اور اسی غزوۂ کے دوران میں ام المومنین عائشہ صدیقہؓ پر ناگفتنی افترا تراشا گیا۔ حضرت صدیقہؓ کا سن سولہ سے متجاوز نہ تھا اور یہ وہ سن تھا جس میں بھرپور جوانی کے پہلو بہ پہلو ایمان کی فراوانیاں بھی شباب پر تھیں۔ لہٰذا کسی کو جرأت نہ تھی کہ صورت وسیرت کے اس پیکر جلال کے سامنے لب کشائی کر سکے۔

واقعات این غزوہ

اطلاع عرض ہوئی کہ قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنو مصطلق نے مکہ سے ادھر فوجیں جمع کر لی ہیں۔ ان کا سردار حارث بن ابوضرار ہے جس نے لشکریوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر اکسا رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ راز ایک بدو بریدہ بن حصیب اسلمی (زاد المعاد: م) سے معلوم کیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عجلت کے ساتھ نکلے تاکہ دشمن پر اس کی غفلت میں حملہ کیا جائے۔ جیسا کہ عام معمول تھا لشکر میں مہاجرین کا علم ابوبکرؓ اور انصار کا جھنڈا سعد بن عبادہؓ کو دیا اور بنو مصطلق کے اس تالاب پر اترے جو مریسیع کے نام سے مشہور ہے۔ اور ذرا دیر بعد دشمنوں کو گھیرے میں لے لیا۔ اس موقعہ پر وہ لوگ بھاگ نکلے جو ادھر ادھر سے ان کے ساتھ مل گئے تھے۔ مسلمانوں کے ہاتھ سے دشمنوں کے دس آدمی قتل ہوئے۔ اور ایک مسلمان ہشام بن صبابہ (نام) ایک انصاری (مسلمان) کے ہاتھ سے شبہ میں شہید ہوئے۔ قبیلہ بنو مصطلق کے محصورین دیر تک تیروں سے مقابلہ کرتے رہے مگر جب اپنے سے قوی دشمن سے مفر نہ دیکھا تو خود کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ ان کے زن و مرد بچے، اونٹ اور مویشی تمام سامان مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔

حادثہ مابین المسلمین:

(جیسا کہ الف میں اشارہ کیا گیا ہے کہ) عمر بن الخطاب کے ہمراہ ان کا ایک سائیس بھی تھا وہ معرکہ ختم ہو جانے کے بعد گھاٹ پر پانی بھرنے کے لیے گیا تو ایک انصاری سے مناقشہ ہو گیا۔ (یہ) انصاری قبیلہ خزرج سے تھا۔ دونوں میں ہاتھا پائی ہونے لگی۔ تب سائیس نے مہاجرین اور انصار نے خزرج کی دوہائی پکاری (اور فریقین جمع ہو گئے: م)

مدینہ کا بدنام منافق عبداللہ بن ابی جو اس غزوہ میں غنیمت کے طمع سے شریک ہوا تھا، ہمراہ ہی تھا۔ اس کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے جس قدر کینہ بھرا ہوا تھا سب اگل دیا: مہاجر ہمارے شہر میں اُمڈ کر آ گئے ہیں۔ ہمیں ان کے استیصال میں داناؤں کے اس مقولہ پر عمل کرنا ہی پڑے گا کہ اگر اپنے سگ کو فربہ کر دیا تو پہلے اپنے مالک ہی کا گلا دبوچے گا[1] اور قسم کھا کر بولا کہ

لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعز منها الاذل (63-8)

اگر ہم پھر مدینہ لوٹ کر پہنچے تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے تو سہی (اور انہی الفاظ میں آیہ 63:8 نازل ہوئی)

اس (ابن سلول) نے اپنے ہم مشربوں سے یہ بھی کہا: تم نے یہ مصیبت خود مول لی انہیں اپنے ہاں پناہ دی اور اپنے اموال میں سے ان کی اعانت کی! بخدا! جو لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر جمع ہوئے ہیں اپنا پیسہ ان پر خرچ نہ کرو (عاجز آ کر) آخر کو (آپ ہی) تتر بتر ہو جائیں گے۔

(بمعنی آیہ 63-7م: یعنی هم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عند رسول الله حتی ینفضوا)

رسول خداؐ کی مآل اندیشی

---

[1] یہ کلمہ حضرت زید بن ارقم نے سن لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا (سیرۃ ابن ہشام)

سرغنہ منافقین (ابن ابی) کی بدگوئی پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی اس وقت حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے ازرہ غیرت عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس بے ایمان کے قتل کا حکم بلال کو دیجئے! مگر خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر اپنی متانت و حکمت اور مال اندیشی کے مطابق فرمایا اے عمرؓ! اگر ایسا کیا گیا تو دنیا کہے گی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہمراہیوں کے قتل کرانے میں باک نہیں کیا۔

اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا کہ اگر فوری توجہ نہ کی گئی تو مبادا ابن ابی کا پیدا کردہ فتنہ کوئی اور رنگ لے آئے۔ آپ نے کوچ کی منادی کرادی، حالانکہ موسم کے لحاظ سے یہ وقت سفر کے لیے موزوں نہ تھا۔ اسی لمحہ میں ابن ابی (منافق) باریاب ہوا اور حسب عادت اپنے قول پر قسمیں کھانے لگا۔ مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے التوائے سفر پر توجہ نہ فرمائی۔ کوچ کے روز لشکر دن بھر چلتا رہا اور شب کو بھی پڑاؤ نہ ہونے پایا۔ دوسرے دن ظہر تک سفر جاری رہا۔ تب آ کر پڑاؤ کیا۔ تو بدن زمین میں مس ہوتے ہی نیند میں ڈوب گئے۔ آنکھ کھلی تو ابن ابی کا طعنہ دماغوں سے نکل چکا تھا۔ یہ تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصلحت اور جب مدینہ میں داخل ہوئے تو بنومصطلق کے اسیروں اور اموال و مویشی سے لدے پھندے قیدیوں میں دشمن کے سردار حارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی جویریہ بھی تھیں (جن کے ذکر خیر اور برکت کا تذکرہ آگے منقول ہے)

ابن ابی بھی مدینہ آ پہنچا۔ اگرچہ اسلام وایمان کا تذکرہ اس کی زبان پر ہمیشہ کی طرح اب بھی جاری تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے حسد کا سانپ بدستور اس کے دل پر لوٹ رہا تھا۔ مریسیع (مقام) پر جو کچھ اس نے کہا تھا یہاں آ کر اس سے قسمیں کھا کھا کر انکار کرنے لگا جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

هم الذين يقولون لا تنفقوا على من عند رسول الله حتىٰ ينفضوا ولله خزائن السموات والارض ولكن المنفقين لا يفقهون يقولون لئن رجعنا الى

المدينة ليخرجن الاعز منها الاذل ولله العزة ولرسوله وللمومنين ولكن المنفقين لا يعلمون (63:7-8)

> یہی تو ہیں جو (لوگوں کو) بہکایا کرتے ہیں کہ جو لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (آ جمع ہوئے) ہیں (اپنا پیسہ) ان پر نہ خرچ کرو (عاجز آ کر) آخر کو (آپ ہی) تتر بتر ہو جائیں گے۔ حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جتنے خزانے ہیں۔ (سب) اللہ ہی کے ہیں مگر منافقوں کو اتنی سمجھ نہیں۔ (یہ منافق) کہتے ہیں کہ اگر مدینہ لوٹ کر گئے تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال کرے تو سہی! حالانکہ اصلی عزت اللہ کی، اس کے رسولؐ کی اور مسلمانوں کی ہے۔

ان آیات (کے نزول) میں مسلمانوں کو ابن ابی (منافق) کے قتل کیے جانے کا یقین ہو گیا جن میں اس کے مسلمان فرزند بھی تھے۔ یہ نیک محضر (عبداللہ بن ابن ابی) رسول اللہ کی خدمت میں عرض گزار ہوئے؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سنا گیا ہے آپ میرے والد (ابن ابی) کو قتل کرانا چاہتے ہیں۔ اگر حکم ہو تو میں ہی اپنے باپ کا سر آپ کے سامنے پیش کر دوں؟

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قبیلہ خزرج میں کوئی ایسا شخص نہیں جو مجھ سے زیادہ اپنے باپ کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہو۔ لیکن مجھے خود سے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے میرے سوا کسی اور شخص کے ہاتھ سے میرے باپ کو قتل کرایا تو مجھے اپنے باپ کے قاتل کا چلنا پھرنا برداشت نہ ہو گا۔ اسے قتل کیے بغیر مجھے چین ہی نہ آئے گا اور کافر کے بدلے مومن کو قتل کر کے جہنم کا ایندھن بننا مجھے گوارا نہیں!

حضرت عبداللہ (بن عبداللہ بن ابن ابی) نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جو کچھ عرض کیا، میں نہیں سمجھ سکتا کہ دلی اضطراب کا اظہار اس سے زیادہ بلیغ پیرایہ میں بھی ہو سکتا ہے۔ آہ ایسا اضطراب! ایک طرف محبت فرزندانہ ہے اور دوسری طرف حفاظت ایمان!

حضرت عبداللہ کو خطرہ تھا کہ مبادا نخوت و غرور اسلامی سکینت پر غالب آ کر مسلمانوں میں انتقام در انتقام کی آگ مشتعل کر دے۔ عجیب معاملہ ہے کہ جان نثار فرزند جو اپنے باپ کو واجب القتل سمجھ رہا ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی جان بخشی کی درخواست نہیں کرتا، کیوں کہ اسے یقین ہے کہ نبیصلی اللہ علیہ وسلم ہر کام خدا کے حکم سے کرتا ہے۔ اسے اپنے باپ کے کفر کا یقین ہے اور اس کے ساتھ ہی اسے یہ خطرہ بھی ہے کہ اس کے باپ کے قتل ہونے پر اس کی محبت فرزندانہ اور عربوں کی عادت انتقام دونوں یک جا ہو کر اسے اپنے باپ کے قاتل سے بدلہ لینے پر نہ اکسا دیں۔ اس نے خود ہی باپ کی گردن مارنے کا ارادہ کر لیا۔ اگرچہ اسے یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں اپنے ہاتھ سے باپ کو قتل کرنے پر اس کا دل خون ہو کر نہ بہہ جائے۔ مگر آج حضرت عبداللہ اس لیے خود کو مصیبت میں ڈال رہے ہیں کہ اگر ان کا باپ کسی دوسرے مسلمان کے ہاتھ سے قتل ہوا تو ایسا نہ ہو کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو قتل کر کے جہنم کے مستوجب قرار پاؤں۔ حضرت عبداللہ (بن عبداللہ منافق) کیسی کشمکش میں مبتلا ہیں! ایک طرف ایمان اور دوسری جانب محبت فرزندانہ! جس کے ساتھ عبداللہ جیسے سپوت کی اخلاقی قوت بھی شامل ہے۔ آہ! اس سے زیادہ روحانی کشمکش کیا ہو سکتی ہے!

سرور دو عالمصلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عبداللہ کو (ان کے ایسے باپ کے قتل کی اجازت طلب) کرنے پر کیا جواب دیا؟ (فرمایا) ہم قتل کی بجائے ان کے ساتھ مہربانی اپنی مجلس میں حاضر باشی کا موقعہ اور ان کی اصلاح کی کوشش میں کمی نہ رہنے دیں گے۔

اللہ! اللہ! یہ عفو و رحمت! اور ایسے شخص کے ساتھ جو سدا سے مدینہ کے ہر مسلم و غیر مسلم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کے خلاف مشتعل کرتا رہا ہو۔ لطف یہ ہے کہ آج اس بدنصیب پر رحمت عالم کے کرم و مہر کا پلہ اس کے دشمن کی طرف سے ایذا رسانی کے مقابلہ میں بھاری ہے۔

اس منافق کی جان بخشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لب

کشائی کرتا تو سننے والے اسے کہتے ارے بے شرم! ان کے خلاف یہ زبان درازی جنہوں نے تیری جان بخشی فرمائی!

اس واقعہ کے بعد ایک روز عمرؓ خدمت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں باریاب تھے۔ ابن ابی کی زبان درازی اور مسلمانوں کے جوش وخروش کا تذکرہ ہونے لگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرؓ! اگر اس روز میں اسے قتل کرا دیتا تو مخالفین غراتے ہوئے امڈ آتے لیکن اگر آج میں اس کے قتل کا حکم دوں تو کوئی بات پیدا نہ ہوگی! ابن الخطابؓ نے عرض کیا بخدا! مجھے یقین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہت برکت ہے میرے رائے کے مقابلہ میں!

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کا واقعہ افک

مذکورۃ الصدر حوادث غزوۂ بنو مصطلق سے واپسی اور اموال واسیران جنگ کی تقسیم کے بعد رونما ہوئے، جن کے بعد (فوراً ہی) ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس کا اثر ابتداء میں اس قدر ہمہ گیر نہ تھا جیسا کہ اس نے بعد میں عبرت ناک صورت اختیار کرلی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی غزوہ میں شرکت کا ارادہ فرماتے، حرم پاک میں سے کسی ایک بی بی کو قرعہ اندازی سے مشایعت میں لے لیتے۔ غزوۂ بنو مصطلق میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یہ فخر نصیب ہوا۔ سفر کے موقعہ پر ڈیوڑھی سے ہودج لگا دیا جاتا اور آپ کی تشریف فرمائی کے بعد ساربان ہودج کو اٹھا کر شتر پر رکھ دیتا اور ام المومنینؓ کے تقلیل وزن سے اسے ذرا بار محسوس نہ ہوتا۔

اب معرکہ مریسیع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعجلت واپسی اور صعوبت کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ بعد پہلی منزل میں پڑاؤ کیا۔ شب کا کچھ حصہ استراحت فرمانے کے بعد پھر روانگی کا اعلان فرمادیا۔

اس منزل میں! کوچ کے واقعہ پر ام المومنینؓ رفع حاجت کے لیے لشکرگاہ سے دور تشریف لے گئی تھیں۔ واپسی پر محسوس ہوا کہ گلے کا ہار گر پڑا ہے، الٹے قدم تلاش کرتی ہوئی اسی طرف

واپس لوٹیں۔ بہت دیر ہوگئی ممکن ہے پچھلے سفر میں تکان کے غلبہ سے آنکھ بھی جھپک گئی ہو۔ ہار تو مل گیا مگر جب لشکر گاہ میں واپس تشریف لائیں تو قافلے روانہ ہو چکے تھے اور روانگی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء نے یہ سمجھا کہ ام المومنینؓ بھی اپنے ہودج میں ہیں جسے انہوں نے اٹھا کر اونٹ پر رکھ لیا ہے اور اس تصور میں کوچ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم پاک بھی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشایعت ہی میں ہیں۔ ام المومنینؓ کو اس پر کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ سمجھے ہوئی تھیں کہ جونہی ساربان کو محسوس ہوگا فوراً سواری واپس لے آئے گا۔ اس لیے ام المومنینؓ نے صحرا میں سفر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ آپ نے برقعہ بدن پر لپیٹ لیا اور زمین پر استراحت فرما ہوگئیں۔

صفوان (بن معطل سلمی) جو رفع حاجت کی وجہ سے کارواں سے بچھڑ گئے تھے اس طرف سے گزرے انہوں نے آیہ حجاب نازل ہونے سے قبل ام المومنین کو دیکھا تھا۔ آپ کو اس حال میں پایا تو بے ساختہ: انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر کہا واحسرتا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم پاک! اے ام المومنینؓ! اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ کیسے بچھڑ گئیں؟ ام المومنین نے کوئی جواب نہ دیا۔ صفوان نے اونٹنی قریب بٹھا کر سوار ہونے کے لیے عرض کیا اور خود دور ہٹ گئے اور ناقہ کو تیز ہانکتے ہوئے چل دیئے تاکہ لشکر کے ساتھ مل جائیں۔ لیکن لشکری مدینہ پہنچ کر تکان سفر دور کرنے اور ابن ابی (منافق) کی ریشہ دوانی سے بچنے کے لیے اور زیادہ گرم رفتار تھے۔ صفوان لشکر سے ذرا دیر بعد ہی دن ہی دن میں شہر میں جا پہنچے۔ ام المومنین بدستور ناقہ پر تشریف فرما تھیں۔ دولت کدہ کے قریب آکر سواری سے اتریں اور چند قدم چل کر اپنے حجرہ میں پہنچ گئیں

کسی فرد بشر کے قلب میں وسوسہ تھا نہ کسی کی زبان پر ایسا حرف آیا، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دل میں ابوبکرؓ کی نیک طینت صاحب زادی اور صفوان جیسے مرد مومن کے متعلق کسی قسم کا خدشہ گزرا اور حقیقت میں کوئی ایسی بات تھی بھی نہیں۔

تبصرہ بر حوادث ایں وقفہ

ام المومنینؓ لشکر کے مدینہ پہنچ جانے سے ذرا دیر بعد روز روشن میں سب کے سامنے شہر میں وارد ہوئیں۔ اتنا فصل تھا ہی نہیں جو کسی کے دل میں وسوسہ پیدا ہوتا۔ دولت خانہ میں وارد ہوئیں تو کشادہ پیشانی بشاش، بشرے پر کسی پریشانی کا شائبہ نہیں اور چونکہ ایسا کوئی شبہ رونما نہ ہوا اس لیے شہر کے حالات کو معمول پر رہنا ہی تھا۔ مسلمان اپنے حریف بنومصطلق کے مال واسباب اور گرفتار شدہ اسیروں کی تقسیم میں مصروف ہو گئے تا کہ اپنی محنت کش زندگی میں ایک وقفہ کے لیے نعمتوں کا لطف حاصل کر سکیں۔ جس زندگی میں اپنی قوت ایمان کی بدولت دشمنوں پر غالب آئے، جس زندگی میں ان کے عزم صادق نے انہیں دشمنوں کے مقابلہ میں فائز المرام کیا اور کبھی ایسا بھی ہوتا رہا کہ ان میں سے بعض حضرات کو خدا کی راہ میں اور دین وعقیدہ کی محنت میں موت کے پہلو میں سونا پڑا۔ مسلمانوں کی یہ زندگی ایسی ہے جس سے کل تک عرب خود کو دور رکھنا چاہتے تھے۔

سیدہ جویریہؓ

اسیران بنومصطلق میں ان کے سردار (قبیلہ) حارث کی صاحبزادی بھی گرفتار ہو کر آئیں۔ ان کا اسم گرامی جویریہ تھا۔ جمال ظاہری سے آراستہ اور تقسیم اموال میں ایک انصاری کے حصہ میں آئیں، جس کے ساتھ بی بی نے مکاتبت کی درخواست کی تو انصاری نے بڑے اونچے گھرانے کی دختر ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ زرفدیہ طلب کیا۔ کتنا بھی سہی نیک محضر جویریہ فدیہ کی رقم میں استعانت کے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوئیں۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے ہاں فروکش تھے۔ عرض کیا میں سردار قبیلہ حارث بن ابی ضرار کی دختر ہوں۔ میری مصیبت سے آپ آگاہ ہیں۔ جس صاحب کے حصہ میں آئی ہوں ان سے مکاتبت کر چکی ہوں۔ آپ کی خدمت میں زرفدیہ کی استعانت کے لیے حاضر ہوئی ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بہتر صورت پیش کرتا ہوں یہ کہ زرفدیہ میں ادا کیے دیتا ہوں اور آپ میرے ساتھ عقد کرنا منظور کر لیجئے!

مسلمانوں نے سنا کہ بنومصطلق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خویشاوندی ہو گئی ہے تو

سب نے اپنے اپنے حصہ کے اسیروں کو زرفدیہ لئے بغیر رہا کر دیا۔ ان کی تعداد چھ سو تھی جن میں ایک سو صرف بنو مصطلق کی تعداد تھی۔ جناب بنت الحارث کی اس پذیرائی پر ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا جویریہؓ سے بڑھ کر کوئی دوسری عورت اپنی قوم کے لیے برکت کا سبب ثابت نہ ہو سکی!

سیدہ جویریہؓ کے بارے میں دوسری اور تیسری روایات:

الف۔ حارث اپنی صاحبزادی کا زرفدیہ لے کر حاضر ہوا اور پناہ ملنے کے بعد اسلام لے آیا۔ آزاد ہو جانے کے بعد ان کی صاحبزادی بھی اسلام لے آئیں۔ جس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خطبہ فرمایا اور چار سو درہم حق مہر ادا فرما دیا۔

ب۔ سیدہ کے والد اس تزویج پر رضا مند نہ تھے مگر بی بی کے ایک اور قرابت دار کی شرکت سے یہ عقد مکمل ہوا۔

فسانہ افک

ام المومنین حضرت جویریہؓ کی رہائش کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم سرائے سے ملحق حجرہ بنوا دیا۔ ادھر حجرہ تعمیر ہو رہا تھا، ادھر شہر کے بدلگام آپس میں کانا پھوسی کر رہے تھے کہ عائشہ کا لشکر سے بچھڑ کر صفوان کی سواری پر آنے کا کیا مطلب ہے جب کہ صفوان خوبصورت بھی ہے اور جوان بھی۔

مسلمانوں میں سے بی بی حمنہ کے دل میں یہ خلش تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ان کی حقیقی بہن (ام المومنین زینب بنت جحشؓ) پر حضرت عائشہؓ کو اس قدر تقدم کیوں ہے۔ حمنہ نے اس کینہ سے بے تاب ہو کر افترا کو ہوا دینا شروع کر دیا۔ در پردہ ان کے پشت پناہ حسان بن ثابتؓ تھے جن کی مجالس علی ابن ابی طالب سے بہت زیادہ رہتیں۔ بے ایمانوں میں راس المنافقین ابی کے نفس (امارۃ بالسوء) کو بھی اس معاملہ میں ایسی چراگاہ مل گئی جس میں اس کے

پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے ہر قسم کی خشک اور تر گھاس موجود تھی۔ ابن ابی نے جی بھر کر ہوائیاں اڑائیں۔

وفاداران ازلی یعنی مسلمانان قبیلہ اوس:

باوجودیکہ مومنین اوس میں سے ایک ایک متنفس ام المومنین صدیقہ طاہرہؓ کی عفت و عصمت کی قسم کھانے کے لیے وقف تھا، پھر بھی یہ خبر تمام شہر میں پھیل ہی گئی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اضطراب:

شدہ شدہ یہ ہوائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع عالی تک پہنچی۔ آپ کے تعجب کی کوئی حد نہ رہی۔ ذہن میں مختلف خیالات موجزن تھے الٰہی! کیا ہوا؟ عائشہ اپنا دامن آلودہ کرنے والی تو نہ تھیں پھر اس علو و تمکنت کے ہوتے ہوئے! ناممکن ہے!

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ام المومنینؓ کی ذات پر اس قدر اعتماد تھا کہ آپ کے دل میں ان کے متعلق ایسا خیال گزرنا بھی دشوار تھا، لیکن اس کے ساتھ دوسرا پہلو بھی متخیلہ میں گردش کر رہا تھا کہ آخر تو عورت ذات ہے! مرد سے مختلف المزاج! اس کے دل کا بھید کون پا سکتا ہے! پھر یہ خیال گزرتا کہ ان کا سن بھی تو نہیں کہ ہار گم ہو جانے سے انہیں اتنی تشویش لاحق ہو اور نصف شب میں اسے تلاش کرنے کے لیے تگ و دو میں لگ جائیں۔ خداوند! انہوں نے لشکر کے کوچ کرنے سے پہلے ہار کے گم ہو جانے کا تذکرہ مجھ سے کیوں نہ کیا!

غرض رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ میں اسی قسم کے تخیلات گردش کر رہے تھے حتیٰ کہ آپ موافق و مخالف دونوں میں سے کوئی رائے قائم نہ کر سکے۔

ام المومنینؓ کی شدید علالت:

حرم سرائے رسالت ماب اور دولت کدہ صدیق اکبرؓ دونوں گھروں میں کسی کو جرأت نہ تھی کہ حضرت عائشہؓ کے بالمواجہہ یہ بات زبان پر لا سکے جس کی وجہ سے آپ محض بے خبر تھیں۔ مگر رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم بھی پہلی سی نہ رہی۔ اس غم میں وہ علیل ہو گئیں۔ تیمارداری کے لیے آپ کی والدہ ماجدہ حاضر خدمت رہتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت بھی فرماتے تو صرف اس جملہ میں کہ طبیعت کیسی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سرد مہری دیکھ کر ام المومنینؓ کے مرض میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔ آپ نے اپنے شوہر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بے اعتنائی کی حضرت جویریہؓ ام المومنین سے رغبت پر محمول فرمایا اور اس خلش کی وجہ سے درخواست کی کہ مجھے صحت یاب ہونے تک اپنے والدین کے ہاں جانے کی اجازت ہو اور میکے تشریف لے آئیں۔ لیکن اجازت سے دل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اعتنائی کا اثر اور بھی گہرا ہو گیا۔ مسلسل انیس روز بستر علالت پر پڑی رہیں اور سوکھ کر کانٹا ہو گئیں۔ ابھی تک خود پر عائد شدہ افتراء کا علم بھی نہ ہو سکا۔

افک کی تحقیق:

اسی دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا صاحبو! بعض اشخاص میرے حرم پر ناحق افتراء باندھ رہے ہیں جو میری ایذاء کا موجب بن گیا ہے۔ بخدائے لایزال! مجھے اپنے اہل بیت کی عصمت و عفت پر پورا یقین ہے اور یہ افتراء جس شخص سے منسوب ہے (صفوان) میں اسے بھی نیک محض سمجھتا ہوں اور وہ میرے ہاں اگر آیا بھی ہے تو میری معیت میں!

اسید بن حضیر (از قبیلہ اوس) نے سروقد کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مفتری اگر قبیلہ اوس میں سے ہے تو اس کا نام معلوم ہونے پر ہم انسداد شر کر سکتے ہیں اور اگر افتراء کنندہ برادران خزرج (قبیلہ) میں سے ہو تو اس کے متعلق جو ارشاد ہو بسر و چشم تعمیل کے لیے حاضر ہیں۔ بخدا! ایسا بدنہاد مفتری قابل گردن زدنی ہے۔

یہ سن کر قبیلہ خزرج کے سربراہ جناب سعد بن عبادہؓ دست بستہ عرض گزار ہوئے کہ اسید نے تمام بات ہمارے سر تھوپ دی ہے۔ کاش! اگر اس افواہ کا مبداء قبیلہ اوس ہوتا تو اسید یوں سخن آرائی نہ فرماتے!

طرفین کی تقریر نے اوس وخزرج میں اشتعال پیدا کر دیا لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت وحسن مداخلت سے یہ فتنہ سرفراز نہ ہونے پایا۔

اصلی حقیقت پر ام المومنینؓ کی اطلاع یابی:

آخر یہ سناؤنی مہاجرین کی ایک نیک نہاد خاتوں کے ذریعہ ام المومنینؓ کے گوش گزار ہوئی۔ عصمت پناہ طاہرۂ صدیقہؓ اپنے دامن عفت پر بدنمائی کی خبر سے کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ شدت گریہ سے دل پارہ پارہ ہونے کے قریب آ پہنچا۔ بستر سے اٹھیں اور خود کو اپنی والدہ ماجدہ کی گود میں ڈال دیا، آواز مدہم پڑ گئی۔ ذرا حواس سنبھلے تو اپنی والدہ سے یوں شکوہ فرمایا والدۂ مہربان! آپ نے تو ضرور سنا ہوگا پھر مجھ سے کیوں چھپائے رکھا؟ ام المومنینؓ کا گریہ دیکھ کر آپ کی والدہ نے عرض کیا دختر نیک طینت! ایسی عورت کون سی ہے جو تمہاری طرح اپنے شوہر کی چہیتی ہو اور اس کی سوکنیں اس سے دشمنی نہ کریں یا دوسرے اشخاص اس کے حسد سے جل کر کباب نہ ہوں! لیکن طاہرۂ صادقہؓ کو والدہ کی اس دل جوئی سے ذرا تسکین نہ ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حد سے زیادہ نگہ کرم کے بعد اس سرد مہری کا تصور فرماتیں تو اس خطرہ سے کہ مبادا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں آپ کے متعلق گرہ بیٹھ گئی ہو، ام المومنینؓ کا اضطراب اور سوا ہو جاتا۔ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسم کھا کر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا ارادہ ہو جاتا۔ بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے صدقے میں تسلیم اتہام کے بعد قسم سے خود کو تہمت سے بری کرنے کے مسودے بناتیں۔ کبھی یہ منصوبہ کہ ان دنوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ پیش آ رہے ہیں میں بھی آپ سے اسی قسم کی بے اعتنائی کا برتاؤ کروں۔ آخر یہ ذہن میں آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو خدا کے برگزیدہ پیغمبر ہیں، جس نے آپ کو ازدواج پر برتری عنایت فرما دی ہے، یہ افتراء عوام کی کارستانی ہے جنہیں میرے قافلہ سے بچھڑ جانے کے بعد صفوان کے ناقہ پر آنے سے موقع مل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں دخل نہیں!

بالآخر ام المومنینؓ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے خداوند! مجھے سیدھی راہ بتا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میری بے گناہی واضح ہو جائے اور مجھ پر پہلے کی طرح نگاہ کرم منعطف فرمانے لگیں۔

تحقیق افک میں مجلس مشاورت:

عام چہ مے گوئی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یک سونہ تھے۔ آخری تدبیر پر توجہ فرمائی اور ابوبکرؓ کے ہاں تشریف لے جا کر اپنے معتمدین میں سے اسامہ ابن زیدؓ اور علی بن ابی طالبؓ کو طلب فرما کر دونوں سے مشورہ پوچھا۔ اسامہؓ نے سادگی سے بریت کرتے ہوئے نفس الامر کو افتراء و بہتان سے تعبیر کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی تصور تھا ان کے بعد علیؓ سے دریافت فرمایا تو انہوں نے تصدیق و تکذیب دونوں سے یک طرف ہو کر ان النساء لکثیر (عورتوں کی کمی نہیں) کہنے کے ساتھ عرض کیا اس معاملہ میں ام المومنینؓ کی کنیز (بریدہ: م) سے بھی دریافت فرمالیجئے اور علیؓ نے کنیز کے آتے آتے انہیں اچھی طرح زدوکوب کیا تا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچی شہادت پیش کریں۔

کنیز! بخدا وہ تو سراپا عصمت ہیں:

اور کنیز نے اس کے سوا بھی ام المومنینؓ کی بریت میں بہت کچھ کہا (اصل واقعہ بخاری باب حدیث الافک: کتاب المغازی میں ہے: م)

ام المومنینؓ سے جواب طلبی:

اس تفتیش کے بعد ام المومنینؓ سے دریافت کرنا باقی رہ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابوبکرؓ کے ہاں تشریف لائے۔ اس وقت سیدہؓ کے والدین کے سوا ایک انصار خاتون بھی حاضر خدمت تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال پر ام المومنینؓ نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ خاتون انصار بھی گریہ ضبط نہ کر سکیں۔ سیدہ صدیقہؓ کے تاثرات کا مبنی یہ تھا کہ جو وجود

گرامی صلی اللہ علیہ وسلم ان کا اس حد تک قدر دان تھا، ان پر ہر طرح سے انہیں اعتماد تھا یا یہ کہ آج انہوں نے انہیں یوں نظروں سے گرا دیا۔

اور جب ام المومنینؓ نے خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ کیا تو آنسو خود بخود تھم گئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہؓ! اللہ سے ڈرتی رہو۔ اگر لوگوں کا خیال صحیح ہے تو اس کے حضور توبہ کرو! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توجہ قبول فرماتا ہے! آنحضرت کی تنبیہہ ختم ہونے کے ساتھ ہی ام المومنینؓ کی رگوں میں غصہ سے خون دوڑ اٹھا، آنکھوں سے آنسو بہنا بند ہو گئے۔ پہلے انہوں نے اپنی والدہ کی طرف دیکھا۔ وہ مہر بہ لب بیٹھی تھیں پھر والد پر نظر دوڑائی۔ وہ بھی خاموش! ام المومنینؓ نے دونوں سے گلہ فرمایا آپ لوگ خاموش بیٹھے ہیں؟ دونوں نے عرض کیا ہمیں حقیقت کا کوئی علم نہیں! اور یہ کہہ کر دونوں نے سر جھکا لیا۔ ام المومنینؓ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ جس سے قدرتاً غصہ کا ہیجان کم ہو گیا۔ اسی گریہ وزاری کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جو آپ مجھے توبہ کا مشورہ دے رہے ہیں، جب میں نے گناہ ہی نہیں کیا پھر توبہ کس جرم میں کروں؟ دشمن مجھ پر جو افتراء باندھ رہے ہیں میں اس حقیقت سے خوب واقف ہوں۔ اس رمیں توبہ کروں گی اور اگر میں اپنی بریت پر کچھ کہوں تو اللہ تعالیٰ پر میری پاک دامانی پوری طرح منکشف ہے اور اگر میں لوگوں کے سامنے اپنی بریت کروں تو وہ میری تصدیق کیوں کرنے لگے؟ کچھ دیر سکوت کرنے کے بعد ام المومنینؓ نے کہا میں اپنی صفائی میں اتنا ہی کہہ سکتی ہوں جتنا حضرت یوسف علیہ السلام کے والد گرامی (جناب یعقوب علیہ السلام) نے کہا تھا:

فصبر جميل والله المستعان على ماتصفون(18:12)

خیر صبر وشکر! اور جو حال تم بیان کرتے ہو خدا ہی مدد کرے کہ اس کا پردہ فاش ہو۔

مجلس میں طویل خاموشی کے بعد نزول برمات

اس گفتگو کے بعد مجلس پر ایسا وقفہ گزرا جس میں کسی کی زبان پر ایک حرف بھی نہ آیا۔ دوسروں

کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سکوت فرماتے۔ کسی کو طول واختصار وقفہ کا تصور ہی نہ تھا۔

اتنے ہی میں نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے۔ ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک ردا سے ڈھانک دیا گیا۔ بالین پر تکیہ لگ گیا۔ ام المومنینؓ فرماتی ہیں اس وقت نہ تو مجھے اپنی بے گناہی کی وجہ سے نزول وحی پر کوئی دغدغہ تھا، نہ ذات باری کے منصف ہونے میں شبہ لیکن میری ماں اور باپ ایسے ضغطے میں تھے، جیسے روح مائل پرواز ہو۔ انہیں خطرہ تھا کہیں وحی سے الزام کی تصدیق نہ ہو جائے! ان کی یہ حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراغ وحی سے بعد ہوئی۔ جب نبی صلوات اللہ علیہ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے تھے اور مجھے مخاطب ہو کر فرمایا:

ابشری یا عائشه! قد انزل الله براء تک!

اے عائشہؓ! مبادک باد! اللہ نے تمہاری بریت میں قرآن نازل فرمادیا۔

ام المومنینؓ نے صرف الحمد اللہ کہا اور خاموش رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت مسجد میں تشریف لائے اور مسلمانوں کو یہ آیتیں سنائیں:

ان الذین جاء و بالافک عصبة منکم لا تحسبوه شرا لکم بل هو خیر لکم لکل امریء منهم ما اکتسب من الاثم والذی تولی کبره منهم له عذاب عظیم (11-24)

مسلمانو! جن لوگوں نے (ام المومنین عائشہؓ کی نسبت) طوفان اٹھا کھڑا کیا تم ہی میں کا ایک گروہ ہے اس (طوفان) کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوا (کہ سچے مسلمان اور منافق کی پہچان پڑے) طوفان اٹھانے والوں میں سے جتنا گناہ جس نے سمیٹا (اس کی سزا) بھگتے گا اور جس نے ان میں سے طوفان کا بڑا حصہ لیا (ویسی ہی) اس کو بڑی (سخت) سزا ہوگی۔

لولا اذا سمعتموه ظن المومنون والمومنت بانفسهم خیرا وقالو هذا افک مبین(24-13)

مسلمانو! جب تم نے ایسی (نالائق) بات سنی تھی ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں نے اپنے (مسلمان بھائی بہنوں کے) حق میں نیک گمان کیوں نہ کیا اور سننے کے ساتھ ہی کیوں نہ بول اٹھے کہ یہ صریح بہتان ہے۔

لولاء جاء وعلیه باربعة شهداء فاذلم یاتوا بالشهداء فاولئک عندالله هم الکاذبون(24-15)

(جن لوگوں نے یہ طوفان اٹھا کھڑا کیا) اپنے بیان (کے ثبوت) پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ پھر جب گواہ نہ لا سکے تو خدا کے نزدیک (بس) یہی جھوٹے ہیں۔

ولو لا فضل الله علیکم ورحمته فی الدنیا ولاخرة لمسکم فی ما افضتم فیه عذاب عظیم(24-14)

اور اگر تم (مسلمانوں) پر دنیا اور آخرت میں خدا کا فضل اور اس کا کرم نہ ہوتا تو جیسا تم نے ایسی (نالائق) بات کا چرچا کیا تھا اس میں تم پر کوئی بری آفت نازل ہوگئی ہو۔

اذ تلقونه بالسسنتکم وتقولون بافواهکم ما لیس لکم به علم وتحسبونه هینا وهو عندالله عظیم(24-15)

کہ تم لگے اپنی زبانوں سے اس کی نقل درنقل کرنے اور اپنے منہ سے ایسی بات بکنے جس کی تم کو مطلق خبر نہیں اور تم نے اس کو ایسی ہلکی (سی) بات سمجھا حالانکہ (وہ) اللہ کے نزدیک بری سخت بات ہے۔

ولو لا اذا سمعتموه قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بهذا سبحنک هذا بهتان عظیم(24-16)

اور جب تم نے ایسی نالائق بات سنی تھی تو سننے کے ساتھ کیوں نہیں بول اٹھے کہ ہم کو ایسی بات منہ سے نکالنی زیبا نہیں؟ حاشا وکلا! یہ تو بڑا (بھاری) بہتان ہے۔

یعظکم الله ان تعودوا! لمثله ابدا ان کنتم مومنین ویبین الله لکم الایت

والله عليم حكيم(18,17-24)

مسلمانو! خدا تم کو نصیحت کرتا ہے کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو پھر کبھی ایسا نہ کرو اور اللہ (اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ (سب کے حال سے) واقف اور حکمت والا ہے۔

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا لهم عذاب الیم فی الدنیا ولآخرة والله یعلم وانتم لا تعلمون (19:24)

تو جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں فاحش باتوں کا چرچا ہو ان کے لیے دنیا دردناک ہے اور آخرت میں (بھی) اور ایسے لوگوں کو اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تعزیر افک

اور اسی (افک) کے سلسلہ میں پارسا عورتوں کوتہم کرنے کی سزا کا یہ حکم قرآن میں نازل ہوا:

والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتو باربعة شهداء فاجلدوهم ثمنین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون (4:24)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کے (اسی) درے مارو اور (آئندہ) کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور یہ لوگ خود بدکار ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افتراء سازی کے مندرجہ ذیل مجرموں کو اس آیہ کی تعمیل میں اسی دروں کی سزا دی۔ مسطح بن اثامہ حسان بن ثابت اور (بی بی) حمنہ (دختر جحش) کو انہی ہر سہ نے صدیقہ طاہرہ (ام المومنینؓ) کے خلاف طومار باندھا تھا۔ نزول قرآن کے بعد حضرت عائشہؓ کو پہلے کی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں وقار حاصل ہو گیا اور اپنے باپ کے گھر سے آپ حرم سرائے نبوت میں تشریف لے آئیں۔

سرولیم میور کی رائے:

واقعہ افک پر سرولیم میور (جن کی توثیق کے بغیر وحی الٰہی کی تصدیق ناکافی تھی جیسا کہ میور

صاحب کے افادات ابتدا میں گزر چکے ہیں: م) فرماتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت عائشہؓ افک سے قبل اور اس کے بعد دونوں عہدوں میں اس قدر پاک دامنی سے رہیں کہ آپ کے متعلق ایسا شبہ نہ صرف بے بنیاد بلکہ اس کی تردید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مجرمین کی تعزیر کے بعد

ان میں سے حسان بن ثابتؓ سزا یابی کے بعد پہلے ہی کی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف و عنایات کا مورد بن گئے۔ مسطح کی دست گیری حضرت ابوبکرؓ جس طرح ہمیشہ فرماتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائش سے ازسرنو ان کا وظیفہ جاری فرما دیا۔ مدینہ کی فضا بدستور اپنی سطح پر آ گئی۔ مسلمانوں کے دلوں میں ام المومنینؓ کا وقار پہلے سے زیادہ قائم ہو گیا۔ خاتم النبینؐ یک سوئی سے تبلیغ اسلام پر منعطف ہو گئے اور مسلمانوں کے سیاسی سود و بہبود میں تگ و دو کی صورت میں اس قرارداد کا وقت قریب آ گیا جس کی بدولت اللہ نے مسلمانوں کو فتحاً مبیناً (1:48) سے سرفراز فرمایا اور جس کی تفصیل اس سے ملحقہ (بیسویں) فصل میں ملاحظہ فرمایئے گا۔

☆☆☆

باب20

حدیبیہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کو مکہ سے ہجرت کئے ہوئے چھ سال گزر گئے۔ اس مدت میں وہ خود دشمنوں کی مدافعت کی وجہ سے مسلسل جنگوں میں مصروف رہے۔ کبھی قریش کے حملوں سے خود کو محفوظ رکھنے میں منہمک اور گاہے یہود کی ریشہ دوانیوں سے نجات حاصل کرنے کی فکر! لیکن مسلمانوں کی ان پریشانیوں کے باوجود اسلام ہر طرف پھیلتا گیا اور اس کے حامیوں میں قوت و استقلال بڑھتا گیا۔

ہجرت کے پہلے سال نمازوں میں مسجد اقصی واقع (در بیت المقدس) کی بجائے مسجد الحرام کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا، یعنی مسلمانوں نے اس کعبہ کو قبلہ نماز بنا لیا جو مکہ میں ہے اور جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا۔ ان کے بعد وقتاً فوقتاً اس کی مزید تعمیر ہوتی رہی۔ اس کی تعمیر میں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بدو شباب میں حصہ لیا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے حجر اسود کو اپنے ہاتھ سے اس کے محل نصب میں رکھا۔ یہ اس دور کا تذکرہ ہے جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے عطیہ رسالت کی توقع تھی نہ آپ کے متعلق کسی اور کے ذہن میں یہ امید کہ آپ رسالت پر فائز ہونے والے ہیں۔

مسجد الحرام (کعبہ) اہل عرب کی عبادت گاہ تھی، جس میں ادب والے چار مہینوں میں زائرین آتے۔ تقدیس کا یہ عالم کہ اس میں داخل ہو جانا خود کو دشمن کے حملہ سے محفوظ کر لینا تھا۔ اس کے جواز میں بھی کسی پر وار کرنے کی جرأت نہ کی جاتی (زخمی کرنا یا جان سے مارنا تو بڑی بات ہے) یہ تقدیس صدیوں سے اسی طرح چلی آ رہی تھی۔

لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے مکہ سے ہجرت کی اہل مکہ نے ان

کے بیت اللہ میں داخل نہ ہونے پر قسم کھالی۔

مامن کی تعریف:

اہل مکہ کے اس رویہ پر ہجرت نبویؐ کے پہلے سال یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

1. یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیه قل قتال فیه کبیر و صد عن سبیل الله و کفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اکبر عندا الله الخ (217:2)

اے پیغمبر! لوگ تم سے پوچھتے ہیں جو مہینہ ہرمت کا سمجھا جاتا ہے اس میں لڑائی کرنا کیسا ہے؟ ان سے کہہ دو، اس میں لڑائی کرنا بڑی برائی کی بات ہے مگر (ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو کہ) انسان کو اللہ کی راہ سے روکنا (یعنی ایمان اور خدا پرستی کی راہ اس پر بند کر دینی) اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام میں نہ جانے دینا، نیز مکہ سے وہاں کے رہنے والوں کو نکال دینا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برائی ہے۔

2۔ اور غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی۔

وما لهم الا یعذبهم الله وهم یصدون عن المسجد الحرام وما کانوا اولیاء ان اولیا وه الا المتقون ولکن اکثرهم لا یعلمون (8-34)

اور اب (کہ تم مکہ سے ہجرت کر کے چلے آئے) تو ان (کفار مکہ) کو کیا استحقاق رہا کہ یہ تو مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ میں جانے) سے (مسلمانوں کو) روکیں اور خدا ان کو عذاب نہ دے۔ حالانکہ یہ گو اس کے متولی ہونے کے مدعی ہیں مگر (انصافاً) اس کے مستحق نہیں اس کے مستحق تو بس پرہیزگار لوگ ہیں۔ لیکن ان (کافروں) میں سے اکثر اس بات کو نہیں سمجھتے۔

وما کان صلاتهم عند البیت الا مکاء و تصدیة فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون (8-35)

اور خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا ان کی نماز ہی کیا تھی تو (اے کافرو!)

جیسا تم کفر کرتے رہے ہو اب اس کے بدلے عذاب (کے مزے) چکھو۔

ان الذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ فسینفقونھا ثم تکون علیھم حسرۃ ثم یغلبون والذین کفروا الی جھنم یحشرون (36:8)

اس میں شک نہیں کہ یہ کافر اپنے مال (اس لئے) خرچ کرتے رہتے ہیں
تا کہ (لوگوں کو) راہ خدا سے روکیں۔ سو (یہ لوگ تو) مال کو (اسی طرح پر)
خرچ کرتے ہی رہیں گے۔ مگر پھر (آخر کار وہی مال) ان کے حق میں
موجب حسرت ہوگا۔ (خرچ بھی کریں اور) پھر مغلوب بھی ہوں گے اور
قیامت کے دن کافر (سب) جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔

اس قسم کی بے شمار آیات ہجرت سے چھ سال بعد کے زمانہ تک نازل ہوئیں، جن میں کعبہ کی مرجعیت اور اس کے مامن ہونے کا بیان تھا، مثلاً:

واذ جعلنا البیت مثابہ للناس وامنا (125:2)

اور (پھر دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے (مکہ کے) اسی گھر کو (یعنی کعبہ کو) انسانوں کی گرد آوری کا مرکز اور امن وحرمت کا مقام ٹھہرا دیا۔

قریش تل ہی گئے کہ جب تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب جو ہبل واساف و نائلہ اور دوسرے دوسرے بتان کعبہ کی خداوندی کے منکر ہیں، ان کے اور اپنے اسلاف کے خداؤں کو نہ مانیں، ان کے ساتھ جنگ کرنا فرض اور انہیں کعبہ میں آنے سے روکنا واجب ہے۔

مسلمان ان چھ سالوں میں کعبہ کی زیارت سے محروم اور اس دینی فریضہ کی ادائیگی سے قاصر تھے، جس سے ان کے آباء واجداد ہمیشہ سے مستفیض رہے۔ خصوصاً مہاجرین بیت اللہ کے فراق کا صدمہ زیادہ محسوس کرتے، جس کے ساتھ انہیں مکہ کی جدائی کا الم بھی گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ انہیں وطن اور اپنے اہل وعیال سے بچھڑ جانے کا غم بھی چین نہ لینے دیتا۔

لیکن مہاجرین وانصار دونوں خدا کی نصرت کے امیدوار تھے کہ وہ ایک نہ ایک دن اپنے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اوراس کے تابع داروں کو کامیاب کرے گا اوراسلام کو ہر ایک دین پر غلبہ عنایت فرمائے گا۔ انہیں اس ساعت کے بہت جلدی آنے کا یقین تھا جس میں خداوند عالم ان پر مکہ کے دروازے کھول دے گا۔ وہ بیت اللہ العتیق!

ولیطوفو بالبیت العتیق(29:22)

کا طواف کریں گے اور دوسروں کی طرح انہیں بھی اس فریضہ کے ادا کرنے کا موقع نصیب ہوگا جسے اللہ نے تمام عالم پر فرض کر رکھا ہے۔

مسلمانوں کا اشتیاق طواف:

کئی سال گزر گئے جن میں مسلمانوں کو جنگوں نے گھیرے رکھا۔ بدر کا معرکہ ختم ہوا تو احد کی ہولنا کی مسلط کر دی گئی۔ اس کے بعد دفعتہً خندق (احزاب) میں مبتلا کر دیئے گئے۔ اسی طرح دوسری لڑائیوں نے انہیں چین نہ لینے دیا لیکن انہیں کعبہ کا طواف کرنے کا جو یقین تھا اس اشتیاق میں وہ ہمہ وقت چشم براہ تھے جس میں ان کے رہرومنزل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی مانند کعبہ کے مشتاق تھے۔ انہوں نے اپنے پیروؤں کو اس روز بشارت دی کہ یہ وقت اب قریب آ گیا ہے۔

کعبہ اور قریش:

قریش نے اپنے جاہ ونخوت کی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر کعبہ کا دروازہ اس طرح بند کر رکھا تھا۔ کہ مسلمان حج وعمرہ میں سے کوئی فریضہ ادا نہ کر سکتے۔ سوال یہ ہے کیا یہ بیت عتیق(29:22) یعنی کعبہ قریش کی ملکیت تھی؟ وہ تمام عرب کی یکساں ملک تھی۔ قریش تو اس کے صرف محافظ تھے۔ ان کے متعلق کعبہ کی کلید برداری یا حاجیوں کے پانی اور دعوت کی چاکری تھی اوران کے یہ مناصب بھی کعبہ کے لئے آنے والوں کا صدقہ تھا۔

طرفہ یہ کہ اس کعبہ کے اندر ہر ایک قبیلہ کا بت علیحدہ علیحدہ نصب تھا اور کسی قبیلہ کو اپنے صنم

کے سوا دوسروں کے بت سے واسطہ نہ تھا اور قریش مجاور کسی قبیلہ کو کعبہ کی زیارت وطواف اور دوسرے مراسم سے منع نہ کرتے۔

لیکن جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو آپ نے عوام کو بت پرستی کی نجاست سے پاک کرنے کی مہم شروع کرتے ہوئے خدائے وحدہ لاشریک کی پرستاری کی دعوت دی، تاکہ انہیں انسانیت کا صحیح مرتبہ حاصل ہو اور دنیا میں اس قدر سربلند ہوں جس سے اوپر کسی رفعت و سربلندی کا امکان نہیں۔ رسول خدا نے انسان کو ایسے روحانی ارتقاء سے سرفراز کرنا چاہا جس سے یہ روحانیت وجود حقیقی تک رسائی حاصل کر سکے، ایسی توحید جس کے فرائض میں حج وعمرہ بھی شامل تھے، مگر قریش کی ستم رانی دیکھئے کہ انہوں نے اسلام کے پیراوؤں کو اس فریضہ کی ادائیگی سے قطعاً روک دیا۔

قریش کو خطرہ تھا کہ اگر جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان کبھی کعبہ کی زیارت کے لئے آ ہی پہنچے تو ان کا آنا قریش کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ آخر تو وہ (مسلمان) اہل مکہ کے اقارب و احباب سے ہیں۔ جونہی ان کے چہروں پر نظر پڑے گی، جذبہ محبت موج زن ہوگا جس سے اہل مکہ کو بے حد دکھ ہوگا کہ ان کے بھائی بندوں کا اپنے اہل واولاد سے یوں بچھڑے رہنا بڑا ظلم ہے۔ ممکن ہے کہ مسلمانوں کے ان بہی خواہوں اور ان کے ان جیسے دشمنوں میں خانہ جنگی ابھر آئے۔

اس کے سوا ان کے دلوں میں یہ خلش بھی تھی کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء نے ہمارے لئے شام کی تجارتی شاہراہ بھی تو بند کر رکھی ہے:

ان امور کی بناء پر قریش کے دل میں مسلمانوں کا کینہ اور دشمنی پوری طرح سما چکی تھی۔ ان کے ذہن میں کبھی یہ خیال نہ گزرتا کہ وہ کعبہ کے مالک نہیں بلکہ اس کے مجاور اور زائرین کے لئے پانی اور کھانا فراہم کرنے کے پابند ہیں۔

کعبہ اور مسلمان:

مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کیے ہوئے چھ سال گزر گئے۔ وہ زیارت وطواف کے لئے سراپا

اضطراب بنے ہوئے تھے ایک صبح کے وقت وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مژدہ

لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله امنين (27:48) 1

سنایا تو مسلمانوں نے بآواز بلند خدا کا شکر الحمد للہ پکارا۔ یہ خوشخبری بجلی کی سرعت کے ساتھ آناً فاناً مدینہ میں پھیل گئی۔

لیکن ہر مسلمان حیران تھا کہ وہ کس طرح بیت اللہ میں داخل ہوں گے۔ کیا جنگ کے ذریعے سے یا حملہ کر کے قریش کو مکہ سے نکال کر یا قریش اطاعت گزارانہ طریق سے ان سے متعرض نہ ہوں گے؟ مگر حقیقت یہ تھی کہ مسلمان جنگ یا حملہ کے بغیر مکہ میں داخل ہوں گے؟

عمرۂ بیت اللہ کے لئے عام منادی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں منادی کرا دی اور غیر مسلم حلیف قبائل کی طرف وفود بھیجے کہ وہ بھی آپ کے ہمراہ زیارت کعبہ کے لئے چلیں مگر جنگ کا ارادہ کر کے کوئی شخص گھر سے نہ نکلے۔ البتہ مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد مطلوب تھی تاکہ عرب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ادب والے دنوں میں جنگ نہ کرنے کا ثبوت واضح ہو جائے اور انہیں یقین آ جائے کہ مسلمانوں کا مقصود صرف بیت اللہ کی زیارت ہے۔

اور یہ فریضہ جو اسلام نے ان پر عائد کیا تھا کچھ مسلمانوں ہی کے لئے خاص نہ تھا۔ اہل عرب بھی اسے فرضیت ہی کی صورت میں ادا کرتے۔ اس لئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلم قبائل کو اپنے ہمراہ لے گئے۔

1۔ اور تم مسلمان مسجد حرام میں بے خوف وخطر باطمینان (تمام) داخل ہو گے۔

ختم المرسلینصلی اللہ علیہ وسلم کے مدنظر یہ امر بھی تھا کہ اس پر بھی اہل مکہ نے اگر مقابلہ سے

ان کا استقبال کیا تو عرب میں سے نہ کوئی ان کی تائید کرے گا اور نہ ان کی حمایت میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوگا بلکہ انہیں یقین ہو جائے گا کہ اہل مکہ لوگوں پر کعبہ کی زیارت کا دروازہ بند کر کے انہیں اسماعیلی دین اور ملت ابراہیمی سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ اگر قریش نے ایسا ہی کیا تو آئندہ وہ مسلمانوں کے خلاف کبھی خندق کا سا عام بلوہ نہ کرا سکیں گے۔ ایسی حالت میں عرب انہیں برملا کہہ دیں گے کہ اہل مکہ نے ان لوگوں کو بھی کعبہ کی زیارت سے روک دیا ہے جن کی تلواریں نیام میں تھیں احرام باندھے ہوئے قربانی کے جانوروں کے آگے چل رہے تھے یہ غریب تو صرف طواف بیت اللہ کی فرضیت سے سبکدوش ہونے کے لئے آئے تھے۔

غیر مسلم قبائل کی کنارہ کشی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منادی میں غیر مسلم قبائل میں سے بہت تھوڑی تعداد میں نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سفر آغاز ذیقعد میں شروع ہوا (یہ مہینہ بھی ادب والے چار مہینوں کا ایک جز ہے) اپنے ناقہ (قصواء نام) پر سوار مشایعت میں چودہ سو مسلمان زائرین، جن میں مہاجر و انصار دونوں طبقے تھے اور کچھ غیر مسلم قبائلی۔ مسلمانوں کے ہمراہ قربانی کے لئے ستر اونٹ تھے۔ جن میں ابوجہل کی سواری کا وہ شتر بھی تھا جو غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ذوالحلیفہ[1] آ کر عمرہ کی نیت سے احرام باندھا۔ فضاء تلبیہ اللھم لبیک کی آواز سے گونج اٹھی۔ زائرین نے سر کے بالوں کی مینڈھیاں گوندھ لیں، مسلمانوں کے پاس صرف تلواریں تھیں وہ بھی نیام میں اور تلوار باندھنا عرب کا عام دستور ہی تھا۔ ازواج مطہرات میں حضرت ام سلمہؓ اس سفر میں ہم رکاب تھیں۔

قریش کی پیش بندی:

اہل مکہ نے خبر سنتے ہی معاملہ کے ہر پہلو پر غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان کا حریف اس تدبیر (عمرہ) سے مکہ پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ گویا وہ ان سے مدینہ پر حملہ کرنے کا انتقام لینے آ رہا

ہے وہ جس میں کامیاب ہو جائے گا مگر انہیں وہاں سے ناکام واپس لوٹنا پڑا۔ آج وہ ان کے شہر پر اس حیلہ سے قابض ہونے کے لئے ان کے سر پر آ پہنچا ہے۔

اہل مکہ کے ذہن میں مسلمانوں کا احرام باندھے ہوئے عمرہ کی نیت سے آنا اور تمام عرب میں یہ اعلان کر دینا کہ وہ دینی فریضہ ادا کرنے کے لئے مکہ جا رہے ہیں، قطعاً اثر انداز نہ ہو سکا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیارت وطواف سے روکنے کا مصمم ارادہ کر لیا، اگرچہ اس کی کتنی ہی قیمت کیوں نہ ادا کرنا پڑے۔ قریش نے دو سو جاں بازوں کا لشکر خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل کی سپہ سالاری میں بھیجا جس نے مقام ذی طویٰ پر مسلمانوں کی ناکہ بندی کر کے راستہ روک دیا۔

دونوں لشکروں کی اطلاع:

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام عسفان (مکہ سے دو منزل) پر آ پہنچے تو بنو کعب کا ایک شخص ادھر سے آ رہا تھا۔ رہ گزر سے قریش کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے کہا اہل مکہ آپ کے ادھر آنے کی خبر سنتے ہی طیش میں آ گئے۔ اب ان کا لشکر (مقام) ذی طویٰ میں ہے۔ ان میں سے ایک ایک لشکری نے قسم کھائی ہے کہ آپ لوگوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا جائے۔ خالد بن ولید انہیں (مقام) کراع الغمیم تک لے پہنچا ہے۔ (یہ مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑاؤ عسفان سے آٹھ میل کی مسافت پر تھا) یہ داستان سننے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يا ويح قريش! لقد اهلكتم الحرب ماذا عليهم وخلوا بيني وبين سائر العرب فان هم اصابوني كان ذلك الذى ارادوا وان اظهر فى الله عليهم

---

[1] مدینہ سے پانچ چھ میل پر ایک مقام کا نام اور یہ اہل مدینہ کا میقات ہے۔ م

دخلوا فی الاسلام واخرین. وان لم یفعلو قاتلوا وبهم قوة فماتظن قریش! فو اللہ! لا ازال اجاهد علی الذی بعثنی الله به حتیٰ یظهره الله او تنفرد هذه السالفة

> وائے برحال قریش! وہ جنگوں سے برباد ہوگئے مگر پھر بھی نہ سمجھے۔ آج اگر وہ مسلمانوں اور عرب زائرین کو طواف وزیارت سے نہ روکتے (تو ان کا کیا بگڑتا!) پیش نظر صورت حال میں اگر وہ مجھ پر غالب آ گئے تو انہیں بڑی خوشی ہوگی اور اگر مجھے ان پر اللہ نے غالب کر دیا تو وہ جوق در جوق اسلام قبول کر لیں گے۔ اگر انہوں نے جنگ شروع کر دی، جس کی ان میں قوت ہے ہی کہ وہ گھروں سے اسی نیت سے نکلے ہیں (اور مسلمان صرف طواف وزیارت کے لئے: م) مگر میرے متعلق کس مغالطہ میں ہیں! بخدا میں اسلام کو قائم رکھنے کے لئے ہمیشہ ہمیشہ جہاد کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ اللہ اسلام کو غالب کرے یا دست اجل مجھ پر اپنا قبضہ کر لے۔

اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکر میں ڈوب گئے، کیوں کہ آپ مدینہ میں جہاد کے لئے مسلح ہو کر نکلنے کے بجائے، طواف بیت اللہ کی نیت سے احترام باندھ کر نکلے تھے تا کہ وہ فریضہ ادا کریں جو خدا نے اپنے تمام بندوں پر عائد کر رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال بھی گزرا کہ اگر قریش غالب آ گئے تو فخر کے مارے ان کا دماغ کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا۔ اور یہ خیال بھی گزرا کہ خالد اور عکرمہ کو انہوں نے اس اطلاع پر بھیجا ہوگا کہ مسلمان جہاد کے ارادہ سے نہیں آئے، اس لئے ان پر فتح حاصل کرنا آسان ہے۔

لشکر قریش کا سامنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح

طلبی:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم انہی تفکرات میں محو تھے کہ دور سے اہل مکہ کا لشکر آتا ہوا دکھائی دیا۔ طور طریقوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اگر مسلمانوں نے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو انہیں بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں قریش اپنے جاہ وشرف اور وطن میں سے ایک ایک کے تحفظ پر سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے طلب گار نہ تھے۔ لیکن اگر آپ کو مقابلہ کرنا ہی پڑا تو یہ قریش کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور کرنا ہوگا، لیکن عرب کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملزم ثابت کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں پر پورا اطمینان تھا کہ آپ کے رفقاء قریش کی سی حمیت کی بجائے خود پر سے ظلم دور کرنے کے لئے اپنی شمشیریں نیام سے نکال کر دشمنوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔ ان تصورات میں یہ خیال گزرتا کہ لڑائی درپیش آنے کی صورت میں مسلمانوں کا مقصد بھی فوت ہو جائے گا اور قریش کو بھی یہ بہانہ مل جائے گا کہ مسلمان حرمت والے دنوں میں جنگ کرنے کے لئے چڑھ آئے۔ اس لئے جنگ نہ صرف مسلمانوں کے نظریہ کے خلاف ہوگی بلکہ ان کے لئے باعث تکلیف اور سیاست کے بھی منافی ہوگی۔ اپنے رفقاء سے فرمایا جو شخص وادی کی راہوں سے واقف ہو ہماری رہنمائی کرے یعنی جس راہ سے دشمن کا لشکر آ رہا ہے اس سے علیحدہ کوئی پگڈنڈی مل جائے تاکہ جنگ سے بچا جائے کہ مقصود جنگ کرنا نہیں بلکہ طواف اور زیارت کعبہ ہے۔ کیوں کہ مدینہ ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر پر امن طریق پر طواف وزیارت کعبہ تھا۔

پہاڑیوں سے نکل کر جونہی ذرا کشادہ راستہ ملا دائیں سمت مڑ کر اس مقام سے قریب ہو کر گزرے جو ثنیۃ المرار یعنی لشکر کی فرودگاہ حدیبیہ کے نام سے مشہور اور مکہ کے قریب ہی ہے۔

ادھر قریش کے لشکر نے دیکھا کہ مسلمان عام راہ چھوڑ کر اس راستے پر پڑ گئے ہیں جو مکہ کی طرف جاتا ہے۔ ان کے دل میں ہول بیٹھ گیا کہ مبادا مکہ پر حملہ کر دیں۔ کفار اسی جگہ سے

مسلمانوں کا حملہ بچانے کے لئے مکہ واپس لوٹ گئے۔

مسلمان حدیبیہ میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقہ (قصواء) خود بخود بیٹھ گیا۔ مسلمانوں نے سمجھا وہ تھک گیا ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قصواء تکان سے نہیں بیٹھا اس کا بیٹھ جانا اسی قوت کا کرشمہ ہے جس نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک لیا تھا پھر فرمایا آج اہل مکہ انسانیت کی بھلائی کے لئے مجھ سے جس شرط کا مطالبہ کریں گے میں اسے تسلیم کرلوں گا اور اپنے ساتھیوں کو پڑاؤ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ مسلمانوں نے اس جگہ پانی نہ ملنے کی اطلاع عرض کی۔ اس پر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) اپنے ترکش سے تیر نکال کر ایک شخص کو دیا کہ اسے وادی کے کسی کنوئیں کی تہہ میں نصب کردے۔ جونہی یہ تیر ایک کنوئیں کی تہہ میں نصب کیا گیا پانی جوش مار کر ابل پڑا اور لشکر سیراب ہو کر پینے کے بعد پڑاؤ کے لئے اتر پڑا۔

ادھر مسلمانوں نے حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا ادھر قریش اس ضغطے میں پڑ گئے کہ اگر جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں داخل ہونے کا قصد کیا تو انہیں جان پر کھیل جانے کے بغیر چارہ نہ رہے گا۔ کیا اس موقعہ پر مسلمانوں کا مقابلہ کے لئے آمادہ ہونا مناسب تھا تاکہ آئے دن کے خرخشہ سے یکسوئی ہو جائے اور مقدرات الٰہی کی آخری آزمائش آج ہی کر لی جائے، جیسا کہ بعض مسلمانوں کا ارادہ بھی تھا۔

قریش اس حد تک تشویش میں مبتلا تھے کہ اگر مسلمان فتح مند ہو گئے تو وہ ملک میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔ کعبہ کی تولیف، کلید برداری اور دوسرے دینی مناصب سب کے سب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں چلے جائیں گے۔ آخر انہیں کون سی راہ اختیار کرنا چاہیے؟ دونوں فریق اسی انداز سے اپنی جگہ پر سوچ رہے تھے مگر دونوں کے مطمع نظر میں زمین اور آسمان کا فرق تھا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر وہ مقصد عظیم تھا جسے آپ مدینہ

سے دل میں لے کر نکلے ۔ عمرہ! جس کے لئے صلح و امن اور قتال سے اجتناب ضروری تھا۔ تاوقتیکہ قریش انہیں تلوار پکڑنے پر مجبور کر دیں۔

اور قریش کا مطمع نگاہ یہ تھا کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے دیدہ ور آدمیوں کا وفد بھیجا جائے جو ایک طرف ان کی قوت کا جائزہ لے اور دوسری طرف انہیں طواف و زیارت کے بغیر لوٹ جانے کی تلقین کرے۔

حدیبیہ میں قریش کے قاصد:

قریش نے یکے بعد دیگرے قاصدوں کے چار وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجے۔

پہلا وفد:

قبیلہ خزاعہ کے سربراہ بدیل بن ورقاء کے ہمراہ چند اشخاص پر مشتمل تھا انہیں گفتگو سے ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی نہیں کرنا چاہتے۔ مسلمان کے آنے کا مقصد زیارت و طواف کعبہ ہے۔ بدیل نے جو کچھ دیکھا اور سنا، واپس لوٹ کر اہل مکہ کو وہی مشورہ دیا۔ کہ مسلمانوں کے لئے خدا کے گھر کی زیارت کا راستہ کھول دیں۔ لیکن قریش نے انہیں الٹا ملزم گردانا اور انہیں برملا سخت سست کہا: لڑائی کے لئے نہیں آئے نہ سہی، تب بھی وہ مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے، نہ ہم عرب کو یہ موقعہ دے سکتے ہیں کہ وہ ہماری کمزوری کی داستان بیان کرتے رہیں۔

دوسرا وفد:

جس کے سامنے وہی گفتگو ہوئی جو پہلے وفد کے ساتھ ہوئی تھی مگر واپس آنے کے بعد انہوں نے قریش کی تہمت تراشی کے خوف سے ادھر ادھر کی باتیں کر کے انہیں ٹال دیا۔

تیسرا وفد:

احابیش[1] کا تھا۔ اب قریش نے ان کے سردار حلیس کو بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ مقصود یہ تھا کہ اگر (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے حلیس کو ٹھکرا دیا تو یہ لوگ ان کی نصرت میں اور بھی پیش پیش ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیس کو شناخت کر لیا اور مسلمانوں سے فرمایا کہ قربانی کے جانوروں کو اس کے آگے کی طرف سے نکالا جائے۔ حلیس کے ذہن نشین یہ کرنا تھا کہ اہل مکہ جن لوگوں کا مقابلہ کرنے کی فکر میں مرے جا رہے ہیں، وہ تو بیت اللہ کی تقدیس کی وجہ سے صرف حج عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ حلیس نے یہ بھی دیکھا کہ قربانی کے ستر جانور بھوک کی شدت سے ایک دوسرے چوپائے کے بدن سے بال نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ حلیس مسلمانوں کی دیانتداری سے اس قدر متاثر ہوا کہ اسے قریش کے ظلم اور ان لوگوں کی صلح جوئی کا یقین آ گیا۔

وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کیے بغیر واپس لوٹ آیا مگر پہلے دو وفود کی طرح اس کی باتوں سے بھی قریش نے چراغ پا ہو کر اسے کہا خاموش! آخر تم بدو ہی نکلے! تم ان باتوں کو کیا سمجھو۔

یہ سن کر یہ حلیس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے قریش سے کہا میں لوگوں کو کعبہ کی زیارت سے روکنے کے لئے تمہارا حلیف نہیں ہوں حلیس نے قریش سے یہ بھی کہا کہ احابیش میں سے کوئی شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو طواف سے روکنے کے لئے حائل نہ ہو گا حلیس کی اس دھمکی سے قریش کے بدن پر رعشہ طاری ہو گیا۔ منت سماجت کر کے اتنی مہلت مانگی کہ اس معاملہ میں ذرا سوچ لینے دیجئے۔

چوتھا وفد:

---

[1] ان لوگوں کو احابیش یا تو سیاہ رنگ کی بناء پر کہتے تھے اور یا حبشی نامی پہاڑ کی طرف منسوب ہیں۔

اب قریش نے ایسا آدمی تجویز کرنے کا منصوبہ بنایا جو حکمت و دانائی میں سب سے بہتر ہو اور ان کی نظر عروہ بن مسعود ثقفی (طائفی) پر پڑی۔ پہلے وفد کی مذلت عروہ کے سامنے ہی ہوئی تھی۔ اس نے انکار کر دیا۔ لیکن قریش کے اطمینان دلانے پر وہ حدیبیہ میں چلا گیا۔

عروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مکہ آپ کا بھی وطن ہے۔ آج اگر آپ نے ان ملے جلے اور کم رتبہ[1] لوگوں کے ہاتھ سے اسے پامال کرا دیا تو قریش ہمیشہ کے لئے رسوا ہو جائیں گے اور ان کی رسوائی میں آپ بھی ملوث ہوں گے۔ قریش کے ساتھ آپ کی لڑائی ہوتی رہتی ہے لیکن ان کی یہ ذلت آپ کو بھی گوارا نہ ہونا چاہیے۔

ابوبکرؓ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ عروہ اپنی حکمت عملی سے مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بددل کرنا چاہتا ہے۔ عروہ سے برملا کہہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی کسی حالت میں آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔

عرب کے عام دستور کے مطابق دوران گفتگو میں عروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک سے ہاتھ لگا لگا کر بات کر رہا تھا اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں باادب کھڑے تھے۔ وہ ہر مرتبہ عروہ کا ہاتھ جھٹک دیتے باوجودیکہ مغیرہؓ کو عروہ بن مسعود کا یہ احسان فراموش نہ ہوا تھا کہ ایک مرتبہ اس نے مغیرہ کی طرف سے تیرہ مقتولوں کی دیت ادا کی تھی۔

عروہ قریش کے پاس لوٹے تو انہوں نے برملا کہہ دیا اے برادران قریش! میں نے کسریٰ و قیصر اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے دربار دیکھے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سی عظمت کسی بادشاہ کی نہ دیکھی۔ اور تو اور ان کے ساتھی ان کے وضو کرنے پر پانی کے قطرے بھی زمین پر نہیں پڑنے دیتے! ان کا بال زمین سے اٹھا کر کسی قیمت پر دوسروں کو دینا گوارا نہیں! میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ لوگ اپنی رائے پر نظر ثانی کریں۔

---

[1] مولف نے یہاں لفظ اوشاب لکھا ہے اور اسی رعایت سے ہم نے

ترجمہ بھی کیا اور ابن ہشام کے نسخہ میں اوباش بھی ہے۔ ابن القیم نے بھی زادالمعاد میں اوشاب کو ترجیح دی ہے: م

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قاصدوں کی روانگی:

پہلے قاصد وفود قریش کی ناکامی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندازہ فرمایا کہ قریش کی طرف سے آنے والے واپس لوٹ کر انہیں پوری کیفیت سے آگاہ نہیں کرتے۔ تب خاتم الرسلصلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے ایک صاحب کو مکہ بھیجا، مگر قریش نے انہیں دیکھتے ہی پہلے تو ان کی سواری کا اونٹ ہلاک کر دیا، پھر انہیں نرغہ میں لے لیا (ان کا نام خراش بن امیہ الخزاعی ہے: م) لیکن احابیش نے مداخلت کر کے ان کی جان بچا دی۔

اہل مکہ نے اپنے اس رویہ سے ثابت کر دیا کہ ان کے دلوں میں مسلمانوں کے متعلق بغض و کینہ بھرا ہوا ہے۔ ان کی روش دیکھ کر بعض مسلمان قتال کے متعلق سوچنے لگے۔

قریش کا حدیبیہ پر حملہ:

اسی وقفہ میں شب کے وقت قریش کے چالیس یا پچاس نوجوان نکلے۔ پہلے انہوں نے مسلمانوں پر پتھراؤ کیا۔ اس کے بعد یک دم جھپٹ پڑے۔ لیکن سب کے سب اسیر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوئے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ تمام مجرموں کو رہا کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا تو صلح و مصالحت تھا اور ادب والے دنوں (ماہ ذیقعد) کا احترام، اور حدیبیہ جو حرم بیت اللہ میں واقع ہونے کی وجہ سے محترم تھا، اس کا وقار مطلوب! قریش اپنے آدمیوں کی اسیری اور رہائی سے بے حد نادم ہوئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

جنگ کے ارادہ سے تشریف نہیں لائے۔ قریش نے یہ بھی محسوس کیا کہ اگر مسلمانوں پر زیادتی کی گئی تو عرب انہیں طعنہ دیں گے اور یقین کرلیں گے کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کے ساتھ جو سلوک بھی کریں انہیں اس کا حق پہنچتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا قاصد:

قریش کو ایک اور موقعہ دینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا قاصد بھیجنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قریش مجھ پر جس قدر برہم ہیں آپ سے پوشیدہ نہیں اور میں بھی ان کے حق میں بہتر نہیں ہوں۔ مکہ میں میرے خاندان بنی عدی میں سے بھی کوئی نہیں۔ اگر آپ عثمانؓ (بن عفان) کو بھیج دیں تو مناسب ہوگا۔ اہل مکہ ان کی بے حد تعظیم کرتے ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے (خویش) عثمانؓ کو طلب فرما کر انہیں ابوسفیان و سادات عرب کے ساتھ گفتگو کے لئے مکہ روانہ فرمایا۔ مکہ میں سب سے پہلے ابان بن سعید سے ان کی ملاقات ہوئی۔ ابان نے ان کے قیام مکہ تک از خود اپنی ضمانت میں لے لیا۔ جب حضرت عثمانؓ نے قریش کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام پیش کیا تو انہوں نے کہا اے عثمانؓ! اگر آپ چاہتے ہوں تو بیت اللہ کا طواف کر لیجئے۔ مگر حضرت عثمانؓ نے کہا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کریں میں بھی نہیں کرسکتا۔ اے قریش! ہم لوگ بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں، جس کی تعظیم ہمارے دین میں داخل ہے۔ عمرہ کے معمولات ادا کرنا مقصود ہے اور قربانی کے جانور ہمارے ہمراہ ہیں۔ یہ رسوم ادا کر کے ہم واپس چلے جائیں گے۔

قریش کا جواب:

مگر ہم نے قسم کھالی ہے کہ اس سال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ گفتگو کا دامن وسیع ہوتا گیا، جس سے حضرت عثمانؓ کا قیام طول پکڑ گیا۔ اس تاخیر سے مسلمانوں

میں عثمانؓ کے قتل کی افواہ پھیل گئی لیکن۔ قطع نظر اس کے شاید وہ لوگ حضرت عثمانؓ کے ساتھ اپنی اس قسم کا ایسا حل تلاش کر رہے ہوں، جس سے قسم اپنی جگہ قائم رہے اور مسلمان بھی زیارت و طواف کر سکیں اور یہ کہ حضرت عثمانؓ کی وساطت سے قریش اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات خوشگوار ہو سکیں۔

بیعۃ الرضوان:

مسلمان حضرت عثمانؓ کے متعلق اس خبر سے بے حد مضطرب تھے کہ اہل مکہ نے عرب کی روش کے خلاف ادب والے دنوں اور کعبہ کے اندر قتل کرنے میں بھی تامل نہیں کیا۔ مسلمانوں میں سے ایک ایک متنفس نے خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لیے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بیٹھ سا گیا کہ اہل مکہ نے عثمانؓ کو ادب والے مہینے سے قتل کر دیا۔ فرمایا

لا نبرح حتی نناجز القوم

(میں ان سے جنگ کیے بغیر یہاں سے قدم پیچھے نہ ہٹاؤں گا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ بیعت (جہاد) کی دعوت فرمائی۔ ایک ایک مسلمان نے بیعت کی کہ وہ موت کو فرار پر ترجیح دے گا۔ پورے استقلال و استقامت کے ساتھ بیعت ہوئی۔ جن لوگوں نے قاصد کو ادب والے زمانہ میں قتل کر دیا، یہ بیعت ان کے خلاف دلوں میں جوش انتقام لئے ہوئے تھی جس کا تذکرہ قرآن کے ان لفظوں میں ارشاد ہوا:

لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریباً (18:48)

(اے پیغمبر!) جب مسلمان (ایک کیکر کے) درخت تلے تمہارے ہاتھ پر (لڑنے مرنے کی) بیعت کر رہے تھے خدا (یہ حال دیکھ کر ضرور) ان مسلمانوں سے خوش ہوا اور اس نے ان کی دلی عقیدت کو جان لیا اور ان کو اطمینان (قلب) عنایت کیا اور اس کے بدلے میں ان کو قریب کی

فتح دی۔

جب تمام مسلمان بیعت کر چکے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست راست اپنے دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا ھذا ید عثمانؓ (یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے!) اسی طرح اپنے دوسرے قاصد کی طرف سے تکمیل بیعت فرمائی اور بیعت کے بعد مسلمانوں نے اپنی تلواریں نیام سے باہر نکال لیں۔ اب نہ انہیں مقاتلہ میں شک تھا نہ اس میں شبہ کہ ذرا دیر بعد ہماری فتح ہوگی یا جام شہادت نصیب ہوگا جس کے لئے ان کی روح شاداں وفرحاں منتظر تھی تا کہ اپنے رب کے حضور

یایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ(28-27:89)

[1]

پیش ہوں جس کے لئے ان کے قلوب اطمینان وسکینہ کا خزانہ بنے ہوئے تھے۔

اتنے ہی میں حضرت عثمانؓ کے متعلق خیریت کی اطلاق آگئی جس سے ذرا دیر بعد ممدوح بھی تشریف لے آئے۔ لیکن بیعۃ الرضوان کے ثمرات آج سے کئی سال قبل عقبۃ الکبریٰ کی بیت کی سی کیفیت کی طرح پر بہار رہے۔ خود رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیعۃ الرضوان کے اثرات میں گونہ کیف وسرور رہا۔ جب اس کا تصور فرماتے، اپنے صحابہ کی فدا کاری کا نقشہ ذہن میں مرتسم ہو جاتا اور ظاہر ہے کہ جو شخص موت سے نہیں گھبراتا خود موت اس کے نام سے لرزتی ہے۔ کامیابی ایسے ہی لوگوں کے لئے چشم براہ رہتی ہے۔

حضرت عثمانؓ نے قریش کی داستان ان لفظوں میں عرض کی اب انہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کے تشریف لانے کا مقصد معلوم ہو گیا ہے۔ وہ اقرار بھی کرتے ہیں کہ آئندہ سے انہیں حرمت والے دنوں میں حج وعمرہ کے لئے (مکہ) آنے والوں کے روکنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔

---

[1] روح مطمئن اپنے پروردگار کی طرف چل! تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی!

لیکن اسی وقفہ میں خالد بن ولید ایک دستہ اپنے ہمراہ لے کر مسلمانوں پر پل پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے فریقین میں جھڑپ ہوگئی۔ کیوں کہ اہل مکہ کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو چکا تھا کہ اگر مسلمان طواف کے لئے کعبہ میں داخل ہو گئے تو ملک میں ان کی سبکی ہوگی اور عرب کے باشندے انہیں طعنہ دیں گے کہ اہل مکہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں بھاگ نکلے۔ قریش چاہتے تھے کہ اس سال مسلمان مکہ میں نہ آئیں، جس پر وہ کئی طریقوں سے سوچ رہے تھے کہ اگر مسلمان اس اقدام سے باز نہ آئیں، تو انہیں طوعاً و کرھا ان سے جنگ کرنا پڑے گی۔ قریش دوگونہ کشمکش میں مبتلا تھاے۔ ادب والے دنوں میں جنگ کرنے سے بھی انہیں گریز تھا اور یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر ان کی طرف سے ان دنوں کے احترام میں لغزش ہوئی تو وہ قبائل جو ان مہینوں میں تجارت کے لئے مکہ میں آتے ہیں انہیں ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ رہے گی اور ان کے نہ آنے سے اہل مکہ کی معاشی زبوں حالی حد سے گزر جائے گی۔

پھر مذاکرات صلح کی تجدید

اہل مکہ کے پانچویں اور آخری وکیل:

مذاکرات صلح پھر جاری ہوئے۔ اہل مکہ نے سہیل بن عمرو کو بھیجا (یہ ان کے پانچویں اور آخری قاصد تھے) اور انہیں تاکید کر دی کہ مسلمانوں کی طرف سے عمرہ کی شرط قبول نہ کی جائے ورنہ میں ملک میں ان کا منہ کالا ہو جائے گا شرائط صلح میں طوالت کی وجہ سے بارہا سلسلہ گفتگو میں انقطاع کا خطرہ پیدا ہوگیا لیکن فریقین کے باہمی جذبہ مسالمت سے پھر یہ رشتہ قائم ہو جاتا۔ اس مجلس میں جو مسلمان موجود تھے انہیں وکیل قریش (سہیل بن عمرو) کی شرائط صلح گوارا نہ تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی شرائط تسلیم کر لیتے تو مسلمان کبیدہ خاطر ہو جاتے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب پر ان کا ایمان اور اعتماد نہ ہوتا تو مسلمان اس قسم کے یک طرفہ معاہدہ سے متفق ہونے والے نہ تھے۔ وہ عمرہ کر کے ہی رہتے۔ اس کے بعد جو ان کی قسمت

میں ہوتا۔

حضرت عمرؓ اور ابوبکرؓ کا مکالمہ:

وکیل قریش سہیل بن عمروؓ کے شرائط معاہدہ کی ناہمواری پر حضرت عمرؓ نے ابوبکرؓ سے یوں گلہ کیا:

عمرؓ: کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول نہیں؟

ابوبکرؓ: بے شک آپ خدا کے رسول ہیں۔

عمرؓ: ہم لوگوں کے مسلمان ہونے میں کوئی شک ہے؟

ابوبکرؓ: ہرگز نہیں۔

عمرؓ: ان شرائط میں اسلام کی توہین نہیں؟

ابوبکرؓ: ضبط و تحمل سے کام لیجئے، میں تصدیق کرتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

عمرؓ: اور میں بھی اس کا معترف ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔

عمرؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکالمہ:

حضرت عمرؓ اسی حالت انقباض میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور باریاب ہوئے۔ جس طرح ابوبکرؓ سے مکالمہ کیا تھا اسی انداز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلام ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ضبط و عزیمت میں بھی کمی نہ دیکھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری جملہ یہ تھا:

انا عبد الله ورسوله لن اخالف امره ولن يضيعنى

میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کے رسول ہوں، مجھے اس کا حکم کی خلاف ورزی گوارا نہیں، نہ وہ مجھے ضائع ہونے دے گا۔

عنوان معاہدہ کی تحریر:

نفس شرائط یک طرف، تحریر معاہدہ کے دوران میں وکیل قریش کی بات بات پر قدغن سے مسلمانوں کا غم وغصہ اور زیادہ ہو گیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے تحریر کے لئے فرمایا کہ

بسم الله الرحمن الرحيم

لکھئے تو اہل مکہ کے وکیل نے کہا ہم لفظ رحمٰن و رحیم کے روا دار نہیں۔ اس کے بجائے **باسمک اللھم** لکھوایا جائے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ سے فرمایا ایسے ہی لکھ دیجئے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے (لکھنے کے لئے) فرمایا

هذا ما صالح عليه محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم و سهيل بن عمرو!

سہیل نے علیؓ سے کہا قلم روک لیجئے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر بولے اگر ہم آپ کو رسول ہی مانتے تو ہماری آپ کی جنگ وجدال کیوں ہوتی رہتی، بلکہ صرف اپنا نام اور ولدیت تحریر کرائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ سے

هذا ما صالح عليه محمد بن عبدالله [1]

لکھنے کے لئے فرمایا، اور اسی طرح لکھا گیا۔

---

[1] یہ وہ معاہدہ ہے جو (حضرت) ابن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان قرار پایا۔

شرائط صلح:

(اور صلح ان شرائط پر طے ہوئی جو تحریر میں لے آئی گئیں۔)

1۔ فریقین ایک دوسرے کے خلاف دس سال تک جنگ نہ کریں گے (واقدی دو سال اور

ان کے ماسوا تمام اہل سیر دس سال کے موید ہیں۔)

2۔ قریش مکہ میں سے جو شخص مسلمان ہو کر اپنے والی کی اجازت کے بغیر مدینہ پہنچ جائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے واپس لوٹانا پڑے گا۔

3۔ مسلمانوں میں سے کوئی شخص مرتد ہو کر مکہ میں چلا آئے تو اسے واپس نہ کیا جائے گا۔

4۔ اہل عرب فریقین میں سے جس کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہیں، دوسرا فریق اس میں حائل نہ ہوگا۔

5۔ مسلمانوں کو اس مرتبہ طواف وزیارت کعبہ کیے بغیر مدینہ واپس لوٹنا ہوگا۔

6۔ مسلمان آئندہ سال مکہ میں ان شرائط کی پابندی کے ساتھ آسکتے ہیں:

الف: اسلحہ میں صرف تلوار، اور وہ بھی نیام میں بند ہو۔

ب: تین روز سے زیادہ مکہ میں قیام نہیں کر سکتے۔

حدیبیہ ہی میں قبیلہ خزاعہ نے رسول اکرم کے ساتھ اور (قبیلہ) بنو بکر نے قریش سے معاہدہ (وفاداری) کیا۔

حضرت ابوجندل وکیل قریش کے صاحبزادے:

جب کہ شرائط صلح پر گفتگو ہو رہی تھی اس سے ذرا قبل وکیل قریش (سہیل بن عمرو) کے صاحبزادے ابوجندل اس حالت میں تشریف لائے کہ پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ قریش کے ہاں اسلام لانے کی پاداش میں قید تھے۔ موقعہ نکال کر جیل خانے سے بھاگ نکلے۔ سہے۔ نے فرزند کو دیکھا تو ان کا گریبان پکڑ کر منہ پر زور سے طمانچے رسید کیے۔ ابوجندل چلانے لگے اے برادران اسلام! اگر مشرکین مجھے واپس لے گئے تو یا مجھے دین سے لوٹا دیں گے یا قتل کر دیں گے۔ ابوجندل کو اس حال میں دیکھ کر مسلمانوں کا غم وغصہ اور سوا ہو گیا، مگر صلح کی بات چیت ابھی جاری تھی اور تحریر مکمل نہ ہوئی تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل سے فرمایا۔ اے ابوجندل! اپنی مصیبت کا اجر خدا سے طلب کیجئے جو تمہارے ساتھ مکہ کے تمام محصورین کے لئے

نجات کی سبیل پیدا کرے گا۔ قریش کے ساتھ ہماری گفتگو مکمل ہو چکی ہے، اس میں فریقین نے اللہ کو ضامن قرار دیا ہے۔ میں ان سے بدعہدی نہیں کر سکتا۔ آخر ابو جندل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی شرائط کی وجہ سے قریش کے ہاں واپس جانا پڑا۔

بعد از تحریر معاہدہ:

تحریر معاہدہ کے بعد سہیل بن عمرو واپس مکہ چلے گئے مگر مسلمانوں کے بشرے سے غم و غصہ کے آثار نہ مٹ سکے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی متاثر تھے۔ آپ نے نماز ادا کی۔ دل کو سکون ہوا، پھر قربانی ذبح کی اور اس کے بعد تکمیل عمرہ کے لئے استرے سے سر کے بال اتروائے۔ روح مبارک کو مزید سکینۃ حاصل ہوئی صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح شاداں و فرحاں دیکھا تو انہوں نے بھی اپنی اپنی قربانیاں ذبح کر دیں۔ بعض نے استرے سے سر کے بال اتروائے اور بعض نے قینچی سے ترشوائے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی متابعت دیکھ کر فرط خوشی سے فرمایا اللہ کی رحمت ہو استرے سے موئے سر اتروانے والوں پر!

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! کیا اکمال حج و عمرہ کے لئے قینچی سے بال ترشوانے والے گنہ گار رہیں؟

فرمایا! ان پر بھی اللہ کی رحمت ہو!

صحابہ نے پھر وہی سوال دہرایا کیا اس موقعہ پر قینچی سے بال ترشوانے والے گنہ گار رہیں؟

فرمایا بال ترشوانے والوں پر بھی اللہ کی رحمت ہو!

صحابہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! جناب نے پہلے صرف استرے سے بال صاف کرانے والوں کے لئے دعائے رحمت کی تھی؟

فرمایا انہیں اس لئے مقدم رکھا گیا کہ میرے سامنے انہوں نے زبان شکوہ نہیں کھولی تھی!

مدینہ کی مراجعت سے قبل کا نقشہ:

(اب) مسلمانوں کے ذہن میں مدینہ جا کر زیارت کعبہ کے لئے سال آئندہ تک انتظار کرنے کے سوا کوئی اور گنجائش نہ تھی۔ انہیں یہ تلخ گھونٹ حلق سے اتارنا ہی پڑا، اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعمیل حکم کی وجہ سے! ورنہ ان کی عادت یہ تھی کہ یا تو دشمن سے مقاتلہ کر کے اسے بھاگا دیتے یا خود کو اس کے حوالے کر دیتے۔ وہ اپنے لئے شکست کے نام سے واقف نہ تھے۔ اگر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اجازت دیتے تو اپنے اس عقیدہ کے سہارے کہ خدا جن کا ناصر و مددگار ہو ان کے لئے اللہ کے رسول اور اس کے دین کی کامیابی میں کوئی شبہ نہیں تو وہ مکہ میں داخل ہو کر دکھا دیتے۔

مسلمان قربانی کرنے اور احرام کھولنے کے بعد بھی حدیبیہ میں چند روز (تین ہفتے) تک ٹھہرے رہے۔ اس اثناء میں بعض مسلمان ایک دوسرے سے معاہدہ کی حکمت دریافت کرتے۔

مراجعت مدینہ اور فتح مبین کی بشارت:

حتیٰ کہ حدیبیہ سے واپسی کے لئے کوچ فرمایا اور مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے وحی کے ذریعہ فتح مبین کی بشارت نازل ہوئی۔ قرآن کی اس سورۂ کا نام ہی فتح ہے۔

انا فتحنالک فتحا مبینا لیغفرلک الله ما تقدم من ذنبک وما تاخر ویتم نعمته علیک ویهدیک صراطاً مستقیما(2-1:48)

(اے پیغمبر یہ حدیبیہ کی صلح کیا ہوئی حقیقت میں ہم نے کھلم کھلا تمہاری فتح کر دی تاکہ (تم اس فتح کے شکریہ میں دین حق کی ترقی کے لئے اور زیادہ کوشش کرو اور خدا اس کے صلے میں) تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کرے اور تم پر اپنے احسانات پورے کرے اور تم کو دین کے سیدھے رستے لے چلے اور کوئی تمہارا مانع (مزاحم) نہ ہو۔

قریش کا اسلام کو دولت نوزائیدہ اور مذہب مرسوم کی حیثیت سے تسلیم کرنا:

صلح حدیبیہ بلاشبہ فتح مبین ہی تھی۔ وقت نے ثابت کر دیا کہ اس (صلح) میں سیاسی حکمت اور دوراندیشی (دونوں) اسلام اور عرب کے مستقبل میں اثر انداز ہو کر رہیں گی۔ جیسا کہ اب تک قریش رسالت مآب کو سرکش اور باغی سے زیادہ اہمیت نہ دیتے لیکن حدیبیہ میں انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حریف ومقابل تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہ رہا۔ گویا اہل مکہ نے حدیبیہ میں اسلام کو دولت نوزائیدہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔ پھر اس صلح نامہ کی رو سے مسلمانوں کا حق زیارت وطواف اور حج تسلیم کرنے کے یہ معنی تھے کہ اہل مکہ کے نزدیک اسلام کو بھی عرب کے دوسرے مذاہب کا مقام حاصل ہے اور عہد نامہ حدیبیہ ہی کی ایک دفعہ کے مطابق لڑائی کا دو یا دس سال تک بند رکھنا طے پایا تو اس سے مسلمانوں کو سمت جنوب (مکہ) کی طرف سے دشمن (قریش) کی یلغار کا خطرہ زائل ہو گیا اور اسلام کی تبلیغ کا موقعہ مل گیا۔ پھر مسلمانوں کے بدترین دشمن اور اس کے خلاف ہمیشہ نار حرب مشتعل رکھنے والا جو کل تک اسلام کو مذہب تسلیم کرنے کے روادار نہ تھے آج انہوں نے اسے ملک کے مروجہ مذاہب میں سے ایک مستقل دین تسلیم کر لیا۔ ان وجوہات کی بناء پر آج سے مسلمانوں کو اسلام کی تبلیغ کا بہترین موقعہ ہاتھ آ گیا۔

اس صلح میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ اعتراض اس دفعہ پر تھا کہ:

قریش مکہ میں سے جو شخص مسلمان ہو کر اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مدینہ پہنچ جائے اسے واپس لوٹانا پڑے گا۔

اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مرتد ہو کر مکہ میں چلا آئے تو اسے واپس نہ کیا جائے گا۔

اس تضاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے یہ تھی کہ مسلمانوں میں جو شخص مرتد ہو کر مکہ چلا جائے اسے لوٹا کر مسلمانوں میں رکھنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ رہا اس شخص کا سوال جو اہل مکہ میں سے مسلمان ہو کر مدینہ میں آ جائے اور اسے دوبارہ مکہ بھیج دیا جائے تو ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ خود نجات کی سبیل پیدا کرے گا۔ جیسا کہ حدیبیہ سے کچھ ہی عرصہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصابت رائے پر آپ کے رفقاء حیران رہ گئے۔

جب اسلام کو اس قدر تقویت حاصل ہو گئی کہ آج سے دو مہینے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرد و نواح کے بادشاہوں اور نوابوں کی طرف دعوتی خطوط بھیجے۔

جناب ابوبصیرؓ کا واقعہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصابت رائے کے نتائج جلد از جلد ظاہر ہونے پر آ گئے۔ ہوا یہ کہ اہل مکہ میں سے ابوبصیرؓ مسلمان ہو کر مدینہ تشریف لے آئے۔ وہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آئے۔ اس کے مطالبہ پر انہیں واپس کرنا ضروری تھا۔ قریش میں سے ازھر بن عوف اور اخنس بن شریق نے ابوبصیر کی واپسی کے لئے ایک غلام اور قبیلہ بنو عامر کے ایک شخص کو مدینہ بھیجا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر کو طلب فرما کر حکم دیا کہ:

انا قد اعطینا ھولاء القوم ماقد علمت و لا یصلح لنا فی دیننا الغدر.

ہم نے اہل مکہ کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے (اے ابوبصیر!) تمہیں بھی معلوم ہے ہمارے دین میں بدعہدی نہیں (تم مکہ واپس چلے جاؤ)

ابوبصیر نے عرض کیا آپ مجھے مشرکوں کے سپرد کرنا چاہتے ہیں جو مجھے مرتد کر دیں گے۔ لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بار بار انہیں مکہ واپس جانے کی ہدایت فرماتے رہے۔ آخر ابوبصیر ان (دونوں اہل مکہ) کے ہمراہ چل پڑے۔ جب ذوالحلیفہ (مقام) میں پہنچے تو ابوبصیر نے عامری کی تلوار دیکھنے کی فرمائش کی اور قبضہ پر ہاتھ رکھتے ہی اس سرعت کے ساتھ وار کیا کہ عامری کا سر بدن سے کٹ کر خاک میں لوٹ رہا تھا۔ مقتول کا ساتھی (غلام) یہ رنگ دیکھ کر بے تحاشا بھاگتا ہوا مدینہ پہنچا۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھتے ہی فرمایا خدا خیر کرے! یہ شخص خوف زدہ معلوم ہوتا ہے۔ دریافت پر اس نے کہا آپ کے رفیق نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا ہے۔ اتنے میں ابوبصیر آ پہنچے۔ وہی خون آلود تلوار ہاتھ میں تھی۔ دریافت کرنے کے بغیر ہی عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے مجھے دشمنوں کے سپرد کر کے وعدہ پورا فرما ہی دیا لیکن مجھے اسلام سے پھر جانا پسند نہ آیا۔ نہ یہ کہ مکہ جا کر خود کو کافروں کا مضحکہ بنا لوں۔ ابوبصیر کے دل میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر عظمت تھی وہ اسے چھپا نہ سکا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تیور سے سمجھ گئے کہ اگر اس کے ساتھ ایسے ہی کچھ اور لوگ شامل ہو جائیں تو یہ قریش کے ساتھ جنگ کیے بغیر نہ رہ سکے گا۔ ابوبصیر مدینہ سے نکل گیا اور مقام عیص نامی پر ڈیرا ڈال لیا جو بحیرۂ اسود کے کنارے شام کی شاہراہ پر واقع ہے۔ معاہدہ (حدیبیہ) میں فریقین نے یہ راستہ تاجروں کی آمد و رفت کے لئے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری نہ اٹھائی تھی۔ ابوبصیر کے عیص کو مامن بنا لینے کی خبر مکہ کے محصور مسلمانوں نے سنی تو انہیں یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوبصیر کے اس اقدام کی توثیق فرما دی ہو گی۔ ان (محصورین مکہ) میں سے جس کسی کو موقعہ ملا نظر بندی سے بچ کر ابوبصیر کے پاس آ پہنچا۔ جب ستر مسلمان جمع ہو گئے۔ تب انہوں نے ابوبصیر کی قیادت میں قریش کی ناکہ بندی شروع کر دی۔ ان کے اکا دکا آدمی کو قتل اور تجارتی قافلوں کو لوٹنے لگے۔ قریش نے اپنا یہ حشر دیکھا تو مکہ میں محصور مسلمانوں کے عوض میں اپنے جانی و مالی خسارہ سے تلملا اٹھے۔ ان پر واضح ہو گیا کہ صادق الایمان شخص کو محبوس رکھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، ایک نہ ایک دن اس کی مخلصی کی راہ نکل ہی آتی ہے اور وہ اپنے قید کرنے والوں پر بزن بول کر انہیں مبتلائے آفت کر دیتا ہے۔

اس وقفہ میں ان کے تصور میں اپنا گزشتہ مال بھی گھومنے لگا جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت پر مجبور کر کے مکہ سے نکال دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر ان کی تجارتی ناکہ بندی کر دی۔ آخر انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفارتی وفد بھیجا جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کے ساتھ رحم و قرابت کا واسطہ دے کر ابوبصیر اور ان کی جمعیت کو عمیص سے واپس مدینہ بلانے کی استدعا کی اور یہ شرط منسوخ کر دی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست و اصابت رائے دیکھئے۔ آج قریش اپنے ہی وکیل سہیل بن عمروؓ کے اس کیے کی سزا بھگت رہے ہیں کہ قریش میں سے جو شخص مسلمان ہو کر اپنے ولی

کی اجازت کے بغیر مدینہ پہنچ جائے اسے واپس لوٹانا پڑے گا۔ اور مسلمانوں میں سے حضرت عمرؓ نے جناب ابوبکرؓ سے معاہدہ کی جس شق کا گلہ کیا تھا انہوں نے بھی اپنے گلہ کا نتیجہ دیکھ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر کو قریش کی استدعا سے مطلع فرما کر ان کے مدینہ واپس آنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ جب ابوبصیر نے دیکھا کہ اب ہم سے تعرض نہ ہوگا کہ تمام جمعیت عیص سے ڈیرہ اٹھا کر مدینہ چلی آئی۔

اس وقفہ میں مکہ سے آنے والی مومن بی بیوں کا معاملہ:

اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مومن مردوں کے معاملہ سے مختلف تھی۔ چنانچہ ام کلثوم دختر عقبہ بن ابی معیط اہل مکہ کی حراست سے نکل کر مدینہ تشریف لے آئیں اور جب ان کی بازگشت کی غرض سے ممدوحہ کے بھائی عمارہ و ولید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر ان کے واپس کرنے سے انکار فرما دیا کہ اس معاہدہ ہی کی شق کے مطابق عورتوں کا معاملہ مردوں سے مختلف ہے۔[1] جو عورت ہم سے پناہ طلب کرے ہم پر اس کی حفاظت واجب ہے اور یہ بات بھی اپنی جگہ واضح ہے کہ عورت مسلمان ہو جانے کے بعد مشرک شوہر کی زوجیت میں نہیں رہ سکتی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی مومن عورتوں کی بازگشت سے انکار فرما دیا جو قریش کی حراست سے جان بچا کر مدینہ تشریف لے آئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم خداوندی کی وجہ سے یہ انکار فرمایا:

یایها الذین امنوا اذ جاعکم المومنت مهجرت فامتحنوهن الله اعلم بایمانهن فان علمتموهن مومنت فلا ترجعوهن الی الکفار لا هن حل لهم ولا هم یحلون لهن واتوهم ما انفقوا ولا جناح علیکم ان تنکحوهن اذا تیتموهن اجورهن ولا تمسکوا بعصم الکوافر وسئلو ما انفقتم ولیسئلو ما انفقوا ذلکم حکم الله یحکم بینکم والله علیم حکیم (10:60)

مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آیا کریں تو تم ان کے (ایمان)

کی جانچ کرلیا کرو۔ (یوں تو) ان کے ایمان کو اللہ (ہی) خوب جانتا ہے (تاہم جانچ لینا ضروری ہے) تو اگر (جانچنے سے) تم ان کو سمجھو کہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کی طرف واپس نہ کرو۔ نہ (تو) یہ (عورتیں) کافروں کو حلال ہیں اور نہ کافر ان (عورتوں) کو حلال، اور جو کچھ کافروں نے (ان پر) خرچ کیا ہے وہ ان (کافروں) کو ادا کردو اور اس میں بھی تم پر گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو ان کے مہر دے کر تم (خود) ان سے نکاح کرلو اور کافر عورتوں کے ناموس پر قبضہ نہ رکھو (جو تمہارے نکاح میں ہوں) اور جو تم نے (ان پر) خرچ کیا ہے وہ کافروں سے مانگ لو اور جو انہوں نے اپنی عورتوں پر خرچ کیا ہے وہ (اپنا خرچ کیا ہوا) تم سے مانگ لیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو تم لوگوں کو ایسے جھگڑوں کے بارے میں صادر فرماتا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

[1] اور اس شق کی وضاحت قرارداد مفاہمت میں بھی آ چکی تھی۔

ولم يات رسول الله صلى الله عليه وسلم احد من الرجال الا رده (بخاری کتاب المغازی غزوۃ الحدیبیہ م)

اس طرح (صلح حدیبیہ سے بعد کے) حوادث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست و دوراندیشی اور سیاست میں اصابت رائے کی تصدیق کردی۔ حدیبیہ میں صلح کی بنیاد اس طرح رکھی جس پر اسلام کی سیاست و اشاعت کی تعمیر اس خوبی کے ساتھ ہونے کو تھی۔

قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دوسرے کی جانب سے پورا اطمینان ہو گیا۔ قریش نے اس امید پر اپنی تجارت کا دامن وسیع کردیا کہ گزشتہ سالوں میں مسلمانوں کی طرف سے شام کی ناکہ بندی پر انہیں جو نقصان اٹھانا پڑا اس کی تلافی ہو جائے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقفہ میں مشرق و مغرب میں تبلیغ رسالت کی ادھیڑ بن میں مصروف رہے اور کچھ اس فکر میں منہمک کہ ایسے کون سے اسباب ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے مسلمان بھی دوسروں کی طرح عرب میں آزادی سے رہ سکیں۔ اس (آزادی) کے لئے آپ نے دو کام کیے:

الف۔ گردونواح کے بادشاہوں اور نوابوں کے ہاں سفیروں کی روانگی

ب۔ غزوۂ خیبر (جو اس وقفہ کے آخر میں پیش آیا) کے بعد فریب پیشہ یہود کا جزیرۂ عرب سے اخراج (جس کا تذکرہ اس سے بعد کی فصل میں ہے۔)

☆☆☆

باب 22

شراب کی حرمت اور غزوہ خیبر سے لے کر عمرۃ القضا تک

حدیبیہ سے واپسی کے بعد:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء نے حدیبیہ میں تسلیم ہی کر لیا کہ اس مرتبہ کی بجائے آئندہ سال زیارت کعبہ کے لیے آئیں گے اور تکمیل معاہدہ کے بعد مسلسل تین ہفتہ تک حدیبیہ میں اقامت فرما رہے۔ مگر جب مدینہ کی طرف لوٹے تو بعض افراد نے نفس قرار داد کو مسلمانوں کی تذلیل پر محمول کیا۔ اسی دوران سورۂ فتح نازل ہوئی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ سے واپسی کے وقت دو باتوں کی سب سے زیادہ فکر تھی:

الف۔ مسلمانوں کی قوت و استقامت

ب۔ اسلام کی توسیع

ان کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گردونواح کے غیر مسلم بادشاہوں اور نوابوں میں سے مندرجہ ذیل حکمرانوں کے پاس سفیر بھیجے: ہرقل، کسریٰ، مقوقس، نجاشی، حبش، نجاشی مذکور کے یمنی گورنر کی طرف اور حارث عیسائی کی طرف جس سے اسلام کی دعوت مقصود تھی۔ اس وقفہ میں دوسرا کام جزیرۃ العرب سے یہودیوں کی جلاوطنی تھی۔

دعوت اسلام کا نشو ونما:

اب دعوت اسلام اپنے نشو ونما کے اعتبار سے اس حد تک آ پہنچی جسے پورے عالم کے سامنے پیش کیا جا سکتا تھا۔ اب اسلام صرف توحید اور اس کے لوازمات ہی تک محدود نہ تھا بلکہ اس کا دامن

اجتماعی زندگی کے مختلف گوشوں پر پھیلتا جا رہا تھا۔ وہ جماعتی زندگی کو رفعت بخش کر افراد کو انسانی کمالات کے مرتبہ کے قریب لا رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں شریعت کے مختلف احکام کی تفصیلات کا آغاز ہوا۔

حرمت شراب:

حرمت شراب کے زمانہ کی تعیین میں سیر نویس حضرات مختلف الرائے ہیں۔ ان کی مختصر تعداد سے 4ھ میں بتاتی ہے اور زیادہ تعداد حدیبیہ (6ھ) میں اگرچہ شراب کی حرمت کی توحید کے نظریہ سے اتنا زیادہ ربط نہیں، اور یہ بھی ثابت ہے کہ بعثت مقدس و نزول قرآن دونوں سے بیس سال تک شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی۔ جس کی وجہ سے مسلمان اس مدت تک شراب میں ملوث رہے۔ نہ وحی نے شراب کو دفعتہً حرام کیا بلکہ (پہلے تو) نوبت بہ نوبت اس پر تہدید نازل ہوئی تا کہ مسلمان اس سے رفتہ رفتہ بے رغبت ہوتے جائیں، اور آخر میں قطعی حرمت وارد ہوئی جو اس طرح سے منقول ہے:

پہلی مرتبہ:

حضرت عمرؓ نے اس سے بیزاری کا اظہار کیا اور بارگاہ خداوندی میں بار بار عرض کیا: اللھم بین لنا فیھا (یا اللہ شراب کے متعلق واضح حکم نازل فرما)

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

یسئولنک عن الخمر والمیسر قال فیھما الم کبیر و منافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما (219:2)

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! تم سے لوگ شراب اور جوئے کی بابت دریافت کرتے ہیں۔ ان سے کہہ دو ان دونوں چیزوں میں نقصان بہت ہے اور انسان کے لیے فائدے بھی ہیں لیکن ان کا نقصان ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔

لیکن شراب کے رسیا اس تنبیہہ سے کلیۃً متاثر نہ ہوئے۔ شغل ناؤ نوش جاری رہا۔ شب بھر جام وسبو سے ہم آغوش رہنے سے فجر کی نماز میں کچھ کا کچھ پڑھ جاتے۔

دوسری مرتبہ:

سیدنا عمرؓ اتنی سی پابندی پر مطمئن نہ ہو سکے حتیٰ کہ:

تاکے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس

بارگاہ خداوندی میں یہ التجا پیش کی:

اللھم بین لنا فیھا فانھا تذھب العقل والمال

خداوند! شراب کے متعلق واضح حکم نازل فرما۔ یہ تو مال اور دانش دونوں کی دشمن ہے۔

اب کے مرتبہ صرف سکر اور نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت نازل ہوئی:

یایھا الذین امنو لا تقربو الصلوٰة وانتم سکریٰ حتیٰ تعلموا ماتقولون

(43:4)

مسلمانو! ایسا کبھی نہ کرو کہ تم نشہ میں ہو اور نماز کا ارادہ کرو۔ نماز کے لیے ضروری ہے کہ تم ایسی حالت میں ہو کہ جو کچھ زبان سے کہو (ٹھیک طور پر) اسے سمجھو۔

تیسری مرتبہ:

اس آیت کے نازل ہونے پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ منادی کرادی گئی:

لا یقربن الصلوٰة سکران

کوئی شخص مستی کی حالت میں نماز کی طرف نہ بڑھے۔

ان دونوں (آیت اور منادی) کا اثر (طبعًا) ہونا ہی تھا۔ مسلمانوں میں شراب نوشی کی عادت میں کمی آ گئی۔ لیکن جناب عمر اس پر بھی قانع نہ رہے۔ اب انہوں نے اور زیادہ الحاح سے عرض کیا:

اللھم بین لنا فی الخمر بیانا شافیاً لھا تذھب العقل و المال

خدایا! شراب کے متعلق اور مبنی بر شفا حکم نازل فرما! یہ مال و عقل دونوں کی دشمن ہے۔

شراب کی حرمت طلبی میں سیدنا عمر بن الخطابؓ حق بجانب تھے کیوں کہ آئے دن عرب کے نا مسلمان نہیں۔ مسلمان بھی شراب کی مستی میں ایک دوسرے کی ڈاڑھی پکڑ لیتے۔ کوئی شرابی دوسرے کو اٹھا کر سر کے بل پٹک دیتا۔ اس وقفہ میں ایک مرتبہ جب مسلمانوں ہی میں دعوت کے بعد شراب کا دور چلا تو ذرا دیر میں عقل پر مستی چھا گئی اور دوت کی آبرو دوست ہی کے ہاتھ سے خاک میں مل گئی مہاجرین و انصار میں مقابلہ شروع ہو گیا۔ ایک شرابی نے مہاجرین کی طرف داری میں زبان کھولی ہی تھی کہ ادھر سے ایک انصاری نے دسترخوان سے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھالی، جس سے ایک مہاجر کی ناک زخمی ہوگئی۔ اس تقریب میں ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانے والے انصار و مہاجر باہم دست و گریباں ہو گئے۔ کئی مسلمان زخمی ہوئے اور بعد میں دونوں (انصار و مہاجرین) کے دلوں میں کینہ پکنے لگا، حالانکہ اس سے پہلے دونوں ایک دوسرے کے دوست اور جان نثار تھے۔ اس واقعہ کی قعی حرمت نازل ہوئی۔

یایھا الذین امنو انما الخمر و المیسر و الانصاب ولازلام رجس من عمل الشطین فاجتنبو ہ لعلکم تفلحون (5-90)

مسلمانو! بلا شبہ شراب، جوا، معبودان باطل کے نشان اور پانسے، شیطانی کاموں کی گندگی ہے، ان سے اجتناب کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔

انما یرید الشطین ان یوقع بینکم العدواۃ و البعضاء فی الخمر و المیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون (91:5)

شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور کینہ ڈلوا دے اور تمہیں خدا کے ذکر اور نماز سے باز رکھے (کیوں کہ ان دونوں چیزوں میں پڑنے کا لازمی نتیجہ یہی ہے) پھر (بتلاؤ! ایسی برائیوں سے بھی) تم باز رہنے والے ہو یا نہیں)

اور شراب پانی کی طرح بہادی گئی:

آیت (مذکورۃ الصدر) اس وقت نازل ہوئی جب حضرت انسؓ شراب کی بزم میں ساقی بنے بیٹھے تھے۔ اتنے ہی میں حرمت میں شراب کی منادی شروع ہوگئی۔ یہ آواز جناب انسؓ کے کان میں پڑی تو انہوں نے شراب پانی کی طرح بہادی لیکن بعض لوگوں نے اس پر ازرہ اعتراض کہا کہ اگر یہ (شراب) رجس (گندگی) ہی ہے تو ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جنہوں نے غزوۂ بدر اور احد میں بھی شراب پی رکھی تھی؟ اور اس اعتراض پر یہ آیت نازل ہوئی:

ليس على الذين امنو وعملو الصلحت جناح فيما طعموا اذا ما اتقوا وامنو وعملو الصلحت ثم اتقوا وامنوا ثم اتقوا واحسنوا والله يحب المحسنين(93:5)

جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ جو کچھ (حرمت کے حکم سے پہلے) کھا پی چکے ہیں اس کے لیے ان پر کوئی گناہ نہیں جب کہ وہ (آئندہ کے لیے پرہیز گار ہو گئے اور ایمان لے آئے اور اچھے کام کیے اور جب انہیں کسی بات سے روکا گیا تو اس سے رک گئے اور (حکم الٰہی پر) ایمان لائے اور اچھے کام کیے۔ اسی طرح پھر (روکے گئے تو پھر بھی) پرہیز کیا۔ اور (حکم الٰہی پر) ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔ تو (یقیناً ایسے لوگوں سے ان کی سابقہ باتوں کے لیے کوئی مواخذہ نہیں ہو سکتا) وہ نیک کردار ہیں اور اللہ نیک کرداروں کو دوست رکھتا ہے۔

اسلام کی تعلیم نیکی اور حسن عمل ہے:

اسلام اپنے پیروؤں کو نیکی، لطف و کرم اور حسن عمل کی دعوت پیش کرتا ہے۔ عبادت سے یہی مقصود ہے اس سے روحانیت میں ترقی اور اخلاقی کمالات کی تکمیل مطلوب ہے۔ جیسے کہ نماز میں رکوع و سجود سے غرور و نخوت کا سر نیچا کرنا مقصود ہے۔ اسی طرح اسلام اپنی انوکھی ترتیب کے ساتھ گزشتہ مذاہب کے مقابلہ میں بمراحل طبعی کمالات تک جا پہنچا اور اس میں تمام عالم کے لیے قبول

کی استعداد پیدا ہوگئی۔

دولت روم وایران:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ظہور میں نواحی ملکوں میں کسریٰ (ایران) و ہرقل (روم) دونوں اس قدر طاقت ور بادشاہ تھے کہ اپنے ملکوں کے سوا قریبی ممالک میں بھی انہی دونوں کی سیاست کارفرما تھی اور دونوں ایک دوسری سلطنت کے حریف بھی تھے۔ جیسا کہ قارئین پچھلے صفحوں میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متصل ہی ایران روم کے خلاف صف آراء ہوکر مصر، شام اور اس کے مذہبی مرکز بیت المقدس پر حملہ کر کے مقدس صلیب تک کو اٹھا کر لے گیا، جس مصیبت پر ہرقل نے منت مانی کہ اگر مقدس صلیب پہلے کی طرح پھر ہمارے سر پر سایہ فگن ہو جائے تو میں بیت المقدس کی زیارت کے لیے حمص (دارالخلافہ روم) سے پیدا چل کر جاؤں گا اور یہ عیسائی بادشاہ (قیصر روم) اپنے اس ارادہ میں کامیاب ہو گیا۔

کسریٰ اور ہرقل دونوں میں یہ چپقلش صدیوں سے چلی آ رہی تھی جس میں کبھی وہ غالب اور یہ مغلوب کبھی یہ فتح مند اور وہ شکست خوردہ لیکن دونوں ملکوں کے گرد و نواح کی سلطنتیں اور باشندے کسریٰ اور ہرقل کے نام سے تھر تھر کانپتے رہتے، ان سے تعرض کی تو کسے مجال تھی بلکہ ہر ایک ملک ان کی نگاہ کرم و رحم کا منتظر رہتا۔

عرب کی بے چارگی:

یہ تو ایران و شام کے ان نواحی ملکوں کا حال تھا جہاں کسی نہ کسی شکل میں امن قائم تھا، مگر ان کے مقابلہ میں عربستان کی یہ حالت کہ قبائلی زندگی نے ایک کو دوسرے سے جدا کر رکھا تھا، جس کی وجہ سے عرب کے باشندے ایران و روم کے رحم و کرم میں دوسرے ملکوں سے زیادہ محتاج تھے خصوصاً جب کہ عرب کے سب سے بڑے دو خطے یمن و عراق ایران کے زیر نگیں اور مصر و شام جیسے وسیع ملک ہرقل کی مملکت میں داخل ہوں۔ اس وجہ سے حجاز اور جزیرة العرب اتنی پر ہیبت اور

مضبوط سلطنتوں میں گھرا ہوا تھا۔

پھر عربوں کا ذریعہ معاش صرف تجارت ہی ہو اور ان کی جولان گاہ کا ایک کنارہ یمن اور دوسرا گوشہ شام ہو، جس کی وجہ سے عرب کے باشندے کسریٰ ایران اور قیصر روم دونوں کے ساتھ دعا سلام رکھنے پر مجبور ہوں۔ اور جب عرب کے سیاسی انتشار کا یہ عالم ہو کہ بھولے سے کبھی صلح صفائی ہو گئی تو فبہا ورنہ آپس میں سدا جنگ و پیکاران کا شیوہ ہو۔ نہ کبھی یہ توفیق ہو سکے کہ منظم ہو کر رہیں اور وقت آپڑے تو قیصر یا کسریٰ کے مقابلہ میں قسمت آزمائی کرسکیں۔ عرب کے اس انتشار و نکبت اور اس کے مقابلے میں گردونواح کے بادشاہوں کی ہیبت وشکوہ کے ہوتے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیصر و کسریٰ جیسے طاقت ور بادشاہوں کو اسلام کی طرف دعوت! ادھر بادشاہان غسان و مصر اور اسکندریہ اور یمن کے حکمرانوں سے یہی معاملہ کس قدر حیرت افزا ہے! وہ بھی اپنے مستقبل کے اس نتیجہ سے بے نیاز ہو کر کہ مبادا ایسی دعوت کی پاداش میں آپ کے ساتھ تمام عرب کو ان بادشاہوں میں سے کی رعایا ہو کر رہنا پڑے۔

کہنا یہ ہے کہ مخاطب بادشاہوں کو شوکت و دبدبہ کے باوجود محمد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دین حق کی دعوت دینے میں تامل نہ فرمایا ایک روز اپنے رفقاء سے یوں ہم کلام ہوئے:

ایها الناس! قد بعثنی الله رحمة للناس کافة فلا تختلفوا علی کما اختلف الحواریون علی عیسیٰ ابن مریم.

صاحبو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام عالم کے لیے باعث رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ مبادا تم لوگ بھی عیسیٰ ابن مریم کے حواریوں کی طرح میری نافرمانی پر اتر آؤ۔

صحابہ نے عرض کیا اے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری کن معنوں میں ان کے خلاف ہو گئے؟ فرمایا:

دعاهم الی الذی دعوتکم الیه فاما من بعثه مبعثا قریباً فرضی وسلم واما من بثه مبعثاً بعیدا فکره وجهه و تثاقل

ابن مریمؑ نے اپنے حواریوں کے ذریعے یہی پیغام بادشاہوں کو پہنچانا چاہا۔ ان میں سے جو کو نزدیک کے بادشاہ کے پاس بھیجا اس نے خوشی سے تعمیل کر لی مگر دور بھیجے جانے والوں میں سے بعض کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے۔ اس طرح یہ گروہ اپنے فرائض کی انجام دہی پر پورا نہ اتر سکا۔

اس کے بعد فرمایا میں تم لوگوں کو اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے (مندرجہ ذیل) بادشاہوں اور نوابوں کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں: ہرقل، کسریٰ، مقوقس، حارث الغسانی (امیر صوبہ حیرہ شام) حارث الحمیری (حکمران یمن) اور نجاشی شہنشاہ حبشہ کی طرف صحابہ نے خندہ پیشانی سے خدمات پیش کیں۔ چاندی کی ایک انگشتری بنوائی گئی جس کے نگینے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ منقش کیا گیا۔ دعوتی خطوط لکھوائے گئے جن پر یہ نقش چسپاں ہوا۔ ان میں سے ایک خط کا یہ نمونہ ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبدالله ورسوله الى هرقل عظيم الروم! سلام على من اتبع الهدىٰ اما بعد! فانى ادعوک بدعاية الاسلام اسلم تسلم! يوتک الله اجرک مرتين! افان توليت فانما عليک اثم الاريسين. يا اهل الكتاب تعالو الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرک به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون الله فان تولو افقولو اشهدوا بانا مسلمون (64:3)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! از طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہے بنام ہرقل شہ روم! پیرو ہدایت کے لیے سلامتی ہے اور میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم نے اسے قبول کر لیا تو تم بھی سلامت رہو گے اور خدا تعالیٰ اس کا اجر دگنا عنایت فرمائے گا۔ اگر انکار کر دیا تو اہل ملک کا گناہ بھی تمہارے ذمہ ہوگا۔ (اے پیغمبر!) تم (یہود اور نصاریٰ سے) کہہ دو کہ اے اہل کتاب! (اختلاف و نزاع کی ساری باتیں چھوڑ دو) اس بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے لیے یکساں طور پر مسلم ہے، یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی

کی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ ہم میں سے کوئی ایک انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے گویا خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنالیا جائے! پھر اگر یہ لوگ (اس بات سے) روگردانی کریں تو تم کہہ دو گواہ رہنا کہ (انکار تمہاری طرف سے ہے) اور ہم خدا کے ماننے والے ہیں۔

ان سفیروں کے نام

1۔ جناب دحیہ بن خلیفہ کلبی	بسوئے	ہرقل (روم)
2۔ جناب عبداللہ ابن حذافہ	=	کسریٰ ایران (خسرو پرویز)
3۔ جناب عمرو بن امیہ الضمری	=	نجاشی حبشہ (اصمہ)
4۔ جناب حاطب بن ابوبلتعہ	=	مقوقس (شاہ مصر و اسکندریہ)
5۔ جناب عمرو بن العاص	=	شاہان عمان (جیفر وعبد پسران الجلندی)
6۔ جناب سلیط بن عمرو	=	رئیس یمامہ ہوذہ
7۔ علاء بن حضری	=	رئیس بحرین (منذر بن ساوی)
8۔ جناب شجاع بن وہب اسدی	=	رئیس غسان (حارث بن ابی شمر الغسانی)
9۔ جناب مہاجرین امیہ مخزومی	=	رئیس یمن (حارث حمیری)

سفیران رسالت مآب کی مدینہ منورہ سے روانگی کے متعلق دو روایات ہیں بیک وقت مدینہ سے روانہ ہوئے اور بعض مورخین کے نزدیک مختلف اوقات میں۔

عہد رسالت میں ایران و روم کے مذہبی نکبت:

سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ہم عصر بادشاہوں کی طرف اسلام کی دعوت تعجب انگیز امر نہیں اور اس سے بھی زیادہ یہ امر حیرت افزا نہیں کہ اس دعوت کے بعد تیس سال کی مدت کے اندر یہ ممالک بھی اسلام کے زیرنگین ہو گئے اور ان ملکوں کے بیشتر باشندے ابتداء ہی میں مسلمان ہو گئے؟ لیکن عربستان کے ان نواحی ملکوں میں سے اکثر و بیشتر خطوں کا فتح ہونا ہمارے لیے اس قدر تعجب کا سبب بھی نہیں، اس لیے کہ جب ہم ان خطوں میں سب سے بڑے دو

ملکوں یعنی ایران وروم کی قوت اور تمدن کا تصور کرتے ہیں جو ظہور اسلام کے بعد تک بدستور تمام عالم میں ممتاز تھے۔ ان کا عروج اور ترقی صرف مادی بنیادوں پر قائم تھا۔ دونوں ملکوں کی بادشاہتیں روحانی قوت کے لحاظ سے دم توڑ چکی تھیں۔ ایران مذہبی حیثیت سے دو (بت پرست اور مجوس) طبقوں میں منقسم تھا۔ روم (بزنطیہ) میں مسیحیت کا بٹوارہ کئی ٹکڑوں میں ہو چکا تھا، جس کی وجہ سے ان کے عقیدہ میں بھی اتنی سکت نہ تھی کہ اس کے بل بوتے پر اس کے ماننے والوں کے دلوں میں قوت واستقامت پیدا ہو سکے۔ اب ان کا مذہب صرف ظاہری رسوم وقواعد کا ملغوبہ بن کر رہ گیا تھا، جس نے اس کے ماننے والوں کی عقل پر چھائیاں سی ڈال رکھی تھیں۔

ایران وروم دونوں کے بالمقابل مذہب:

ایران کی بت پرستی اور مجوسیت اور روم کی مسیحیت کے مقابلے میں مذہب اسلام کا ظہور ہوا، جس کے ترجمان جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے خالص روحانیت کی دعوت پیش کرتے، جس کے ثمرہ میں اس (اسلام) کے ماننے والے انسانیت کے اعلیٰ ترین مراتب حاصل کر سکتے تھے اور مسلمات سے ہے کہ مادیت وروحانیت کی آویزش سے جب وقتی خواہشوں کے مقابلہ میں روحانی عیش اور جاودانی نعمتیں صف آرا ہوں تو اول الذکر (وقتی نعمتوں) کو سرنگوں ہونا پڑتا ہے۔

بلاشبہ اس وقت ایران وروم (دونوں) اقتدار وعظمت میں اپنا حریف نہ رکھتے تھے، لیکن مصیبت یہ تھی کہ دونوں تجدید وتکرنو کے دشمن اور قدامت ورسوم پرستی کے دلدادہ تھے حتیٰ کہ ہر ایسے نظریہ اور فکر وجدت کو بدعت وضلالت سمجھتے جو ان کی دقیانوسی رسومات کے خلاف ہو۔ وہ اپنی پرانی اور پر پیچ ڈگر کو ترقی کی شاہراہ سمجھ کر اس پر چکر کاٹ رہے تھے۔ اور دونوں (ایران وروم) نے اپنے اپنے ذہن کے دروازے بند کر رکھے تھے) کیوں کہ انسانی جماعت بھی فرد بلکہ دوسرے دوسرے موجودات کی طرح ہر لمحہ ترقی کی ایک منزل طے کر سکتی ہے۔ نہ صرف اسی قدر بلکہ جماعتوں کو بھی اوج کمال پر پہنچ کر اپنی مزید کوشش کو ترک نہ کر دینا چاہیے۔

ورنہ ایسی ترقی پذیر جماعت کی مثال اس دولت مند کی سی ہوگی جو اپنے سرمایہ کو کاروبار کی وسعت میں صرف کرنے کی بجائے زندگی کے مصارف میں بہانا شروع کر دے۔ اسی طرح متمدن قوموں کا ترقی کی مزید کاوش چھوڑ کر بیٹھ رہنا گویا صدیوں کی جمع کردہ تہذیب و رفعت کو کھو دینا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ایک نہ ایک دن قعر مذلت و نکبت میں سرنگوں ہو کر گر پڑتی ہیں اور جو جماعت اس طرح ذلیل و خوار ہو کر رہ جائے، اسے کسی ایسی خارجی قوت کے زیر نگیں ہونے کے بغیر چارہ نہیں جس میں زندگی کے آثار نمایاں ہوں۔ جب وہ قوم کسی پس ماندہ قوم کو اپنے دامن میں پناہ دے تو اس (پس ماندہ) قوم کی ترقی کے اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔

عہد رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی پس ماندہ اقوام میں یہی ایران اور روم دنیا کی دو سب سے بڑی سلطنتیں تھیں جن کی نشاۃ ثانیہ (نئی زندگی) کے لیے نہ تو چین میں سکت نہ ہندوستان میں مقدرت، اور یہی بے مائیگی وسط یورپ کے ملکوں پر مسلط تھی۔ یہ جوہر تو خود جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جن کی دعوت اس کمال تک آ پہنچی کہ اپنے ساتھ ان قوموں کو بھی آگے بڑھا سکیں جو دین کے غلط تصورات اور رسوم پرستی کی وجہ سے سر منزل تھک کر بیٹھ چکی ہوں۔

ایمان کے جس نور نے نفس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر مجلی و منور کر دیا اور روحانی قوت بخش دی، جس کی برابری کا کسی مقابل قوت کا یورا نہ تھا، آخر اسی نور ایمان کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے جناب محمد کو ایسے ذرائع پر مائل کیا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبلغین کے ذریعہ گرد و نواح کے بادشاہوں اور رئیسوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ وہ اسلام جو دین حق اور اپنے اوصاف کی وجہ سے ہر قسم کے روحانی کمالات کا مجموعہ ہے، جس (دین) کے سر پر خدا کا ہاتھ ہے، جو (دین) عقل کو نیک و بد کے پرکھنے کی تاکید اور دلوں کو خیر و شر میں امتیاز کی قوت بخشتا ہے اور جو (دین) اپنے ماننے والوں کو عقیدہ کے پرکھنے کی بھی ایسی ہی تلقین کرتا ہے جیسے جماعتی نظم و نسق کے لیے قوانین کی ہدایت فرماتا ہے جن سے مادہ اور روح دونوں میں متبادل توازن قائم رہ سکے تاکہ انسان کے لیے جس قدر قدرت و ارتقاء ممکن ہے اسے حاصل کرنے کے دوران میں وہ

راستے ہی میں تھک کر نہ بیٹھ جائے۔ یہی قوت ہے جس پر نہ کوئی مانع اثر انداز ہوسکتا ہے اور نہ فریب یا دھوکہ اس کے راستے میں حائل ہوسکتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ (نکبت زدہ) قوم اس نظام کی دست گیری سے ایسے بلندترین مقام پر فائز ہوسکتی ہے جو عالم کون ومکان میں حاصل ہونا ممکن ہو۔

حالات کا دوسرا رخ

ملک سے یہود کی جلاوطنی کا منصوبہ

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان بادشاہوں اور نوابوں کی طرف تبلیغی خطوط بھیجنا مقتضائے حال کے مطابق تھا خصوصاً جب کہ مدینہ سے سمت شمال پر بسنے والے (یہود) ہر لحہ خاتم الرسلصلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فریب اور بدعہدی کرنے کے لیے ادھار کھائے بیٹھے تھے؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرارداد حدیبیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف قریش بلکہ اس پوری سمت (جنوبی) سے مطمئن کر دیا تھا۔ بخلاف اس کے مدینہ سے شمال میں رہنے والے یہود کی طرف سے ہر وقت خطرہ تھا کہ ہرقل یا کسریٰ ایران خیبر کے ان یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف نہ بھڑکا دیں اور یہود کا وہ پرانا ناسور رسنے لگے جو ان کے برادران دین بنوقینقاع و بنونضیر کی مدینہ سے جلاوطنی اور بنوقریظہ کے قتل عام کی صورت میں رونما ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کی طینت کا علم تھا کہ وہ کینہ توزی میں قریش سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں، اسی طرح دینی حیثیت سے قریش کے مقابلہ میں جامد بھی زیادہ ہیں اور دور اندیشی میں اہل مکہ سے ان کا پلہ بھاری ہے۔ پھر جب کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ حدیبیہ کا سا معاہدہ کرنا گوارا تھا نہ ان کی طرف سے اطمینان اور آج سے پہلے فریقین میں مقابلہ بھی ہو چکا تھا جس میں یہود ہی کو نیچا دیکھنا پڑا۔ پس اگر انہیں ہرقل کی طرف سے مدد مل سکتی تو مسلمانوں سے انتقام لینے میں انہیں کیوں تامل ہوتا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ ہی کرلیا کہ یہود کو جڑ سے اکھاڑ کر عرب

سے دھکیل دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے خلاف یہ خلش ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق مناسب کارروائی عمل میں لانے کا تہیہ کرلیا۔ اس میں اور بھی عجلت سے کام لیا تاکہ بنوغطفان یا مسلمانوں کا کوئی اور دشمن قبیلہ بروقت یہود کی کمک کے لیے نہ پہنچ سکے۔

یہود خیبر پر حملہ کی تیاری:

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) یہود خیبر پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر دیا اور حدیبیہ سے واپسی پر پچیس روز یا ایک مہینہ کے بعد (باختلاف روایات) لشکر کو روانگی کا حکم دیتے ہوئے صرف انہی مسلمانوں کے لیے لشکر میں شریک ہونے کی اجازت فرمائی جو حدیبیہ میں شامل تھی اور ان کے سوا دوسرے لوگوں کی شمولیت سے انکار تو نہ فرمایا مگر انہیں غنیمت سے مستثنیٰ فرما دیا۔

اس لشکر میں سولہ سو مسلمان شامل ہوئے جن میں سواروں کی تعداد صرف ایک سو تک تھی۔ ہر ایک مسلمان کے دل میں نصرت خداوندی کا یقین موج زن تھا اور حدیبیہ سے واپسی پر سورۂ فتح کی بشارت کی وجہ سے پر امید۔

سيقول المخلفون اذا انطلقتم الى مغانم لتا خذوها ذرونا نتبعكم يريدون ان يبدلو كلام الله قل لن تتبعونا كذلكم قال الله من قبل فسيقولون بل تحسدوننا بل كانوا لا يفقهون الا قليلا (15:48)

(مسلمانو!) اب جو تم (کیبر کی) غنیمتیں لینے کے لیے جانے لگو گے تو جو لوگ تم سے پیچھے رہ گئے تھے۔ (تم سے) کہیں گے ہم کو بھی اپنے ساتھ چلنے دو! (اس سے) ان کا مطلب یہ ہے کہ فرمودۂ خدا کو بدل دیں (نہ ہونے دیں) اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم ہرگز ساتھ نہیں چلنے پاؤ گے۔ اللہ نے پہلے ہی ایسا فرما دیا ہے۔ یہ سن کر لوگ کہیں گے کہ (خدا نے تو کیا فرمایا ہوگا) بلکہ (بات یہ ہے کہ) تم ہم سے حسد رکھتے ہو۔ (حسد نہیں) بلکہ یہ لوگ تو اصل مطلب کو بہت ہی کم سمجھتے ہیں (کہ یہ ان کے سفر حدیبیہ سے پیچھے رہ جانے کی سزا ہے۔)

خیبر میں

مسلمان مدینہ سے چل کر تیسرے روز (نماز مغرب کے بعد) خیبر میں آ پہنچے اور شب بھر قلعہ خیبر ہی کے نیچے پڑے رہے۔ اہل خیبر کو مسلمانوں کے آنے کی کوئی خبر نہ ہوئی۔ صبح کے وقت جب کسان پھاوڑے اور ڈلیاں لے کر کھیتوں کی طرف جانا شروع ہوئے تو شہر سے باہر لشکر پڑا ہوا دیکھا یہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لشکر لے کر آ پہنچے! کہتے ہوئے بستی کی طرف بھاگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آوازہ سنا تو فرمایا

خربت خیبر انا اذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرین

(خیبر کی تباہی کا وقت آ پہنچا۔ جب ہم کسی قوم پر حملہ کرنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں تو اس قوم کا یہی حشر ہوتا ہے۔)

خیبر کے یہودی پہلے سے یہ بھی خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ان کے دشمنوں کو پناہ دینے کی وجہ سے جنگ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ وہ ایسے وقت کے ٹالنے کی تدبیر سے غافل نہ تھے۔ ان میں سے بعض لوگ جو قبائل میں سے کسی سے استمداد نہ چاہتے تھے (بر بنائے حفظ ماتقدم) وادی القریٰ اور تیماء کے یہودیوں سے ساز باز بھی کر چکے تھے۔ قبل ازیں ان کا ایک گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کرنے پر بھی مائل تھا، تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں جو کینہ حیی ابن اخطب کی طرف سے مدینہ پر بلوہ کی صورت میں رونما ہو چکا ہے اس کی تلافی ہو جائے۔ اس معاملہ میں یہود خیبر کا میلان انصار (مدینہ) کی طرف اور بھی زیادہ تھا لیکن فریقین کے دل ایک دوسرے کی طرف سے اتنے دور ہو چکے تھے کہ آخر مسلمانوں نے خیبر پر بزن بول ہی دیا اور اس سے قبل مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کے دو بڑے چودھری سلام بن ابوالحقیق اور یسیر ابن ازام بھی قتل کیے جا چکے تھے جس سے متاثر ہو کر انہوں نے بنوغطفان سے رشتہ مودت جوڑ لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری کی سن گن پائی تو غطفان 1؎ کو فوراً اطلاع کر دی۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ بنو

غطفان ان کی یاوری کرنے کے لیے آئے یا نہیں۔[2]

قطع نظر اس کے کہ بنو غطفان یہود خیبر کی مدد کے لیے پہنچے یا اپنی اقامت گاہ تک کو نہ چھوڑا۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان (غطفان) سے خیبر کی غنیمت میں حصہ کی پیش کش کی یا نہیں۔ لیکن ارباب سیرت اس پر متفق ہیں۔ کہ خیبر کے یہود عرب میں نہ صرف اپنی ہی قوم میں طاقت ور، فنون جنگ میں مشاق اور تونگر تھے بلکہ ان کے پاس تمام عرب سے زیادہ اسلحہ تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو یقین تھا کہ جب تک یہ گروہ عرب میں موجود ہے دین جدید کے ساتھ ان کی دشمنی دین اسلام کو فروغ حاصل نہ ہونے دے گی۔ نہ وہ اپنی شرارتوں سے باز رہیں گے اور نہ ان کے اثرات کی وجہ سے اسلام پنپ سکے گا۔ یہی وجوہ ہیں جن سے گھبرا کر مسلمان نے ان کے خلاف بزن بول دیا۔

خیبر پر مسلمانوں کے حملے کی خبر بجلی کی طرح تمام عرب میں پھیل گئی۔ ملک کا ہر شخص نتیجے کے لیے گوش برآواز تھا۔ خصوصاً قریش نہایت بے تابی کے ساتھ انجام کے منتظر تھے۔ انہیں امید تھی کہ خیبر کے یہودی اپنی دلاوری اپنے قلعوں کی سربلندی اور پہاڑوں کی بلند ترین چوٹیوں کی وجہ سے مسلمانوں کا حملہ ناکام کر دیں گے۔ چنانچہ ان میں سے اکثر نے شرط تک بد رکھی تھی۔

---

[1] نقشہ بلاد العرب فی حیاۃ محمد دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ مدینہ سے خیبر سمت راست شمالاً واقع ہے۔ خیبر کے بعد فدک شمال سے ذرا ہٹ کر غرباً اور بنو غطفان خیبر سے سمت مشرق دور واقع ہے۔ م

[2] بنو غطفان آئے مگر مسلمانوں نے ان کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ الٹے پاؤں واپس لوٹ گئے۔ اسلامی لشکر خیبر میں بنو غطفان ہی کی سمت پر پڑا ہوا تھا۔ م

محاصرہ:

مگر یہاں مسلمانوں نے صف بندی سے خیبر کے قلعوں کو چاروں طرف سے محاصرہ میں لے لیا۔ یہود نے اپنے سرغنہ سلام بن مشکم کے مشورہ سے یہ انتظام کیا کہ مال اسباب، مستورات اور بچوں کو قلعہ وطیح وسلام میں پہنچا دیا۔ اجناس ورسد قلعہ ناعم میں منتقل کردی گئیں اور سپاہی اپنے جنگ آزمودہ سپہ سالاروں کی قیادت میں غنیم کے حملے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے (یہود اوران کے زن و بچے) سب کے سب قلعہ نظاۃ میں جمع ہو گئے۔[1]

مقابلہ شروع ہو گیا:

سب سے پہلے دونوں لشکر قلعہ نظاۃ کے نیچے آمنے سامنے ہوئے۔ معرکہ قتال دیر تک گرم رہا جس میں مسلمانوں کے پچاس سپاہی زخمی ہوئے۔ اندازہ کر لیجئے کہ لشکر یہود پر کیا بیتی ہوگی جب کہ ان کا سپہ سالار اعظم سلام بن مشکم بھی مارا گیا جس کے قتل ہو جانے پر (قلعہ) ناعم کے لشکر کی سپہ سالاری حارث بن ابو زینب کو تفویض ہوئی۔ بنو خزرج نے اسے رگید کر قلعہ میں دھکیل دیا۔ مسلمانوں نے پوری قوت کے ساتھ محاصرہ قائم رکھا اور محصورین بھی جانفشانی سے مدافعت میں سرگرم رہے۔ انہیں یقین تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں بنو اسرائیل کی یہ شکست جزیرۃ العرب سے ہمیشہ کے لیے ان کا استیصال کردے گی۔

---

[1] خیبر دس قلعوں کے مجموعہ کا نام تھا جن میں دس ہزار جنگی سپاہی رہتے۔ پھر یہ قلعے تین حلقوں میں واقع تھے۔

الف۔ حلقہ نظاۃ: اس میں چار قلعہ تھے۔ ناعم، نظاۃ، صعب ابن معاذ، قلعۃ الزبیر

ب۔ حلقہ: (تین قلعے) حصن شق، حصن البر، حصن ابی

ج۔ حلقہ کتیبہ: اس میں بھی تین ہی قلعے تھے قموس، وطیح، سلام بفتحہ و کسرہ دونوں: م

قلعہ ناعم کی فتح:

مسلمانوں کو قلعہ ناعم کا محاصرہ کیے ہوئے کئی روز گزر گئے اور کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوا۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو علم دے کر ناعم کی مہم سپرد فرمائی۔ انہوں نے جی توڑ کر مقاتلہ کیا مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ دوسرے روز علم عمرؓ بن الخطاب کو تفویض فرمایا وہ بھی شام تک مصروف پیکار رہے۔ مگر مہم سر نہ ہو سکی۔ تیسرے روز رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالبؓ کو پرچم دے کر فرمایا:

خذ هذه الراية فامض بها حتى يفتح الله عليك

(اے علیؓ! علم لیجئے اور حملہ کر دیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ سے اسے فتح فرمائے!)

یہودی قلعہ سے نکل کر مقابلہ پر ڈٹ گئے اور ان کے ایک سپاہی کی ضرب سے علیؓ کی سپر ہاتھ سے گر پڑی۔ اتفاق سے قلعہ کے پاس چوکھٹ کا ایک در پڑا ہوا تھا۔ علیؓ نے ہاتھ میں لے کر اس سے سپر کا کام لیا اور یہود کے لشکر کو قلعہ میں دھکیلنے کے بعد اسی تختہ سے خندق کا پل بنا لیا۔ جس پر سے گزر کر مسلمان سپاہی قلعہ میں داخل ہو گئے اور یہودی سپہ سالار (حارث بن ابو زینب) کی موت کے بعد مسلمان قلعہ ناعم پر قابض ہو گئے۔

اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہودیوں نے جنگ میں کس بہادری کے ساتھ جان دی اور مسلمان ان کے مقابلہ میں کس طرح سینہ سپر ہو کر سرگرم پیکار رہے۔

حصن قموص و قلعہ صعب بن معاذ کا محاصرہ اور فتح:

مسلمانوں نے حصن قموص کا محاصرہ کیا اور وہ بھی شدید معرکہ کے بعد فتح ہو گیا، لیکن اس

نوبت پر آ کر رسد ختم ہو چکی تھی۔ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع عرض کی مگر آپ سے کوئی مداوا نہ بن آیا۔ ناچار لشکریوں کو سواری کے گھوڑے ذبح کرنے کی اجازت فرمادی۔

اسی اثناء میں یہود کے ایک قلعہ سے بکریوں کا ریوڑ اتر رہا تھا جس میں سے دو بکریاں بچھڑ گئیں اور مسلمانوں نے ان کے گوشت پر اکتفا کیا۔ اب قلعہ صعب بن معاذ کا محاصرہ ہوا اور اس میں بھی یہودیوں نے شکست کھائی) یہاں سے اس قدر رسد حاصل ہوئی کہ مسلمانوں نے کھانے پینے کی طرف سے بے فکر ہو کر محصورین کو گھیرنا شروع کر دیا لیکن یہودی اپنی سرزمین کا ایک چپہ تک آسانی سے چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ وہ اپنے ہر قلعہ کی حفاظت میں نہایت دلاوری سے لڑتے اور جب تک پوری طرح بے بس نہ ہو جاتے قبضہ نہ چھوڑتے۔

رستم یہود مرحب کی طرف سے مبارزت:

اب یہود خیبر کا رستم مرحب پہلوان پوری طرح اسلحہ باندھ کر فخر سے یہ اشعار کہتا ہوا نکلا:

قد علمت خیبر انی مرحب
شاکی السلاح بطل مجرب

خیبر مجھے پہچانتا ہے کہ میں ہتھیار بند بہادر اور مرد میدان مرحب ہوں۔

اطعن احیانا و حینا اضرب
اذ اللیوث اقبلت تحرب

جب شیر مجھ پر بپھر کر حملہ کرتا ہے تو کبھی اسے نیزہ چبھو دیتا ہوں اور گاہ تلوار سے مضروب کرتا ہوں۔

ان حمای للحمی لا یقرب
یحجم عن صولتی المجرب

میں ایسی چراگاہ کا مالک ہوں جس کے قریب پھٹکنا اپنی موت مول لینا ہے، میرے آزمودۂ

جنگ ہونے کی وجہ سے!

محمد بن مسلمہ کے ہاتھ سے رستم خیبر کا قتل:

مرجب کا نعرہ سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: اس کے مقابلہ کے لیے کون نکلے گا؟ جناب محمد بن مسلمہ (انصاری) نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کل اس کے ہاتھ سے میرا بھائی (محمود) شہید ہو چکا ہے! اجازت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دونوں میں مقابلہ شروع ہوا۔ مرحب نے ایسا تلا ہوا وار کیا کہ اگر ابن مسلمہ اسے سپر نہ روک لیتے تو ان کا کام تمام ہو چکا ہوتا۔ مگر مرحب کی تلوار ڈھال ہی میں اٹک کر رہ گئی اور وہ محمد بن مسلمہ کی ضربت سے زمین پر لوٹنے لگا۔

جنگ شدت سے جاری تھی مگر یہود کے مضبوط قلعوں کے تسلسل نے انہیں ڈگمگانے نہ دیا۔

قلعہ زبیر کا محاصرہ:

اب مسلمانوں نے حصن زبیر پر دھاوا بول دیا۔ فریقین میں سے ہر ایک نے جی کھول کر داد شجاعت دی۔ پھر بھی قلعہ کا فتح کرنا مشکل ہو گیا۔ آخر مسلمانوں نے محصورین کا پانی بند کر دیا، جس سے یہود جان پر کھیل کر میدان میں نکل آئے۔ گھمسان کا رن پڑا اور دشمن جی چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے ایک ایک قلعہ ان کے ہاتھ سے نکلتا گیا۔

آخری دو قلعوں پر دھاوا یہود کا اقرار شکست اور اراضی بٹائی پر دینے کا فیصلہ:

منطقہ کتیبہ میں دو قلعے وطیح وسلام باقی رہ گئے تھے لیکن یہود کا تمام مال و اسباب قلعہ شق و نظاۃ و منطقہ کتیبہ میں ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ یہود نے جان بخشی کی شرط پر صلح کی درخواست پیش کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لی اور مفتوحہ اراضی کاشت کے لیے ان کے سپرد

ہوگئی اور نصف بٹائی مقرر کر کے انہیں آباد رہنے دیا۔[1]

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے لیے تو ان کی اراضی پر حق کاشت قائم رہنے دیا مگر (اس سے قبل مدینہ کے یہود بنو قینقاع اور بنو نضیر کو ان کی اراضی سے متمتع ہونے کا موقع نہ دیا۔ حتیٰ کہ دونوں قبیلوں کو شہر سے جلاوطن فرما دیا۔ لیکن خیبر کا معاملہ بوجوہ یہود مدینہ سے مختلف ہے، اس لیے کہ:

الف۔ فتح خیبر کے بعد یہاں کے یہود کے سر اٹھانے کا خطرہ نہ تھا۔

ب۔ خیبر میں باغات ونخلستان اور اراضی کی اس قدر افراط تھی، جس کی نگہداشت اور پیداوار حاصل کرنے لیے بڑی کاوش درکار تھی۔

ج۔ مدینہ کے مسلمان زراعت پیشہ تو تھے لیکن خود ان کی ذاتی اراضی ان کے بغیر آبادہ نہ رہ سکتی تھی۔ اس لیے انہیں اس غرض کے لیے مدینہ سے خیبر آباد کرنے کا سوال نہ تھا۔

د۔ انصار کی مدینہ کی جنگوں میں ہر وقت ضرورت تھی۔

ہ۔ یہود خیبر کی بساط سیاست الٹ جانے سے ان کے لیے کاشت کاری پر اکتفا بھی بہت غنیمت تھا۔

لیکن افسوس ہے کہ ان کی بدطینتی کی وجہ سے رفتہ رفتہ وہاں کی اراضی بنجر ہوتی گئی اور رسول

---

[1] خیبر کی اراضی کے دو حصے ہیں۔ 1؎ جنگ سے فتح شدہ اسے مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ 2؎ صلح سے حاصل شدہ۔ اور یہ ریاست کی ملکیت ہے حصہ 2۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بٹائی پر دے دیا۔ یوں خیبر میں سب اراضی شامل ہے۔ اس لیے دونوں قسموں پر لفظ (خیبر) استعمال ہوتا ہے۔ مزید بحث کے لیے زاد المعاد ابن القیم جلد اول در تذکرہ خیبر فصل ومنها حرص الثمار کی آخری سطور ملاحظہ فرمائیے۔ م

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مزید احسانات کے باوجود کہ فتح میں تورات کے کئی نسخے مسلمانوں کے قبضے میں آئے، جو ان کی درخواست پر انہیں عنایت کر دیئے چہ جائیکہ مسیحی روم نے اس کتاب مقدس کو یروشلم فتح کر کے جلا کر ان کی راکھ پیروں تلے روندی۔ پھر انہی نصرانیوں نے جب یہودیوں کے ہاتھ سے اس کو حاصل کیا تو وہاں انہوں نے بھی کتاب مقدس کی یہی درگت کی۔

تقسیم پیداوار پر یہود خیبر کی حیرت:

اور یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہر سال حضرت عبداللہ بن رواحہؓ پیداوار کی بٹائی کے لیے تشریف لاتے اجناس کی تمام اقسام دو حصوں میں تقسیم فرما کر مزارعین سے فرماتے کہ دونوں میں جونسا ڈھیر پسند ہو اٹھا لو اس پر ایک مرتبہ اہل خیبر نے کہا اسی عدل پر ارض وسما قائم ہیں۔ (از فتوح البلدان: م)

خیبر کے بعد یہود کے بقیہ تین مراکز

الف: فدک۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود فدک کی طرف قلعہ وطیح وسلام کے محاصرہ کے دوران میں پیغام بھیج دیا کہ مسلمان ہو جاؤ تو فبہا ورنہ تمہیں اپنے اموال ہمارے سپرد کرنا پڑیں گے! یہ لوگ خیبر کی خبروں سے متاثر تھے انہوں نے حوالگی میں خیریت سمجھی اور نصف پیداوار پر تصفیہ کر لیا۔

سرزمین فدک اور خیبر کی اراضی دونوں کی دو مختلف حیثیتیں قرار دی گئیں۔ آخر الذکر لڑائی سے فتح ہوئی تھی۔ اس کی اراضی غازیوں میں تقسیم فرما دی گئی۔ فدک کسی جدوجہد کے بغیر حاصل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے لیے مختص کر لیا۔

ب: وادی القریٰ۔۔۔ یہ بستیاں خیبر اور مدینہ کی گزرگاہ پر واقع تھیں۔ خیبر سے واپسی پر مسلمان وادی القریٰ سے ذرا دور ہی تھے کہ یہود نے تیر برسانا شروع کر دیئے جس سے مقابلہ کی نوبت آ پہنچی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صف بندی فرمائی مگر نبرد آزمائی سے پہلے انہیں

اسلام پیش کیا۔ یہود کا ایک ایک پہلوان نکلنا شروع ہوا مگر اس کی قسمت میں واپس لوٹنا نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہر بہادر کے قتل کے بعد ان کے سامنے اسلام پیش کرتے۔ رات ہوگئی۔ دوسری صبح یہود نے از خود اطاعت کا پیغام بھیجا۔ ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے اور انہیں بٹائی پر اراضی و باغات سونپ دیئے گئے۔ وادی القریٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار روز تک قیام فرمایا۔

ج: وادی تیماء۔۔۔۔ اسی راہ پر وادی تیماء واقع ہے اس میں بھی یہود آباد تھے مگر انہوں نے کسی تعرض کے بغیر قبول اطاعت و ادائے جزیہ دونوں شرطیں تسلیم کرلیں۔

سطوت یہود کا آخری انجام:

آج سے عربستان میں صدیوں کی باوقار قوم یہود کا دبدبہ ختم ہوگیا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی پر مجبور ہوگئے اور جس طرح مدینہ کی جنوبی (مکہ) جانب سے صلح حدیبیہ کے بعد خطرات کا انسداد ہوگیا، اسی طرح خیبر تک کی فتح نے شمال کی طرف سے فتنوں کا دروازہ بند کردیا۔ یہود کے سرنگوں ہوجانے سے ان کے متعلق مسلمان۔ بالخصوص انصار، کا غصہ فرو ہوگیا۔ ان میں سے بعض کی مدینہ میں آبادکاری پر بھی مسلمانوں نے چشم پوشی سے کام لیا جس وقت مدینہ کے راس المنافقین ابن ابی پر موت نے حملہ کیا یہودی اپنے اس قدیم مربی کی مرگ پر مصروف گریہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے فرزند حضرت عبداللہ بن ابی مذکور کے پاس اس کے باپ کی تعزیت کے لیے تشریف لئے تو یہود سے شانہ ملا کر ایستادہ ہونے سے مضائقہ نہ سمجھا۔

یہود کے ساتھ مراعات کی وجہ سے حضرت معاذ بن جبلؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں دین موسیٰ ترک کرنے کے لیے نہ کہا جائے۔ اسی وقفہ میں خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے یہود بنو عریض اور بنو غازیہ کے ساتھ اطاعت، جزیہ اور اپنے دین پر استقرار کی صورت میں معاہدہ کرلیا۔

الحاصل یہود کو مسلمانوں کے زیرنگین ہوکر رہنا ہی پڑا۔ پورے عرب میں ان کے مراکز ٹوٹ

چکے تھے۔ انہیں احساس ذلت کی وجہ سے اس سرزمین کو خیر باد کہنا پڑا، جہاں صدیوں سے ان کی سطوت کا ڈنکا بج رہا تھا یہ اور بات ہے کہ اس ملک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان کا انخلا کامل ہوا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد (اس میں دو مختلف روایات ہیں)

خیبر اور جزیرۃ العرب کے یہودی اپنی سطوت سے محروم ہونے کے بعد دفعتہً عربستان کو خیر باد کہہ کر نہیں چلے گئے بلکہ کچھ مدت تک یہاں آباد رہے۔ لیکن جب تک عرب میں رہے مسلمانوں پر غصے سے دانت پیستے رہے اور جو کچھ ان کے خلاف بن آیا کرتے رہے۔

زہر آلود گوشت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت:

یہ واقعہ خیبر میں رونما ہوا فتح کے بعد لڑائی کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ فریقین معاہدہ کے پابند ہو گئے۔ اسی حالت سکون میں یہود کے سرغنہ سلام بن مشکم کی زوجہ زینب (ہمشیرہ مرحب مقتول) نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چند رفقاء کی دعوت میں زہر آلودہ گوشت پیش کیا۔ آپ کے رفیق طعام (بشرؓ ابن البراء) تو مزے لے لے کر کھاتے گئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا ہی لقمہ چبا کر پھینک دیا اور فرمایا

ان هذا العظم اليخبرنی انه مسموم

(گوشت کے اس پارے نے مجھے اپنا زہر آلود ہونا بتا دیا ہے) دریافت پر مجرمہ نے اقتبال کرتے ہوئے کہا آپ نے میری قوم سے جو برتاؤ کیا ہے آپ کو بھی علم ہے میں نے یہ ارتکاب اس لیے کیا ہے کہ اگر آپ بادشاہ ہیں تو میری قوم کو آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ نبی ہیں تو وحی کے ذریعے آپ کو اطلاع ہو جائے گی اس اعتراف جرم پر اسے معاف کر دیا گیا یا نہیں اس میں دو مختلف روایتیں ہیں۔

1۔ اس کے باپ اور شوہر کے مقتول ہو جانے کی وجہ سے اسے معاف کر دیا گیا۔
2۔ حضرت بشرؓ کے انتقال کی بناء پر اسے قتل کر دیا گیا۔

زینب کے اس کرتوت کی وجہ سے مسلمان بہت متاثر ہوئے۔ انہیں یہود پر کوئی اعتماد نہ رہا

اوران کی جمعیت پراگندہ ہونے کے باوجود ان کے شر سے خائف رہنے لگے۔

بی بی صفیہ

خیبر کی ایک بی بی صفیہ بھی اسیروں میں آئیں۔ یہ بنونضیر مدینہ کے سرغنہ حیی بن اخطب کی دختر اور مدینہ کے بنوقریظی رئیس اعظم کنانہ بن ربیع کی بیوہ تھیں۔ کنانہ مذکور مدینہ سے جلاوطنی پر چمڑے کے ایک بڑے تھیلے میں نقد وزر بھر کر ہمراہ لے آیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرار داد صلح کے مطابق کنانہ سے اس تھیلے کا مطالبہ کیا تو اس نے قسم کھا کر صاف انکار کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ثابت ہو جائے کہ مال تمہاری تحویل میں ہے تو قسم کے عوض میں تمہیں اپنا قتل منظور ہے۔ کم بخت نے از خود اپنے محضر قتل پر دستخط کر دیئے۔

مسلمانوں میں سے ایک شخص ذرا دیر پہلے کنانہ کو ایک کھنڈر میں دیکھ چکا تھا۔ اس نے یہ حکایت رسول اللہ سے بھی عرض کر رکھی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھنڈا کی تلاشی کا حکم دیا تو اس میں خزانہ برآمد ہو گیا اور کنانہ اس کی شرط کے مطابق قتل کرا دیا گیا۔

کہنا یہ تھا کہ بی بی صفیہ کے اسیر ہو کر آنے پر مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

صفیه سیدة بنی قریظه و النضیر لا تصلح الا لک

(اے رسالتؐ پناہ! بی بی صفیہ بنوقریظہ و نضیر دونوں قبیلوں میں ممتاز ہونے کی وجہ سے صرف آپ کے حرم میں شامل ہونے کے شایاں ہیں) یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنے حرم میں شمولیت کی عزت سے ممتاز فرما دیا۔

اس معاملہ میں آنحضرت کے پیش نظر ان فاتحین و اکابر کا عمل تھا۔ جو مفتوح بادشاہوں کی شہزادیوں کو اپنے محل میں داخل کر کے ان کے دلوں سے شکست کا داغ ہلکا کرتے اور ان کے اعزاز میں اضافہ کرتے۔

شب تزویج میں جناب ابوایوب خالد الانصاریؓ خیمہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم پر از خود

شمشیر برہنہ لیے ہوئے پاسبانی کرتے رہے۔ انہیں خطرہ تھا کہ مبادا سیدہ صفیہ کے دل میں اپنی قوم اپنے والد اور شوہر کے قتل ہونے سے کینہ ابھر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وار کر بیٹھیں۔ اس رات کی صبح ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پردہ پر دیکھ کر سبب دریافت کیا اور ایوبؓ نے عرض کیا نبوت مآب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے بی بی صفیہ کے باپ، شوہر اور برادری کو قتل کرادیا شاید ان کے دل میں کفر کے اثرات پوری طرح مندمل نہ ہوئے ہوں۔ مجھے بی بی سے آپ کے متعلق یہی خدشہ تھا۔

نواحی بادشاہوں کی طرف تبلیغی وفود کا زمانہ

یہ تنقیح ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل اور کسریٰ اور نجاشی وغیرہ غیر مسلم بادشاہوں کے لیے جو تبلیغی وفود مقرر فرمائے انہیں غزوہ خیبر سے قبل بھیجا گیا یا اس کے بعد۔ اس تعین میں بھی مورخین کا بے حد اختلاف ہے۔ ظن غالب یہ ہے کہ ان حضرات کو بیک وقت روانہ نہ کیا گیا اور یہ کہ بعض داعی فتح خیبر سے قبل اور بعض حضرات اس کے بعد بھیجے گئے۔ ازاں جملہ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ ہیں جو خیبر کی لڑائی میں شریک ہوئے اور فتح (خیبر) کے بعد مکتوب رسالت دے کر ہرقل (روم) کے ہاں بھیجے گئے۔

ہرقل روم کے دربار میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم

جس وقت ہرقل روم ایران کو شکست دے کر اس صلیب مقدس کو ان سے واپس لانے میں کامیاب ہو گیا جسے کسریٰ ایران بیت المقدس کو فتح کر کے اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ اس نے نذر مانی کہ اگر میں مقدس صلیب کو دوبارہ حاصل کر سکا تو اسے پاپیادہ اٹھا کر بیت المقدس میں نصب کروں گا۔ جب ہرقل صلیب کو لے کر حمص میں پہنچا تو یہاں اسے مکتوب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ملا لیکن اس واقعہ میں بھی دو قسم کی روایات ہیں۔

الف۔ رسالت مآب کے قاصد جناب دحیہ کلبیؓ نے اپنے رفقائے عرب کی معیت میں ہرقل

کے دربار میں تشریف لاکر اپنے ہاتھ سے مکتوب رسالت کو عنایت کیا؟

ب۔ یا اس کے عامل مقیم بصری کے توسط سے بادشاہ تک پہنچایا؟

دونوں میں کوئی صورت سہی بہرحال ہرقل نے مکتوب سر دربار پڑھوا کر اس کا ترجمہ سنا۔ جس پر نہ وہ برہم ہوا نہ اس کے بشرے سے کوئی ایسی کیفیت ظاہر ہوئی، نہ اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے لیے اپنے دماغ میں کوئی منصوبہ بنایا۔ بلکہ اس نے ایسے مودبانہ انداز سے جواب لکھوا کر حضرت دحیہؓ کے حوالے کیا کہ بعض مورخین نے غلطی سے اس طرز خطاب کو ہرقل کے مسلمان ہو جانے پر محمول کر لیا۔

(حارث غسانی عامل روم)

حارث غسانی (عامل روم) کا قاصد حمص ہی میں ہرقل کے پاس پہنچا، جس میں حارث نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی اطلاع کے ساتھ آپ کے دعویٰ رسالت کی پاداش میں بادشاہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی کرنے کی اجازت طلب کی۔ اس کی بجائے ہرقل نے حارث کو حکم دیا کہ بیت المقدس کی زیارت کے موقعہ پر وہ بھی شریک ہوتا کہ مقدس صلیب کے احترام میں اضافہ ہو سکے اور ہرقل نے دین جدید کے مدعی (جناب خاتم الرسلؐ) کے سد باب پر توجہ ضروری نہ سمجھی۔ اسے یہ خبر نہ تھی کہ چند سال بعد یہی بیت المقدس اور شہنشاہ اعظم کی مملکت (روم) پر اسلام کا پرچم لہرا رہا ہوگا اور اس کا مقبوضہ شہر دمشق حکومت اسلامیہ کا دارالخلافہ بن جائے گا۔ قیصر کو یہ علم بھی نہ ہو سکتا تھا کہ مسلمان بادشاہ اور روم کی آویزش ترک مسلمانوں کو 1353ء میں قسطنطنیہ پر مسلط کر دے گی، جہاں کے سب سے بڑے کلیسا کو مسجد کا مرتبہ نصیب ہوگا۔ جس مسجد کی محراب پر اسی نبی کا اسم گرامی منقش ہوگا، حتیٰ کہ چند صدیاں گزر جانے کے بعد یہی مسجد رومی فن نقش و نگار کا نمونہ قرار پائے گی۔

کسریٰ (شاہ ایران) کے دربار میں فرمان رسالتؐ:

جب اس بادشاہ کے سامنے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوتی فرمان پڑھا گیا تو اپنی طرف دعوت اسلام کا پیغام سن کر آگ بگولا ہو گیا۔ نامہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چاک کر کے پھینک دیا۔ کسریٰ نے اسی وقت اپنے نائب یمن باذان کی طرف حکم بھیجا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سر (مبارک) اس کے حضور پیش کیا جائے۔ غالباً اسے اپنی اس شکست کی تلافی دکھانا مقصود تھی جو اسے ابھی ابھی ہرقل روم کے مقابلہ میں اٹھانا پڑی۔ جب مسلمان قاصد نے ایران سے واپس آ کر رسالت مآبؐ کی خدمت میں کسریٰ کے یہ کرتوت بیان کئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح اللہ اس کی بادشاہت کو پارہ پارہ کر دے گا۔

ادھر عامل یمن باذان نے اپنے آقائے ولی نعمت (شدہ ایران) کی تعمیل حکم کے لیے اپنے دو آدمی مدینہ بھیج دیئے ادھر کسریٰ (ایران) کا فرزند شیرویہ اپنے باپ کو قتل کر کے خود تخت پر بیٹھ گیا۔ باذان کے سپاہی رسول اللہ کے سامنے ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کسریٰ کے قتل ہو جانے کی خبر سنائی، جس سے بذریعہ وحی آپ کو مطلع کیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باذان کے سپاہیوں سے فرمایا کہ وہ یمن واپس جا کر باذان کو اسلام کی دعوت دیں۔

نائب والی یمن کا قبول اسلام:

ہرقل روم کے مقابلہ میں ایران کی ہزیمت اور اس کے اقتدار کا زوال اہل یمن کے سامنے تھا۔ اس کے ساتھ ہی قریش کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور یہود کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کلی استیصال بھی ان پر منکشف ہو چکا تھا۔ جب اس کے سپاہیوں نے مدینہ سے لوٹ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف باذان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو اس نے اپنی سعادت کی وجہ سے اسلام قبول کر لیا اور خود کو ایران کی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یمن کا عامل تصور کر لیا۔

قارئین! آپ کے نزدیک اس کا حل کیا ہے کہ باذان سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کسی قسم کا مطالبہ (از قسم خراج، عشر و زکوٰۃ) فرما سکتے تھے۔ جب کہ یمن اور مدینہ کے درمیان ہنوز مکہ حائل

تھا؟ البتہ یہ وقفہ باذان کے لیے مغتنم تھا کہ وہ ایران کے تسلط سے اپنی گردن نکال کر عرب کی جدید سطوت کی پناہ میں آ جائے اور اس وقفہ میں نہ تو ایران کو کسی قسم کا خراج ادا کرے اور نہ اس سطوت جدید (اسلام) کے حضور۔

شاید باذان اس موقعہ پر یہ اندازہ نہ کر سکا کہ اگر وہ اسی وقت اپنا الحاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیتا تو اس الحاق سے اسلام کی قوت نفوذ کو جزیرۃ العرب میں کس قدر عروج حاصل ہو جاتا، جیسا کہ دو سال بعد باذان پر واضح ہو گیا۔

مقوقس شہنشاہ مصر کے دربار میں فرمان رسالتؐ

قبطیوں کے شہنشاہ اعظم مقوقس کے دربار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد (جناب حاطب بن ابی بلتعہؓ) پہنچے۔ بادشاہ نہایت احترام سے پیش آیا۔ بادشاہ نے فرمان رسالتؐ کے جواب میں پورا ادب ملحوظ رکھا کہ میرے علم کے مطابق بھی ایک نبی آنے والا ہے لیکن اس کا ظہور ملک شام میں ہوگا! بہرحال اس نے قاصد کو عزت و تحائف کے ساتھ رخصت کیا اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مندرجہ ذیل تحائف پیش کئے۔ دونو جوان بی بیاں [1]، سفید رنگ کا خچر (باربرداری) کے لیے ایک گدھا اور کئی ہدایا جن میں مصر کی مصنوعات بھی تھیں۔

---

[1] مولف علام نے متن (ص394، ص16) صرف جاریتین لکھا ہے جس پر فارسی مترجم صاحب زندگانی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کنیز سے نص فرما کر شاہی خاندان کی شہزادیوں کو باندی ثابت کر دیا حالانکہ مقوقس کے خط میں مرقوم ہے و بعثت الیک بجایتین لھما مکان فی القبط عظیم (زاد المعاد ابن القیم) میں آپ کے لیے دونو عمر لڑکیاں بھیجتا ہوں جن دونوں کی قبطیوں میں بے حد عظمت ہے۔ کنیز کی عظمت کا تو سوال

ہی نہیں پھر بادشاہ وقت کی قوم میں! مگر یہ کہ ناقلین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں شاہی خاندان کی شہزادی کو باندی ثابت کرنے میں اپنے سلیقہ کے اظہار میں کمی نہ رہنے دی۔ م

نجاشی (شہ حبش) کے دربار میں مکتوب رسالتؐ

مسلم ہے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو مسلمانوں کے ساتھ جس قسم کا میلان تھا اس کا یہی تقاضا تھا کہ وہ مکتوب رسالتؐ کا جواب سلیقہ سے دے گا۔ بعض روایات میں اس کے مسلمان ہو جانے کا تذکرہ بھی ہے مگر بعض مستشرقین نجاشی کے اسلام سے اس خط کی بناء پر انکار کرتے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تبلیغی مکتوب کے ماسوا نجاشی کی طرف بھیجا، جس میں حبشہ کے اندر مقیم مہاجرین کو مدینہ لوٹا دینے کا فرمان تھا اور جس خط پر بادشاہ نے انہیں حضرت جعفر بن ابو طالبؓ کی سربراہی میں دو کشتیوں میں سوار کرا دیا۔ جب بی بی ام حبیبہ مدینہ تشریف لائیں اور حرم نبویؐ کی حیثیت سے امہات المومنین کے زمرہ میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا، اس تزویج میں مستشرقین کی دو مختلف رائیں ہیں (اور دونوں غلط۔ م)

الف۔ سرغنہ قریش ابوسفیان (ام حبیبہ کے والد) سے قرابت کی وجہ سے اہل مکہ کو قرارداد حدیبیہ پر قائم رکھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عقد فرمایا۔

ب۔ ابوسفیان کے بت پرست ہونے کے غصہ میں ان کی صاحبزادی کو عقد میں لا کر ایسے شخص کو رنجیدہ کرنے کے لیے!

نوابین عرب کے دربار میں فرمان نبویؐ

1,2۔ امیر یمن و عمان دونوں نے فرمان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں بدتمیزی کا مظاہرہ کیا۔

3۔ امیر بحرین (منذر بن ساوی۔ م) مسلمان ہو گئے۔

4۔ امیر یمامہ (ہوذہ بن علی۔ م) نے اپنی بادشاہت کی شرط منوانے پر اسلام قبول کرنے کا وعدہ کیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس طمع پر اسے لعنت کی اور وہ ایک سال بعد دنیا ہی کو چھوڑ بیٹھا۔

سلاطین نے خطوط کا جواب نرمی سے کیوں دیا:

یہ بادشاہ اور نواب جن کی طرف تبلیغی خطوط بھیجے گئے ان میں سے زیادہ تعداد نے جواب میں رفق وسلیقہ کا اظہار کیوں کیا؟ اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ ان میں سے نہ تو کسی نے کسی مبلغ کو قتل کیا نہ کسی کو قید و بند میں ڈالا، الا یہ کہ دو ایک کے جوابات میں لہجہ ضرور درشت تھا (مثلاً کسریٰ ایران و حارث غسانی) رہا یہ کہ ان بادشاہوں نے دین جدید کی تبلیغ سے برفروختہ ہو کر صاحب دعوت (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف جدوجہد کیوں نہ کی؟ چاہیے تو یہ تھا کہ تمام بادشاہ متحد ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹانے کا تہیہ کر لیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ہمارے اس عہد میں مادیت کو توسع حاصل ہے اور اس کے مقابلہ میں روحانیت نقطہ لایتجزی تک سمٹ کر آ چکی ہے۔ اسی طرح اس دور میں بھی زندگی عیش و تنعم کا دوسرا نام تھا، جب کہ قوموں کی جنگ اپنی برتری قائم رکھنے کے لیے برپا ہوتی یا مادی منافع حاصل کرنا مقصود ہوتا تا کہ ہوس رانی کا دامن ہاتھ سے چھٹنے نہ پائے۔

ظاہر ہے کہ ایسے پر آشوب عہد میں جہاں عقیدہ اور ایمان دونوں روحانیت کے مقابلہ میں اس طرح نفس کی بھینٹ چڑھا دیئے جائیں کہ بظاہر دین کے شعار و اعمال پوری پابندی کے ساتھ ادا کیے جائیں مگر ان اعمال کی پشت پر یقین و اذعان کا شائبہ تک نہ ہو بلکہ مطمح نظر یہ ہو کہ ایسے لوگ جس صاحب کے اثر و نفوذ کے غلبہ میں جی رہے ہیں وہ ان کے کھانے پہننے کے ساتھ ان کے عیش و تلعب میں بھی ان کی سرپرستی فرما رہا ہے۔ ان لوگوں کی عزت و دولت مندی بھی اسی کی دست گیری کا صدقہ ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنے اشعار و اعمال سے اسی حد تک وابستگی ہو جس

کے طفیل ان کے مادی منافع بارآور رہے ہیں۔

اور جب ایسے لوگوں کو یہ منافع حاصل نہیں ہوتے تو شعار دین کی اتنی سی ادائیگی میں بھی ان پر درماندگی غالب آجاتی ہے۔ ان کی ہمت جواب دے جاتی ہے اور قوت مقاومت سلب ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایسے لوگوں نے دین جدید (اسلام) کی حکایت ایمان اور اس کے اثر و نفوذ کے واقعات سنے، جن میں انہیں معلوم ہوا کہ اس دین میں تمام انسانوں کو ایک خدا کے ساتھ مساوات کا درجہ حاصل ہے، اس کے ماننے والے تنہا ایک ہی خدا کی عبادت کرتے اور اسی سے طالب امداد ہوتے ہیں، جن کا خدا کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ نفع وضرر کا بلاشرکت غیرے وہی مالک ہے، اس کی رضا وخوشنودی کی ایک شعاع دنیا جہان کے بادشاہوں کی آتش غصب کو ٹھنڈا کر سکتی ہے، اس مالک الملک کا خوف دلوں کو ہلا دیتا ہے اگرچہ ایسے دلوں کو تمام دنیا کے بادشاہوں نے اپنی اپنی نعمتوں اور رضامندی سے مال مال کیوں نہ کر رکھا ہو۔ اور وہ شخص اس ذات مطلق سے مغفرت کا امیدوار ہے۔ جو اس کے حضور اپنی لغزشوں سے توبہ کر کے ایمان اور خالص عمل صالح کی ضمانت پیش کر سکے۔

دعوت جدید (اسلام) کے سلسلہ میں لوگوں نے یہ بھی سنا کہ صاحب دعوت کے خلاف ظلم و تعذیب برپا رہنے کے باوجود اس کا اقتدار روز بروز ترقی حاصل کر رہا ہے۔ ہر قسم کی مادی قوتیں اس کے خلاف حرکت میں رہتے ہوئے بھی وہ دشمنوں پر غالب آ رہا ہے۔ انہیں یہ اطلاعیں بھی پہنچ گئیں کہ صاحب دعوت بچپنے میں یتیم تھا اور بلوغت کے زمانہ میں بے مال وزر، مگر اس نے کبھی دوسروں کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ اس پر بھی اس کے اثر ونفوذ کا یہ عالم ہے کہ نہ صرف اس کے مولد (مکہ) بلکہ تمام عرب میں آج تک اس کے سوا کوئی بادشاہ بھی اس قدر طاقتور نہیں گزرا، جس کے سامنے سارے ملک کی گردنیں جھکی رہیں۔ دنیا اس کی آواز پر کان لگائے کھڑی رہے۔ دل اس کی محبت سے لبریز ہوں، جیسے وہ مسیحا ہے کہ اس کے بغیر زندہ رہنا ناممکن ہو جائے۔

اور یہ جو کچھ لوگ ابھی تک حقیقت سے دور تھے اگر ان کی راہ میں خوف وشبہ شامل نہ ہوتا تو وہ

بھی اسی چشمہ جاوداں سے حیات نو حاصل کرتے اور انہیں وجوہ کی بناء پر ان بادشاہوں نے ختم الرسلؐ کی دعوت کے جواب میں نرمی اور سلیقہ ظاہر کیا جس سے مسلمانوں کے ایمان وسکون میں اور اضافہ ہوا۔

مہاجرین حبشہ، دعوتی وفود کی واپسی اور عمرۃ القضا کی ادائیگی کے بعد:

ادھر رسول خداؐ خیبر سے مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ اسی وقفہ میں حضرت جعفر بن ابو طالبؓ اپنے مسلمان ہمراہی مہاجرین کے ساتھ حبشہ سے مدینہ وارد ہوئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تبلیغی وفود بادشاہوں کی طرف بھیجے تھے وہ بھی لوٹ کر آ گئے۔ برسوں کے بچھڑے ہوئے دوست گلے ملے۔ مسلمان تمادی حدیبیہ ختم ہونے کے لیے ایک ایک گھڑی شمار کرنے لگے تا کہ سال گزشتہ عمرۃ القضا ادا کرنے کا جو وعدہ زبان وحی نے فرمایا تھا (یعنی:)

لقد صدق الله رسوله الرء يا بالحق لتد خلن المسجد الحرام ان شاء الله امنين محلقين رئوسكم و مقصرين لا تخافون (27:48)

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو واقعی سچا خواب دکھایا تھا کہ ان شاء اللہ تم (مسلمان) مسجد حرام میں کسی خوف وخطر کے بغیر باطمینان (تمام) داخل ہو گے (وہاں جا کر) تم (کچھ تو) اپنا سر منڈواؤ گے (اور کچھ فقط) بال ہی کترواؤ گے۔

مسلمان اس (عمرۃ القضاء) سے بہرہ یاب ہوں اور حضرت جعفر بن ابو طالبؓ کے ورود مدینہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر مسرت حاصل ہوئی۔ فرط خوشی سے فرمایا میں نہیں بتا سکتا کہ مجھے خیبر فتح ہونے کی خوشی زیادہ ہوئی ہے یا جعفرؓ کے خیریت سے واپس آ جانے کی!

واقعہ سحر:

کہا جاتا ہے کہ یہودیوں نے اس وقفے میں لبید نامی ساحر کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم پر جادو کرا دیا جس کا اثر آپ پر یہاں تک ہوا کہ ایک کام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی کیا تھا ذرا دیر بعد خیال گزرا کہ اسے نہیں کیا۔ لیکن واقعہ سحر کی روایات میں اس قدر اضطراب ہے کہ جو لوگ نفس واقعہ کے منکر ہیں ان کی تائید سے مفر نہیں۔

اس دوران میں مسلمان مدینہ میں رہ کر سکون و طمانیت کے ساتھ فضل خداوندی اور اس کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوتے رہے اور کسی بڑی لڑائی سے انہیں سابقہ نہیں الا یہ کہ گاہ بگاہ ان گروہ بندوں کے خلاف فوجی دستے بھیجنا پڑتے جو مسلمانوں کی جان و مال پر دستبرد کی تیاری میں مستغرق ہو جاتے۔

جب صلح حدیبیہ کے ایک سال بعد (ماہ) ذیقعد لوٹ کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہ دو ہزار مسلمانوں کو لے کر عمرۃ القضا کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ حدیبیہ کی قرارداد کے مطابق زیارت و طواف سے اپنی روحوں کو متمتع کر سکیں۔

☆☆☆

باب22

عمرۃ القضا سے لے کر خالدؓ بن ولید کے اسلام لانے تک

عمرۃ القضاء

قرارداد حدیبیہ کے مطابق ایک سال گزر جانے کے بعد آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے لیے مکہ جانے کا وقت آ گیا۔ آپ نے مسلمانوں کو عمرۃ القضاء کی تیاری کا حکم دیا، جس سے مسلمانوں کو گزشتہ سال (حدیبیہ میں) روک دیا گیا تھا، یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان پر مسلمانوں نے کس خوشی سے لبیک کہا۔ ان میں مہاجرین مکہ بھی تھے جو کئی سال سے وطن کی صورت دیکھنے کے لئے ترس رہے تھے۔ مسلمانوں کے اسی اشتیاق کا نتیجہ ہے کہ سال گزشتہ زیارت کعبہ وادائے عمرہ جس کے لیے چودہ سو افراد مدینہ سے نکلے تھے آج اس کے لیے دو ہزار مسلمان پابہ رکاب ہیں۔

پابندی شرائط کے احترام کی وجہ سے کسی مسلمان نے تلوار کے سوا کوئی اور اسلحہ اپنے ساتھ نہیں لیا۔ اگرچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کی بے وفائی سے خائف بھی تھے اس لیے بربنائے احتیاط ایک سو مسلمانوں کا دستہ محمد بن مسلمہ کی سپہ سالاری میں پہلے سے روانہ کر دیا، مگر انہیں تاکید فرمائی کہ حرم مکہ میں داخل نہ ہوں بلکہ (مقام) مرالظھر ان (متصل حرم) میں پڑاؤ کر لیں۔

مدینہ سے روانگی کا نظارہ:

مدینہ سے روانگی کے وقت مسلمانوں کے ہمراہ ساٹھ ہدی (قربانی کے جانور) تھیں۔ سید المرسلینصلی اللہ علیہ وسلم اپنے ناقہ قصواء پر سوار آگے آگے تھے۔ زائرین کے دل میں مکہ معظّمہ کی

زیارت اور بیت اللہ کا طواف کرنے کی مسرت جوش مار رہی تھی۔ مہاجرین اور بھی بے تاب کہ جس بستی میں انہوں نے آنکھیں کھولیں اسے دیکھنا بھی نصیب ہو گا! جس شہر کی دیواروں کے سائے میں جوان ہوئے، ان سے مس کرتے ہوئے شہر کی گلیوں میں گشت کریں گے! جن دوستوں کے ساتھ زندگی کا طویل عرصہ گزارا انہیں دیکھ کر آنکھوں کو تراوٹ نصیب ہو گی! وطن کی خوشگوار ہوا سے مشام جاں معطر ہو گا! اور اس مبارک بستی کی خاک سرمہ چشم بنے گی، جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور جس سرزمین میں خدا کی پہلی وحی کا نزول ہوا۔

دو ہزار مسلمانوں کی فوج اسی جوش وخروش کے ساتھ گامزن تھی۔ ان کے دل فرط خوشی سے بلیوں اچھل رہے تھے۔ تصورات میں یہ نقشے تھے کہ جونہی اپنی سواریوں سے اتر کر شہر میں داخل ہوں گے (دوستوں سے مل کر) زندگی کے اس دور کی یاد تازہ کریں گے جس کی آخری گھڑیوں میں قضا اور قدر نے انہیں گھر سے بے گھر کر کے نکال دیا تھا، ان احباب کا تذکرہ ہو گا جنہیں مکہ سے جلا وطن ہوتے وقت زندہ چھوڑ گئے تھے اور اس کے بعد وہ آسودۂ لحد ہو گئے! عزیزوں کے ساتھ بیٹھ کر اپنے مال واسباب کی لوٹ اور غارت کی داستان بھی دریافت کی جائے گی جس سے خدا کی راہ میں ہجرت کے موقعہ پر ہاتھ دھو کر روانہ ہو گئے تھے۔

اور یہ تصور بھی ان کے دماغ میں کروٹیں لے رہا تھا کہ جس ایمان نے ان کی زندگی میں یہ انقلاب پیدا کر دیا ہے، وہ انہیں کس انداز سے خدا کے گھر کی طرف لے آیا ہے۔ جو گھر بنی نوع آدم کے لیے امن وسلامتی کا ضامن ہے۔ بفحوائے:

واذ جعلنا البيت مثابة للناس و آمنا (125:2)

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) بنی اسرائیل کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا مرجع اور امن کی جگہ ٹھہرا دیا۔)

ابھی تک وہ منظر بھی ان کی نظر سے اوجھل نہ ہوا تھا، جب انہیں اس مقدس فرض کے ادا کرنے سے سالہا سال سے رد کر دیا گیا۔ آج وہ کس قدر خوش تھے کہ ذرا دیر بعد اس متبرک سر

زمین میں امن وسلامتی کے ساتھ داخل ہوں گے!

ان شاء الله امنين محلقين رء وسكم و مقصرين لا تخافون (27:48)

ان شاء اللہ تم مسلمان مسجد حرام میں کسی خوف وخطر کے بغیر باطمینان تمام داخل ہو گے (وہاں جا کر) (کچھ تو) اپنا سر منڈ واؤ گے اور (کچھ فقط) بال ہی کتر واؤ گے۔

مکہ سے قریش کی روپوشی:

مسلمان شہر میں داخل ہوئے تو اس سے پہلے قریش مکہ سے روپوش ہو گئے۔ کسی نے (قریبی) پہاڑوں میں خیمے نصب کر لیے، کوئی درختوں کی آڑ میں جا چھپنا۔ بعض کوہ ابوقبیس پر چڑھ گئے، کسی نے حرا میں پڑاؤ ڈال لیا۔ الغرض سب مرد وزن ندامت سے منہ چھپانے کے لیے گردونواح کی پہاڑیوں میں دبک گئے۔

روپوشی کے ساتھ قریش کا ہر فرد مسلمانوں کی طرف تاک لگائے دیکھ رہا تھا کہ جن لوگوں کو دھتکار کر مکہ سے نکال دیا تھا، آج وہ اس شان وشوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہو رہے ہیں۔

مکہ میں مسلمانوں کا داخلہ:

جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کی مشایعت میں مکہ کی شمالی سمت میں شہر میں داخل ہوئے۔ آپ کے ناقہ (قصواء) کی مہار حضرت عبداللہ بن رواحہ ہاتھ میں لیے ہوئے آگے چل رہے تھے۔ پیدل اور سوار دونوں قسم کے رفقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں بائیں اور پشت کی جانب سے حلقہ میں لیے ہوئے۔ کعبہ نظر آیا اور تمام مسلمانوں نے بیک زبان لبیک لبیک پکارا۔ ان کے دل اور روح دونوں خدائے ذوالجلال کی طرف راغب اور فرط عقیدت وجذبہ محبت سے خدا کے اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد حلقہ بنے ہوئے جسے خدا نے ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے۔ تاریخ عالم میں اس منظر کی مثال تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکتی۔ اس نظارہ نے ان سنگ دل مشرکوں کے دل بھی اپنی طرف کھینچ لیے،

جن کا رواں رواں بتوں کی بندگی کے لیے وقف تھا۔ ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں! لبیک! لبیک! (حاضر! حاضر!) کی گونج کانوں کے پردوں سے چھن کر دلوں میں اتر گئی اور استعجاب و حیرت میں ڈوب گئے۔

بیت اللہ میں تشریف آوری:

قصواء بیت اللہ کے دروازہ پر آ پہنچی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوکھٹ پر تشریف لائے تو ردائے احرام کا ایک پلہ دائیں بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر رکھ لیا اور یہ دعا پڑھی:

اللهم ارحم امرأً اراهم اليوم من نفسه قوة!

یا اللہ! اس شخص پر رحم فرمائیو جو دشمن کے سامنے وقار سے آئے۔

عمرہ کے اعمال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکن یمانی سے مس فرمانے کے بعد حجر اسود کو بوسہ دیا، پھر کعبہ کے سات طواف کیے، جن میں پہلے تین طواف میں تیز رفتار اور مابقی چار طواف معمولی رفتار کے ساتھ۔ ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ہزار رفقا اسی طرح قدم بہ قدم ادائے اعمال میں مصروف تھے۔ قریش کوہ ابوقبیس پر کھڑے ہوئے جھانک رہے تھے اور اس منظر پر حیران۔ ذرا دیر پہلے انہوں نے آپس میں یہ گفتگو کی تھی کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب تھکے ماندے سے ہیں! لیکن جب طواف میں ان کی پھرتی (تیز رفتاری) دیکھی تو ان کے دل سے پہلا خیال دور ہو گیا۔

عمرہ کے موقعہ پر رزمیہ اشعار پر تادیب:

مکہ میں داخل ہونے کے موقعہ پر ناقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساربان حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے رزمیہ اشعار پڑھنا شروع کر دیئے۔ (جس سے) پہلے حضرت عمرؓ نے انہیں روکا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا:

مھلا یا بن رواحة و قل لا الٰہ الا اللہ وحدہ نصر عبدہ واعز جندہ وخذل الاحزاب وحدہ.

اے ابن رواحہؓ! ان شعروں کے بجائے یہ کہو ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے اپنے بندے (رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم) کی نصرت فرمائی۔ اس کے لشکر کو عزت بخشی اور غزوۂ خندق میں عرب فوجوں کو شرمسار کر کے ناکام واپس فرمایا۔

سیدنا ابن رواحہؓ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی یہ کلمات دہرائے۔ ان کی آواز سے دشت و جبل گونج اٹھے اور پہاڑ میں دبکے ہوئے مشرکوں کے دل ہیبت سے کانپ اٹھے۔

تکمیل عمرہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء طواف کعبہ سے فارغ ہو کر کوہ صفا پر تشریف لائے۔ صفا و مروہ کے درمیان بحسب دستور سات مرتبہ گردش (سعی) فرمائی۔ مروہ کے قریب قربانی ذبح کر کے سر کے بال منڈوائے اور عمرہ سے فراغ حاصل ہوا۔

سقف کعبہ پر اذان:

دوسرے روز بیت اللہ میں تشریف لائے۔ کعبہ میں بدستور بت موجود تھے۔ بایں ہمہ حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان کہی اور رسول اللہ نے اپنے دو ہزار صحابہ سمیت ظہر کی نماز ادا کی۔ یہی کعبہ ہے جس میں انہیں سات برس تک عبادت کرنے سے روک دیا گیا تھا۔

قرارداد حدیبیہ کے مطابق تین روز تک مکہ میں قیام فرمایا۔ قریش روپوش ہو کر پہاڑوں میں دبکے ہوئے تھے۔ مسلمان شہر کے ہر گلی کوچے میں چلتے پھرتے اور کوئی شخص ان سے معترض نہ ہوتا۔ مہاجرین اپنے چھوڑے ہوئے گھروں کو دیکھنے کے لیے انصار کو بھی اپنے ہمراہ لے جاتے، جو ان کے ساتھ اسی طرح شہر میں گھومتے، جیسے وہ بھی مکہ ہی کے رہنے والے ہیں۔

مسلمانوں میں سے ہر ایک کا چلن اسلامی سیرت کا نمونہ تھا۔ نمازیں ادا کر رہے ہیں، جن سے نفس کا غرور دب رہا ہے۔ ان میں سے تنومند اپنے ضعیف بھائی کو سہارا دے رہا ہے۔ تونگر محتاج کی مدد کر رہا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم شفیق باپ کی مانند ان کے درمیان آ جا رہے ہیں، کسی سے مسکرا کر بات ہو رہی ہے، کسی کے ساتھ مزاح فرمایا جا رہا ہے اور مذاق بھی حقیقت کے خلاف نہیں۔ قریش اپنے دوسرے مکی یاران طریقت کے ساتھ پہاڑوں کی چوٹیوں سے جھانک جھانک کر دیکھ رہے ہیں۔ تاریخ عالم کا یہ حیرت ناک منظر! اہل مکہ مسلمانوں کے طور طریقے دیکھ رہے ہیں کہ نہ شراب پی رہے ہیں، نہ برائی کا ارتکاب کر رہے ہیں، نہ خورونوش کی کوئی شے انہیں فریب میں ڈال رہی ہے۔ کوئی فتنہ ان پر قابو نہیں پا سکتا۔ وہ خدا کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ فرمان الٰہی کی تعمیل ان کا شعار و دثار ہے جن مناظر میں مخالفین کی جذب و کشش کا یہ سامان ہو، ایسے منظر تکمیل انسانیت کا حسین مرقع ہونے کی وجہ سے دیکھنے والوں کے دل میں واقعی کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتے۔

سیدہ میمونہ کے لیے شرف تزویج:

سیدہ میمونہ نے مسلمانوں کے اسی حسن کردار سے متاثر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کا تہیہ کر لیا۔ یہ بی بی سیدہ ام الفضل زوجہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب کی ہمشیرہ اور خالد بن ولید کی خالہ تھیں۔ ام الفضل نے وکالت حضرت عباسؓ ہی کے سپرد کی جسے رسول اللہؐ نے قبول فرما کر بعوض چار سو درہم (مساوی یک صد روپیہ سکہ حالیہ پاکستان۔ م) بہ مد حق مہر عقد فرما لیا۔

آج قرارداد حدیبیہ کے مطابق مکہ میں قیام کے تین روز ختم ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو اپنے قریب لانے کے لیے دعوت (طعام) کرنا چاہی۔ جب قریش کے وکیل سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزی یہ پیغام لے کر آئے کہ آپ کی میعاد ختم ہو چکی ہے، اب شہر خالی کر دیجئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

میں آپ لوگوں کی شمولیت کی امید پر دعوت ولیمہ کرنا چاہتا ہوں۔

سہیل: ہمارے شہر سے نکل جایئے ہمیں آپ کی دعوت منظور نہیں۔

ادائے عمرہ کے دوران میں مسلمانوں کے اعمال و کردار نے اہل مکہ پر جو اثر پیدا کیا تھا اور جس سے ان کا غصہ ایک حد تک ٹھنڈا پڑ گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے ساتھ دعوت میں شریک فرما کر اس میں اور اضافہ کرنا چاہتے تھے۔

قضائے عمرہ کے بعد مکہ سے مراجعت:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے احترام معاہدہ کی غرض سے وکلائے قریش کے اس مطالبہ پر کوئی اعتراض نہ فرمایا۔ مسلمانوں کو مراجعت کا حکم دیا اور جس انداز سے مکہ میں داخل ہوئے تھے اسی شان سے رخصت ہوئے۔ آگے آگے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قصواء (ناقہ) پر سوار ہیں۔ مشایعت میں دو ہزار مسلمانوں کا جم غفیر ہے۔ (اپنے غلام) ابو رافع سے فرمایا کہ ام المومنین میمونہؓ کو ہمراہ لائیں۔ پہلی شب (مقام) سرف میں گزاری۔ یہ مقام مکہ معظّمہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے اور ازدواج مطہرات میں سیدہ میمونہؓ آخری حرم ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے پچاس سال بعد تک زندہ رہیں اور وفات سے قبل سرف (مقام مذکور) ہی میں اپنی تدفین کی وصیت فرمائی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مراجعت پر ام المومنین کی دو بہنوں کو بھی اپنے ہمراہ مدینہ لائے۔ ایک کا نام سلمٰی ہے۔ (سید الشہداء) حمزہ کی بیوہ اور دوسری عمارہ (جو ابھی ناکتخدا تھیں۔)

ورود مدینہ:

مسلمان (مکہ سے) واپس لوٹ کر مدینہ میں آ پہنچے اور امن و سلامتی کے ساتھ رہنے لگے۔ رسول اللہ کو ان محرکات کی تاثیر میں کوئی شک نہ تھا جو عمرۃ القضاء نے قریش اور اہل مکہ کے دلوں میں پیدا کیے، نہ اس میں شبہ کہ ذرا ہی دیر بعد اس کے نتائج برآمد ہونے کو ہیں۔

خالد بن ولیدؓ کا حلقہ بگوش اسلام ہونا:

اور عمرۃ القضاء کے تاثرات کا نتیجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے مراجعت فرما ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔ قریش کے جانباز خالد بن ولید جنہوں نے غزوۂ احد میں لڑائی کا نقشہ بدل دیا تھا آج انہوں نے قریش کے مجمع میں اعلان فرما دیا:

لقد استبان لكل ذی عقل ان محمداً ليس بساحر ولا شاعر وان كلامه كلام رب العلمين فحق على كل ذی لب ان يتبعه.

عقل مندوں پر واضح ہو چکا ہے کہ جناب محمد نہ شاعر ہیں نہ جادوگر ہیں۔ ان کا کلام رب العالمین ہی کی وحی ہے اور آپ کی اطاعت ہر شخص پر واجب ہے۔

اس مجمع میں عکرمہ (فرزند ابوجہل) بھی موجود تھے۔ انہوں نے خالد کی تردید میں کہا: تم نے ستارہ پرستوں کا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ اور دونوں کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی:

خالد: بلکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔

عکرمہ: بخدا! قریش کو یہ توقع نہیں کہ تم اسلام اختیار کر لو گے۔

خالد: آخر قریش کو میرے مسلمان ہو جانے کی توقع میں کیا مانع ہے؟

عکرمہ: (جناب محمد نے تمہارے والد (ولید) کو قتل کرایا، تمہارے چچا اور عم زاد برادر (انہی) مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ بخدا! اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو نہ اسلام قبول کرتا نہ ایسی گفتگو۔

خالد: یہ جاہلیت کی پرستاری ہے۔ مجھ پر حقیقت منکشف ہو چکی ہے اور میں مسلمان ہو گیا ہوں۔

اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنے اسلام کی اطلاع اور تحفہ میں کئی گھوڑے مکہ سے روانہ کیے۔

حضرت خالدؓ اور ابوسفیان کا مکالمہ:

ابوسفیان نے جناب خالدؓ کے اسلام کی خبر سنی تو انہیں اپنے ہاں بلا کر دریافت کیا:

ابوسفیان:

(غضب ناک ہوکر) لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ صحیح ہے تو میں (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تجھ سے فیصلے کروں گا۔

خالد: کسی کو بھلی لگے یا بری معلوم ہو، یہ خبر بالکل صحیح ہے کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔

ابوسفیان اپنے ساتھیوں کو لے کر خالدؓ پر پل پڑا۔ اتفاق سے عکرمہ بن ابوجہل بھی موجود تھے۔ انہوں نے ابوسفیان کا دامن کھینچتے ہوئے کہا: اے ابوسفیان! بخدا! جس خطرہ سے تم ڈر رہے ہو، اس سے میں بھی خائف ہوں۔ ورنہ خالد ہی کی مانند میں بھی کہتا اور اس کا دین قبول کر لیتا۔ اے ابوسفیان! مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایک سال کے اندر اندر تمام مکہ والے یہی دین قبول نہ کر لیں۔

عمرو بن العاص اور کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ کا قبول اسلام:

حضرت خالدؓ کے بعد عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ بھی اسلام لے آئے۔ عثمان کعبہ کے کلید بردار تھے۔ ان دونوں حضرات کے سوا اہل مکہ میں بہت سے اور خوش نصیب حلقہ اسلام میں داخل ہوئے، جس سے اسلام کی شوکت میں اضافہ ہوگیا اور شہر (مکہ) نے خاتم الرسلؐ کے فاتحہ داخلہ کے لیے اپنے دروازے کھول دیئے، جس میں کوئی امر مانع نہ تھا۔

☆☆☆

باب 23

غزوۂ موتہ وغزوہ سلاسل اور دیگر غزوات اور سرایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ فتح کرنے کی عجلت بھی نہ تھی۔ آپ پر واضح ہو چکا تھا کہ اس معاملہ میں خود زمانہ آپ کی مساعدت کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں صلح حدیبیہ کو پورا ایک سال منقضیٰ ہو جانے کے باوجود نہ تو مسلمانوں کی طرف سے کوئی ناگوار حادثہ وقوع میں آیا، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز سے یہ مترشح ہو سکا، اور کیسے ہو سکتا تھا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات سے اس قدر پابند وفا تھے کہ قول یا عمل دونوں میں کسی ایک سے بھی وعدہ کے خلاف عمل نہ فرماتے۔

عمرۃ القضاء سے واپسی پر کئی مہینے گزر گئے۔ اس دوران میں مندرجہ ذیل مناقشات رونما ہوئے:

1۔ سریہ بنو سلیم: رسول اللہ نے پچاس مسلمانوں کا ایک وفد قبیلہ بنو سلیم کی طرف تبلیغ کے لیے بھیجا اور اہل قبیلہ نے دھوکہ سے مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ حسن اتفاق سے صرف ایک صاحب زندہ بچ کر آئے اور انہوں نے روئداد پیش کی۔

2۔ سریہ بنو اللیث: مسلمان فتح یاب ہو کر کچھ غنیمت بھی ہمراہ لائے۔

3۔ سریہ بنو مرہ: اس قبیلہ کی بدعہدی کی وجہ سے۔

4۔ سریہ ذات طلحہ: اس قبیلہ کی طرف تبلیغ کے لیے پندرہ مسلمان بھیجے گئے۔ اہل قبیلہ نے رئیس وفد کے سوا مسلمانوں کو شہید کر دیا (یہ مقام ملک شام کی حدود میں واقع ہے۔)

ملک شام کی طرف تبلیغ پر توجہ گرامی:

صلح حدیبیہ کی بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے جنوبی سمت یعنی قریش مکہ کے افراد سے مطمئن ہو گئے۔ ادھر باذن عامل یمن کے اسلام قبول کر لینے سے جنوب کی طرف سے خطرات اور بھی کم ہو گئے۔ اب توجہ گرامی (مدینہ سے) شمال (صوبہ شام) میں اسلام پھیلانے پر مرکوز تھی۔

غزوۂ موتہ اور اس کے اسباب:

عمرۃ القضاء سے واپسی کے بعد مدینہ میں چند ماہ قیام کے دوران میں دو حادثے پیش آئے:

الف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موضع ذات طلح میں جن پندرہ مسلمانوں کو تبلیغ کے لیے بھیجا، ان میں سے ایک کے سوا تمام حضرات کو شہید کر دیا گیا (ان کا نام کعب بن عمیر ہے)

ب۔ اسی وقفہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم ہرقل (یا اس کے عامل) شرجیل بن عمرو غسانی کی طرف (بصری) میں جناب حارث بن عمیر ازدی کو دعوت اسلام کے لیے بھیجا جنہیں عامل نے نہایت بے رحمی سے قتل کرا دیا (ان کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور سفیر کو قتل نہیں کیا گیا۔ زاد المعاد: م)

ظاہر ہے کہ نہ تو عامل بصری سے قصاص سے طلب کیے بغیر مفر تھا نہ ذات طلح کے مشرکوں سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار مسلمانوں کا لشکر اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کے لیے متعین فرمایا۔ یہ معرکہ شام کے موضع موتہ (نہایہ ابن اثیر۔ م) میں پیش آیا جہاں مقابلہ میں لشکر کفار ایک لاکھ (بروایت دیگر دو لاکھ) کی تعداد میں تھا۔

عجیب معاملہ ہے کہ جس طرح حدیبیہ کی قرارداد مفاہمت عمرۃ القضاء کے وسیلہ سے فتح مکہ کا مقدر ثابت ہوئی۔ اسی طرح موتہ کی (یہ) لڑائی غزوۂ تبوک (در حیات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقدمہ ثابت ہونے کی وجہ سے پورے ملک شام کے فتح (بعہد عمر بن الخطابؓ) پر منتج ہوئی۔

بہر حال اس غزوہ (موتہ) کی علت عامل بصری (شرجیل) کے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے مبلغ (حارث بن عمیرؓ) کا قتل ہوا یا ذات طلح میں کافروں کے ہاتھ سے چودہ مبلغین اسلام کی شہادت، دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں اسباب سہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار منتخب روزگار مسلمانوں کا لشکر مرتب فرمایا۔ جسے ماہ جمادی الاول 8ھ (629ع) میں حضرت زید بن حارثہؓ کی سپردگی میں دے کر فرمایا۔ کہ اگر زیدؓ کام آ جائیں تو سپہ سالاری جعفری (طیار) بن ابو طالبؓ کے سپرد ہو۔ یہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ افسر اعلیٰ مقرر ہوں۔ خالد بن ولیدؓ بھی اسی فوج میں تھے اور اپنے حسن اسلام کو حسن کردار سے ثابت کرنے کے لیے موقعہ کے منتظر۔

لشکریوں کو ہدایات:

رسول اللہ امرائے جیش اور لشکر دونوں کو ہدایات فرماتے ہوئے شہر سے باہر (ثنیۃ الوداع: باضافہ۔ م) تک تشریف لے آئے۔ یہاں پہنچ کر تمام لشکریوں کو متنبہ فرمایا کہ عورتوں، نابالغ و کم سن بچوں اور اندھوں کو قتل نہ کیا جائے، نہ کوئی مکان منہدم ہونے پائے اور نہ درخت کاٹے جائیں۔ 1؎ روانگی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے مل کر دعا کی۔ آخر میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کے ساتھ الوداع فرمایا:

صبحکم اللہ ودفع عنکم وردکم الینا المسلمین

اللہ تمہاری مدد کرے! تم سے ضرر دور رکھے اور صحیح وسالم واپس لائے!

لشکریوں نے اہل شام پر اچانک حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تھا، تاکہ فتح اور غنیمت دونوں حاصل ہوں۔

مسلمان مقام معان (شام) پر پہنچے تو غیر متوقع طور پر شرجیل (عامل بصری) کے لشکر جرار کے ساتھ آنے کی خبر سنی۔ اسے بھی مسلمانوں کے آنے کی خبر مل چکی تھی۔ یہ فوج شرجیل نے اپنے نواحی قبائل سے جمع کی تھی۔ ادھر سے ہرقل نے یونانی اور عرب فوجیں ریل دیں۔

1۔ قال رسول الله صلعم: اغزوا بسم الله فی سبیل الله لاتـغزوا ولا تغلوا ولا تقتلو ولیدا ولا امراۃ ولا کبیرا فانیا ولا مـنعزلا بصومعة ولا تقربو اتخلا ولا شجرة ولا تهذا موابناء :

متن

بعض روایات کے مطابق خود ہرقل کا آنا ثابت ہے اور اس کے ہمراہ ایک لاکھ رومی سپاہ کے علاوہ بنی لخم و بنی جذام والقین و بہراو بلی قبیلوں کے ایک لاکھ سپاہی تھے اور ہرقل نے (علاقہ) بلقا کے مقام مآب میں ڈیرے ڈال دیئے۔ ایک اور روایت کے مطابق (ہرقل کی بجائے) اس کے بھائی تیودور نے یہ لشکر جمع کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی تقریر:

بہرحال جب مسلمانوں نے معان میں پہنچ کر دشمن کا ٹڈی دل دیکھا تو دو روز تک گومگو میں پڑے رہے کہ اتنے بڑے لشکر سے کس طرح عہدہ برآ ہوا جائے۔ ایک مسلمان نے یہ تجویز پیش کی کہ صورت حال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا جائے تاکہ کمک کے طور پر کچھ اور فوج بھجوائیں ورنہ جو حکم ہو تعمیل کی جائے۔ فوج اس تجویز پر کاربند ہونے کو تیار تھی کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ جو دلاوری میں یکتا اور فصاحت میں فرد روزگار تھے بول اٹھے: صاحبو! عجیب بات ہے کہ شہادت کے لیے آپ لوگ یہاں تشریف لائے اور اسی سے دور بھاگ رہے ہیں۔ دوستو! ہماری جمعیت تعداد و قوت پر منحصر نہیں بلکہ اس دین پر موقوف ہے، جس دین سے اللہ نے ہمیں دنیا میں ممتاز فرمایا ہے۔ اٹھو اور دشمن پر یلغار کردو! فتح نہ ہوگی تو شہادت ہی کیا کم نعمت ہے۔!

مقاتلہ:

بلند ہمت شاعر کی تقریر نے تمام لشکر میں روح پھونک دی۔ سننے والے بیک زبان پکار اٹھے

بخدا! ابن رواحہ نے بہت صحیح فرمایا ہے! مسلمان آگے بڑھے بلقا کی سرحد پر پہنچے تو دیکھا کہ قریہ مشارف کی وادی میں ہرقل کی رومی اور عربی فوجیں ڈیرے ڈالے پڑی ہیں۔ مسلمان موضع موتہ کی وادی کو مشارف سے محفوظ سمجھ کر ادھر ہٹ آئے اور معرکہ شروع ہو گیا۔ تین ہزار کا ایک یا دو لاکھ سے مقابلہ! جنگ کے شعلے پوری قوت کے ساتھ بھڑک اٹھے۔ مگر ایمان کی قوت اور دبدبہ ملاحظہ ہو۔ کہ حضرت زید بن حارثہؓ (سپہ سالار) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض کردہ علم لیے ہوئے دشمن کی صفوں میں پیرنے لگے۔ انہیں یقین تھا کہ موت سے مفر نہیں، لیکن وہ اس موت کو شہادت فی سبیل اللہ سمجھتے اور مومن کی نظر میں موت کا درجہ فتح و کامرانی سے کم نہیں۔ حضرت زیدؓ اسی طرح موت سے کھیلتے ہوئے دشمن کے تیروں کی آماج گاہ بن گئے اور راہ خدا میں شہادت سے فائز ہوئے۔

جعفر طیارؓ کی شجاعت:

یہ دیکھ کر جعفر بن ابو طالبؓ آگے بڑھے۔ علم اٹھا لیا۔ آج ان کا سن تینتیس سال کا تھا۔ قوی ہیکل نوجوان جس کا شباب اور ہیبت دونوں ایک سے ایک زیادہ! غنیم کی فوجوں میں دراتے ہوئے چلے گئے۔ کچھ دیر بعد دشمنوں نے نرغے میں لے لیا۔ حضرت جعفر یہ دیکھ کر اپنے گھوڑے سے اتر پڑے۔ پہلے اس کی کونچیں کاٹیں، پھر تلوار سونت کر چومکھی لڑائی شروع کر دی۔ دشمنوں کے سر گاجر مولی کی طرح اڑانے لگے۔ علم ان کے دائیں ہاتھ میں تھا، جسے دشمنوں نے قلم کر دیا۔ جعفرؓ نے اسے بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ کافروں نے یہ ہاتھ بھی کاٹ کر علیحدہ کر دیا۔ تب انہوں نے علم اپنے بازوؤں میں دبا کر سینے سے چمٹا لیا لیکن تابہ کے! حضرت جعفرؓ شہید ہو گئے اور دشمن نے ان کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت:

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے آگے بڑھ کر علم تھام لیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ دشمن کی

صفوں کی طرف بڑھے۔ گھوڑے سے اترتے اترتے کسی گہری سوچ میں پڑ گئے، مگر ذرا دیر بعد سنبھلے تو یہ شعر پڑھتے ہوئے مقابلہ پر ڈٹ گئے:

اقسمت یا نفس لتنزلنہ
لتنزلن او لتکرھنہ
ان اجلب الناس و شد والرنہ
مالی اراک تکرھین الجنہ [1]

اور شہید ہو گئے۔

خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں شہید ہونا:

تینوں سپہ سالار زیدؓ، جعفرؓ اور ابن رواحہؓ ایک ہی وقفہ میں یکے بعد دیگرے راہ خدا میں شہید ہو گئے۔ اس واقعہ کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو جعفرؓ اور زیدؓ کی وفات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا مجھے رویا میں تینوں حضرات کے سونے کے تختوں پر استراحت فرماتے ہوئے دکھایا گیا ہے، البتہ ابن رواحہؓ کا تخت ایک طرف ذرا سا جھکا ہوا سا دیکھا گیا! عرض ہوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیوں؟ فرمایا زیدؓ اور جعفرؓ تردد جنگ میں کود پڑے اور عبداللہ بن رواحہؓ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد آگے قدم بڑھایا۔

قارئین اس درس عبرت اور موعظہ حسنہ پر غور فرمائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ تھا کہ مومن کے لیے خدا کی راہ میں موت سے ڈرنا جائز نہیں۔ اس کا فرض یہ ہے کہ جس بات پر اسے یقین ہو اور اس میں خدا کی رضا یا اس کے اپنے وطن کی بھلائی ہو تو ادنیٰ تامل کے بغیر جان ہتھیلی پر رکھ لے اور جو شخص اس کی راہ میں حائل ہو اسے دور کرنے کی کوشش کرے۔ کامیابی کی صورت میں اس نے خدا یا وطن کا حق ادا کر دیا اور شہید ہو جانے پر اس کی یاد ان لوگوں کی مانند ہے جو اس کی وفات کے بعد دنیا میں زندہ ہیں۔ ایسے اشخاص کی شہادت کے بعد ان کا یاد کا زندہ رہنا ان کی عظمت کی دلیل ہے۔

خدا کی راہ یا وطن کی بھلائی کے لیے جان دینے کے مقابلہ میں زندہ رہنے کی کوئی قیمت نہیں اور انسانیت کی سب سے زیادہ مذمت ہر قیمت پر زندہ رہنے کے جتن کی وجہ سے ہے۔ ایسی زندگی موت سے بدتر اور ایسے شخص کی موت کے بعد اس کے ذکر خیر کے کوئی معنی نہیں۔

> 1۔ میں بہ قسم کہتا ہوں اے نفس تو پسند کرے یا ناپسند کرے تجھے میدان میں اترنا ہی پڑے گا۔ کیسے ہوسکتا ہے کہ دوست جوش وخروش سے آگے بڑھیں اور تو جنت میں جانے سے پہلو تہی کرے!

اسی طرح جو شخص کسی ادنیٰ غرض کے لیے اپنی جان کو خطرہ میں مبتلا کر دے، وہ اپنی جان ناحق کھو بیٹھتا ہے، لیکن جب داعی برحق باطل کو مٹانے کی غرض سے پکارے اور سننے والے اپنی جان بچانے کے لیے منہ چھپاتے پھریں، تو ایسے لوگوں کی زندگی موت سے زیادہ ننگ و عار کا موجب ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کی طرف دیکھیے۔ ایک لمحہ تامل کیا اور ان کے مقابلہ میں جناب زیدؓ وحضرت جعفرؓ ہیں، جنہوں نے تردد کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیا۔ درجہ شہادت جناب ابن رواحہؓ کو بھی نصیب ہوا اور حضرت زیدؓ و جعفرؓ کو بھی۔ لیکن ابن رواحہؓ کے لمحہ بھر تامل اور زیدؓ و جعفرؓ کے بلا تردد پیش قدمی کرنے سے درجات میں کس قدر تفاوت پیدا ہو گیا۔

ان کے مقابلہ میں ان لوگوں کو کیا کہیے جو جاہ و مال اور زندگی کے دوسرے مقاصد کے طمع میں ہمیشہ پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں۔ ایسے لوگ ناچیز و حقیر کیڑے ہیں، اگرچہ عوام میں ان کی کتنی ہی عزت کیوں نہ ہو اور مال و دولت میں قارون کی برابری کیوں نہ حاصل ہو جائے۔ انسان کے لیے اس سے زیادہ مسرت اور عزت اس میں ہے کہ جس امر کو وہ حق سمجھتا ہو اس کے برقرار رکھنے کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرے حتیٰ کہ جان نثار کرنے میں بھی اسے تامل نہ ہو یا اپنے مقصد ہی میں کامیاب ہو جائے۔

خالد بن ولید کی سپہ سالاری:

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے شہید ہو جانے پر قبیلہ بنو عجلان کے نامور جناب زید بن ثابتؓ نے علم اور زبان سے فرمایا اے مسلمانو! کس شخص کو اس منصب کے لیے منتخب کرتے ہو؟ سامعین نے کہا آپ ہی مناسب ہیں! زیدؓ کے انکار پر مسلمانوں نے (سیف اللہ) خالدؓ بن ولید کو تجویز کیا۔ خالدؓ سے مسلمانوں کی قلت تعداد اور ضعف قوت پوشیدہ نہ تھی۔ لیکن خالدؓ فوج کو لڑانے کے ماہر اور رزم گاہ کے نشیب و فراز کے سمجھنے میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ از سر نو فوج کو مرتب کیا۔ غروب آفتاب تک انہیں دشمن سے لڑاتے رہے مگر معمولی جھڑپیں، اور رات سر پر آ گئی۔

شب کے وقت حضرت خالدؓ نے جنگی چال چلی۔ فوج کی بھاری تعداد کو رزم گاہ سے دور چھپا دیا۔ یہ دستہ صبح ہوتے ہی نعرے لگاتا ہوا میدان جنگ میں آ کر مسلمانوں سے مل گیا۔ دشمن کے تصور میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تازہ کمک تھی۔ ان کے دل دہل گئے کہ مسلمانوں کی تین ہزار فوج نے کل کس طرح ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کے کتنے آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے۔ اب تو انہیں اور کمک پہنچ گئی ہے! کہیں انہیں شکست سے دوچار نہ ہونا پڑے! مگر اصلی راز کافروں میں سے کسی کو معلوم نہ ہوگا۔

جنگ کا خاتمہ:

روسی فوجیں خالد بن ولیدؓ کے داؤ پیچ سے گھبرا اٹھیں۔ انہیں حملہ کرنے کی جرأت نہ رہی۔ وہ جہاں کھڑے تھے جھجکے سے وہیں کھڑے رہے۔ مسلمانوں نے دیکھا دشمن آگے نہیں بڑھتا اور انہوں نے وقار و تحمل کے ساتھ مدینہ کی طرف اپنا رخ پھیر دیا۔ بیشک مسلمانوں کو فتح حاصل نہ ہوئی مگر دشمن بھی کامیاب ہو کر نہ لوٹا۔

رزم گاہ موتہ کے غازی مدینہ میں:

حضرت خالدؓ فوج کے ہمراہ مدینہ پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے ملاقات ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید معرکہ حضرت جعفرؓ کے (کم سن) صاحبزادے عبداللہ کو

ان کے گھر سے بلا کر گود میں اٹھا لیا۔ ادھر بعض جوشیلے مسلمانوں نے لشکریوں کے منہ پر دھول پھینک کر کہا اے مفرورین (فرارین)! تم جہاد فی سبیل اللہ سے بھاگ آئے! رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا یہ فرار نہیں بلکہ کرار ہیں ان شاء اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اظہار اطمینان کے باوجود واپس آنے والے مسلمانوں کے متعلق مسلمان یہی سمجھتے رہے کہ وہ بہت بڑے قصوروار ہیں۔ یہاں تک کہ (جناب) سلمہ ابن ہشامؓ نے اسی طعن (**یا فرار! فررتم فی سبیل اللہ!**) سے ڈر کر مسجد میں آنا ترک کر دیا۔ اگر شرکائے موتہ کو اپنی شجاعت اور ان کے سپہ سالار خالدؓ کو اپنی دلاوری اور حسن تدبیر پر ناز نہ ہوتا تو انہیں فراری کا طعنہ اپنے حق میں تسلیم کرنا پڑتا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن وملال:

حضرت زیدؓ اور جعفرؓ کی موت سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غم میں ڈوب گئے اور یہ خلش آپ کے دل میں پیوست ہو ہی گئی۔ جعفرؓ کے ہاں تشریف لائے۔ ان کی اہلیہ (جناب) اسماءؓ (بنت عمیس) آٹا گوندھ رہی تھیں۔ بچوں کو نہلا دھلا کر ان کے بالوں میں تیل لگا رکھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو پیار کر کے انہیں سینے سے لگا لیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھ گیا۔ اسماء چوک اٹھیں۔ عرض کیا میرے ماں باپ نثار ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کہیں جعفرؓ اور ان کے دوستوں کے متعلق کوئی خبر تو نہیں آئی؟ فرمایا وہ شہید ہو گئے! اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے! بی بی (اسماءؓ) نے گریہ و بکا سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ عورتیں جمع ہو گئیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانہ پر تشریف لے آئے اور اہل بیت سے فرمایا جعفرؓ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور آل جعفرؓ رونے دھونے میں مصروف ہیں۔ ان لوگوں کے لیے کھانا تیار کرو۔

اسی اثناء میں حضرت زید بن حارثہؓ کی صاحب زادی آ پہنچیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر رونا شروع کر دیا۔ شہدائے موتہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گریہ و زاری دیکھ کر مسلمان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مفہوم کا

ایک جملہ ارشاد فرمایا یہ رونا اپنے گم شدہ رفیق کے فراق میں ہے۔

ایک روایت میں منقول ہے کہ حضرت جعفرؓ کی لاش مدینہ میں لائی گئی۔ خالد اور مسلمانوں کے مدینہ واپس آجانے سے تین روز بعد دفن کئے گئے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو گریہ و بکا سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ جعفرؓ کو ان کے دو بازوؤں کے عوض میں دو پردار بازو دیئے گئے ہیں، جن سے وہ جنت میں اڑ کر سیر کر رہے ہیں (انہی پروں کی مناسبت سے حضرت جعفر طیار (یعنی پرواز کرنے والے) کے لقب میں مشہور ہوئے۔ م)

غزوۂ ذات سلاسل:

حضرت خالد بن ولیدؓ کی غزوۂ موتہ سے واپسی کو چند ہفتے گزر گئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شمالی عرب (شام) میں مسلمانوں کی از سر نو دھاک بٹھانے کے لیے عمرو بن العاصؓ کو بھیج کر حکم دیا کہ راستے میں اہل عرب کو اپنی امداد کی غرض سے ہمراہ لے لیں۔ اس توقع پر کہ حضرت عمرو (سپہ سالار دستہ) کی والدہ کے میکے اس نواح میں تھے۔ اس رشتہ کی وجہ سے اس خطہ کے باشندے (غیر مسلم بھی۔ م) مسلمانوں کی اعانت پر آمادہ ہو سکتے تھے۔ لیکن جونہی مسلمان جذاب کے ایک چشمے سلسل (نام) پر پہنچے، حضرت عمرو ڈر گئے اور کمک کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قاصد روانہ کیا۔ جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوعبیدہ الجراحؓ کی سپہ سالاری میں مہاجرین کا ایک دستہ بھیج دیا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ بھی اس دستہ میں شامل تھے۔ مبادا عمرو ان (ابوعبیدہؓ) سے اختلاف کر بیٹھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہؓ اور عمروؓ دونوں کو اختلاف سے منع فرمادیا اور یہی ہونے کو تھا کہ اگر آخر الذکر تحمل نہ فرماتے۔ عمرو بن العاصؓ نے ابوعبیدہ سے کہا میں امیر جیش ہوں اور آپ میری اعانت کے لیے تشریف لائے ہیں۔ ابوعبیدہؓ بہت نرم دل اور بردبار تھے۔ مناصب کے بھی طلب گار نہ تھے۔ عمروؓ سے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کو اختلاف سے منع فرمادیا ہے۔ اگر آپ میری اطاعت کرنے پر رضامند نہیں تو میں آپ کی فرماں برداری کے لیے بسر و چشم حاضر ہوں۔ نمازوں میں

بھی حضرت عمروؓ ہی امامت فرماتے حتیٰ کہ لشکر آگے بڑھا۔ اہل شام جو لڑائی کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے، منتشر ہو گئے۔ اور ان کے یوں بھاگنے سے گردونواح میں مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ گئی۔

اس اثناء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کے معاملہ پر بھی غور فرمایا کیے لیکن آپ کے نزدیک صلح حدیبیہ کی پابندی بہت اہم تھی، جیسا کہ گزشتہ صفحوں میں لکھا جا چکا ہے (جس میں دو سال کی مدت متعین تھی) اس وقفہ میں دور و نزدیک کے جو گروہ مسلمانوں پر حملہ کی سازش کرتے ان کی سرکوبی کے لیے دستے بھیج دیئے جاتے جن میں زیادہ صعوبت نہ تھی۔

قبائلی وفود کی اطاعت:

اسی اثناء میں گردونواح سے مختلف قبائل از خود مدینہ حاضر ہوئے اور اپنی اطاعت کا قبالہ (خدمت رسالتؐ میں) پیش کیا کہ دفعتہً ایک حادثہ رونما ہوا جو فتح مکہ کا مقدمہ بن گیا اور اسلام کے دائمی استقرار و عظمت کا موجب ثابت ہوا۔

☆☆☆

باب 24

فتح مکہ و تطہیر کعبہ

حضرت خالد بن ولیدؓ کی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کا لشکر غزوۂ موتہ سے واپس لوٹ آیا۔ اس جنگ میں فتح ہوئی نہ شکست، تاہم مسلمانوں نے اس واپسی کو اپنے حق میں بھلائی سے تعبیر کیا۔ دوسری طرف حضرت زیدؓ (بن حارثہ) و جناب جعفر بن ابو طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت نے مختلف طبقات پر مختلف اثرات چھوڑے۔

1۔ اہل روم پر مسلمانوں کی شجاعت کا اثر:

الف۔ باجودیکہ عیسائی ایک (یا دو) لاکھ کی تعداد میں تھے اور مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تک تھی، لیکن رومیوں نے مسلمانوں کی طرف سے جنگ سے دست برداری کو اپنے حق میں بے حد غنیمت سمجھا۔

ب۔ یا شاید اس لئے کہ مسلمانوں کے چوتھے سپہ سالار (خالد بن ولیدؓ) کے ہاتھوں میں نو تلواریں ٹوٹیں اور اس پر بھی ان کی ہمت میں فرق نہ آیا۔

ج۔ یا شاید اس لئے کہ لڑائی کے دوسرے روز حضرت خالدؓ نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں منقسم کر کے رومیوں کے دل میں یہ خوف پیدا کر دیا کہ ان کے حریف کے لئے مدینہ سے مزید کمک آ گئی ہے۔

د۔ یا شاید اس لئے کہ شام کے نواحی قبائل بھی مسلمانوں کی شجاعت دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

ہ۔ یا شاید اس لئے کہ قیصر روم کے ماتحت عرب فوجوں کے سپہ سالار فزوہ بن عمرو (الجذامی) مسلمان ہو گئے، جنہیں بادشاہ کے فرمان سے خیانت کے الزام میں حراست میں لے لیا گیا اور

ہرقل نے انہیں دوبارہ مسیحی مذہب اختیار کر لینے پر بدستور منصب و جاہ پر فائز رہنے کا موقعہ دے دیا۔ لیکن جناب فزوہ اس سودے پر راضی نہ ہو سکے اور انہیں قتل کرا دیا گیا۔

و۔ اور یا شاید اس لئے کہ صوبہ نجد میں جو عراق و شام کی سرحد پر واقع اور ہرقل کے ماتحت تھا، اسلام کا اثر و نفوذ شروع ہوگیا۔

رومیوں کے تاثرات کا محور یہ اسباب (از الف تا و) یا ان میں سے کوئی ایک یا اور زائد امور تھے۔ البتہ وہ عرب جو ہرقل کے ماتحت مشرقی روم میں آباد تھے، ان کے اسلام کی طرف مائل ہونے کا دوسرا سبب ہے۔ ہوا یہ کہ رومی فوج میں جو عرب رضا کارانہ شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ ایک موقع پر رسد تقسیم کرنے والے رومی اہل کار نے اعلان کر دیا کہ رضا کار فوج سے نکل جائیں۔ بادشاہ سلامت کی طرف سے صرف سرکاری فوج کے لئے راشن ہے۔ حتیٰ کہ سرکار کے پالتو کتوں کے لئے بھی کچھ مہیا نہیں کیا جا سکتا! اس سے رضا کار بدگمان ہو گئے۔ اور رومی لشکر سے علیحدگی اختیار کر لی۔

عجب نہیں کہ جس وقت یہ لوگ قیصر سے بددل ہو کر اس کے لشکر سے نکلے ہوں، اس لمحہ میں دین جدید کی روشنی نے ان کی رہنمائی کی ہو اور حقیقت ان کی دست گیری کر کے انہیں منزل مقصود پر لے آئی ہو، کیوں کہ اسی وقفہ میں مندرجہ ذیل قبائل میں سے ہزاروں خوش نصیب دولت اسلام سے مالا مال ہوئے: 1۔ قبیلہ بنو سلیم اپنے سردار عباس بن مرداس کی رہبری میں، 2۔ قبیلہ اشجع، 3۔ یہود کے حلیف بن غطفان، جن کے مسلمان ہو جانے سے خیبر میں مقیم یہودیوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، 4۔ قبیلہ بنو عبس، 5۔ قبیلہ ذبیان اور 6۔ قبیلہ بنو فزارہ۔

غزوۂ موتہ عرب کے شمال میں تا بہ (ملک) شام مسلمانوں کے اثر و نفوذ کا سبب ثابت ہوا، جس سے اسلام کی قوت و شوکت میں اور اضافہ ہوگیا۔

2۔ اور اہل مدینہ پر مسلمان فوجوں کا فتح کے بغیر لوٹنے کا

اثر:

رومیوں پر جو اثر ہوا اس کے خلاف مسلمانوں اور ان کے سپہ سالار حضرت خالدؓ کے سرحد شام سے فتح کے بغیر لوٹ آنے کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے برملا (لوٹنے والوں سے)

یا فرار! فررتم فی سبیل الله!

(اے مفرورین! تم جہاد فی سبیل اللہ سے بھاگ آئے!) کہنا شروع کر دیا۔ جس سے لشکر کے کچھ دلاور بھی شرمندہ ہو کر گھروں میں چھپ گئے تا کہ عمر اور نوجوان مسلمانوں سے فرار کا طعنہ نہ سنیں۔

3۔ اور قریش پر غزوۂ موتہ کے نتائج کا اثر:

انہوں نے اس حد تک اسے مسلمانوں کی شکست اور ذلت سے تعبیر کیا کہ ان میں سے کسی شخص کو مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان کا پاس نہ رہا۔ قریش اس پر بھی آمادہ ہو گئے کہ ہو سکے تو عمرۃ القضاء کے پہلے کی فضا قائم کر لی جائے بلکہ صلح حدیبیہ ہی کو پس پشت ڈال کر بلا خوف قصاص (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے حلیف قبیلوں پر یلغار شروع کر دی جائے۔

قریش کی طرف سے قرارداد حدیبیہ کا خلاف:

صلح حدیبیہ کی ایک شرط میں تھا کہ اہل عرب فریقین میں سے جس فریق کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہیں دوسرا فریق اس میں حائل نہ ہوگا۔ اس قرارداد کے مطابق بنوخزاعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کر لیا اور قبیلہ بنوبکر، قریش کے حلیف بن گئے لیکن بنوخزاعہ اور بنوبکر دونوں کے درمیان پشتینی عداوت چلی آ رہی تھی، جو صلح حدیبیہ کے بعد بظاہر ٹھنڈی پڑ گئی اور دونوں فریق ایک دوسرے سے قریب نظر آنے لگے۔ لیکن غزوۂ موتہ نے جہاں قریش کے دل میں مسلمانوں کی شکست کا خیال پیدا کر دیا، وہاں بنوبکر کے دل میں بھی یہی گرہ لگا دی اور بنوخزاعہ کے

متعلق ان کی پشتینی عداوت کا ناسور بہہ نکلا۔ وہ موقعہ غنیمت سمجھ کر بنوخزاعہ سے انتقام پر تل گئے۔ قریش مکہ میں سے عکرمہ بن ابوجہل نے انہیں شہہ دی (بلکہ بھیس بدل کر ان کے ساتھ حملہ میں شریک ہوئے۔ م) قریش کے بعض سرغنوں نے بنوبکر کی مدد اسلحہ سے کی اور ایک شب کو جب بنو خزاعہ کے بہت سے افراد وتیر نامی گھاٹ پر نیند میں ڈوبے ہوئے تھے، بنوبکر کی شاخ بنی الدئل نے ان پر شب خون مار کے ان کے کئی آدمی موت کے پہلو میں سلا دیئے۔ جو بچ گئے بھاگ کر مکہ میں بدیل بن ورقا کے گھر میں آ چھپے اور ان سے کہا قریش اور بنوبکر دونوں نے (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ ختم کر دیا ہے۔

قبیلہ بنوخزاعہ کا سردار عمرو بن سالم فوراً مدینہ پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے اندر مسلمانوں کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ وہ بنوبکر کی بدعہدی اور حملہ کا ماجرا بیان کرنے کے بعد امداد کا طلب گار ہوا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا اے عمرو! تمہاری اداد کی ہی جائے گی! عمرو بن سالم خزاعی کے بعد بدیل بن ورقا نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ میں آکر قریش کی بنوبکر کو خفیہ امداد کا تذکرہ عرض کیا۔ آخر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رائے قائم کر لی کہ قریش کی طرف سے قرارداد حدیبیہ کے نقض کی تلافی مکہ فتح کیے بغیر نہیں ہوسکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزدیک اور دور کے مسلمانوں کی طرف یہ پیغام بھیج دیا کہ ہر شخص جہاد کے لئے کمر بستہ رہ کر دوسرے حکم کا انتظار کرے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی یہ رائے کسی پر ظاہر نہ ہونے دی کہ چڑھائی کہاں ہوگی۔

قریش کے دل میں خطرہ:

آخر اس حادثہ کے چند روز بعد مدینہ میں قریش کو عکرمہ اور اس کے نوجوان ہمراہیوں کی غلطی کے احساس نے اپنی طرف سے صلح کے خلاف ارتکاب کرنے کی بناء پر پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ ان پر ثابت ہو چکا تھا کہ عرب میں رسول اللہ کا اثر ونفوذ عام ہو چکا ہے۔ اس تصور نے ان کے خوف میں اور بھی اضافہ کر دیا اور وہ اس فکر میں پڑ گئے کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیے۔ ان کے مدبرین نے

طے کیا کہ ابوسفیان کو وفد کے ہمراہ بھیجا جائے تا کہ حدیبیہ کی دوسالہ میعاد کو دس سال تک بڑھایا جا سکے۔

ابوسفیان (مقام) عسفان میں پہنچے تو بدیل ابن ورقا سے ملاقات ہوئی ابوسفیان کے دل میں یہ بات کھٹک گئی کہ ہونہ ہو بدیل (جناب) محمد ہی کے ہاں سے آ رہا ہو۔ اس نے مکہ کا تمام ماجرہ انہیں سنا دیا ہوگا! یہ تو غصب ہو گیا، مگر بدیل صاف مکر گئے۔ ابوسفیان نے ان کے ناقہ کی مینگنی سے پہچان لیا کہ وہ مدینہ ہی سے آرا ہیں۔

ابوسفیان اپنی صاحب زادی ام المومنین ام حبیبہؓ کے دولت خانہ پر:

ابوسفیان مدینہ پہنچے تو سیدھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کی بجائے، ادھر ادھر کی سن گن لینے کا منصوبہ بنا کر اپنی دختر ام المومنینؓ حضرت ام حبیبہؓ کے دولت خانے پر آئے۔ قریش کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رجحانات کا اندازہ ام المومنینؓ کو بھی تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ پر اطلاع نہ تھی۔ اپنے والد کو آتا دیکھ کر ام المومنینؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر سمیٹ لیا۔ ابوسفیان نے کہا کیا یہ بستر تمہارے باپ کے شایان نہیں یا تمہارا باپ اس بستر پر بیٹھنے کے قابل نہیں؟ فرمایا یہ بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے آپ مشرک نجس ہیں مجھے گوارا نہیں کہ آپ اس بستر سے مس کریں! ابوسفیان جھلا کر بولے بیٹی! میرے بعد تمہیں شر سے دوچار ہونا پڑے گا۔ غضب ناک ہو کر ام المومنینؓ کے دولت خانہ سے باہر آئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مدت صلح میں توسیع کی استدعا کی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثبت یا منفی کوئی جواب نہ دیا۔

ابوسفیان حضرت ابوبکرؓ کے ہاں باریاب ہوئے کہ ان سے سفارش کرائیں۔ انہوں نے بھی انکار فرما دیا۔ یہاں سے جناب عمر بن الخطابؓ کے ہاں پہنچے۔ انہوں نے فرمایا میں اور تمہارے

لئے سفارش! البتہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے میں برائے نام فائدہ کی توقع بھی ہو تو اس سے دریغ نہ کروں گا۔

ابوسفیان دولت کدۂ علی بن ابی طالبؑ میں:

سیدہ فاطمہؑ بھی تشریف فرما تھیں۔ ابوسفیان کی اسی درخواست پر بی بی نے نہایت نرم انداز میں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس سے کوئی شخص آپ کو نہیں روک سکتا۔

ابوسفیان: مجھے حسنؓ (بن علیؓ) کی پناہ میں دے دیا جائے۔

سیدۃ الزہراؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی دشمن کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔

علیؓ: ابوسفیان تمہارے لئے کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ چونکہ تم بنو کنانہ کے سردار ہو، مدینہ سے کسی مناسب مقام پر کھڑے ہو کر اعلان کر دو کہ صلح قائم ہے۔ اور اس کے بعد فوراً واپس چلے جاؤ۔

ابوسفیان کا از خود توسیع صلح کا اعلان:

ابوسفیان مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے اور کھڑے کھڑے یہ کہہ کر کہ صلح قائم ہے۔ مکہ کی راہ لی۔ لیکن ان کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ خصوصاً اپنی صاحب زادی جناب ام حبیبہؓ کے برتاؤ سے۔ ابوسفیان کو یہ ندامت بھی کھائے جا رہی تھی کہ مکہ سے ہجرت کرنے سے قبل جو لوگ ان کی رضا و کرم کے منتظر تھے وہ لوگ آج کس طرح پیش آئے۔

ابوسفیان مکہ میں:

مکہ پہنچ کر ابوسفیان نے مدینہ کی سرگزشت من و عن بیان کر دی، لیکن جب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کھڑے ہو کر اپنی طرف سے توسیع صلح کے اعلان کا تذکرہ کیا تو ان کے حواریوں نے کہا تم سمجھے نہیں، علیؓ نے تمہارے ساتھ مذاق کیا۔ اس کے بعد مدبرین قریش آئندہ کے لئے

تدبیر کار پر غور کرنے بیٹھ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل اور فتح مکہ کی تیاری:

باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوت اور اللہ کی طرف سے نصرت کا بھروسہ تھا پھر بھی آپ نے قریش مکہ کو مہلت دینا مناسب نہ سمجھا تاکہ وہ مقابلے کے لئے اس طرح تیاری نہ کر سکیں جس کی مدافعت دوبھر ہو جائے حتیٰ کہ قریش مقابلہ کے بغیر ہتھیار ڈال دیں۔

پہلے آپ نے صرف جہاد کے لئے تیار ہو جانے کا حکم فرمایا۔ دوسرے درجہ میں اعلان فرمادیا کہ مکہ پر چڑھائی ہے۔ مسلمانو! تیزی سے بڑھے چلو! اور اللہ سے دعا کی کہ اہل مکہ کو مسلمانوں کے آنے کی خبر نہ ہونے پائے۔

حاطب بن ابی بلتعہ (مہاجر) کی طرف سے مخبری:

جب مسلمان کوچ کی تیاری کر رہے تھے حضرت حاطب بن ابو بلتعہ مہاجر مکی نے قریش کی طرف خط لکھ کر سارہ (نام) کنیز کے حوالے کیا۔ یہ بنو عبدالمطلب کے اک صاحب کی باندی تھیں۔ حاطب نے ان (کنیز) کے معاوضہ بھی متعین کر دیا۔ اس خط میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مکہ پر چڑھائی کی مخبری تھی۔ جناب حاطب سرکردہ مسلمانوں میں سے تھے لیکن انسان ہی تو ہے جو کبھی ایسے ادنیٰ مقاصد کے لئے کھو جاتا ہے۔ کہ اگر ہی کام کوئی اور شخص کرے تو اسے بھلا معلوم نہیں ہوتا۔

کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاطب کی مخبری کی اطلاع مل گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علیؓ اور زبیرؓ دونوں کو (خبر رساں) سارہ کے تعاقب کا حکم دے کر فرمایا جاؤ! اور اس سے خط حاصل کرو! سارہ کی گرفتاری پر اس کے سامان سے خط برآمد نہ ہوا تو حضرت علیؓ نے دھمکا کر فرمایا اگر خط ہمارے حوالے نہ کیا گیا تو ہم جامہ تلاشی لینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ سارہ نے گھبرا کر علیؓ سے ادھر کی طرف منہ پھیر لینے کی استدعا کی اور خط اپنی مینڈھیوں سے نکال کر ان

کے حوالے کر دیا۔

دونوں حضرات اطلاع نامہ لے کر مدینہ پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب کو بلا کر جواب طلب فرمایا۔ حاطب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا ایمان خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح سے تھا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ صرف یہ کہ میرے بال بچے ابھی تک مکہ میں گھرے ہوئے ہیں اور وہاں میرا کوئی عزیز و قرابت دار نہیں! (باضافہ: اس اطلاع سے صرف اپنے اہل و عیال کے لئے قریش کی ہمدردی مطلوب تھی۔ زاد المعاد ابن القیم ۔۔۔م)

حضرت عمرؓ نے استدعا کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حاطب منافق ہو گیا ہے۔ مجھے اس کی گردن مارنے کی اجازت فرمائی جائے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اے عمرؓ! حاطب غزوۂ بدر میں شریک تھے اور اللہ نے شرکائے بدر کے گناہوں پر قلم عفو کھینچ دیا ہے۔ اس واقعہ پر یہ وحی نازل ہوئی:

یایھا الذین امنو لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودہ (1:60)

مسلمانو! اگر ہماری راہ میں جہاد کرتے اور ہماری رضامندی ڈھونڈنے کی غرض سے (اپنے وطن چھوڑ کر نکلے) تو ہمارے اور اپنے دشمنوں (یعنی کافروں) کو دوست مت بناؤ کہ لگو ان کی طرف دوستی (کے نامہ و پیام) دوڑانے۔

مکہ کی طرف کوچ:

اسلامی لشکر نے (مدینہ سے) کوچ کر دیا تا کہ مکہ فتح کر کے اس گھر کی زیارت کا اذن عام کر دے، جسے خدا نے ازل سے امن و پناہ کا گہوارہ قرار دے رکھا ہے۔ مدینہ کے رہنے والوں نے کبھی اتنی تعداد میں فوج نہ دیکھی تھی۔ اس لشکر میں مہاجرین و انصار کے سوا بنو سلیم تھے، بنو مزینہ اور غطفان کا جم غفیر تھا۔ ان کے علاوہ اور لوگ بھی شامل تھے۔ چمکیلی زرہیں پہنے ہوئے انسانوں

کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر نے صحرا کی سطح پر عجیب نظارہ پیدا کر دیا۔ ریگستان میں جہاں خیمے نصب ہوتے، دیکھنے والوں کی نظر زمین پر نہ پڑ سکتی۔ ہزاروں کی تعداد میں فوج تیز رفتاری سے مکہ کی طرف چلی جا رہی تھی۔ جوں جوں آگے بڑھتے آس پاس کے مسلمان قبائل بھی لشکر میں شامل ہوتے جاتے۔ قدم قدم پر تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ہر ایک کے دل میں یقین تھا کہ اللہ کے سوا انہیں کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔

فوج کے آگے (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر تشریف فرما تھے، اس فکر میں ڈوبے ہوئے کہ خداوند! کسی طرح خون کا ایک قطرہ بہانے کے بغیر ہم بیت اللہ میں داخل ہو جائیں۔

اسلامی لشکر نے (مقام) مرالظہر ان (مکہ سے ایک منزل دور) میں پڑاؤ کیا تو ان کی تعداد دس ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ قریش ان کی آمد سے محض بے خبر تھے۔ وہ ابھی تک یہ فیصلہ بھی نہ کر سکے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کا مداوا کیوں کر کیا جائے۔

سیدنا عباسؓ کا قبول اسلام:

حضرت عباسؓ قریش کو اس ضغطے میں چھوڑ کر اپنے چند قبیلہ داروں کے ہمراہ مقام جحفہ (مکہ سے تراسی میل) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے[1] جب کہ بنو ہاشم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر پہلے سے اطلاع تھی۔ بنو ہاشم ہر قیمت پر مسلمانوں کی یلغار سے خود کو بچانا چاہتے تھے۔

---

[1] عباس کے اسلام لانے کے معاملہ میں دو مختلف خیال ہیں:

الف۔ سیر نویسوں کا ایک گروہ: اس لاقات کی کڑی (مقام) رابغ سے ملاتا ہے۔ رابغ یا جحفہ دونوں میں سے کوئی مقام سہی ان حضرات کے نزدیک حضرت عباسؓ اسی وقفہ میں اسلام لائے۔

ب۔ دوسرا گروہ: جناب عباس فتح مکہ سے پہلے مدینہ تشریف لے گئے اور اسلام لانے کے ساتھ ہی اس لشکر کے ہمراہ مکہ آئے۔

لیکن (ب) کی تردید میں کہا جاتا ہے کہ یہ روایت خلفائے عباسیہ کی خوش نودی حاصل کرنے کے لئے وضع کی گئی۔ فریق (ب) کی اس حمایت کی پشت ریہ دلیل بھی ہے کہ قبل از ہجرت ان کا مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاس داری ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے تھی۔ لیکن حضرت عباسؓ اپنے اسلام کا اظہار اور مکہ سے ہجرت اس لئے نہ کر سکے کہ مبادا ان کی تجارت اور سودی لین دین تباہ ہو جائے۔ اس بارے میں فریق (ب) کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اگر عباسؓ کا فتح مکہ سے قبل مسلمان ہونا تسلیم کرلیا جائے تو وہ اس وفد میں ضرور شامل ہوتے جو صلح حدیبیہ کی توسیع کے لئے مدینہ میں حاضر ہوا تھا۔

اسی طرح ابوسفیان بن حارث (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد برادر) اور ابوسفیان و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن ابوامیہ بن مغیرہ ہر دو نے نبق العقاب (نام مقام) پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریابی کی التجا کی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما دیا۔ عبداللہ ام المومنین ام سلمہؓ کے برادر حقیقی تھے۔ سیدہ ممدوحہ اس سفر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مشایعت میں تھیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابو سفیان (بن حارث) آپ کے برادر عم زاد ہیں۔ عبداللہ سے آپ کا دوہرا ناتا ہے۔ وہ میرے بھائی اور آپ کے پھوپھی زاد ہیں۔ فرمایا میرے عم زاد برادر نے میری تذلیل میں کوئی کمی رہنے

دی؟ اوراس پھوپھی زاد نے مکہ میں مجھے کیسا رسوا کیا! بی بی تم رہنے دو، میں ان سے درگزرا۔ ابو سفیان نے رسول اللہ کی برہمی کا حال سن کر کہا:

والله ليوذنن لي اولا خذن بيد بيني هذا ثم لنذهبن في الارض حتىٰ نموت عطشا وجوعا

بخدا! اگر آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے باریابی کا موقعہ نہ دیا تو میں اپنے اس بچے کا ہاتھ پکڑ کر صحرا میں نکل جاؤں گا اور بھوکا پیاسا مر جانے کو ترجیح دوں گا۔

ابوسفیان کی رقت کا ماجرا سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا۔ دونوں کو شرف باریابی بخشا، دونوں کا جرم معاف فرمادیا اور دونوں مسلمان ہو گئے۔

سیدنا عباسؓ کی اہل مکہ کے لئے سفارش عفو

حضرت عباسؓ اپنے عالی منزلت برادرزادہ کی فوجی قوت اور ولولہ سے بے حد متاثر ہوئے۔ اگر چہ وہ خود اسلام لا چکے تھے مگر (انہوں نے) غازیوں کی کثرت سے اندازہ کر لیا کہ پورے عربستان میں جس لشکر کے مقابلہ کسی کو تاب نہیں اہل مکہ اس سے کیوں کہ عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔

عباسؓ اس سے چند ہی ساعت قبل مکہ سے آئے تھے۔ جہاں ان کے اہل وعیال اور دوست احباب سب موجود تھے۔ انہیں پوری طرح یقین تھا کہ اسلام اپنے مقابلہ میں کمزور اشخاص سے قطع کرنے کا روادار نہیں۔ عباسؓ نے اہل مکہ کے متعلق اپنا اضطراب ظاہر کرتے ہوئے عرض کیا اگر قریش طالب امان ہوں؟ ممکن ہے کہ ان کے برادرزادہ کو اپنے عم بزرگوار کی تقدیم کلام پسند آئی ہو۔

اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عباسؓ سے متعلق یہ غور فرمایا کہ انہیں بطور سفیر قریش کے پاس بھیجا جائے تا کہ وہ اس حد تک قریش کو مرعوب کر لیں کہ کشت وخون کے بغیر پر امن طور سے مکہ پر قبضہ ہو جائے اور وہ جس طرح ازل سے امن وسلامتی کا گہوارہ چلا آ رہا ہے، آج بھی اس کی سلامتی میں خلل نہ آنے پائے۔ جناب عباسؓ حضرت رسالت مآبؐ کے ناقہ بیضا

پر سوار ہوئے اور گزر گاہ اراک پر ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کا (عباسؓ کے ارشاد کے مطابق) اس راہ سے آنے کا منشا یہ تھا کہ اگر کوئی لکڑ ہارا یا شیر فروش یا کوئی شخص مکہ میں جانے والا نظر آجائے تو اس کے دل میں ایسے انداز سے مسلمان فوجوں کی کثرت اور ولولہ کا یقین پیدا کیا جائے جس سے وہ شخص از خود اہل مکہ کو ڈرا دے اور شہر پر حملہ ہونے سے قبل قریش رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر امن کی درخواست پیش کریں۔ (جناب عباسؓ کو علم تھا کہ) جب سے مسلمانوں نے (مقام) مرالظہر ان پر ڈیرے ڈالے ہیں، قریش اس اطلاع کے بغیر اپنے مستقبل سے گھبرا رہے ہیں کہ ان کے خیال میں خطرات ان کے قریب آچکے ہیں۔

قریش کا وفد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور:

قریش نے پیش قدمی کرتے ہوئے اپنے تین نامور مدبروں کا وفد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا: 1۔ ابوسفیان بن حرب اموی، 2۔ بدیل بن ورقاء، 3۔ حکیم بن حزام (تینوں حضرات ام المومنین خدیجہ کے قرابت دار تھے) راستے میں بھی یہ لوگ مسلمانوں کی خبریں سننے کے لئے گوش بر آواز تھے اور خطروں کی وجہ سے ان کے دل میں بیٹھے جا رہے تھے۔ حضرت عباسؓ نے راستہ چلتے ہوئے ان کی یہ گفتگو سن لی۔

ابوسفیان: آج رات میں نے اس قدر روشنی اور اتنی فوج دیکھی کہ اس سے قبل کبھی یہ اتفاق نہ ہوا تھا۔

بدیل: قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ بنوخزاعہ ہیں جو لڑائی کے لئے آئے ہیں۔

ابوسفیان: بنوخزاعہ کی کیا حقیقت ہے نہ وہ اتنی فوج جمع کر سکتے ہیں نہ ایسی آگ روشن کر سکتے ہیں۔

وفد قریش کی حضرت عباسؓ سے اتفاقیہ ملاقات:

سیدنا عباسؓ نے ابوسفیان کو ان کی آواز سے پہچان لیا اور انہیں ان کی کنیت ابوخظلہ سے پکار

کر فرمایا: تمہارا برا ہو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر جرار لے کر آ پہنچے۔ اگر کل دن چڑھے مکہ میں داخل ہو گئے تو تمہارا کیا حشر ہو گا!

ابوسفیان: میرے باپ تم پر نثار! کوئی تدبیر؟

سیدنا عباسؓ نے بدیل و حکیم دونوں کو مکہ واپس لوٹا دیا اور ابوسفیان کو اپنے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ پر سوار کر کے اسلامی لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔ مسلمان ناقہ کے اعزاز میں خود بخود راستہ بناتے گئے۔ دونوں (سوار) دس ہزار لشکر کے درمیان ہوتے ہوئے نکلے۔ مسلمانوں نے اہل مکہ کو مرعوب کرنے کے لئے آگ کے بڑے بڑے الاؤ روشن کر رکھے تھے۔ جب حضرت عمرؓ کے الاؤ کے قریب سے گزرے، انہوں نے دونوں کو دیکھ کر اندازہ کیا کہ ابوسفیان جناب عباسؓ کی پناہ میں ہیں تو ان سے تعرض کرنے کے بجائے رسول اللہ کے خیمے میں حاضر ہوئے اور ابوسفیان کے قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کو میں اپنی ضمانت پر لایا ہوں۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ عباسؓ اور عمرؓ دونوں میں تیز گفتگو ہو رہی تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عباسؓ سے فرمایا اس وقت انہیں اپنے خیمے میں لے جائیے اور صبح کے وقت پیش کیجئے۔

رسول خدا اور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان کی گفتگو:

صبح ہوتے ہی مجرم پیش ہوا۔ مہاجرین و انصار دونوں گروہ موجود تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوسفیان! ابھی تک تیرے لئے خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لانے کا وقت نہیں آیا؟

ابوسفیان: جناب پر میرے ماں باپ نثار! اس ذات برحق کی قسم جس نے آپ کی ذات میں تحمل و کرم اور صلہ رحم جیسی صفات سمودی ہیں، اگر ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا ہوتا تو آج وہ کچھ نہ کچھ تو میری حمایت کرتا!

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم: ابھی وہ وقت نہیں کہ تو مجھے خدا کا رسول تسلیم کر سکے؟

ابوسفیان: جناب پر میرے ماں باپ نثار! اس ذات برحق کی قسم جس نے آپ کی ذات میں تحمل و کرم اور صلہ رحم جیسی صفات سمو دیئے ہیں۔ میں آپ کو اس کا رسول تسلیم کرنے میں ابھی متامل ہوں۔

اس موقعہ پر حضرت عباسؓ نے سبقت فرما کر ابوسفیان کو زجر کی اور فرمایا ابوسفیان! قیل وقال چھوڑ کر لا الہٰ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا اقرار کرلو، ورنہ تمہاری گردن ماردی جائے گی۔ اور ابوسفیان اسلام لے آئے اس مرحلہ پر حضرت عباسؓ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوسفیان کو اس پر فخر کا موقعہ مل جائے گا اگر ان کے اعزاز میں کچھ فرما دیا جائے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں! جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ گزیں ہو جائے یا اپنے ہی گھر کا دروازہ بند کر کے اندر چھپ جائے یا بیت اللہ میں داخل ہو جائے ان میں سے کسی شخص سے تعرض نہ کیا جائے گا۔

کیا مذکورۃ الصدر واقعات اتفاق سے پیش آئے؟

مورخین اور سیر نویس ان واقعات کے ظہور پر متفق ہیں۔ البتہ بعض اہل تاریخ فرماتے ہیں کہ ان واقعات کو حسن اتفاق کی بجائے پہلے سے طے شدہ کیوں نہ سمجھ لیا جائے؟

الف۔ کیا حضرت عباسؓ واقعی اپنے گھر (مکہ) سے مدینہ جانے کے ارادہ سے نکلے اور (مقام) جحفہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات حسن اتفاق سے ہوگئی؟

ب۔ آج وہی بدیل بن ورقاء جو چند ہفتہ قبل مدینہ گئے تھے تا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بنوخزاعہ کی سرگزشت سنا کر آپ کی نصرت حاصل کرسکیں اپنے (بنوخزاعہ) کے دشمن ابوسفیان کے شامل مسلمانوں کی جاسوسی کے لئے بھی آئے؟

ج۔ کیا ابوسفیان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادے کا علم نہ تھا کہ یہ لشکر مکہ فتح کرنے کے لئے لائے ہیں؟

د۔ کیا عباسؓ وابوسفیان دونوں نے پہلے سے اس موقعہ پر ملاقات کا منصوبہ بنا رکھا تھا جہاں

بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام کے ساتھ عباسؓ کی مڈبھیڑ ہوئی کہ ادھر وہ (عباسؓ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے آجائیں گے اور ادھر (مکہ کی طرف سے) ابوسفیان آکر انہیں اسی راہ میں ملیں گے؟

دوسرا احتمال (ب) صحیح ہونے کی صورت میں ممکن ہے کہ جب ابوسفیان میعاد صلح کی توسیع کے لئے مدینہ گئے مگر پذیرائی نہ ہوئی تو انہیں پوری طرح یقین ہو گیا کہ قریش مکہ کا (جناب) محمد پر غالب آنے کا دور ختم ہو چکا ہے۔ آج ابوسفیان نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مکہ فتح ہونے کا یقین کر لیا اور اس کے ساتھ ہی انہوں (ابوسفیان) نے مکہ میں اپنی سیادت قائم رکھنے کا منصوبہ بھی سوچ لیا۔

آج ابوسفیان نے محسوس کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کا ارادہ اپنے ان یاران وفادار کے سوا کسی پر منکشف نہیں ہونے دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانا اپنے لئے حیات جاوید سمجھتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس موقع پر جب وہ (ابوسفیان) عباسؓ کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوئے تو سیدنا عمرؓ نے ان کے قتل کرنے کا تہیہ کر لیا لیا۔ مگر ان واقعات کے متعلق دونوں قسم کی روایات موجود ہیں، اس لئے دونوں جہتوں میں سے قطعیت کے ساتھ کسی ایک کی تائید اور دوسری کی تردید میں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ البتہ یہ امر حتمی ہے کہ مذکورۃ الصدر تمام حوادث اتفاق سے رونما ہوئے ہوں یا ان میں سے بعض از روئے اتفاق اور بعض سوچی سمجھی تجویز کے مطابق یا علی السبیل التنزل اس سلسلہ کی کوئی کڑی (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان کے کسی خفیہ سمجھوتہ کے مطابق منسلک ہوئی ہو۔ دونوں میں سے کوئی حیثیت سہی لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فتح مکہ جیسی اہم ترین کامیابی جو کسی خونریزی یا مقابلہ کے بغیر وقوع میں آئی، تاریخ کے ان اہم ترین حوادث میں سے ہے، جن سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال مہارت اور زیرکی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

داخلہ مکہ پر حسن تدبیر:

بیشک نصرت و کامیابی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے یوتیہ من شیاء[1] لیکن خدا بھی اسی کی مدد کرتا ہے جو حسن تدبیر و موقع شناسی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر قابض ہونے کے لئے صرف ابوسفیان کو اس تنگ درہ پر روک کر کھڑے رہنے کا حکم دیا جہاں سے اسلامی لشکر کو گزرنا تھا تاکہ مسلمانوں کی تعداد اور قوت سے خود متاثر ہونے کے ساتھ اپنی قوم کو بھی ان سے ڈرائیں اور اہل مکہ میں سے کسی کو مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ رہے۔

ابوسفیان کے سامنے سے ہو کر مسلمانوں کے ایک قبیلہ کا دستہ گزرتا گیا، لیکن انہوں نے صرف ایک دستے کے متعلق دریافت کیا جس کا علم سبز رنگ کے کپڑے سے بنا ہوا تھا۔ اس دستہ میں مہاجرین و انصار دونوں کے شمشیر زن شامل تھے۔ ان میں سے ہر سپاہی ایسی زرہ اور خود میں لپٹا ہوا تھا کہ آنکھوں کے سوا بدن کا کوئی حصہ نظر نہ آتا۔

ابوسفیان نے مسلمانوں کا یہ کروفر دیکھ کر سیدنا عباسؓ سے عرض کیا اے عباسؓ! آج کسی کو اس لشکر کے مقابلہ کی تاب نہیں۔ یہ خدا کی شان ہے اے ابوالفضل! تمہارے برادرزادہ کی بادشاہت قائم ہوگئی ہے! یہ کہہ کر ابوسفیان قریش کی طرف بڑھے اور ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا[2]:

يا معشر قريش! هذا محمد قد جاء كم فى مالا قبل لكم به البته

اے قریش! (جناب) محمد ایسا لشکر جرار لے کر پہنچے ہیں جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔

---

[1] جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے مالا مال کر دیتا ہے۔

[2] حضرت عباسؓ نے فرمایا بات یہی ہے جو تم نے کہی لیکن ابو سفیان! یہ بادشاہت نہیں بلکہ نبوت ہے (زاد المعاد ابن القیم فصل فی الفتح العظیم: م)

البتہ!

من دخل دار ابی سفیان فھو آمن ومن اغلق علیه الباب فھو آمن ومن دخل المسجد فھو آمن!

جوشخص ابوسفیان کے گھر میں جا چھپے، جوکوئی اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے اس کے اندر چھپ جائے اور جوشخص بیت اللہ میں پناہ گزیں ہو، ان کے لئے بھی معافی ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم لشکر ہمراہ لے کر آگے بڑھے۔ (مقام) ذی طویٰ میں پہنچ کر دیکھا کہ اہل مکہ کو مقابلہ میں آنے کی ہمت نہیں۔ فوج کو توقف کا حکم فرما کر خود سواری ہی پر حضور خداوندی میں سجدۂ شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے رسول کے لئے اول محیط وحی کے دروازے کھلوا دیئے اور مومنین کے لئے اطمینان وسکون کے ساتھ بیت اللہ میں آجانے کی راہ پیدا کر دی۔

ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ کا واقعہ:

ابوقحافہ نے جو ابھی تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے اور کبرسنی کے باعث بینائی سے بھی محروم ہو چکے تھے، اس موقع پر اپنی نواسی سے کہا بیٹی! میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کوہ ابوقبیس پر لے چلو۔ جب دونوں پہاڑ پر پہنچے تو صاحب زادی ایک طرف غور سے دیکھنے لگیں۔ ابوقحافہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے بچی اس سمت میں کوئی اجنبی شے دیکھ رہی ہے دریافت پر صاحب زادی نے عرض کیا کچھ سیاہی سی نظر آرہی ہے ابوقحافہ نے کہا سیاہی تھوڑی ہے یہ تو لشکر ہے! لڑکی نے دیکھا تو سیاہی غائب ہو چکی تھی۔ عرض کیا ارے سیاہی کیا ہوئی؟

ابوقحافہ: وہ لشکر تھا جو مکہ میں داخل ہو گیا۔ اے بیٹی! خدارا مجھے جلدی گھر پہنچا دو۔

ابوقحافہ کے گھر پہنچنے سے قبل لشکر مکہ میں داخل ہو گیا۔ اسی مقام پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔

لیکن ان آثار فتح کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کی احتیاط وتدابیر کو اس طرح مدنظر رکھا کہ پہلے تو لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے فرمان عام کے طور پر سمجھا دیا کہ مجبوری واضطرار کے سوا (مدافعت کے طور پر) نہ کسی پر حملہ کیا جائے نہ کسی کی خوں ریزی روا رکھی

جائے۔

اور لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد اس ترتیب سے داخلہ کا فرمان صادر ہوا:

1۔ مکہ سے شمالی دروازے سے، حضرت زبیر بن العوام: میسرہ کو ہمراہ لے کر

2۔ پائین شہر سے، حضرت خالد بن ولید، میمنہ کے ساتھ

3۔ غربی سمت سے، سیدنا سعد بن مبادہ (انصاری) اہل مدینہ کو لے کر

4۔ جبل ہند کے سامنے والی راہ سے، حضرت ابوعبیدہ ہمداع کو پیادہ اور نہتے مہاجرین کی سپہ سالاری دے کر۔ خاتم المرسلین بھی اس دستہ کے ہمراہ تھے۔

نعرۂ قتال پر سعد بن عبادہ کی معزولی

دستوں کی روانگی کے ساتھ ہی حضرت سعد بن عبادہؓ کی زبان سے جوش انتقام میں آ کر یہ جملہ نکل گیا:

الیوم یوم الملحلمه! الیوم! تستحل الحرمه!

آج گھمسان کا رن پڑنے کو ہے جس میں کعبہ کی حرمت بھی بالائے طاق رکھ دی جائے گی۔

ظاہر ہے کہ سعد بن عبادہؓ کے نعرہ کا مفہوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا نقیض تھا کہ مسلمان اضطرار کے بغیر نہ تو اہل مکہ میں سے کسی پر ہتھیار اٹھائیں نہ خون ریزی ہونے پائے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا کہ سعد سے علم ضبط کر کے ان کے فرزند قیسؓ کو تفویض ہو۔

جناب قیسؓ (ابن سعد) قوی ہیکل ہونے کے ساتھ بردبار بھی تھے۔

اہل مکہ کا ایک دستہ پر حملہ:

اسلامی لشکر کے تین دستے کسی تعرض کے بغیر اپنے اپنے مقررہ راستوں سے شہر میں داخل ہو گئے مگر حضرت خالدؓ کے دستہ کو دفاع کے بغیر چارہ نہ رہا۔ پائین شہر میں داخل ہونے والے پہلے ہی

سے مورچہ سنبھالے بیٹھے تھے۔ یہ بدنصیب مکہ کے دوسرے لوگوں کے مقابلہ پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں بہت زیادہ دیوانے واقع ہوئے تھے۔ انہی لوگوں نے مسلمانوں کے حلیف (قبیلہ) بنوخزاعہ کے خلاف بنوبکر کی حمایت کا ارتکاب کیا تھا۔ آج انہوں نے اپنے سردار ابوسفیان کے اعلان اطاعت کو پس پشت ڈال کر مقاتلہ کی تیاری کر لی۔ محلّہ کے چند آدمی ادھر ادھر کترا گئے مگر ان کی کثیر تعداد مورچہ سرجم کر موقعہ کا انتظار کرنے لگی۔ ان کے سرغنہ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابوجہل تھے۔ جونہی حضرت خالدؓ کا دستہ قریب پہنچا، انہوں نے تیروں کی باڑھ چھوڑ دی۔ لیکن خالد بن ولیدؓ کے جوابی حملے سے لحہ بھر میں تیرہ اور بروایت دیگر اٹھارہ مقتول چھوڑ کر تتر بتر ہو گئے۔

مسلمانوں کے دو ایسے آدمی شہید ہوئے جو دستہ سے بچھڑ جانے کے وجہ سے کفار میں گھر گئے تھے۔ سپہ سالاران کفار صفوان و سہیل اور عکرمہ نے خود کو خالدؓ کے نرغے میں دیکھا تو ان کی جنگی مہارت اور شجاعت کے خوف سے اپنی اپنی جان بچا کر ادھر ادھر سرک گئے اور اپنے جن ہمراہیوں کے بل بوتے پر مسلمانوں کو تیروں کے نشانے پر رکھ لیا تھا انہیں اسلام کے بطل عظیم خالد بن ولیدؓ کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اضطراب:

ادھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جبل ہندی کی برابر والی پہاڑی پر مہاجرین کے دستہ کی معیت میں تشریف فرما ہوئے اور اس تصور سے نہایت مسرور تھے کہ بارے خدا مکہ معظّمہ امن و سلامتی سے سر ہو گیا، لیکن جونہی شہر کی طرف دیکھا تو پائین مکہ میں تلواریں چمک رہی تھیں جن کے سائے میں خالدؓ کا دستہ خود کو دشمن سے بچا رہا تھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غم میں ڈوب گئے۔ ارے! میں نے تمہیں قتال سے منع کر دیا مگر تم نے وہی کر دکھایا! جب اصل واقعہ سے آگہی کے بعد سکون حاصل ہوا تب فرمایا شاید اس میں بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی مصلحت ہی ہو!

نصب خیمہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جبل ہندی کے سامنے والے درہ اعلیٰ مکہ (نام) سے شہر میں داخل ہوئے (جس کے متصل ام المومنین سیدہ خدیجہؓ اور جناب ابو طالبؓ دونوں کے مزار ہیں) سیدالبشر صلوات اللہ علیہ کے لئے اسی کے قریب خیمہ نصب کیا گیا۔ لیکن شہر میں داخل ہونے سے قبل عرض ہوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے آبائی دولت کدہ پر استراحت فرمائی کا قصد ہو تو اس کا انتظام کیا جائے فرمایا نہ آبائی گھر میں اترنا چاہتا ہوں نہ میرے قدردانوں نے اسے میرے لئے باقی ہی رہنے دیا یہ فرمانے کے بعد اپنے مختصر سے خیمے میں تشریف لے گئے، قلب بے حد مسرور اور ہر بن مو زبان حال سے شکر خداوندی میں رطب اللسان کہ جو شہر میرے لئے سراسر محن تھا، جس کے رہنے والوں کو جلا وطن ہونے پر مجبور کیا گیا، آج مجھے اس شہر میں ان مظلومین کی معیت میں فاتحانہ غلبہ کی توفیق عنایت فرمائی۔

ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی پر نگاہ دوڑائی، اردگرد کے پہاڑوں کی طرف دیکھا تو شعب ابو طالب پر نظر رک گئی، جہاں قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وجہ سے بنو ہاشم کا مقاطعہ کر کے انہیں دھکیل دیا تھا۔ یہاں سے نظر اچٹی تو وہ کوہ ابو قبیس پر آ کر رکی۔ اسی پہاڑ کے ایک غار میں برسوں گوشہ نشینی کے کیف وکم میں محو رہے اور اسی پہاڑ کے غار (حرا) میں وہ پہلی وحی نازل ہوئی:

اقرا باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقرا وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم (96:1تا5)

(اے پیغمبر! قرآن جو وقتاً فوقتاً تم پر نازل ہوگا اس کو) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھ چلو جس نے مخلوق کو پیدا کیا، (جس نے) آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے بنایا۔ (قرآن) پڑھ چلو اور خدا پر بھروسہ رکھو کہ تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے (جس نے) آدمی کو قلم کے ذریعے سے علم سکھایا (اس نے وحی کے ذریعے سے بھی) انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اس کو معلوم نہ تھیں۔

ان پہاڑوں کے سلسلہ اور جابجا بکھری ہوئی وادیوں کے وسط میں شہر (مکہ) کی تو بر تو حویلیوں کے درمیان بیت اللہ پر آ کر نظر رکی تو ذات باری کے کرم و رحمت کے تصور سے رقت طاری ہوگئی۔ حضور خداوندی میں جذبہ اظہار سپاس و تشکر کی وجہ سے آنسو بھر آئے ذہن میں گزرا کہ بے شک! خدائے برحق ہی کے ساتھ ہر امر کی ابتداء و انتہا ہے۔

شہر میں داخلہ اور اعمال مبارک:

اس امر پر انعطاف توجہ ہوا کہ اسلامی فوجوں کی مہم ختم ہو چکی۔ اور خیمہ میں زیادہ دیر تک استراحت فرما رہنے کی بجائے باہر تشریف لائے۔ (اپنے) ناقہ (قصواء) پر سوار ہو کر بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ سواری ہی پر کعبہ کے سات طواف کیے۔ اپنی خم دار موٹھ والی چھڑی کی نوک رکن یمانی سے لگا کر چھڑی ہی کے ذریعے استلام (بوسہ دہی۔۔۔۔م) پر اکتفا فرمایا۔ کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ کو طلب فرما کر کعبہ کا دروازہ کھلوایا اور خود (رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم) دروازہ سے باہر تشریف فرما رہے۔ بیت اللہ کے وسیع ترین صحن میں لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی[1] جس میں یہ آیہ مبارک پڑھی:

یـایها الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی وجعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارافوا
ان اکرمکم عند الله اتقاکم ان الله علیم خبیر(13:49)

لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حوا) سے پیدا کیا اور پھر تمہاری ذاتیں اور برادریاں ٹھہرائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو (ورنہ) اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا باخبر ہے۔

مجرموں کے عفو عام کا اعلان:

خطبہ کے بعد حاضرین مجلس (بیت اللہ) سے دریافت فرمایا:

یا معشر قریش ماترون انی فاعل بکم؟

اے قریش! میری طرف سے تمہیں اپنے لئے کس سلوک کی توقع ہے؟

(باضافہ: اہل مکہ کے وکیل حدیبیہ سہیل بن عمرو) نے جواب میں عرض کیا:

1۔ تقریر:

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ صدق وعدہ ونصر عبدہ و ہزم الا حزاب وحدہ لا اماثرۃ اودم اومال یدعی فھو تحت فدمی ماتبن الاسدانۃ البیت وسفایۃ الحاج الا وفصل الخطاء شبہ الصمد!

ذات واحد کے سوا کوئی قابل پرستش نہیں۔ آج اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا جو اپنے بندے (رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم) کو ظفریاب کیا اور دوسرے گروہوں کو شکست دلوائی۔

ہاں سنو! آج سے قبل اسلام کے تمام مالی اور فوجداری مطالبات کے دعاوی نا قابل سماعت ہونے کی وجہ سے میرے پیروں تلے روند کر رکھ دیئے۔ ماسوائے بیت اللہ کی کلید برداری اور حاجیوں کے لئے پانی فراہم کرنے کی خدمت کے۔ ہاں! آج قتل خطا کی دیت بھی قتل شبہ عمد کے مساوی ہوگی۔

یا معشر قریش ان اللہ قد ذھب عنکم تخوۃ الجاھلیۃ و تعطمھا مالا باء الناس من آدم و آدم من تراب ثم تلاھذہ الایۃ

یا ایھا الناس انا خلقنا کم الخ

اے دوستان قریش! آج سے اللہ نے جاہلیت کی نخوت و برتری ختم کر دی۔ حسب ونسب کا غرور رخصت کر دیا۔ سنو! ہر انسان آدم کی اولاد ہے اور آدم کو مٹی سے خلق کیا گیا۔

آخر میں آپ نے آیہ **یا ایھا الناس انا خلقنکم** پڑھی.

(م.....)

خیراً! اخ کریم وابن اخ کریم!

آپ ہمارے شفیق برادر اور مہربان برادر کے فرزند ہیں۔ ہمیں آپ سے بھلائی ہی کی توقع ہے۔

فرمایا **فاذھبوا! فانتم الطلقاء** جہاں جی چاہے رہیے۔ آپ لوگ آزاد ہیں۔

دوستو! ایک ہی کلمہ قریش اور اہل مکہ کی جاں بخشی کا سبب بن گیا۔ یہ عفو عام اور دشمنوں پر پوری قدرت حاصل ہونے کے باوجود! ہر قسم کے جذبہ انتقام اور حسد وکینہ سے دامن بچا کر!

آج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ازلی دشمنوں کی جان آپ کی مٹھی میں ہے۔ جلو میں دس ہزار مسلح جان نثاروں کا لشکر! ایک لفظ بزن سے سب کے سر تن سے جدا ہو سکتے ہیں اور دوسرے لفظ سے لمحہ بھر میں دشمنوں کی اس کمین گاہ کے سر بفلک محل زمین سے پیوست! لیکن یہ وجود گرامی انسان کا دشمن نہیں۔ یہ صاحب صد مدحت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، خدا کے نبیصلی اللہ علیہ وسلم! اخبار الٰہی کے مبین! عالم کے رسول! اور بندوں کو احکم الحاکمین کے احکام پہنچانے پر نامزد! آپ ان لوگوں میں سے نہیں جن کے دل میں لمحہ بھر کے لئے بھی بنی نوع بشر کے ساتھ دشمنی یا انتقام کا جذبہ ابھر سکے! نہ سخت گیر اور نہ متکبر! بے شک آج اللہ نے آپ کو آپ کے قدیم دشمنوں پر غالب فرما دیا، لیکن آپ نے ان پر پورے اختیار وقدرت کے باوجود انہیں معاف فرما کر تمام عالم کے

سامنے عفو و احسان کی ایسی مثال پیش کر دی جس کی دوسری نظیر ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی! ابن آدم میں اس کردار کا دوسرا نمونہ کہاں پایئے گا!

تطہیر کعبہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں تشریف لے گئے۔ ہر طرف بتوں کی بھر مار دیکھنے میں آئی۔ دیواروں پر ملائکہ اور نبیوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ جن میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ کے ہاتھ میں فال کے تیر دکھائے گئے تھے۔ گویا خدا کے فرستادہ پیغمبر بھی فال ہی کے سہارے نبوت کی تبلیغ فرماتے ہیں! کاٹھ کا کبوتر بھی پرستش کے لئے موجود ہے، جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر پٹک کر توڑ ڈالا اور جناب ابراہیمؑ کی تصویر پر کچھ دیر تک نظر جمائے رکھنے کے بعد فرمایا ان پر خدا کی مار! انبیاءؑ کے جد اعلیٰ کو فال پرست ٹھہرا دیا۔ حضرت ابراہیمؑ اور تیروں سے تفاول! (پھر فرمایا:)

ما كان ابراهيم يهوديا ولا نصرانيا ولكن كان حنيفا مسلما وما كان من المشركين (67:13)

ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ ہمارے ایک فرماں بردار (بندے) تھے اور مشرکوں سے (بھی) نہ تھے۔

ملائکہ کی تصویروں پر نظر ڈالی تو پری جمال نازنینوں کے روپ میں جلوہ ہار ہیں۔ فرمایا ارے! یہ غضب فرشتے تو مرد ہیں نہ عورت ان کو مٹا دینے کا حکم فرما کر جب اوپر نظر اٹھائی تو محراب کعبہ کے ہر طرف بت رکھے ہوئے دیکھے جنہیں دیوار کے ساتھ چونے سے جما دیا گیا تھا۔ ہبل وسط خانہ میں دھرا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک بت کی طرف چھڑی سے اشارہ کرتے ہوئے یہ آیت پڑھتے جاتے تھے اور بت منہ کے بل زمین پر گرتے جا رہے تھے:

وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كن زهوقا (18:17)

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں سے کہہ دو (بس دین) برحق آیا اور (دین) باطل نیست و

نابود ہوا اور (دین) باطل تو نیست و نابود ہونے والا ہی تھا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم آج سے بیس سال قبل جس مقصد کے لئے دعوت دے رہے تھے اور قریش جن بتوں کی حمایت میں اس پوری مدت تک سینہ سپر رہے، آج ان جھوٹے خداؤں، ان کی تصویروں اور مجسموں سے خدا کا گھر پاک ہو گیا۔ لوگوں کے سامنے ان کے معبودوں کی تصویریں کھرچ دی گئیں اور ان کے بالمواجہ ان کے معبود اکبر ہبل اور اس کے حاشیہ بردار بتوں کے مجسمے اٹھوا کر باہر پھنکوا دیئے گئے۔ قریش حیران تھے کہ انہیں تو وہ اور ان کے بڑے بوڑھے حاجت روا سمجھے ہوئے تھے، انہیں کیا ہو گیا ہے کہ اپنی ذات سے بھی آفت کو دور نہیں کر سکے۔

انصار کو خدشہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدنی رفقاء ہر موقعہ پر شریک اور ہر منظر کو دیکھ رہے تھے۔ جب بیت اللہ کی تطہیر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (کوہ) صفا پر کھڑے ہو کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو انصار کے دل میں یہ خیال ابھر آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مولد پر فتح حاصل کر لی ہے۔ اب آپ مدینہ کیوں جانے لگے۔ حتیٰ کہ ان میں سے دو ایک حضرات نے آپس میں ایسی گفتگو بھی کی: آپ کی کیا رائے ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مولد پر فتح حاصل کر لی ہے۔ آپ مدینہ تشریف لے جائیں گے یا مکہ ہی میں قیام فرمائیں گے؟ ان کے اس خدشہ کے لئے بظاہر اسباب کی کمی نہ تھی کہ آپ خدا کے رسول ہیں اور مکہ خدا کا گھر ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا ختم کرنے کے بعد (انصار سے) دریافت کیا، پھر ان کے اظہار تردد پر فرمایا معاذ اللہ! تم لوگ کیا سمجھ رہے ہو! میرا ارادہ یہ ہو سکتا ہے! جس کی زندگی اور موت دونوں تمہارے ساتھ وابستہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اشارہ بیعت عقبہ کی طرف تھا، جس میں انصار کے ساتھ عہد و پیمان ہوئے تھے اور انصار نے بھی اپنی طرف سے وفاداری کا یقین دلا دیا تھا۔ وہ عہد و پیمان جنہیں وطن اور اہل و عیال ایک طرف مکہ جیسے مامن کی خاطر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

بیت اللہ میں اذان صلوٰۃ

تطہیر (کعبہ) کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال ؓ کو حکم دیا کہ سقف کعبہ پر جا کر اذان کہیں۔ اذان کے بعد مسلمانوں نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی جو چودہ سو سال سے اسی بیت اللہ میں بلا انقطاع ادا کی جا رہی ہے۔ بلال ؓ کی طرح ان کے قائم مقام موذن اور ان کے نائبین اپنے اپنے زمانہ میں یہ اذان پکار رہے ہیں۔ اسی بیت اللہ کے اندر دن رات میں پانچ مرتبہ مسجد الحرام کے مکبر پر سروقد کھڑے ہو کر اسی طرح نہ صرف جوار بیت اللہ بلکہ ہر جگہ کے رہنے والے مسلمان اللہ کی طرف سے عائد شدہ فریضہ صلوٰۃ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے میں عمل پیرا ہیں اور اسی بیت اللہ الحرام کی طرف منہ کر کے بارگاہ خداوندی میں خشوع و خضوع کے ساتھ جس گھر کو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرنے پر بتوں کی نجاست سے پاک کر دیا۔

قریش مکہ کی سراسیمگی:

قریش نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت وکرم نے انہیں اپنی جانوں اور مال کے معاملہ میں پوری طرح مطمئن رکھا مگر انہیں اپنے سابقہ رویہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی طرف سے خوف کھائے جا رہا تھا۔

ناقابل معافی مجرموں کے لئے اذن قتل

قریش میں سترہ ایسے مجرم بھی تھے، جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شفقت سے محروم کر کے واجب القتل قرار دیتے ہوئے فرما دیا کہ اگر ان میں سے کوئی شخص غلاف کعبہ کے نیچے چھپا ہوا ملے تب بھی اسے معاف نہ کیا جائے۔

جن لوگوں کے متعلق فرمان قتل نافذ ہوا ان میں سے بعض لوگ ادھر ادھر روپوش ہو گئے، بعض بھاگ کر مکہ سے دور چلے گئے، لیکن ان مجرموں کے ساتھ یہ برتاؤ کسی کینہ یا برہمی کی وجہ سے نہ

تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ذمائم (برے) اخلاق سے مبرا تھے، بلکہ ان بدنصیبوں نے خود اپنے اعمال کی وجہ سے یہ روز بد دیکھا۔ ان مجرموں میں مندرجہ ذیل اشخاص تھے:

1۔ عبداللہ ابن ابی سرح تھے جو مسلمان ہو جانے کے بعد کاتب وحی کے منصب پر فائز ہوئے اور ان کی طبیعت رنگ لائے بغیر نہ رہی۔ ترک اسلام کر کے قریش کے ہاں چلے آئے اور یہاں آ کر یہ ڈینگیں مارنے لگے کہ میں قرآن میں کمی بیشی کرتا ہوں۔

2۔ عبداللہ ابن خطل یہ بھی اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو گیا اور مرتد ہونے کے بعد اپنے بے گناہ غلام کو قتل کر دیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی دو کنیزوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کے قصائد سوز میں سننے سنانے کا مشغلہ بنا لیا۔

3,4۔ مذکورۃ الصدر دونوں کنچنیوں کے لئے۔

5۔ عکرمہ بن ابو جہل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے حسد و دشمنی میں حد سے گزرے ہوئے۔ فتح مکہ کے زمانے میں بھی حضرت خالد بن ولیدؓ کے دستے پر حملہ کر دیا۔

6۔ صفوان بن امیہ۔

7۔ حویرث بن نقیذ۔ جناب زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے موقعہ پر سیدہ کے درپے آزار ہوا۔ بی بی کی سواری کے جانور کو اس زور سے کونچا دیا کہ سواری بے تحاشا بھاگ اٹھی۔ سیدہ زمین پر گر پڑیں اور اسقاط ہو گیا۔

8۔ مقیس بن حبابہ۔ مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو کر مشرکوں کا ناصر و معین بن گیا۔

9۔ ھبار بن اسود۔

10۔ ہند بنت عتبہ (زوجہ ابوسفیان) سید الشہداء (عم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبانے والی۔

ان میں چار اشخاص کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ ابن اخطل، اس کی کنیز قریبہ، مقیس، حویرث باقیوں کی سرگزشت یہ ہے۔

1۔ عبداللہ بن سرح: (نمبر ایک) حضرت عثمان کے سوتیلے رضاعی بھائی تھے۔ ممدوح اسے ہمراہ لائے۔ جاں بخشی کی سفارش پیش کی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر سکوت کے بعد معاف فرما دیا۔

2۔ عکرمہ بن ابوجہل (نمبر 5) کی اہلیہ سیدہ ام حکیم بنت الحارث اسلام لے آئی تھیں۔ عکرمہ فرمان قتل سن کر یمن کی طرف بھاگ گئے۔ ام حکیم نے اپنے شوہر کی جاں بخشی کی التجا کی اور قبول عرض کے بعد بی بی خود یمن کی طرف گئیں۔

3۔ صفوان بن امیہ (نمبر 6) بھی عکرمہ کے ہمراہ تھے۔ دونوں ایک کشتی میں سوار ہو کر یمن کی طرف جانے کے لئے پتوار کھول رہے تھے کہ بی بی ام حکیم جا پہنچیں اور جاں بخشی کے مژدہ سنا کر دونوں کو مکہ واپس لے آئیں۔

4۔ سیدہ ہند (نمبر 10) زوجہ ابوسفیان۔

فتح مکہ کا دوسرا خطبہ:

فتح کے دوسرے روز بنوخزاعہ نے قبیلہ بدیل کے ایک مشترک کو اپنی سابقہ دشمنی کی بنا پر قتل کر دیا۔ یہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے مجمع عام میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

یا ایھا الناس ان اللہ حرم مکہ یوم خلق السموات والارض فھی من حرام الی یوم القیامۃ لا یحل لامرء یومن باللہ والیوم الاخران یسفک فیھا دما او یعضد فیھا شجراً لم تحلل لا حد کان قبلی ولا تحل لا حد یکون بعدی ولم تحلل لی الا ھذہ الساعۃ غضباً علی اھلھاثم رجعت کحر متھا بالامس فلیبلغ الشاھد الغائب فمن قال لکم ان رسول اللہ قد قاتل فیھا فقولوا ان اللہ قد احلھا الرسولہ ولم یحللھا لکم۔

دوستو! اللہ نے ازل ہی سے مکہ کی حرمت فرما دی اور تا بہ قیامت بحال رکھی۔ جو شخص خداوند عالم اور آخرت پر ایمان رکھتا ہوا سے مکہ کی حدود میں

کسی کو قتل نہ کرنا چاہیے بلکہ یہاں کا درخت تک نہ کاٹنا چاہیے۔ مجھ سے قبل اور میرے بعد کسی کے لئے مکہ کی یہ حرمت ختم کرنا حلال نہیں اور میرے لئے بھی ایک ہی ساعت کے لئے روا ہوئی۔ وہ بھی اہل مکہ نے خود پر خدا کو ناراض کر دیا۔ تو فقط اس برہمی کی بنا پر اور اتنی ہی دیر کے لئے جس کے بعد یہ حرمت پہلے ہی کی مانند پھر لوٹ آئی۔ دوستو! جو لوگ یہاں موجود نہیں انہیں بھی یہ مسائل بتا دیجئے۔ خیال رہے اگر کوئی شخص کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مکہ کے حدود میں جنگ کی تو جواب میں کہنا یہ تو اللہ نے صرف اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال کیا تھا مگر تمہارے لئے یہ اجازت نہیں۔

خزاعہ سے خطاب:

يا معشر الخزاعه! ارفعوا ابدبكم عن القتل فلقد كثران نفح، بعد قتلتم قتيلا لا دينه فمن قتل بعد مقالتى هذا! فاهله بخير النظرين ان شاوا فدم قاتله وان شاوا فعقله.

اور اے دوستان خزاعہ! قتال سے ہاتھ روک لو، اگر چہ تمہارے لئے اس میں کوئی منفعت ہی سہی۔ میں یہی فیصلہ کرتا ہوں کہ تمہارے ہاتھ سے جو شخص قتل ہوا ہے اس کے عوض میں قاتلوں کو اپنی طرف سے خوں بہا دیئے دیتا ہوں لیکن آئندہ کے لئے مقتول کے وارثوں کو اختیار دیتا ہوں کہ اپنے قتیل کا خوں بہا لیں یا قصاص، انہیں اختیار ہے۔

اور قتیل کی دیت (خون بہا) اس کے وارثوں کو اپنی طرف سے ادا کر کے تنازعہ ختم کر دیا۔

اہل مکہ پر اثر:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز خطاب اور انداز کرم نے اہل مکہ کے دلوں کو اپنی طرف اس طرح مائل کر لیا کہ دنیا جہاں کی دولت اور بادشاہت بھی انہیں اس طرح متوجہ نہ کر سکتی۔ جوق

در جوق لوگ اسلام کی طرف بڑھے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا جس کسی کا ایمان خدا اور آخرت پر ہے اگر اس کے گھر میں صنم ہو تو اسے توڑ کر پھینک دے۔

سنگ میل حرم کی مرمت:

بنوخزاعہ سے فرمایا کہ حرم کے سنگ میل (بارہ پتھر) میں سے جو برجی مرمت کے قابل ہو اس کی تعمیر کرا دیں جس سے اہل مکہ کے دلوں پر نقش ہو گیا کہ (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حرم بیت اللہ کی تقدیس و محبت کس حد تک راسخ ہے۔

اہل مکہ کی فریفتگی:

اسی لمحہ اہل مکہ سے فرمایا آپ لوگ دنیا جہان کی بہتر جماعت سے ہیں۔ مجھے تم سے بے حد محبت ہے۔ میں تمہیں چھوڑ کر مدینہ نہ جاتا اور کسی کو تمہارے ہم پلہ نہ ٹھہراتا مگر کیا کروں تم ہی نے تو مجھے جلاوطن کیا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اپنے متعلق یہ کلمات سن کر اہل مکہ آپ پر اور بھی فریفتہ ہو گئے۔

شیخ نابینا پر شفقت:

اور اسی وقفہ میں (جناب) ابوبکرؓ نے اپنے والد ماجد ابوقحافہ کو حاضر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکرؓ! یہ ضعیف ہیں، میں خود ہی ان کے ہاں چلا جاتا۔ آپ نے انہیں یہاں آنے کی زحمت کیوں دی؟

ابوبکرؓ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ان کا فرض تھا، نہ کہ آپ تکلیف فرماتے!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کے نابینا باپ کو اپنے سامنے بٹھا کر ان کا سینہ مس کرنے کے بعد فرمایا اے شیخ! اسلام قبول کیجئے ابوقحافہ نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہؐ پڑھا اور جب تک زندہ رہے، اسلام کو اپنے حسن کردار سے مزین کرتے رہے۔ آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغمبرانہ خلق عظیم کے وسیلہ سے ان لوگوں کو اپنی محبت کا وارفتہ بنا لیا، جو کل تک

خون آشام بھیڑیوں کی مانند ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں مارے مارے پھرتے۔ وہی لوگ آج رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام وتقدیس کی وظیفہ خوانی پر زندگی کا ماحصل سمجھتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عوام وخواص، قاتل ومقتول، عبادت گاہیں وعباد اور بیت اللہ وحرم مکہ کا تقدس دیکھ کر مکہ کے زن ومرد از خود آپ کی بیعت کا قلاوہ گلے میں ڈال کر زبان قال وحال سے:

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

کہہ رہے ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقاء کے ہمراہ مکہ معظّمہ میں پندرہ روز تک قیام فرمایا۔ اس دوران میں (مکہ کے ریاست اسلامی میں داخل ہوجانے کی وجہ سے: باضافہ) وہاں کے نظم و نسق کی ترتیب اور جدید الاسلام لوگوں کی تربیت میں ان کی رہنمائی فرماتے رہے۔ یہاں متعدد وفود (بصورت دستہ) اسلام کی دعوت کے لئے غیر مسلم قبائل میں بھیجے، جنہیں تاکید فرما دی کہ جہاں بت نظر آئیں انہیں تہس نہس کر دیا جائے۔ لیکن خونریزی سے بچ کر۔

اس سے قبل حضرت خالد ابن ولیدؓ مقام نخلہ میں بت (عزیٰ) کے توڑنے کی غرض سے (باضافہ: تیس سپاہیوں کی مشایعت میں ۔۔۔م) تشریف لے گئے۔ (عزیٰ کے پجاری بنو شیبان تھے۔)

حضرت خالدؓ کے ہاتھوں بے گناہ مسلمانوں کا قتل اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تبرا:

جناب خالدؓ عزیٰ کو ختم کرنے کے بعد قبیلہ بنو جزیمہ کی طرف بڑھ گئے۔ اہل قبیلہ نے انہیں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو مسلح ہو کر نکل آئے۔ حضرت خالدؓ نے ہتھیار ڈالنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ دوسرے لوگ تو مسلمان ہو گئے ہیں۔ قبیلہ کے ایک شخص نے ان سے کہا ارے! یہ

خالدؓ ہیں۔ اگر تم نے ہتھیار ڈال دیئے تو یہ تمہیں گرفتار کر لیں گے اور قید کر لینے کے بعد تمہاری گردنیں اڑا دیں گے۔ اس کے جواب میں قبیلہ کے چند اشخاص نے اپنے (اس) صلاح کار سے کہا آپ ہمیں قتل کرانا چاہتے ہیں۔ دوسرے لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔ لڑائی مٹ چکی ہے۔ ہر طرف امن و امان کا پہرہ ہے! آخر ایک ایک نے ہتھیار ڈال دیئے مگر اس کے بعد حضرت خالدؓ نے وہی کیا جو ان کے اس ناصح نے ان سے کہا تھا۔ ان کے مشکیں بندھوا دی گئیں اور قتل گاہ میں لے جا کر (95 آدمی: باضافہ۔۔۔م) تہ تیغ کرا دیئے:

مقتولین بنو جزیمہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن اور ادائے دیت!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرط غم سے بے قرار ہو گئے اور دونوں ہاتھ پھیلا کر حضور خداوندی میں التجا کی:

اللھم انی ابر امن ماصنع خالدؓ بن ولید.

یا اللہ! میں خالدؓ کی اس کرتوت سے بری الذمہ ہوں۔

اور حضرت علیؓ کو بہت سا مال و زر دے کر مظلومین کی طرف بھیجا تا کہ ان کی تعداد کے مطابق دیت ادا کی جائے اور جناب علیؓ کو تاکید فرما دی کہ ضیاع نفوس و اموال کو معاملہ میں جاہلیت کی ناپ تول کو اپنے قدموں تلے روند دیجئے۔

حضرت علیؓ نے فراخ دلی کے ساتھ دیت اور اموال کا تاوان ادا کیا اور ادائے دیت کے بعد جو رقم بچی وہ بھی احتیاطاً انہیں عطا فرما دی تا کہ اگر کسی اور قسم کے ضیاع کا انکشاف نہیں ہوا تو اس کی تلافی ہو جائے۔ قیام مکہ کے اس پندھرواڑے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر اور گرد و نواح سے بتوں کا ایک ایک مٹھ زمین کے برابر کر دیا اور بیت اللہ کے مناصب میں صرف دو عہدے برقرار رکھے۔

مناصب کعبہ:

1۔ کلید برداری: جناب عثمان بن طلحہ کو نسلاً بعد نسل (ان کے خاندان میں) یہ فرمانے کے ساتھ کہ ان سے یہ چابی ظالم کے سوا دوسرا لینے کی جرأت نہ کرے۔

2۔ سقایت: (زائرین بیت اللہ کو پانی پلانا) نسلاً بعد نسل سیدنا عباس ؓ بن عبدالمطلب ؓ کے لئے۔

(باضافہ: عثمان اور سیدنا عباس ؓ دونوں کے خاندان نسلاً بعد نسل ان مناصب پر پہلے سے فائز تھے)

آج سے مکہ اور اس کا حرم از سر نو امن و سلامتی کا گہوارہ بن گئے جہاں سے نور توحید کی درخشندہ رو اٹھ کر آسمان سے ٹکرائی۔ وہ رو جس کی ضیاء نے چودہ سو سال سے تمام عالم کو منور کر رکھا ہے۔

☆☆☆

باب25

غزوۂ ہوازن وطائف

ہوازن اور ان کے حلیف قبائل کا مکہ پر حملہ کے لئے اجتماع:

فتح مکہ کے بعد مسلمان چند روز تک یہیں مقیم رہے۔ خدا کے دین پر شاداں وشکر گزار اور اتنی بڑی فتح میں قتل عام سے اپنا دامن پاک رکھنے پر خوش! بلال اذان کہتے اور ٹھٹھ کے ٹھٹھ مسرت و شادمانی کے ساتھ بیت اللہ میں نماز کے لئے جمع ہو جاتے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم شہر اور نواح میں جہاں تشریف لاتے مشایعت میں مہاجرین و انصار موجود ہوتے۔ مہاجرین اپنی متروکہ حویلیوں میں جاتے تو ان میں بسنے والوں سے مل کر (دونوں فریق) خوشی کا اظہار کرتے کہ اللہ نے اس فتح کی بدولت انہیں بھی ہدایت فرمائی۔ اس خوشی سے فاتح اور مفتوح دونوں شریک ہوتے کہ البلد الامین (مکہ) میں اسلام کو نفوذ و استقرار حاصل ہوا۔ مسلمانوں کے مکہ فتح کرنے کا یہ خوش گوار نتیجہ مرتب ہوا۔ یہ پندھرواڑہ اسی طرح گزرا۔

اتنے میں مکہ کے قریبی جنوب مشرقی پہاڑوں میں قبیلہ ہوازن اور ان کے حلیفوں کے اجتماع کی خبر پہنچی جو مکہ پر حملہ کی تیاری میں مصروف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ فتح مکہ اور وہاں کے بتوں کو ملیا میٹ کرنے کے بعد ممکن ہے مسلمان ان پر ہلہ بول دیں۔ انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ اپنی طرف سے مدافعت کرنے کے بجائے خود ہی مکہ پر دھاوا بول دیا جائے ورنہ (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی جنہیں قدر اندازی میں بلا کی مہارت ہے اور اپنی جمعیت و مشق جہاد کے غرور میں عربستان کے تمام قبائل کو رشتہ اسلام میں منسلک کرنے پر تلے بیٹھے ہیں وہ انہیں بھی ان کے

حال پر نہ رہنے دیں گے۔ یہ تھا ہوازن کا منصوبہ جس کے لئے ان کے نوجوان اور دلاور سردار مالک بن عوف نے (جو بعد میں مسلمان ہو گئے۔۔۔م) اپنے قبیلہ کے ہمراہ بنوثقیف اور (قبیلہ) بنونصر وجشم کو بھی شامل کرلیا (صرف ہوازن کی دو شاخوں قبیلہ کعب وکلاب نے شرکت سے انکار کیا۔)

قبیلہ جشم کے جنگ آزمودہ مرد پیر کا مشورہ:

قبیلہ جشم کے کہنہ مشق میدان کارزار کے تجربہ کار درید بن صمہ بھی شریک کر لئے گئے۔ مگر آج وہ شیخ فانی کے درجہ پر آ پہنچے تھے۔ انہیں صرف جنگ میں مشورہ دینے کے لئے اٹھا کر لایا گیا پلنگ پر!

شرکائے جنگ اپنے اموال و مویشی اور زن و بچہ تک کو ہمراہ لے آئے۔ میدان کے ایک کونے کی طرف سے اونٹوں کے بلبلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ گدھوں کی ہنہناہٹ سے فضا مکدر تھی۔ بکریوں کی ممیاہٹ کانوں کے پردے چیر رہی تھی۔ بچوں کی چیخ پکار سے دشت وجبل گونج رہے تھے۔ یہ مختلف آوازیں سن کر درید نے سپہ سالار ہوازن (مالک بن عوف) سے دریافت کیا کہ مویشی اور زن و بچے ہمراہ لانے میں کیا مصلحت ہے۔

مالک: تاکہ دلاوران بیشہ جنگ لڑائی سے منہ نہ موڑیں اور انہیں دیکھ کر جی توڑ کر مقابلہ پر ڈٹے رہیں۔

درید: یہ چیزیں فوج کے اکھڑے ہوئے قدم نہیں جما سکتیں۔ ایسے موقع پر صرف فوج، تلوار اور تیر کام آتے ہیں۔ اے مالک! اگر جنگ شروع ہونے سے پہلے انہیں یہاں سے علیحدہ نہ کیا تو بے حد ندامت کا سامنا ہوگا۔

لیکن مالک بن عوف نے اس مرد پیر کی رائے پر عمل نہ کیا اور لشکر نے بھی درید کی بجائے اپنے تیس سالہ نوجوان سپہ سالار کی اطاعت کو ترجیح دی جوان کے نزدیک عزم وارادہ اور شجاعت میں بے مثل تھا۔ درید بن صمہ نے اپنے مدت العمر کے تجربہ کے خلاف ہوتا ہوا دیکھ کر خاموشی

اختیار کرلی۔

کفار کی مورچہ بندی:

مالک بن عوف نے اپنی فوج کو حنین کی چوٹی اور پہاڑ کے تنگ دروں کے بالائی کناروں پر تعینات کر کے تاکید کر دی کہ جوں ہی مسلمان ادھر سے وادی میں اتریں یک دم بزن بول دیا جائے تاکہ ان کی صفوں میں ایسے شگاف پیدا ہو جائیں کہ گھبراہٹ میں خود ہی ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیں، انہیں بھاگنے کے بغیر چارہ نہ رہے اور ان کے دماغ سے فتح کا نشہ ہرن ہو جائے۔ عربستان میں کفار کی دلاوری کی دھاک بیٹھ جائے کہ حنین میں ایسی قوت کو پارہ پارہ کر دیا گیا جس نے تمام عرب کو سرنگوں کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

ان کی فوجوں نے مالک بن عوف کے ارشاد کی تعمیل میں ذرا پس و پیش نہ کیا اور ہر ایک جتھہ نے اپنے سپہ سالار کی ہدایت کے مطابق مورچہ سنبھال لیا۔

مسلمانوں کی حنین کی طرف پیش قدمی:

مکہ میں قیام کو دو ہفتے گزر چکے تھے۔ مسلمانوں نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سپہ سالاری میں حنین کا رخ کیا۔ اس فوج میں ان کی تعداد پہلے سے زیادہ تھی اور اس کا مقصد قبیلہ ہوازن اور ان کے حلیفوں کے مکہ پر حملہ کا انسداد تھا۔ اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی جن میں دس ہزار وہ فوج تھی جو مدینہ سے مکہ کے لئے آئی تھی اور دو ہزار جدید الاسلام قریش مکہ سے شامل ہو گئے۔ جن میں ابوسفیان بن حرب بھی شریک غزوہ تھے۔ مسلمان سپاہیوں کی زرہوں کی چمک دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ مقدمہ فوج میں گھڑسواروں کا دستہ تھا۔ جس کی نگرانی میں رسد کی باربردار اونٹ بھی تھے۔ عرب نے اتنا بڑا لشکر آج تک نہ دیکھا تھا۔

ہر ایک قبیلہ کا دستہ اپنا اپنا علم سنبھالے ہوئے اور ہر ایک سپاہی اپنی فوج کی کثرت پر اس قدر نازاں کہ ان میں سے بعض افراد نے ایک دوسرے سے گفتگو میں یہاں تک کہہ دیا کہ اتنی کثیر

التعداد فوج کو کون شکست دے سکتا ہے! یہ فوجیں غروب آفتاب کے بعد حنین میں جا پہنچیں اور رات سر پر آجانے کی وجہ سے درے سے ادھر میدان میں پڑاؤ ڈال لیا۔ دوسرے روز پو پھٹنے سے ذرا پہلے آگے بڑھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سپید رنگ ناقہ پر سوار سب کے آگے تشریف لئے جارہے تھے۔

دشمنوں کی یلغار پر اسلامی فوجوں میں کھلبلی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں خالدؓ بن ولید کی سپہ سالاری میں بنو سلیم کا دستہ مقدمہ الجیش میں تھا۔ ان کے ہاتھ میں علم بھی تھا۔ جونہی یہ دستہ تہامہ کا میدان طے کر کے حنین کی تنگ گھاٹی سے گزرا، دشمن کی فوجوں نے جو درہ کی چوٹی پر گھات لگائے بیٹھی تھیں اپنے سپہ سالار مالک بن عوف کی ہدایت کے مطابق پے بہ پے تیروں کی باڑھ چھوڑ دی۔ ادھر یہ مصیبت کہ دن کا اجالا بھی پوری طرح نہ ابھرا تھا۔ کہ مسلمانوں میں خلفشار پڑ گیا۔ دشمن کے حملے سے گھبرا کر ادھر ادھر چھٹ گئے۔ بعض بھاگ ہی نکلے، جن کی بد دلی پر ابوسفیان نے ان لوگوں کے متعلق جنھوں نے کل مکہ جیسا مورچہ فتح کیا تھا کہا ان کے طور طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سمندر[1] سے ادھر نہیں رک سکتے۔ اس وقت ابوسفیان کے چہرے پر تعجب کے آثار تھے۔ تکلم کے وقت ان کے دونوں ہونٹ کھل گئے اور دانت نظر آنے لگے۔

اسلامی فوج کے ایک سپاہی (شیبہ بن عثمان بن ابوطلحہ جن کا باپ احد میں مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا) کی زبان سے نکل گیا آج میں بھی اپنے باپ کے خون کا بدلہ (جناب) محمد سے لے کر رہوں گا! اسی لشکر میں سے کلدہ بن حنبل نے کہا آج سحر باطل ہو گیا کلدہ کی بات صفوان کے کانوں میں پڑی تو اس نے ڈانٹ کر (کلدہ سے) کہا تیرے منہ میں آگ پڑے! بخدا! مجھے خود پر ہوازن کی حکومت سے مرد قریش کی فرماں روائی زیادہ محبوب ہے۔ (باضافہ: اور صفوان اس وقت تک مسلمان بھی نہ ہوئے تھے: اصابہ ابن حجر۔۔۔م)

اور ہوازن کی ضرب سے مسلمانوں میں بری طرح ابتری پھیل گئی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ

وسلم راحلہ پر تشریف فرما تھا۔ فوج کے شکست خوردہ سپاہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرتے اور بھگدڑ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی نوبت نہ آتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبات وقوت عزیمت:

اس نازک ساعت میں کیا چارہ کار تھا؟ کیا خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل بیس سالہ قربانی کا ثمرہ اسی لمحہ میں تلف ہونے کو ہے، یعنی آج کے دن کی فجر کی تاریکی میں؟ اور ان کے رب نے اپنا دامن ان کے ہاتھ سے جھٹک کر انہیں ہمیشہ کے لئے اپنی نصرت سے محروم فرما دیا ہے، نہیں یہ ایسی نازک ساعت تھی جس کے پیش آنے سے قبل ایک قوم یا تو اپنے مقابل کو ملیا میٹ کرسکتی ہے یا خود کو فنا!

ولکل امۃ اجل فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ و لا یستقدمون[2]

مسلمان رٹ میں لوٹ آئے:

لوٹنے والوں کی تعداد لمحہ بہ لمحہ بڑھتی گئی۔ ایک دوسرے کو یوں واپس آتا ہوا دیکھ کر مسلمانوں کے قدم پھر سے جم گئے۔ کبھی انصار نے اپنے آدمیوں کو اے انصار کہہ کر پکارا اور گاہے اے خزرج! سے انہیں لڑائی جاری کرنے کے لئے بلایا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی کارکردگی کے نظارہ میں مصروف تھے۔ ذرا دیر میں گھمسان کا رن آ پڑا اب مسلمان

---

[1] وادی حنین مکہ سے جنوب مشرق کی طرف ہے اور حنین و مکہ دونوں سے سمندر عین مغرب کی سمت! یہی بحرۂ احمر ہے۔ (نقشہ عرب ۔۔۔۔ م)

[2] 34:7 ۔۔۔ اور ہر ایک قوم کے مٹنے کا ایک وقت مقرر ہے۔ پھر جب ان کا وقت آ پہنچتا ہے تو اس سے نہ ایک گھڑی پیچھے نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔

دشمنوں کو رگید رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بآواز بلند پکار کر فرمایا مسلمانو! ہمت نہ ہارنا۔ لڑائی نے زور پکڑ لیا ہے۔ اللہ نے اپنے رسول سے نصرت کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔

عباسؓ کے ہاتھ سے کنکری لے کر دشمن کی طرف پھینکنا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عباسؓ سے فرمایا کنکریوں کی ایک مٹھی مجھے دو۔ اور دست مبارک میں لے کر شاھت الوجوہ کہہ کر دشمنوں کی طرف پھینکیں۔ مسلمان موت سے نڈر ہو کر داد شجاعت دے رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ آج کے شہید اپنے زندہ رہنے والوں سے بہتر ہوں گے۔

ہوازن کی شکست:

لڑائی نے ہولناک صورت اختیار کر لی۔ ہوازن بن ثقیف اور ان کے رفیقوں نے یہ سمجھ کر جی چھوڑ دیا کہ مقابلہ پر ڈٹے رہنے کا نتیجہ موت کے سوا کچھ نہیں۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے۔

مال غنیمت کی مقدار:

دشمن نے میدان میں عورتیں، بچے اور مویشی بکثرت چھوڑے جن کی تعداد یہ ہے:

شتر 2200	چاندی 40000 (اوقیہ 1)
بکری 40000	عورتیں اور بچے 6000

مسلمان اموال غنیمت جعرانہ میں پہنچا کر خود مفرورین کے تعاقب میں لگ گئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر اعلان فرمایا کہ اصل قاتل اپنے مقتول کی سواری، اسلحہ وغیرہ کا حق دار ہے۔ جس سے مسلمانوں کا ولولہ اور زیادہ ہو گیا۔

حضرت ربیعہ اور درید بن صمہ کا قتل:

ربیعہ ابن دغنہ نے بڑھ کر ایک شتر گرفتار کیا جس پر ہودج کی بجائے پلنگ تھا۔ ربیعہ سمجھے کہ اس پر کسی امیر کبیع ورت ہوگی، جس سے بہت سا مال وزر حاصل ہوگا مگر پلنگ پر ایک ضعیف عمرؓ مرد لیٹا ہوا تھا، جسے ربیعہ پہچان نہ سکے۔ یہ ہوازن کا جنگی مشیر درید بن صمہ تھا۔ درید نے ربیعہ سے ان کا مقصد دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں۔

اس کے ساتھ ہی تلوار کا ہاتھ تول کر مارا جو خالی گیا۔ درید نے اس سے کہا ربیعہ! تمہاری ماں نے تمہیں ناکارہ تلوار دے کر بھیجا ہے۔ میری پشت کی طرف جو شمشیر رکھی ہے اس سے کام لو اور دیکھو! مغز واستخوان مغز سے لے کر ذرا نیچے (یعنی گلے پر۔م)۔۔۔۔اے ربیعہ! میں بہادروں کو اسی طرح قتل کرتا رہا ہوں۔

اور ہاں! اے ربیعہ! اپنے گھر لوٹ کر اپنی ماں کو بتا دینا کہ تم نے درید بن صمہ کو قتل کیا ہے۔ ارے میں نے تو تمہارے قبیلہ کی کئی عورتوں کو ان کے دشمنوں سے بچایا تھا۔

حضرت ربیعہ نے یہ واقعہ اپنی والدہ سے بیان کیا تو اس نے کہا تو نے کیا ستم ڈھایا! درید کا تجھ پر یہ احسان کہ اس نے تیرے قبیلہ کی تین عورتوں تیری ماں، نانی اور دادی کو دشمنوں سے بچایا اور تو نے اسے قتل کر دیا۔

مسلمانوں نے (مقام) اوطاس تک تعاقب جاری رکھا اور یہاں آ کر کفار کو نرغہ میں لے لیا۔ ایک مرتبہ پھر جنگ کے شعلے تیزی سے بھڑک اٹھے مگر کفار بھاگ کھڑے ہوئے اور حنین میں سے جو عورتیں اور بچے اور اموال ہمراہ لائے تھے وہ بھی چھوڑتے گئے، جنہیں مسلمان سمیٹ کر

---

[1] فی اوقیہ بہ مساوی 10 تولہ (پاکستانی) ارجع الاقاویل فی اصح الموازین والمکائیل مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اس حساب سے 40000 اوقیہ کا وزن 4 لاکھ 20 ہزار تولہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (جعرانہ میں) لے آئے اور اب سے ہوازن کی شکست پر مہر لگ گئی۔

مالک بن عوف (سپہ سالار ہوازن)

مشرکین ہوازن کے سپہ سالار مالک بن عوف بھی اپنے مفرور دوستوں کے ساتھ اوطاس میں گھر گئے تھے لیکن وہ بھاگنے میں کامیاب ہوگئے اور اپنے چند سپاہیوں کے ہمراہ (مقام) نخلہ (از ملحقات طائف) میں جا چھپے۔

دوستو، یہ ہے کفار ہوازن کی داستان شکست جس کا ایک روح فرسا حصہ یہ ہے کہ مسلمان آخر شب کی تاریکی میں مشرکوں کے حملہ کی تاب نہ لاکر منتشر ہونے پر مجبور ہوگئے۔ دوسرا یہ کہ آخر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبات قدم کامیاب ہوکر رہا جن کے ساتھ صرف گنتی کے چند آدمی رہ گئے تھے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے رسوخ قدم کے صدقہ میں مسلمانوں کو فتح اور دشمنوں کو شکست ہوئی جس کی حکایت میں یہ آیتیں نازل ہوئیں:

لقد نصر کم اللہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین (9-25)

(مسلمانو!) اللہ بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے اور (خاص کر) حنین (کی لڑائی) کے دن جب کہ تمہاری کثرت نے تم کو مغرور کر دیا تھا (کہ ہم بہت ہیں) تو وہ (کثرت) تمہارے کچھ کام نہ آئی اور (اتنی بڑی) زمین باوجود وسعت لگی تم پر تنگی کرنے۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔

ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین وانزل جنوداً لم تروھا وعذب الذین کفرواً وذالک جزاء الکافرین (9-26)

پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور (نیز) مسلمانوں پر (اپنی طرف سے) تسلی نازل فرمائی اور (تمہاری مدد کو) فرشتوں کے ایسے لشکر بھیجے جو تم کو دکھائی نہیں دیتے تھے اور (آخرکار) کافروں کو

بڑی سخت ماردی اور کافروں کی یہی سزا ہے۔

ثم یتوب الله من بعد ذالک علیٰ من یشاء و الله غفور رحیم(27-9)

پھر اس کے بعد خدا جس کو چاہے توبہ نصیب کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یایھا الذین آمنوا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا و ان خفتم علیة فسوف یغنیکم الله من فضله ان شاء ان الله علیم حکیم (28:9)

مسلمانو! مشرک تو نرے گندے ہیں۔ اس برس کے بعد ادب وحرمت والی مسجد (یعنی خانہ کعبہ) کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں اور اگر (ان کے ساتھ لین دین بند ہو جانے سے) تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو (خدا پر بھروسہ رکھو) وہ چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ بیشک خدا (سب کی نیتوں کو) جانتا (اور) حکمت والا ہے۔

لیکن فتح حنین کی قیمت:

مسلمانوں کو یہ فتح سستے داموں نہ پڑی اور انہوں نے اس کی بہت زیادہ قیمت ادا کی۔ البتہ اگر اس صبح کے حملہ میں انہیں شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑتا اور مسلمان اس طرح میدان چھوڑ کر نہ بھاگتے جس پر ابوسفیان کو بھی کہنا پڑا ان کے طور طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سمندر سے ادھر نہیں رکیں گے۔ تو ان کے اتنے دلاور شہید نہ ہوتے۔

آہ! حنین میں مسلمانوں کا یوں تہ تیغ ہونا تاریخ پوری طرح ان کی تعداد بتانے سے قاصر ہے، ماسوائے ازیں کہ ان کے دو قبیلے یا تو بالکل ختم ہو گئے ای ان میں سے معدودے چند حضرات زندہ رہے اور شہدائے حنین کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے مغفرت فرمائی۔

تاہم اس غزوہ میں مسلمان ہی فتح یاب ہوئے۔ انہوں نے دشمن پر پوری طرح قابو پالیا اور ان کے ہاتھ جس قدر مال اور اسیر آئے اس سے قبل انہیں اس قدر غنیمت کبھی دستیاب نہ ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر یہ وضاحت بھی ضروری تھی کہ لڑائی سے اصل مقصد ایسی فتح یابی ہے جس میں

اگر شرافت کا لحاظ بھی رکھا جائے تو ایسی فتح کی جس قدر قیمت لگائیے۔۔۔ع۔۔۔بحمد اللہ بسے ارزاں خریدم کی مصداق ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو اس فتح پر بے حد مسرت حاصل ہوئی اور اب وہ تقسیم غنائم کے خواہاں تھے۔

طائف کا محاصرہ:

اس فتح میں درخشندہ پہلو مشرکین کے سپہ سالار اعظم مالک بن عوف نصریٰ کا ماجرا ہے، جس نے اپنے دامن سے اس آگ کو مشتعل کیا اور جب مغلوب ہوا تو اپنے ہمراہ قبیلہ ثقیف کے بقیۃ السیف اشخاص کو لے کر طائف (کے قلعہ) میں چھپ کر پناہ لی، جس سے مسلمانوں کو ایسی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا (کہ اگر وہ مالک سے اغماض کرتے ہیں تو یہ خطرہ ہے کہ مبادا وہ اس چنگاری کو پھر ہوا دے اور انہیں طائف کا معاملہ یک سو کیے بغیر مفر نہ رہا۔۔۔م)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ جنگ میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ کسی بڑے معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد در پردہ دوسرے دشمنوں کا محاصرہ فرماتے جیسا کہ احد سے واپس تشریف لانے کے بعد یہود خیبر کو گھیر لیا اور غزوۂ خندق سے فارغ ہو کر مدینہ کے یہود بنو قریظہ کو حصار میں لے لیا۔

محاصرۂ طائف کے متعلق مولف علام کا دوسرا تصور:

(م۔۔۔اور محض مفروضہ!) طائف کے محاصرہ کا محرک کہیں قبل از ہجرت کا حادثہ نہ ہو، کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تبلیغ کے لئے تشریف لائے تو پہلے یاران شہر نے خوب کھل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمسخر اڑایا۔ پھر شہر کے نوعمر لڑکوں کو بھڑکایا، جنہوں نے جی بھر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھراؤ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لہولہان ہو کر انگوروں کی بیل کے سائے میں جا بیٹھے۔ آج شاید اپنی اس ناتوانی کا تصور ذہن میں آ گیا ہو، جس موقع پر بجز ذات وحدہ لاشریک کی امداد کے کوئی سہارا نہ تھا یا اس قوت ایمانی کا آسرا جس سے قلب مبارک

مسحور تھا اور یہ ایسی قوت ہے جو پہاڑ کو بھی ریزہ ریزہ کر سکتی ہے۔

آج خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم طائف پر ایسی کوہ پیکر فوج کے ساتھ یلغار کرنے کو ہیں جس کی سی قوت اور تعداد جزیرۃ (العرب نے کبھی نہ دیکھی تھی۔

طائف کے ارد گرد عرب کے دوسرے مشہور شہروں کی طرح چاروں طرف سر بفلک فصیل کھڑی تھی اور شہر میں آمد و رفت کے لئے ہر طرف ایک صدر دروازہ۔ شہر کے باشندے فنون حرب کے ماہر، ملک کے بڑے سرمایہ داروں نے شہر کی حفاظت کے لئے قلعوں کا ایک جال پھیلا رکھا تھا۔

حملہ:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے لیے نامی قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم فرما دیا، جس میں مالک بن عوف اپنے ثقفی ساتھیوں کے ساتھ چھپا بیٹھا تھا۔ مسلمانوں نے قلعہ تک پہنچنے سے قبل بنو ثقیف کی حفاظتی دیوار کو زمین کے برابر کر کے قلعہ مسمار کر دیا اور طائف کے قریب جا پہنچے مگر آگے بڑھنے کی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق شہر سے ادھر ایک مقام پر رک گئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ یہاں جمع ہو کر مشورہ کیا جائے۔ ادھر بنو ثقیف بھی تاک میں تھے انہوں نے قلعہ کی ایک بلند دیوار پر کھڑے ہو کر اس زور سے تیروں کی باڑھ ماری جس سے کئی مسلمان شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از سر نو جنگ کے طریقے پر غور ضروری سمجھا۔ یہ کہ بنو قریظہ و یہود خیبر کا سا محاصرہ کارگر ثابت ہو گا اور بنو ثقیف بھی قلت رسد سے گھبرا کر شہر حوالے کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، یا اگر وہ مقابلہ کرنے کے لئے شہر سے باہر نکل آئیں تو مسلمانوں کے لئے اپنی کثیر التعداد فوج سے انہیں جلد از جلد مغلوب کر لینا آسان ہو گا اس قسم کی مختلف صورتیں زیر غور تھیں۔ ضروری سمجھا کہ دشمنوں کے تیروں کی زد سے دور ہٹ کر مشورہ کیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کے مطابق اسلامی فوجیں پہلے مقام سے ہٹ کر وہاں

جمع ہو جائیں جہاں اہل طائف نے شکست تسلیم کرنے اور قبول اسلام کے بعد مسجد تعمیر کرائی (کیوں کہ) پہلے مقام (مشاورگاہ) پر کفار کے تیروں سے اٹھارہ مسلمان شہید ہو چکے تھے، جن میں حضرت ابوبکرؓ کے ایک صاحب زادے بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم مطہرات میں سے ام المومنین ام سلمہؓ و زینب بنت جحشؓ **بھی ہمراہ** تھیں دونوں کے لئے دو علیحدہ علیحدہ سرخ چمڑے کے نصب کیے گئے جن کے وسط میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی جو اس مقام پر تعمیر مسجد کی تمہیدی تھی۔

مسلمان چشم براہ تھے کہ دیکھئے اب پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے اور دشمن کونسا پہلو اختیار کرے گا۔ اسی وقفہ میں ایک بدو[1] ادھر آ نکلا۔ اس نے رسول پاک سے عرض کیا بنو ثقیف اپنے قلعوں میں اس طرح دبک گئے ہیں جس طرح لومڑی بھٹ میں۔ اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو وہ کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ناکام لوٹنا شاق تھا۔ آپ کو خیال گزرا کہ پائین مکہ کے رہنے والے قبیلہ بنو دوس منجنیق اور دبابہ کے فن سے آگاہ ہیں۔ ان کے رئیس طفیل (بن عمروؓ الدوسی) اس محارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ وہ غزوۂ خیبر میں بھی آنحضرت کے ہم رکاب تھے۔ آپ نے طفیل سے فرمایا اور وہ مکہ جا کر اپنے قبیلہ کے چند ایسے دلاوروں کو ہمراہ لے آئے جو اسی قسم کے آتش گیر گولے اور دبابے (کپے) ساتھ لائے تھے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے محاصرہ کرنے سے چار روز بعد طائف پہنچے۔ مسلمان ان کی کمان میں منجنیق اور آتش گولے لے کر قلعہ کی دیوار میں شگاف کرنے کے لئے دبابوں میں چھپ کر آگے بڑھے۔ لیکن اہل طائف بھی فنون سپہ گری میں کچھ کم نہ تھے۔ انہوں نے گرم لوہے کے غلے غلیل میں رکھ کر پھینکنا شروع کیے جن سے کئی مسلمان شہید ہو گئے۔ اور مسلمان مورچہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ مسلمانوں کا یہ وار بھی خالی گیا اور طائف کے قلعوں کا مسخر کرنا محال ہو گیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر غور فرمایا تو اپنے ہاتھوں بنو نضیر کے باغات جلوانے کا نقشہ

ذہن میں گھومنے لگا، جس سے عاجز آ کر انہوں نے از خود جلاوطن ہونے پر آمادگی ظاہر کی۔ ہاں ہاں! طائف میں انگوروں کے باغات تو بنونضیر (مدینہ) کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بیش قیمت ہیں اور یہاں کے انگور تمام عرب میں مشہور ہیں۔ اہل طائف کو اپنی اسی دولت پر ناز ہے۔ طائف کو انگور کے شہر ہونے کی وجہ ہی سے تو صحرا کا بہشت سمجھا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذہن اس طرف منتقل ہو گیا کہ ان کے باغات پر دست برد ہوئے بغیر یہ لوگ راہ پر نہ آئیں گے۔ آپ نے فیصلہ کر ہی لیا اور مسلمانوں کو حکم دیا (ہمارے جن دشمنوں نے مالک بن عوف کو اپنی بغل میں چھپا رکھا ہے۔۔۔۔م) ان کے سرسبز و شاداب باغات پھونک دیئے جائیں اور جن پودوں پر آگ اثر نہ کر سکے انہیں قلم کر کے پھینک دو! طائف کو اپنی جس دولت پر ناز تھا چشم زدن میں پامال ہونے کو ہے۔ وہ تھرا اٹھے اور فوراً پیغام بھیجا کہ ایسی نعمت خود برد کرنے کی بجائے اسے اپنے لیے برقرار رکھیے تو ہمیں تعرض نہ ہوگا اور ہمارے ہی لئے رہنے دیجئے تو یہ کرم مزید ہوگا۔ آخر بنو ثقیف سے آپ کی قرابت[2] بھی تو ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے منع فرما دیا (لیکن یہ معاہدہ صلح نہ تھا، نہ اہل طائف سے جنگ کرنا مقصود۔ یہ تو صرف مالک بن عوف کو پناہ دینے پر انہیں متنبہ کرنا تھا۔) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا طائف کے غلاموں میں سے جو کوئی ہمارے لشکر میں آجائے وہ آزاد ہے۔ اس منادی پر تقریباً بیس اشخاص طائف سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوئے، جنہوں نے مخبری میں عرض کیا کہ اہل طائف کے پاس رسد کا اس قدر ذخیرہ ہے جو مدت تک کافی ہو سکتا ہے۔

---

[1] نوفل بن معاویہ وئلی جو فتح مکہ کے روز اسلام لائے (زاد المعاد ابن قیم و اصابہ ابن حجر)

[2] بوجہ رضاعت سیدہ حلیمہ سعدیہ جن کی صاحب زادی جناب شیماء غزوۂ اوطاس میں گرفتار ہوئیں۔ اس رضاعت کی وجہ سے جناب عبداللہ و

انیسہ اور حذیفہ ابنائے حارث از بطن حلیمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگ وار کے رشتہ میں تھے۔ (اصابہ ابن حجر در تذکرۂ بی شیماء۔۔۔م)

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ کو طول دینا پسند نہ فرمایا۔ ادھر لشکری بھی تقسیم اموال (غنایم) کے لئے بے قرار تھے۔ مبادا ان کے صبر و استقامت میں تزلزل آرہا ہو۔ حرمت والا مہینہ (ذوالقعدہ) آرہا ہے، جس میں قتال و جہاد جائز نہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (طائف کا) ایک ماہ تک محاصرہ کرنے کے بعد مراجعت فرمائے جعرانہ ہوئے ہی تھے کہ ماہ ذوالقعدہ شروع ہو گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر سمیت عمرہ کا احرام زیب تن فرمالیا۔ بعض راوی یہ بھی کہتے ہیں کہ طائف سے مراجعت کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ محرم ختم ہو جانے کے بعد پھر حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔

اموال ہوازن کی تقسیم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو مشایعت میں لے کر طائف سے (بارادہ عمرہ) مراجعت فرما ہوئے اور راستے میں جعرانہ رکنا پڑا تاکہ اموال و اسیران ہوازن کی تقسیم کر دی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس رسول علیحدہ کر کے ماباقی اموال اور اسیر لشکریوں میں تقسیم فرمادیئے۔

وفد ہوازن برائے واپسی اموال ونفوس:

اتنے میں ہوازن کے ان حضرات کا ایک وفد حاضر ہوا جو مسلمان ہو چکے تھے وہ اپنے مال اور ان افراد کی واپسی پر مصر ہوئے جو کئی روز سے ان سے جدا ہو چکے تھے اور ان کی مفارقت کا ملال انہیں کھائے جا رہا تھا۔ وفد کے ایک رکن نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! انما فی الحظائر عماتک وخالاتک وحواجتک اللواتی

کن یکفلنک ولو انا ملحنا للحارث بن ابی شمر او لنعمان بن المنذر ثم نزل منابمثل الذی نزلت بدرجونا عطفه و عائدته علینا و انت خیر المکفولین.

یارسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم !ان اسیروں میں بعض عورتیں آپ کی پھپھی ہوتی ہیں، بعض خالہ کے رشتہ میں ہیں اورکوئی آپ کی کھلائی ہے۔ اے صاحب! اگر ہماری اسیر بیبیوں میں سے کسی نے حارث بن ابوشمر یا نعمان بن منذر امیر غسان کو اپنا دودھ پلایا ہوتا اور وہ آپ ہی کی طرح ہم پر غالب آ جاتا۔ پھر ہم اس سے اپنی عورتوں کی واپسی کا مطالبہ کرتے تو ناممکن تھا وہ ہماری استدعا کو مسترد کرتا اور آپ تو دنیا بھر کے مربیوں سے بہتر ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیماء کی شکایت:

اسیروں میں بی بی شیماء بنت حارث (جناب حلیمہ کی صاحب زادی۔۔۔م) بھی تھیں جنہیں گرفتار کرتے وقت مسلمانوں نے جنگی سختی سے کام لیا۔ بی بی شیماء کہولت کی حدود سے گزر رہی تھیں۔ انہوں نے لشکریوں سے فرمایا:

تعلموا و الله انی لاخت صاحبکم من الرضاعة

جانتے نہیں ہو، میں تمہارے صاحب کی رضاعی بہن ہوں؟ میرے ساتھ ادب سے بات کرو۔

لیکن سپاہیوں کو یقین نہ آیا۔ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا یہ تو شیماء ہیں (حارث بن عبدالعزی کی صاحبزادی) ختم المرسلینصلی اللہ علیہ وسلم نے ردائے پاک کا فرش بی بی شیماء کے بیٹھنے کے لئے بچھا دیا اور فرمایا

اے بہن! تم میرے ہاں رہنا چاہو تو تمہارا گھر ہے اور واپس تشریف لے جانا منظور ہو تب بھی مجھے اصرار نہیں۔ سیدہ شیماء نے اپنے قبیلہ میں جانے کو ترجیح دی (مگر اسی روز مسلمان ہو

گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غلام و اموال خمس میں سے دے کر رخصت فرمایا۔۔۔۔اصابہ۔۔۔۔م)

سیدۂ شیماء کے ساتھ صلہ رحمی میں حوازن کے امیال و عواطف:

ہوازن نے بی بی شیماء کی یہ منزلت دیکھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر شفقت فرما کر صلہ رحمی کا پاس دکھایا تو ہوازن کی ڈھارس بندھ گئی اور اس سرکار میں ہمیشہ یہی ہوا کہ جس کسی نے قرابت یا محبت کا واسطہ پیش کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سبقت کرنے میں کوتاہی کو دخل انداز نہ ہونے دیا۔ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک آپ کی طینت ہی میں تھا۔ ہوازن کی درخواست پر فرمایا آپ لوگوں کو اپنے زن و بچے زیادہ محبوب ہیں یا مویشی اور مال و اسباب

وفد: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب آپ نے ہی ہمیں دونوں چیزوں میں سے کسی ایک شے کے لئے ترجیح کا اختیار عطا فرمایا ہے تو ہمیں اپنے بال بچے زیادہ محبوب ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بہت خوب! خمس اور بنو عبدالمطلب کا حصہ دونوں مدوں کی عورتیں مرد اور بچے واپس کر دیئے جائیں گے۔ رہے وہ اشخاص جنہیں میں آپ سے پہلے دوسروں کو تقسیم کر چکا ہوں تو نماز ظہر ادا کرنے کے بعد آپ مجھ سے میرے تمام رفقاء کے بالمواجہہ ان لفظوں میں استدعا کیجئے:

انا نسفثفع برسول الله الی المسلمین و بالمسلمین الی رسول الله فی ابناء نا ونساء نا

اے صاحبو! ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے آپ لوگوں سے ملتجی ہیں اور آپ حضرات کے وسیلہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مستدعی کہ ہماری عورتیں اور

بچے ہمیں واپس فرما دیجئے۔

اس لمحہ میں میں اپنا اور بنو عبدالمطلب کا حصہ واپس کر دوں گا اور مسلمانوں سے بھی واپسی کے لئے آپ لوگوں کی سفارش کروں گا۔

نماز ظہر ادا کرنے کے بعد ان ہی قدموں پر ہوازن نے فرمودۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اپنی درخواست مسلمانوں کے سامنے پیش کی جس پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سبقت کرتے ہوئے فرمایا:

دوستو! میں اپنا اور بنو عبدالمطلب کا حصہ واپس کرتا ہوں۔

مہاجرین اور انصار کا ایک ہی سا جواب تھا

ما كان فهو لرسول الله صلى الله عليه وسلم

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حصے کے بھی مختار ہیں)

ابتداء میں فاتحین میں ذیل کے تین حضرات نے اپنے اپنے حصہ کے اسیر واپس کرنے سے انکار کر دیا:

1۔ اقرع بن حابس نے

2۔ عیینیہ بن حصن نے

3۔ عباس بن مرداس لیکن اپنے قبیلہ داروں کے اصرار سے عباس بن مرداس بھی اسیروں کی واپسی پر رضامند ہو گئے م۔۔۔ اور اقرع و عیینیہ نے بھی برضا و رغبت اپنے حصہ کے اسیر واپس کر دیئے۔ (زادالمعاد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو حصہ دار اپنا حصہ واپس کر دیں انہیں میں پہلی غنیمت پر ایک غلام کے عوض میں چھ غلام عطا کر دوں گا۔

یہ تقریب ہے ہوازن کے زن و بچہ واپس ہونے کی۔

مالک بن عوف کی حوالگی:

اس موقعہ پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد (ہوازن) سے مالک بن عوف (مفرور سپہ سالار ہوازن) کے متعلق دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا مالک ابھی تک طائف میں بنو ثقیف کے ہاں پڑا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مالک بن عوف اگر از خود مطیع ہو کر آ جائے تو اس کے تمام اہل وعیال اور تمام مال واسباب کے علاوہ اسے ایک سو شتر اور عطا ہوں گے۔

مالک نے اپنے متعلق یہ مژدہ سنا تو بنو ثقیف سے چھپ کر اپنے اسپ پر زین کسی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور ان کے زن و بچہ اور حسب فرمان یک صد شتر عطا ہوئے۔

تقسیم عطایا اور بعض شرکاء کی بے حوصلگی:

عطایا کی یہ بارش دیکھ کر بعض لشکری گھبرا اٹھے اور ایک دوسرے سے کھسر پھسر شروع کر دی کہ اگر نو واردان اسلام کے لئے داد دہش کا یہی عالم ہے تو ان کے لئے کیا باقی رہ جائے گا! شدہ شدہ! یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچی۔ آپ ایک شتر کے قریب تشریف لائے اور اس کے بدن سے چند بال اچٹا کر مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

ایھا الناس! واللہ مالی من فیئکم ولا ھذا الوبرۃ الا الخمس! والخمس مردود علیکم.

بخدا! مجھے تمہارے اموال غنیمت میں ان بالوں کے برابر بھی طمع نہیں! رہا میرے حصے کا خمس تو اسے بھی آپ لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

اور فرمایا کہ جو چیز جس کی تحویل میں ہو اسے مال خانے میں جمع کرا دیا جائے تاکہ عدل کے ساتھ تقسیم ہو سکے۔ (اور فرمایا):

فمن اخذ شیئا فی غیر عدل و لو کان ابرۃ کان علی اھلہ عار و نار و شنار الی یوم القیامۃ

جوشخص ازخود کسی شے پر قابض رہے اگرچہ وہ سوئی کیوں نہ ہو قیامت کے دن اس کے خاندان کے لئے ملامت کا باعث ہوگا اور اس کے لئے ندامت وتعذیب کا موجب

یہ تنبیہہ اس برہمی کی وجہ سے فرمائی جب ایک مسلمان آپ کے اوڑھنے کی ردا آپ کے کندھے پر سے جھپٹ کر لے گیا اور آپ نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

ردوا الى ردائى ايها الناس فوا الله!لو ان لكم بعد شحر و تهنامه نعما لقسمته عليكم ثم ما الفتبونى نجيلا ولا جبانا ولا كذابا

ارے! میری ردا مجھے واپس کرو! بخدا! اگر آپ لوگوں کو غنیمت میں وادی تہامہ کے پودوں کی تعداد میں بکریوں کے ریوڑ ہاتھ آئیں تو میری تقسیم پر تم مجھے نہ تو کسی سے ڈر کر کم وبیش حصہ دینے والے دیکھو گے نہ بخیل اور نہ دروغ گو۔

ابوسفیان بن حرب، معاویہ پسر ابوسفیان، حارث بن حارث بن کلدہ، حارث بن ہشام۔ سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ ہر ایک نو وارد اسلام کو ایک ایک سو شتر دیئے گئے۔

اوران حضرات سے دوسرے درجہ کے اشراف وروسائے مکہ جن کو فی کس پچاس شتر عنایت فرمائے۔ جن کی تعداد دس سے زائد تھی، آنحضرت نے جس خندہ پیشانی سے عطا وبخشش فرمائی، کل کے دشمن جی کھول کر ستائش کرنے لگے بلکہ جس نے جس قدر طلب کیا اسے عنایت فرما دیا (ازاں جملہ ابوسفیان نے اپنے فرزند معاویہ کے لئے!) اور عباس بن مرداس بھی جو اپنے حصہ سے مطمئن نہ تھے ان کی زبان سے نکل گیا عینیہ واقرع کو مجھ پر ترجیح۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا انہیں علیحدہ لے جاؤ اور جس شے سے یہ خوش ہوں انہیں دے کر ان کی زبان بند کردو۔ آخر عباس کو اس طریق سے مطمئن کیا گیا۔

انصار کا گلہ:

جیسا کہ معلوم ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے متذکرۃ الصدر افراد کو ان کی تالیف قلب کے لئے جو بخشش فرمائی انصار مدینہ کو بھی گوارا نہ ہوسکی۔ حتیٰ کہ ان کے بعض نوجوانوں کی زبان

سے نکل ہی گیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قبیلہ کی کس قدر پاس داری فرمائی۔ یہ اطلاع حضرت سعدؓ بن عبادہ (انصاری) کے ذریعے خود ان کی تائید کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد سے فرمایا آپ انصار کو اس باغیچہ میں جمع کیجئے میں ابھی آتا ہوں اور مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

انصار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باہم گلہ شکوہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا۔ پھر فرمایا۔

یا معشر الانصار! ما قالة بلغی عنکم وجدة وجد نموہ فی انفکسم الی اتکم ضلالا فھدا کم اللہ وعالة فاعتاکم اللہ وعداء فالف اللہ بین قلوبکم.

اے دوستان انصار! آپ حضرات نے یہ کیسے بات پیدا کر دی؟ دلوں میں کوئی گرہ تو نہیں پڑ گئی کلیا آپ لوگ بھول گئے کہ آپ راہ ہدایت سے ناواقف تھے اور میری وجہ سے اللہ نے آپ لوگوں کو سیدھی راہ پر چلایا۔ میرے ہی صدقے میں آپ کی ناداری تونگری سے متبدل ہوئی، آپس میں ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے تھے اور خداوند تعالیٰ نے میری برکت سے آپ کو اے دوسرے کا ہمدرد بنا دیا؟

انصار:

بل اللہ ورسولہ امن و افضل

بیشک خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر بے حد احسان ہوئے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

الا تجیبونی یا معشر الانصار؟

برادران انصار! آپ لوگ مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟

انصار:

بماذا نجیبک یا رسول اللہ ! للہ ولرسولہ المن والفضل.

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا کیا منہ ہے جو آپ پر اپنا کوئی احسان جتائیں بلکہ جب کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات سے ہم سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

اما و الله لو شئتم لقلتم فلتصدقتم و لصدقتم آتينا مكذبا فصدقناک! ومخذولا فنصرناک و طريداً فاؤيناک وعائلاً فاسيئاک! يا مشعر الانصار، في بضاعه من الدنيا ثالفت بها قوما ليسلوا و وكلتكم الى اسلامكم.

بخدا! تم یہ بھی کہہ سکتے ہو اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں کہ آپ دوسروں سے اپنی تکذیب کرانے کے بعد ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہم نے آپ کی تصدیق کی اوروں نے آپ کو ستایا اور انصار نے آپ کی حمایت کی، آپ کے ہم وطنوں نے آپ کو جلا وطن کیا اور ہم نے آپ کے لئے اپنے دروازے کھول دیئے آپ ہمارے ہاں بے یار و مددگار تشریف لائے اور ہم نے اپنی آنکھیں آپ کے قدموں تلے بچھا دیں۔

الا ترضون يا معشر الانصار ان يذهب الناس بالشاة و البعير و ترجعوا برسول الله الى رحالكم! فوا الذى نفس محمد بيده لو لا الهجرة لكنت امراً من الانصار! ولو سلک الناس شعبا لسكت شعب الانصار. اللهم ارحم الانصار و ابناء الانصار، وبناء ابناء الانصار.

اے یاران انصار! جو چیزیں میں دوسروں کو بخش رہا ہوں دنیا کی معمولی سی دولت ہے اور اس لئے کہ وہ لوگ اسلام پر پختہ ہو جائیں۔ مگر اس دولت کے مقابلہ میں جس نعمت سے تم مالا مال ہو کیا دونوں برابر ہیں یعنی اسلام سے؟ دوستان انصار! تمہیں یہ پسند نہیں کہ دوسرے لوگ یہاں سے لوٹیں تو اونٹ اور بکریاں ہمراہ لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمراہ لے کر جاؤ۔ قسم ذات کبریا کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، اگر مہاجر ہونے کا ثواب نہ ہوتا تو میں خود کو لفظ انصار ہی سے منسوب کرتا۔ دوسرے

لوگ اگر یک جا ہو کر ایک راستے سے چلیں اور انصاری دوسری راہ پر گامزن ہوں تو میں انصار کے ہمراہ چلنا گوارا کروں گا۔ یا اللہ! انصار اور ان کی اولاد و احاف پر رحم فرمائیو!

انصار کا اظہار تاسف:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واردات جس رقت اور دلسوزی کے ساتھ بیان فرمائی ان کی تاثیر کا عالم تھا کہ انصار جو بیعت کرنے کے بعد آپ کی حمایت میں ہر وقت سر بکف رہے اور کسی وقت آپ کی تعظیم و تکریم کا خیال دل سے محو نہ ہونے دیا، جذب محبت سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ سب کے سب رو پڑے اور بیک زبان عرض کیا

رضينا برسول الله قسما وحطا

(ہمارے لئے سب سے بڑی دولت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے بے پایاں دولت سے اپنی بے رغبتی کا ثبوت کس حکمت و فراست سے پیش کیا اور دوسری طرف اس دولت کو کس طرح نو واردان اسلام کی تالیف قلب کا وسیلہ بنا دیا جو آج سے تین چار ہفتہ قبل اسلام میں داخل ہوئے تھے، یہ جتانے کی غرض سے کہ اسلام لانے میں آخرت اور دنیا دونوں کی بھلائی ہے۔

اتنے کثیر مال کے عطا و بخشش پر مسلمانوں کے دل میں بھی خلش ابھر آئی اور قدیم الاسلام مسلمانوں نے اہل مکہ پر تقسیم شدہ مال کے بارے میں نکتہ چینی سے دریغ نہ کیا، لیکن آنحضرت نے صلی اللہ علیہ وسلم جدید الاسلام اہل مکہ کے دل اس طرح مٹھی میں لے لئے کہ جود و سخا سے متاثر ہو کر یہ لوگ بھی خدا کی راہ میں سر کٹانے کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔

عمرۃ الجعرانہ:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ (محل تقسیم غنائم ہوازن) سے بہ قصد عمرہ مکہ معظّمہ روانہ ہوئے۔ ادائے عمرہ کے بعد عتاب بن اسید کو مکہ کی خلافت تفویض فرمائی۔ جناب معاذ بن جبل کو

معلم دین کی حیثیت سے مکہ رہنے کا حکم دیا اور خود مہاجرین و انصار کی معیت میں مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے تاکہ اپنے مولود نو ابراہیم کی دید سے آنکھوں کو ٹھنڈا کریں اور کچھ مدت آرام کے بعد ان مسیحی دشمنان اسلام کا سدباب کریں جو تبوک میں جمع ہو کر اسلام کو مٹانا چاہتے تھے۔

☆ ☆ ☆

باب 26

مراجعت مدینہ

مراجعت مدینہ:

مکہ کی فتح اور طائف کا (طویل) محاصرہ کرنے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کی معیت میں مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔ اب پورے جزیرۃ العرب میں نہ تو کسی کو یہ ہمت تھی کہ آنحضرت کا مقابلہ کر سکے نہ کسی میں اتنی سکت کہ (پہلے کی طرح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق طعن و تشنیع کے لئے زبان کو جنبش دے۔ مہاجرین اور انصار دونوں (طبقے) اس خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے کہ اللہ نے اپنے نبی کو مسجد الحرام پر قبضہ کرنے کی توفیق بخشی، اہل مکہ نے اسلام قبول کیا، قبائل عرب جوق در جوق اسلام کے سامنے جھکنا شروع ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ مدت عافیت و یک سوئی کے ساتھ مدینہ میں رہنے کا موقعہ نصیب ہو گیا۔

عتاب بن اسیدؓ کی تقرری:

الغرض مسلمان مدینہ واپس آ گئے کہ سکون کے ساتھ زندگی کے دن بسر ہوں۔ عتاب بن اسیدؓ کو مکہ پر نائب مقرر فرماتے آئے اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو اہل مکہ کا دینی معلم تا کہ نو واردوں کی تربیت سے یک سوئی ہو جائے۔

مکہ و حنین کی تسخیر نے تمام عرب پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی۔ کل تک ملک کے جو اکابر مجرمیہا یہ سودا لئے پڑے تھے کہ ان کے مقابلہ میں (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اثر و نفوذ حاصل کرنے کی کوئی گنجائش ہے، نہ ان کے جدید دین میں پذیرائی کی صلاحیت، جن کے شعراء دین جدید کی ہجو میں اپنے سرغنوں کی خوشنودی مزاج کے لئے بلاغت و فصاحت کے دریا بہا

دیتے وہ خود ہی اسلام لے آئے۔

تغیر احوال:

قبائل جو صحرائی زندگی کے مقابلہ میں بہتر سے بہتر نظم ونسق کو ترجیح دیتے اور اپنے اس طرز بود وماند کو کسی قیمت پر ہاتھ سے دینا گوارا نہ کرتے، اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے جان نثار کر دینا اپنا فخر سمجھتے، ان میں سے بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور جو اس نعمت سے متمتع ہوئے وہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ظفر مندی اور اسلام کا نفوذ و پذیرائی دیکھ کر جامے میں پھولے نہ سماتے۔ تسخیر مکہ سے گھر گھر خوشی کے شادیانے بجنے لگے کل تک جو شاعر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دین جدید کی منقصت میں دادسخن دیتے تھے اور ملک میں جو چند اکابر وقبائل ایسے رہ گئے جنہیں نہ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور نہ ابھی تک وہ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اپنی جگہ کھوئے کھوئے پھر رہے تھے کہ اب ان کا موقف کیا ہوگا۔

ان شعرای ءقادحین رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کعب بن زہیر بھی پیش پیش رہتے مگر مکہ فتح ہو جانے سے قریش کے سرغنہ ہی سرنگوں ہو گئے تو خالی الفاظ وحروف سے مقابلہ کرنے والوں کی پرسش کیا تھی! یہ سماں کعب (مذکور) کے برادر حقیقی حضرت بجیر بن زہیر نے مکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جب ممدوح (بجیر) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مشایعت میں طائف سے مکہ واپس تشریف لائے تو انہوں نے کعب کی طرف خط لکھا کہ جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں پہنچائیں یا آپ کی ہجو میں سبقت کی ان کی گردنیں ماری جا رہی ہیں اور جو لوگ گرفت سے بچ گئے ہیں وہ ادھر ادھر سر چھپاتے پھرتے ہیں۔ بجیر نے کعب کو تاکید کی کہ جس قدر جلدی ہو سکے مدینہ پہنچ کر معافی نامہ پیش کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کو معاف کرنے میں ذرا تامل نہیں فرماتے۔ یہ نہیں کر سکتے تو کسی دور دراز ملک میں نکل جائے۔

بجیر نے صحیح لکھا تھا کہ تسخیر مکہ کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چار ایسے اشخاص کو قتل کرایا جن میں ایک شاعر بھی تھا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرنے میں پیش پیش رہتا اور وہ

شخص بھی تھا جس نے سیدہ زینب بنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ تذلیل کی جب ممدوحہ اپنے شوہر کی اجازت سے اپنے باپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لئے بادیہ پیما تھیں۔

بانت سعد:

کعب اپنے بھائی کی نصیحت کے مطابق مدینہ پہنچے اور شب کو اپنے ایک دوست کے ہاں پناہ لی اور فجر کی نماز کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوئے اور جان بخشی کے بعد دربار رسالت میں قصیدہ پڑھا جس کا پہلا شعر ہے:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول
متیم اثرھا لم یغد مکبول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب کو معاف فرما دیا۔ بعد میں انہیں نے مسلمان ہو کر خود کو حسن عمل سے ستودہ کر دکھایا۔

وفود

اب اسلام کا اثر قبائل تک نفوذ کرنے لگا۔ ہر طرف سے (ان کے) وفود اُمڈ کر (مدینہ میں) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خراج عقیدت پیش کر کے اعتراف اسلام کرنے لگے۔

قبیلہ بنو طے کا وفد:

ان کے امیر زید الخیل (نامی) تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے استقبال میں بے حد اہتمام فرمایا زید الخیل کمالات معنوی کے ساتھ خوش کلام بھی تھے۔ (ان کی گفتگو) پر فرمایا اب تک عرب کے جن جن ارباب کمال کا تذکرہ میرے سامنے کیا گیا ان سے ملاقات پر میں نے بہت کم مرتبہ پایا لیکن زید الخیل کی خوبیاں ان کی شہرت کے مقابلہ میں بہت زیادہ دیکھنے میں آئیں! اور آنحضرت نے ان کا لقب (زید الخیل کی بجائے) زید الخیر سے تبدیل فرما دیا۔

حاتم طائی کے فرزند و دختر کا قبول اسلام:

عرب کے شہرہ آفاق حاتم طائی کے فرزند عدی نام مذہباً عیسائی تھے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد متنفر تھے۔ ملک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اثر اور اسلام کی پذیرائی دیکھ کر تاب نہ لا سکے اور بال بچے مع سامان وشتر ہمراہ لے کر شام میں منتقل ہو گئے، جہاں ان کے ہم مذہب رہتے تھے۔ یہ واقعہ اس وقت رونما ہوا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو 8ھ میں پچاس سپاہیوں کے ایک دستہ کے ہمراہ بھیجا کہ قبیلہ طے کا صنم نابت نامی توڑ دیا جائے جہاں کے اسیروں میں حاتم طائی کی صاحب زادی بھی قید کر کے مدینہ میں لائی گئیں۔

قیدی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے والے باغیچے میں نظر بند کیے گئے۔ حاتم کی صاحبزادی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر واویلا شروع کر دیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! غاب الرافد وانقطع الوالد وانا عجوز کبیرۃ مابی خدمه فمن علی من اللہ علیک

یارسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم ! میرا سر پرست روپوش ہے اور والد وفات پا چکے ! میں کبر سنی کی وجہ سے کام کاج کے قابل نہیں رہی۔ مجھ پر احسان فرمایئے۔ اللہ آپ پر کرم فرمائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: تمہارا سر پرست کون تھا؟

بی بی: میرے سر پرست حاتم طائی کے فرزند عدی تھے جو خدا اور اس کے رسول سے بھاگ کر روپوش ہو گئے ہیں۔

بی بی نے اپنے والد حاتم کی جود و سخا کا تذکرہ بھی کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا انہیں خلعت و زادراہ اور سواری کے لئے اونٹنی دے کر جو قافلہ سب سے پہلے جانے والا ہو، اس کے ہمراہ واپس بھیج دیجئے! بی بی فرماتی ہیں! شام میں جا کر یہ واقعہ میں نے اپنے بھائی کو سنایا تو وہ از خود مدینہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوئے اور مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گئے۔

اسی طرح مکہ وحنین کی فتح اور طائف کے محاصرہ سے مدینہ واپس تشریف لے آنے کے بعد وفود کا تانتا بندھ گیا۔ یہ لوگ آتے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق وقبول اسلام سے مشرف ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقفہ میں نہایت صبر وسکون کے ساتھ زندگی بسر فرما رہے تھے۔

بنت نبی سیدہ زینب کی وفات:

لیکن سدا ایک سا وقت نہیں رہتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت وشادمانی کا یہ دور بھی جلدی غم میں مبدل ہونے پر آ گیا۔ جگر گوشہ رسول سیدۂ زینب (علیہا السلام) عرصہ سے بستر علالت پر دن گزار رہی تھیں۔ گزشتہ اوراق میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب ممدوحہ نے سفر ہجرت کیا تھا تو حویرث وھبار نے سیدہ کی سواری کو کونچا دے کر چمکا دیا تھا جس کی وجہ سے بی بی سواری سے گر پڑی تھیں اور جنین ہو گیا۔ اس صدمہ کی وجہ سے دن بدن ان کی صحت گرتی ہی گئی اور اسی مرض میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر اولاد کے صدموں کی حد ہو گئی۔ سیدۂ زینبؓ سے قبل بی بی ام کلثومؓ اور تیسری صاحب زادی سیدۂ رقیہؓ رحلت فرما چکی تھیں جن کے بعد اب صرف ایک صاحب زادی سیدۂ فاطمہؓ باقی رہ گئیں۔

سیدۂ زینب کے شوہر (ابوالعاص بن ربیع) بدر میں مسلمانوں کے خلاف نبرد آزمائی کے بعد اسیر کر لئے گئے۔ جب زینب نے سنا تو ان کے فدیہ کے لئے گلے کا ہار پیش کر دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحب زادی کا ان کے شوہر کے ساتھ حسن سلوک کا تذکرہ فرما کر زار زار رو دیتے کہ زینب نے خود مسلمان ہونے کے باوجود اپنے کافر شوہر کی وفاداری کا کیسا نمونہ پیش کیا ہے۔ یہی شوہر ہے جس نے زینب کے والد کے خلاف قتال میں حصہ لیا۔ تصور تو کیجئے اگر ابو العاص کی طرح خاتم الرسل کافروں کے ہاتھ میں گرفتار ہو جاتے تو وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ چھوڑ سکتے تھے؟

جگر گوشہ رسول جناب زینب نے سفر ہجرت میں جو صعوبتیں برداشت فرمائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی انہیں دھراتے، کبھی صاحب زادی کے دین وتقویٰ کا سراپا بیان فرماتے، کبھی ان کی شدت مرض کا المیہ سناتے اور مرحومہ کی ایک ایک تکلیف کا بیان فرمانے کے بعد رو دیتے۔

یہ تو جگر گوشہ ہی تھیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دوسروں کی مصیبت پر بھی اسی طرح پسیج جاتا۔ کسی کے بیمار پڑ جانے کی خبر سنتے تو کشاں کشاں اس کے ہاں تشریف لاتے، ناداروں کی دست گیری شب وروز کا مشغلہ تھا اور مصیبت زدوں کے غم میں انہیں تشفی دینا گویا فریضہ بنا رکھا تھا۔

آہ! صدموں کا یہ عالم! زینبؓ نے آپ کے سامنے کراہ کراہ کر جان دی۔ اس سے قبل ان کی دو بہنیں سیدۂ ام کلثومؓ ورقیہؓ قبر میں جا سوئیں۔ بعثت سے قبل دو فرزند (از بطن سیدہ خدیجہؓ) آنکھیں بند کر کے موت کی گود میں چلے گئے۔ یہ پیہم صدمے!

سیدنا ابراہیم کی ولادت:

بارے غم کا بوجھ ہلکا ہونے کا وقت بھی آ گیا۔ دن بدلنے کا انتظار زیادہ مدت تک نہ کرنا پڑا۔ سیدۂ ماریہؓ (قبطیہ) کے بطن سے فرزند پیدا ہوا، جس کا نام حضرت جد الانبیاء کے اسم مبارک کی برکت حاصل کرنے کے لئے ابراہیم رکھا گیا۔

یاد رہے کہ ام المومنین ماریہؓ والی، مصر (مقوقس) کی طرف سے پیش کی گئی تھیں۔ سید البشرؐ نے بی بی کو تولید فرزند تک کنیز کے درجہ میں رکھا۔ دوسری ازواج کی طرح ان کے لئے مسجد کے قرب میں حجرہ بنوانے کی بجائے مدینہ سے باہر ایک قریہ میں مکان مہیا فرما دیا جو آج بھی مشربہ ابراہیم کے نام سے مشہور ہے۔ اس گھر کو چاروں طرف سے انگور کی بیل نے گھیر رکھا تھا۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ سیدۂ خدیجہؓ کی رحلت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بیبیوں کو شرف مناکحت سے ممتاز فرمایا ان میں بعض نو جوان اور بعض ایسی ادھیڑ عمر بھی تھیں، جن کے ہاں ان کے پہلے شوہر کے صلب سے اولاد بھی پیدا ہوئی، لیکن حرم رسول میں منسلک ہونے

کے بعد ان کی کوکھ خالی ہی رہی۔

کہنا یہ ہے کہ آنحضرت کو بی بی ماریہؓ کی گود بھری ہوئی دیکھ کر کس قدر مسرت حاصل ہوئی اور اس عالم میں کہ سن مبارک ساٹھویں برس میں آ پہنچا۔ اتنے بلند انسان کے قلب میں اولاد کی خوشی سماتی نہ تھی۔ سیدہ ماریہؓ جو کنیز کی حیثیت سے پیش ہوئی تھیں، آج سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں دوسرے حرم کے مساوی بلکہ ان سے بھی زیادہ موقر رہنے لگیں۔

ازواج رسول صلوات اللہ علیہا میں کسی کے بطن سے اولاد نہ تھی۔ ماریہؓ ابراہیم کی ماں بن جانے کی وجہ سے اپنی تمام سوکنوں کے رشک کا مورد بن گئیں اور اس میں دن بدن شدت بڑھتی گئی۔ مولود (ابراہیم) پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر محبت لحہ بہ لحہ بڑھنے لگی جس سے حرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان رحجانات میں اور تلاطم بڑھتا گیا۔

قابلہ کی خدمت بی بی سلمی (زوجہ ابورافع) نے سرانجام دی۔ مولود نو کے موئے فرق کے ہم وزن چاندی خیرات فرمائی۔ ام سیف کو بچے کی رضاعت تفویض ہوئی، جس کے لئے سات بکریاں عنایت ہوئیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز مشربہ (دولت کدہ ماریہؓ) میں تشریف لاتے اور فرزند کے حسن و جمال و معصوم تبسم کو دیکھ کر اپنا دل بہلاتے، مگر یہ امور ان ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طبعاً رشک کا باعث تھے، جن کے بطن سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے کے بعد کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔

اسی دوران میں ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے بی بی عائشہؓ کے ہاں تشریف لائے اور محبت پدری سے مولود کی طرف دیکھ کر ام المومنینؓ سے فرمایا عائشہؓ دیکھ رہی ہو، ہم دونوں میں کس قدر مشابہت ہے! ام المومنینؓ نے ابراہیم کی طرف دیکھ کر عرض کیا آپ کے خدوخال اور ان کے چہرہ مہرہ میں تو بہت فرق نظر آتا ہے۔ ام المومنین نے جب یہ دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرزند کو دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہو رہے ہیں تو رشک میں اور

شدت پیدا ہوگئی۔ عرض کیا ہر بچہ اسی طرح دودھ پی کر پنپتا آتا ہے، ابراہیم ہی پر کیا منحصر ہے۔ یہ تو ابھی کچھ بھی نہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے حرم کو بھی ابراہیم کا وجود کھل گیا۔ ہر ایک کی زبان اور عمل سے آئے دن اسی قسم کی حرکات کا ظہور ہوتا رہا۔ ان واقعات انے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ میں بھی اپنا اثر پیدا کرلیا بلکہ قرآن مجید میں بھی یہ ذکر موجود ہے۔

ایلا اور ازواج سے برہمی:

ان واقعات کی وجہ سے ازواج اور اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان شکر رنجی لازمی تھی، جو اس حد تک رونما ہوئی کہ تاریخ اسلام کا ایک جزو بن گئی۔

واضح رہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو جو تفوق بخشا اس کی نظیر قبل از اسلام عرب میں ملنا ناممکن تھی، جیسا کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: قبل از اسلام ہمارے معاشرہ میں عورت کی حیثیت پرکاہ کے برابر نہ تھی۔ حتیٰ کہ اللہ نے ان کے لئے وحی قرآنی کے ذریعہ تفوق و برتری پر احکام نازل فرمادیئے، جیسا کہ میں اپنے گھر میں ایک معاملہ میں کچھ مشورہ کررہا تھا کہ میری بیوی مجھ سے پوچھے گچھے بغیر مجھے صلاح دینے لگیں۔ مجھے بے حد ناگوار گزرا۔ ان سے کہا میں نے تو آپ کو مشاورت کی تکلیف دی نہیں آپ دخل در معقولات فرمانے والی کون ہوتی ہیں؟ میری اہلیہ نے جواب دیا آپ کے معاملہ میں مجھے لب تک ہلانے کی جرأت نہ ہو، مگر جناب کی صاحب زادی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر زچ کررکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خفا ہونے میں بھی کمی اٹھا نہیں رکھی! میں نے یہ سنتے ہی (اپنی) چادر کندھے پر رکھی اور (ام المومنین) حفصہؓ کے ہاں پہنچ کر کہا صاحبزادی! تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مناقشہ کرکے آنحضر ت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود پر خفا کررکھا ہے؟

بی بی حفصہؓ! ہم نے ایسا ہی کیا ہے۔ آپ کو اس سے کی اغرض ہے؟

میں: اے حفصہ! میں تمہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ اور اللہ کے عذاب سے ڈراتا

ہوں، مبادا تم اپنی ہم عمر (م۔۔۔۔ مراد از ام المومنین عائشہؓ) کے نقش قدم پر چلو! ان پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر لطف سب حرم کے مقابلہ میں پیش از پیش ہے۔

میں یہاں سے نکل کر ام المومنین ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوا جو میری قرابت دار تھیں۔ ان سے یہ تذکرہ کیا تو (انہوں نے) اور زیادہ تنبیہہ فرمائی کہ اے ابن الخطابؓ! تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر معاملہ میں دخل دینے لگے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھریلو معاملات تک میں!

مجھے سیدۂ ام سلمہ کے زجر سے بے حد احساس ہوا اور میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا!

دوسری روایت: صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ بن الخطاب سے (دوسری روایت) مروی ہے کہ:

میں رسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ اتنے میں ابوبکرؓ اجازت لے کر باریاب ہوئے۔ آنحضرت فرط غم سے سر جھکائے ہوئے خاموش بیٹھے تھے۔ تمام ازواج جمع تھیں اور سب کی سب مہر بہ لب۔

خیال گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسنے پر مائل کیا جائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر بنت خارجہ (اہلیہ عمرؓ) مجھ سے (ایسے) نفقہ کا مطالبہ کریں تو اس زور کی پٹخنی دوں کہ سر کے بل زمین پر گر پڑیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہنسی ضبط نہ کر سکے اور فرمایا دیکھو! یہ سب مجھے اسی قسم کے مطالبہ میں گھیرے بیٹھی ہیں۔

یہ سن کر ابوبکرؓ اٹھے اور اپنی صاحب زادی جناب عائشہؓ کی گردن پر طمانچہ رسید کر کے فرمایا تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ شے طب کرتی ہو جو آپ کے قبضہ میں نہیں۔ عمرؓ نے اپنی دختر (سیدۂ) حفصہؓ کے تھپڑ مارا اور یہی فرمایا کہ تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ شے طلب کرتی ہو جو آپ کے قبضے میں نہیں۔

عائشہؓ و حفصہؓ دونوں نے بیک زبان وعدہ کیا کہ اب سے ہم آپ سے کوئی ایسی چیز طلب نہ کریں گی، جس پر آپ کی قدرت نہ ہو!

اس موقعہ پر ابوبکرؓ و عمرؓ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر حاضر ہونے کا موجب یہ تھا کہ اذان ہو جانے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف نہ لا سکے جو مسلمانوں کے لئے پریشانی کا باعث بن گئی۔

حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ دونوں کے اس واقعہ سے جس کا تعلق (من جملہ ماقبی امہات کے ۔۔۔م) ام المومنین عائشہؓ و حفصہؓ (ہر دو) سے بھی ہے یہ آیات نازل ہوئیں:

یایها النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوة الدنیا وزینتها فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا وان کنتن تردن الله ورسوله والدار الاخرة فان الله اعدا للمحسنات منکن اجرا عظیما(33:28-29)

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی بیبیوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کے ساز و سامان کی طلب گار ہو تو آؤ میں تمہیں (کچھ) دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کروں اور اگر تم خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عاقبت کے گھر کی خواہاں ہو تو تم میں سے جو نیکوکار ہیں ان کے لئے خدا نے بڑے بڑے اجر تیار کر رکھے ہیں۔

دوسرا واقعہ در بارہ اکل شہد:

(جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔۔۔م) تمام حرم رسول مولودنو کی وجہ سے جناب ماریہؓ کے معاملہ میں متفق ہو چکی تھیں۔ اسی دوران میں یہ واقعہ رونما ہوا۔

معمول مبارک یہ تھا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر کے بعد حرم میں سے ہر ایک بی بی کے حجرہ میں ذرا دیر کے لئے تشریف لاتے۔ ایک روز سیدۂ حفصہؓ (و بروایت دیگر سیدہ زینب بنت جحش لیکن روایت ہذا کا تعلق اول الذکر سے ہے۔۔۔م) کے ہاں تشریف لے گئے اور معمول سے زیادہ دیر لگا دی، جس سے دوسری حرم رشک سے بے تاب ہو گئیں۔ ام المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں میں اور حفصہؓ دونوں اس پر متفق ہو گئیں کہ حضرت جس کے ہاں تشریف لائیں وہ عرض کرے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دہن مبارک سے یہ مغافیر کی سی بو کیسے آ رہی ہے؟ آپ نے

کہیں مغافیر تو نہیں فرمالیا؟ (مغافیر کھانے میں شیریں مگر اس کی بو سے کراہت پیدا ہوتی ہے) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بدبو سے بے حد نفرت تھی۔

چنانچہ یکے بعد دیگرے دونوں کے ہاں تشریف لائے۔ بحسب قرارداد دونوں نے مغافیر کھانے کا شبہ ظاہر کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے فرمایا نہیں! میں تو زینب ؓ کے ہاں سے شہد کھا کر آیا ہوں۔ اگر یہی بات ہے تو آج سے شہد استعمال نہ کروں گا۔

بروایت ام المومنین سودہ ؓ جو اس تجویز میں جناب عائشہ ؓ سے متحد تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شاید آپ نے مغافیر کے پھل عرفط کا شہد استعمال فرمالیا ہے اسی طرح جناب عائشہ ؓ نے عرض کیا۔ جب ان کے ہاں قدم رنجہ فرمایا اور سیدہ صفیہ کے ہاں تشریف لائے تو انہوں نے بھی اسی طرح شبہ ظاہر کیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متاثر ہو کر خود پر شہد کا استعمال ہی حرام کر دیا۔

اس کامیابی پر سودہ ؓ نے فخر سے کہا سبحان اللہ! ہم کامیاب ہو گئیں۔ مگر بی بی عائشہ ؓ نے معنی خیز نظر سے دیکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا اور وہ چپ ہو گئیں۔

یہ بیبیاں جن کا درجہ اب تک عرب کی عام عورتوں کا سا تھا کہ جو اپنے حقوق طلب کرنے میں مردوں کے سامنے زبان کھولنے کی جرات نہ کر سکتی تھیں۔ لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حرم کا درجہ ملک کی دوسری عورتوں کے مقابلہ میں بہت بلند فرما دیا تھا جس سے بیبیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے معاملہ میں حد سے تجاوز کرنے لگیں کہ ایک پورا دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غم و رنج میں ڈوبے رہے۔ حرم میں سے ایک بی بی نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمواجہہ گفتگو ہی اس انداز سے کی، جس سے آپ رنجیدہ ہو جائیں۔ اس سے قبل بارہا ایسا ہوتا رہا کہ بیبیوں میں سے جب کسی نے باہمی سوتیاپے کے اثر سے مزاج اقدس کے خلاف گفتگو کی تو آپ نے ان کے متعلق ظاہری ملاطفت کے دامن کا پھیلاؤ ذرا کم کر دیا تاکہ حدود ادب سے تجاوز نہ ہونے پائے، لیکن ابراہیم کی ولادت سے تمام ازواج کا رشک ناخوش گوار حد تک ابھر آیا۔ بی بی

عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مولود کی مشابہت تک سے انکار فرما دیا جس کا منشا شاید بی بی ماریہؓ (والدہ ابراہیم) کو گناہ سے ملوث کرنا ہو۔

ازواج کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گلہ شکوہ:

اسی طرح ایک روز بی بی حفصہؓ اپنے والد حضرت عمرؓ کے ہاں تشریف لے گئیں۔ ان کی موجودگی میں سیدۂ ماریہؓ حرم سرائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آئیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر جناب حفصہؓ کے حجرہ میں رونق فرما تھے۔ بی بی ماریہؓ اسی حجرہ میں آ بیٹھیں۔ ذرا دیر بعد سیدہ حفصہؓ واپس آئیں۔ بی بی ماریہؓ ابھی تک ان کے حجرہ میں موجود تھیں۔ حفصہؓ رشک سے بے قابو ہو گئیں۔ جونہی ماریہؓ اُن کے حجرہ سے نکلیں سیدہ (حفصہؓ) نے حجرہ میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ میں نے ماریہؓ کو اپنے حجرہ میں دیکھ لیا ہے۔ آپ کے نزدیک میری ذرہ برابر منزلت بھی ہوتی تو آپ مجھے اس کی وجہ سے اتنا ذلیل نہ فرماتے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حیران تھے کہیں یہ (حفصہؓ) عائشہؓ یا دوسری بیبیوں کے سامنے بھی میرا راز افشا نہ کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہؓ کو مطمئن کرنے کے لئے ماریہؓ کو خود پر حرام کر دیا، اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس واقعہ کا تذکرہ عائشہؓ سے نہ کریں (سیدہ) حفصہؓ نے زبان سے یہ شرط تسلیم کر لی، لیکن کسی انداز سے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ آپ کا یہ راز سب کے سامنے افشا کرنے کے بعد ہی حاضر ہوئی ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا خیال گزرا کہیں یہ معاملہ عائشہؓ سے گزر کر دوسری بیبیوں تک نہ پہنچ گیا ہو۔ ممکن ہے کہ اسی وجہ سے سب یک زبان ہو رہی ہوں۔

اگرچہ واقعہ اہم نہ تھا۔ میاں بیوی کے درمیان مناقشات ہو ہی جاتے ہیں۔ اسی طرح آقا اور اس کنیز میں بھی باہم شکر رنجی پیدا ہو سکتی ہے جو اپنے آقا کے لئے (بمصداق ماملکت ایمانکم[1] 28:4۔۔۔م) حلال ہو مگر سیدنا ابوبکر و حضرت عمرؓ کی صاحب زادیوں کے شایان شان نہ تھا۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ماریہؓ کے معاملہ میں خود پر اس قدر کاوش گوارا فرما لیں، اگرچہ

اس سے قبل بھی چند مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے حرم کے درمیان زندگی کے بعض مصارف یا سیدۂ زینب (بنت جحشؓ) کے ہاں سے شہد تناول فرمانے پر مناقشہ ہو چکا تھا یا دوسرے دوسرے امور مثلاً سیدۂ عائشہؓ کی طرف مابقی حرم کے مقابلہ میں زیادہ انعطاف اور اسی طرح ماریہؓ پر مزید کرم و لطف کی وجہ سے۔

سیدۂ زینب بنت جحشؓ اور بی بی عائشہؓ کا مناقشہ:

اتنے ہی میں جناب زینبؓ دوسرے حرم کو اپنے ساتھ ملا کر آنحضرت کی خدمت میں گلہ گزار ہوئیں کہ آپ نے (بی بی) عائشہؓ کو ہم سب پر ترجیح دے رکھی ہے، چہ جائے کہ شوہر کو سب بیویوں کے ساتھ مساوی برتاؤ کرنا چاہیے۔ استدعا یہ ہے کہ اپنے ہر ایک حرم کے لئے ایک ایک دن کو نوبت مقرر فرما دیجئے۔ اس وفد میں یہ واقعہ بھی رونما ہوا کہ ام المومنین جنہیں اپنی ذات کی طرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کم رغبتی کا احساس تھا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استرضاء کے لئے اپنی نوبت بی بی عائشہؓ کو تفویض فرما دی۔

اس موقعہ پر ایک اور حادثہ بھی رونما ہوا۔ سیدۂ زینب بنت جحشؓ جو دوسرے حرم کو اپنے ساتھ شامل کر کے حاضر ہوئی تھیں ان سے بی بی عائشہؓ کو معاملہ میں بے جا شکر رنجی کا اظہار ہو گیا۔ جس کے جواب کے لئے سیدۂ عائشہؓ کو آمادہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (اشارے سے) منع فرما دیا۔

---

[1] ہاں (لڑائی کے قیدیوں میں سے) جو عورتیں تمہارے قبضہ میں آ گئی ہوں۔

لیکن سیدۂ زینب خود پر قابو نہ رکھ سکیں۔ بی بی عائشہؓ کی تحقیر میں اور زیادہ جرأت پر اتر آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ جرأت دیکھ کر اس طرح خاموش ہو گئے جیسے آپ ہی نے (سیدۂ) عائشہؓ کو دفاع کے لئے متوجہ فرما دیا ہو۔ بی بی عائشہؓ نے حضرت زینبؓ کو مغلوب کر لیا، جس

سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت پھر لوٹ آئی۔

امہات المومنین کے باہمی رشک ورقابت کا نتیجہ (ایلا)

امہات المومنین کی باہمی مناقشت ورقابت اس حد تک بڑھ گئی کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک دوسرے کے ساتھ مدارات وعنایات تک کا تحمل دشوار ہو گیا۔ ان منازعات کا اثر یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے بعض کو طلاق دے کر یک طرفہ کر دینے پر غور فرمانے کی نوبت آ گئی۔ اور ابراہیم کی ولادت نے تو انہیں اور بھی زیادہ بے قرار کر رکھا تھا جس میں سب سے پیش پیش جناب عائشہؓ تھیں۔ بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف وکرم ہی نے سیدۂ ممدوحہ کو اس قدر دلیر کر رکھا تھا۔

ادھر ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاغل اس قسم کے نہ تھے کہ رسالت جیسے فریضہ سے دامن بچا کر اس قسم کے مناقشات کو سلجھانے میں عمرؓ ختم کر دیں۔ ضروری تھا کہ حرم کی تادیب و تنبیہہ کا راستہ تجویز کیا جائے تاکہ خدا کی طرف سے عائد کردہ فرض کی تبلیغ یک سوئی سے فرما سکیں۔ خاتم الرسل نے اپنی تمام ازواج سے عارضی علیحدگی (یعنی ایلا۔م) کا ارادہ کر لیا اگر بیبیاں اپنی روش میں قطعی تبدیلی کر لیں تو فبھا، ورنہ ان میں برملا فرما دیا جائے۔

فمتعوھن و سر حوھن سراحاً جمیلا (28:33)

(اے میرے حرم! آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کر دوں۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پورا ایک مہینہ (تمام) ازواج سے کامل طور پر علیحدہ رہے۔ ان کا ذکر کرنے سے بھی اجتناب تھا۔ اصحاب میں سے کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ اس وقفہ میں آپ کے پاس آئیں اور اس بارے میں گفتگو کر سکیں۔ آخر نصف ماہ کے قریب توجہ گرامی اس امر پر منعطف ہوئی کہ مسلمانوں کو جزیرۂ عرب سے باہر دعوت اسلام اور اپنا وقار کس انداز سے قائم کرنا چاہیے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فکر دامن گیر اور ادھر جناب ابوبکر وعمرؓ اور وہ لوگ جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انہی دونوں کی سی قرابت تھی، سب کے سب امہات المومنین

کے معاملہ میں خوف زدہ کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خود پر ناراض کرنے میں کس قدر غلطی کی ہے۔ مبادا انہیں خدا، اس کے رسول اور ملائکہ کے غضب سے دوچار ہونا پڑے!

ایک روز تو یہاں تک افواہ اڑ گئی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی صاحب زادی کو ایسے راز کے افشا کرنے کی وجہ سے طلاق ہی فرما دی ہے۔ جس کے مخفی رکھنے کی انہیں (سیدۂ حفصہؓ کو) تاکید فرمائی گئی تھی۔ اس خبر کی وجہ سے مسلمانوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ بعض کی زبان سے یہ بھی نکل گیا کہ اب تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمام بیویوں ہی کو طلاق دے کر رہیں گے۔

ازواج اپنی جگہ بے قرار و نادم کہ ہم نے ایسے مہربان شوہر کو کیوں ستایا، جو ہماری زندگی اور موت ہر حالت میں باپ، بھائی اور بیٹے تک کے حصہ کا سلوک کرنے میں بھی پس و پیش نہ فرماتے۔

اس زمانہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں نمازیں گزارنے کے سوا۔۔۔م) پورے اوقات اپنے بالا خانے میں صرف کرتے جو ایک بلند مقام پر (حجرہ ہائے حرم۔۔۔م) کے قریب تھا رباح نامی غلام دہلیز پر دربانی کرتے۔ بالا خانے میں تشریف لانے کے لئے زینہ نہ تھا بلکہ کھجور کے خشک تنے کے سہارے اترتے اور اوپر تشریف لے جاتے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد زحمت برداشت کرنا پڑتی۔

حضرت عمرؓ کی طرف سے سعی استرضاء:

اسی انداز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بالا خانے میں وہ پورا ایک مہینہ گزار دیا، جس میں آپ نے اپنے حرم سے علیحدہ رہنے کا التزام فرمایا تھا۔ اس مہینہ کے آخری روز مسلمان مسجد میں غمگین بیٹھے، سر جھکائے ہوئے زمین کرید رہے ہیں۔ ہر شخص اپنے دل میں غم لئے بیٹھا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حرم کو طلاق فرما ہی دی۔ سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑی ہوئیں! ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہونے کا قصد کرلیا۔ رباح (دربان) کے ذریعے اجازت طلب کی مگروہ (رباح) اس طرح گم سم کھڑے رہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت طلب کرنے کا اذن بھی نہ ہو۔ جناب عمرؓ کے دوسری مرتبہ اصرار پر بھی رباح اسی طرح کھڑے رہے۔ تیسری نوبت پر عمرؓ نے چلا کر کہا اے رباح! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے لئے اجازت طلب کیجئے۔ شاید آنحضرت نے آپ کو اس لئے منع کر دیا ہو کہ میں اپنی صاحب زادی حفصہؓ کی سفارش کرنا چاہتا ہوں۔ حاشا و کلا! اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حفصہؓ کی گردن اڑا دینے کا حکم فرمائیں تو میں ایک لمحہ کے لئے تامل نہ کروں۔

حضرت عمرؓ بالا خانے میں بیٹھتے ہی رو دیئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب گریہ دریافت فرمایا۔ بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو بالا خانے کے اسباب معیشت نے متاثر کر دیا تھا جس میں چار ہی قسم کی اشیاء تھیں۔

1۔ سونے کے لئے ایک چٹائی جس کے نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو پر دکھائی دے رہے تھے۔

2۔ کس (چمڑا رنگنے کی چھال)

3۔ ایک کھال

4۔ مٹھی بھر جو

یہ تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کل کائنات جسے دیکھ کر حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھ گیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے باعث گریہ سننے کے بعد انہیں دنیا کی نعمتوں سے استغناء و طمانیت کی خوبیوں سے آگاہ فرمایا۔ اس کے بعد عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ازواج کے معاملہ میں اس قدر پریشان ہیں اگر آپ نے واقعی انہیں مطلقہ قرار دے دیا ہے تو سہی! اللہ تعالیٰ آپ کا والی ہے۔ اس کے فرشتے آپ کے نگہبان ہیں۔ جبرئیل و میکائیل آپ کی حفاظت پر

مامور ہیں۔ میں آپ کی نصرت کے لئے سر بکف ہوں، ابوبکرؓ آپ پر جان و مال سے نثار ہیں اور تمام مسلمان آپ کے مددگار و معین ہیں۔ کس کی مجال ہے جو آپ کی طرف میلی آنکھ سے دیکھ سکے!

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے کچھ اس انداز سے بات شروع کی، جس سے ذرا دیر میں خفگی زائل ہوگئی اور آپ بے ساختہ ہنس پڑے۔ عمرؓ نے یہ کیفیت دیکھ کر سبقت کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مسلمانوں کا برا حال ہو رہا ہے۔ وہ غم میں ڈوبے ہوئے ہیں اور مسجد سے انہیں اٹھتے کہ آپ نے ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ میں انہیں یہ سنانے جاتا ہوں کہ طلاق نہیں دی گئی۔ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ بالا خانے سے اتر کر مسجد میں آئے اور بآواز بلند پکار کر کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق نہیں دی۔ اس واقعہ پر مندرجہ ذیل آیتیں نازل ہوئیں۔

1. یایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک و اللہ غفور رحیم (1:66)

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! جو چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کی ہیں تم نے اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیوں حرام کر دیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

2. قد فرض اللہ لکھم تحلتہ ایمانکم و اللہ مولکم وھو العلیم الحکیم (2:66)

تم مسلمانوں کے لئے خدا نے تمہاری قسموں کے توڑ ڈالنے کا (بھی) ٹھہراؤ کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا مددگار ہے اور (وہ) سب کے حال سے واقف (اور) حکمت والا ہے۔

3. و اذ سر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلما نبات بہ و اظھرہ اللہ علیہ عرف بعضہ و اعرض عن بعض فلما نباھا بہ قالت من انباک ھذا قال نبانی العلیم الخبیر(3:66)

اور جب پیغمبر نے اپنی بیویوں میں سے کسی سے ایک بات چپکے سے کہی تو (اتفاق سے بات

کا بتنگڑ بن گیا کہ ان بی بی نے دوسری بی بی کو اس کی خبر کر دی اور) جب انہوں نے اس کی خبر کر دی اور خدا نے پیغمبر پر اس کو ظاہر کر دیا تو پیغمبر نے کچھ (تو ان بی بی کو) جتایا اور کچھ ٹال دیا۔ پس جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر جتانا منظور تھا ان (بی بی) کو جتایا تو ان بی بی نے (حیران ہو کر پیغمبرؐ سے) پوچھا کہ آپ کو یہ (سب) خبر کس نے دی؟ پیغمبر نے جواب دیا کہ مجھ کو خبر دی اس (خدا) نے جو سب کچھ جانتا (اور ہر طرح کی) خبر رکھتا ہے۔

4. ان تتوبا الی الله فقد صغت قلوبکما و ان تظاهرا علیه فان الله هو موله و جبریل و صالح المومنین و الملئکة بعد ذالک ظهیر(4:66)

سو (پیغمبر کی دونوں بیبیو!) اس حرکت سے خدا کی جناب میں توبہ کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے کیوں کہ تم دونوں نے کج راہی اختیار کی ہے اور اگر پیغمبرؐ کے خلاف سازشیں کرو گی تو ان کا (حامی و مددگار) اللہ ہے اور جبریل علیہ السلام اور (اچھے) نیک مسلمان اور ان کا پروردگار ان کے علاوہ (دوسرے) فرشتے (بھی) پیغمبر کے (حامی) و مددگار ہیں

5. عسیٰ ربه ان طلقکن ان یبدله ازواجا خیرا منکن مسلمت مومنت قنتت تبت عبدت سئحت ثیبت و ابکارا؟ (5:66)

اگر پیغمبر تم (عورتوں) کو طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ ان کا پروردگار ان کے لئے تمہارے بدلے تم سے بہتر بیبیاں بہم پہنچا دے، فرماں بردار (باایمان) نمازی (خدا کی جناب میں) توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزے دار، دوہاجنیں اور کنواریاں۔

ازواج رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آنکھیں کھل گئیں۔ معاملات یوں آ کر سلجھ سکے۔ اب سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر بی بی صافی القلب اور مطیع فرمان ہو کر پیش آنے لگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کی طرح ان خانگی وظائف پر متوجہ ہو گئے، جن کے بغیر کسی انسان کو مفر نہیں۔

دوستو! راقم مولف نے اس سلسلہ میں امور ذیل کی ترتیب پوری وضاحت سے نقل کر دی،

یعنی:

الف۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ازواج سے ایلا (علیحدگی)
ب۔ آپ کا بحکم خداوندی ازواج کو تخییر طلاق
ج۔ ان حوادث اور ان کی دوسری کڑیوں کے مقدمات ونتائج

اور ان حوادث کے متعلق ہر اس صحیح روایت کو مسطور کر دیا ہے جو حدیث وتفسیر یا سیرت کی کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں، ایک دوسری (روایت) سے مربوط اور باہم دگر موید۔ ماسوائے ازیں کہ اس سلسلہ کے تمام مرویات نہ تو کسی ایک جگہ منقول ہیں اور نہ اس ترتیب کے ساتھ مسطور جس صورت میں انہیں ہم نے نقل کیا ہے۔ ہمارے لئے یہ مشکل قدم قدم پر سدراہ بن گئی کہ بعض مسلمان سیر نگار حضرات ان حوادث پر صرف ایک نگاہ ڈال کر آگے بڑھ گئے۔ اس لئے کہ انہیں ترتیب ومقدمہ ونتیجہ میں نا قابل برداشت کاوش کا سامنا کرنا پڑتا اور بعض مسلمان سیرت نویس ایلا (علیحدگی) کا سبب عسل ومغافیر کو بیان کرنے کے بعد خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ یہ جامعین حضرت حفصہؓ وماریہؓ کے واقعات پر توجہ بھی نہ کر سکے۔

حضرت حفصہؓ وماریہؓ کے قضیہ پر مستشرقین کی غمازی:

مسلمان مورخین کے برخلاف بعض مستشرقین نے اس راہ میں ایک نئی چال اختیار کر لی کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی علیحدگی (ایلا) کا مبنیٰ صرف جناب حفصہؓ وماریہؓ کے واقعہ کو ثابت کرنے کی کوشش میں اپنی تمام عمر ختم کر دی۔ یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہؓ سے کس لجاجت کے ساتھ ماریہؓ کا معاملہ عائشہؓ سے چھپانے کا وعدہ لیا اور بی بی (حفصہؓ) سے فرمایا کہ اب سے میں خود پر ماریہؓ کو حرام کرتا ہوں۔

اسلام کے ان مہربان مستشرقین نے ایلا (علیحدگی) کے مقدمات میں سے صرف اسی ایک واقعہ پر اپنی توجہ مرکوز رکھی تاکہ اپنے مسیحی ہم مذہبوں کے سامنے ثابت کر سکیں کہ رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت قائم نہ ہو سکے۔ اللہ رے انصاف!

تاریخ دنیا کے بلند پایہ انسانوں میں سے کسی کے متعلق اس قسم کی لغزش ثابت نہیں کرسکی، چہ جائیکہ (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شخصیت، ہر یگانہ و بیگانہ کے مونس و غم خوار محمد، ہمہ وقت بنی نوع بشر کی محبت میں سرشار، ان تمام صفات سے متصف جنہیں محققین نے آنحضرت کی ذات میں تسلیم کیا ہے۔ کیا یہ جلیل القدر انسان صرف اس بات پر اپنے تمام ازواج سے علائق قطع کرسکتا ہے کہ خود آپ ہی کی مملوکہ کنیز کے ساتھ آپ کو ان کی ایک منکوحہ حرم نے خلوت میں دیکھ کر اپنی دوسری ہم عصر (جناب عائشہؓ) کو بھی بتادیا؟ عجیب! اور کیا یہ ممکن ہے اتنا رفیع المنزلت انسان اتنی سی بات پر اپنے حرم سے یوں کنارہ کشی اختیار کرلے اور انہیں طلاق دینے پر آمادہ ہوجائے؟ اگر ان واقعات کو ایماندارانہ ترتیب کے ساتھ باہم منسلک کیا جائے تب ایسے صحیح نتائج کا استنباط ممکن ہے جو عقل صریح اور علم صحیح کے معیار پر پورا اتر سکیں جیسا کہ ہم نے ان حوادث کی تنقیح کا فریضہ سرانجام دیا ہے جو حضرت محمد جیسی بے بدل شخصیت کی عظمت وشان کے مطابق ہے۔

مستشرقین کی حرف گیری کا جواب:

سورۂ تحریم کی جو آیات نقل کی گئی ہیں، بعض مستشرقین انہیں آیتوں کو اپنے اعتراضات کا ذریعہ بنا کر فرماتے ہیں قرآن کے ماسوا دوسری آسمانی کتابوں میں کسی نبی کے متعلق اس قسم کا حادثہ منقول نہیں۔ لیکن اگر ہم:

1۔ آسمانی کتابوں سے جن میں قرآن بھی شامل ہے، قوم لوطؑ کے جنسی مشاغل کا اقتباس پیش کریں، جنہیں ہر شخص جانتا بھی ہے؟

2۔ نبی اللہ حضرت لوطؑ کے ان دو مہمانوں کی سرگزشت جو حقیقت میں فرشتے تھے مگر خوش رو بلند بالا قامت امرد لڑکوں کے روپ میں حضرت لوط کے ہاں اجنبی مہمان بن کر آئے اور۔۔۔ 1؎ یہ تذکرہ تورات ہی میں منقول ہے۔

3۔ تورات ہی میں نبی اللہ حضرت لوطؑ کی بیوی کی وہ داستان بھی مسطور ہے۔ جس کی پاداش میں وہ اپنی بدچلن قوم کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہوئیں۔

4۔ اور تورات ہی میں نبی اللہ جناب لوطؑ اور ان کی دونوں صلبی صاحب زادیوں کے شرم ناک اختلاط کی حکایات بھی درج ہیں۔ جب رات کو ایک صاحب زادی نے اپنے باپ کو دھوکے سے شراب پلا دی اور جب وہ ہوش کھو بیٹھے تو ان سے۔۔۔۔! اس طرح دوسری دختر نے خدا کے پیغمبر حضرت لوطؑ کو جو اس کے حقیقی باپ بھی تھے شراب پلا کر مدہوش دیکھا تو یہ بھی ان سے۔۔۔۔! حضرت لوطؑ کی دونوں صاحب زادیوں نے اس لئے اپنے باپ سے نطفہ حاصل کیا کہ ان کی قوم عذاب آ جانے سے فنا ہو چکی تھی۔ انہیں فکر لاحق ہوئی کہ مبادا قوم ختم ہو جائے، وہ اپنے باپ ہی کے نطفے سے تناسل [2] کا انتظام کیوں نہ کرلیں۔

---

[1] تورات: پیدائش باب 19 آیت: 1 تا 25۔۔۔م

[2] اور لوطؑ ضفر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیوں کہ اس ضفر میں بستے ڈر لگا اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے۔ تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے۔ آؤ! ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تا کہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو انہوں نے اسی روز اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی! اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی۔ آؤ! آج رات بھی اسے مے پلائیں اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہو تا کہ ہم اپنے باپ

> سے نسل باقی رکھیں۔ سو اس رات بھی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی تھی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی۔ لوطؑ کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں اور بڑی کے ایک بیٹا ہوا اور اس نے اس کا نواب موآب رکھا۔ وہی موآبیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا ہوا اور اس کا نام بن عمی رکھا۔ وہی بنی عمون باپ ہے جو اب تک موجود ہیں۔ (پیدائش باب 19 از 30 تا 38)

ہر آسمانی کتاب انبیاء کے واقعات دوسروں کی عبرت کے لئے پیش کرتی ہے اور قرآن میں بھی ایسے واقعات منقول ہیں جنہیں خداوند عالم نے احسن پیرایہ میں بیان فرمایا۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوسرے پیغمبروں کی مانند خدا کے رسول ہیں، جن کا یہ قصہ قرآن مجید میں منقول ہے۔

پس اگر قرآن کسی واقعہ کو نقل کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے بیان کرنے سے مسلمانوں کے سامنے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں سے ایک مثال پیش کرنا مقصود ہے تاکہ ان کے پیرو اس مثال سے اپنے لئے مشعل راہ کا کام لے سکیں۔ کتب سماوی میں انبیاءؑ کے واقعات بیان کرنے میں یہی حکمت کارفرما ہے۔ اس لئے اگر انبیاء کرامؑ میں سے کسی نبی کی سیرت کا تذکرہ قرآن مجید میں منقول ہے یا کسی اور سماوی کتاب میں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے حرم سے ایلا کسی ایک واقعہ پر موقوف نہیں، نہ اس پر مبنی کہ حضرت حفصہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بی بی ماریہؓ کے ساتھ خلوت میں دیکھ کر اپنی ہم عصر بی بی عائشہؓ کے سامنے بیان کر دیا۔ کیا خاوند کا اپنی اہلیہ یا آقا کا اپنی کنیز سے یہ تعلق رکھنا جرم ہے؟

قارئین نے مستشرقین کے ان اتہامات کا مطالعہ کر لیا، تاریخی حیثیت سے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ نہ وہ سابقہ آسمانی کتب ان کی موید ہیں، جن میں انبیاءؑ کے حرف و حکایات اور سیرت کے واقعات جا بجا منقول ہیں۔

☆☆☆

باب 27

غزوۂ تبوک اور وفات ابراہیمؑ

یہ خانگی حوادث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج کے درمیان رونما ہوئے، معمولات کی عام رفتار پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ مکہ فتح ہو جانے سے اسلام کی اہمیت میں اضافہ ہو گیا۔ قبائل عرب میں اس کی عظمت قائم ہوگئی۔ بیت اللہ جو سدا سے عرب میں زیارات و حج کا مرجع تھا، اس کے مختلف مناصب از قسم کلید برداری و سبیل اور دوسرے امور کی تقسیم و اعطاء اب کلیۃ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں تھی، جس میں اسلام کے دستور پر عمل فرمایا جاتا۔ بیت اللہ اور کعبہ پر مسلمانوں کے قبضہ نے ان کے مشاغل میں اور اضافہ کر دیا، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو ریاست میں خرچ کرنے کے لیے محاصل (آمدنی) کی فکر ہوئی۔ انہیں یقین تھا کہ جزیرۃ العرب کے چپہ چپہ اسلام کے زیرنگیں ہونے کو ہے۔ تجویز ہوا کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ اور غیر مسلم (عرب) پر خراج مقرر کیا جائے۔ آخر الذکر طبقہ کو بار خاطر تو ہوا لیکن مسلمانوں کے اقتدار کے سامنے انہیں سرتابی کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔

تحصیل داران وصول زکوٰۃ

مکہ فتح کر لینے کے تھوڑی مدت بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وصول زکوٰۃ کے لیے تحصیل دار نامزد فرمائے، جنہیں ہر اس قبیلہ کی طرف بھیجا گیا جو اسلام لا چکا تھا۔ انہوں نے نہایت خندہ روئی اور اطاعت کے ساتھ ان کا مستقبل کیا اور پوری فراخ دلی کے ساتھ اپنے اپنے حصہ کی زکوٰۃ ادا کی۔ ماسوائے دو قبیلوں (بنوتمیم کی شاخ بنوعنبر اور بنومصطلق) کے۔

بنوتمیم کی طرف سے تحصیل داران زکوٰۃ پر اچانک حملہ:

محصلین زکوٰۃ کے تقاضا کرنے سے قبل ان لوگوں نے زرہ کمان پر چڑھالی اور مسلمانوں پر تیروں کی باڑ چلانا شروع کر دی۔ مسلمان جنگ کے لیے تو گئے ہی نہ تھے واپس لوٹ آئے۔ یہ ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو عیینہ بن حصن کی سپہ سالاری میں پچاس سپاہیوں کا دستہ بنو عنبر کی سرزنش کے لئے بھیجا جن کے حملہ کی تاب نہ لا کر وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمان ان کے پچاس سے زیادہ اسیر لے کر مدینہ واپس لوٹ آئے، جنہیں نظر بندی میں دے دیا گیا۔

وفد بنو تمیم کی آمد اور مفاخرہ:

ہر چند بنو تمیم میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور فتح مکہ وحنین میں بھی مسلمانوں کے ساتھ تھے مگر ان کا ایک حصہ ابھی تک کفر پر قائم تھا۔

آخر الذکر گروہ کا وفد مدینہ آیا اور مسجد میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ کے سامنے آ کر بآواز بلند یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یا محمدؐ! کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یہ طرز خطاب پسند نہ آیا۔ اگر نماز ظہر کے لیے مسجد میں تشریف لانا ضروری نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کو باریاب نہ ہونے دیتے۔ ادائے ظہر کے بعد انہوں نے اپنا حال کہنا شروع کیا کہ عیینہ نے کس طرح انہیں گھیرے میں لے کر ان کے آدمی اسیر کر لیے فتح مکہ میں اپنے قبیلہ کی شرکت کا تذکرہ ملک میں اپنے مرتبہ کی حکایت الغرض اپنے لئے جو کچھ مناسب سمجھا پیش کرنے کے بعد کہا اے صاحب! ہم لوگ آپ کے ساتھ مفاخرہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اپنے ان شعراء اور خطیبوں کو بلا لیجئے جو ہمارے شاعر اور خطیب سے مفاخرہ کر سکیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ مطالبہ بھی منظور فرما لیا۔ بنو تمیم کی طرف سے ان کے خطیب عطارد بن حاجب اٹھے اور مجلس کے سامنے اپنا خطبہ بیان کیا ان کے بعد مسلمانوں کی طرف سے جناب ثابت بن قیس حلقہ میں تشریف لائے اور عطارد کے مقابلہ میں خطبہ دیا۔

شاعری میں مفاخرہ پر بنو تمیم کی جانب سے زبرقان بن بدر حلقہ میں آئے اور اپنے قبیلہ کے محاسن پر داد سخن سے مجلس کو گرما دیا۔ ان کے جواب میں حضرت حسان بن ثابتؓ نکلے، جنہوں نے

اسلام کے محاسن پر اس قسم کا قصیدہ پڑھا جس پر بنو تمیم کے ایک سردار اقرع بن حابس نے اعتراف شکست میں یہ الفاظ کہے ہمارے حریف کی پشت پر کوئی غیبی قوت کارفرما ہے۔ ان کے خطیب ہمارے خطیب کے مقابلہ میں زیادہ فصیح ہیں۔ ان کے شاعر ہمارے شعراء کے سامنے کہیں زیادہ بلیغ ہیں۔ ان کے خطیب اور شاعروں کی آواز ہمارے سے بلند اور خوش گوار ہے۔ اور اس کے بعد سب نے اسلام کا اقرار کرلیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تمام زن و بچے رہا کر کے انہیں عزت و احترام کے ساتھ واپس فرمایا۔

دوسرا سرکش گروہ (بنو مصطلق):

جونہی انہوں نے فرستادگان رسالت پناہ کو اپنی طرف آتے دیکھا دھن سمائی اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے، مگر جب کچھ دور جانے کے بعد ہوش ٹھکانے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہی عذر گناہ پیش کیا کہ آپ کے فرستادوں کو دیکھتے ہی ہمارے حواس گم ہو گئے اور ہم اسی بدحواسی میں بھاگ اٹھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں معاف فرما دیجئے اور انہیں معاف فرما دیا گیا۔

چاردانگ عرب میں اسلام کا طنطنہ

ملک کے چپہ چپہ پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت چھاتی جا رہی تھی۔ جو قبیلہ آپ کے خلاف سر اٹھاتا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کی سرکوبی کے لئے تھوڑی بہت فوج بھجوا دیتے۔ جو ان میں سے اپنے سابق دین پر رہنا چاہتا اسے خراج کا پابند کر کے چھوڑ دیا جاتا اور جو اسلام قبول کر لیتا اسے ادائے زکوٰۃ کا مکلّف ہونا پڑتا۔

روم کی مسیحی حکومت کا جنگی اقدام

اس وقفہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر توجہ عربستان پر اسلامی اقتدار مسلم ہونے میں اس طرح منعطف تھی کہ ملک کے کسی حصہ میں اسلام کے کسی دشمن کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہو

سکے۔ اتنے ہی میں یہ خبر سننے میں آئی کہ روم کا مسیحی بادشاہ (ہرقل۔۔۔۔زادالمعاد) عرب کے شمال میں لشکر جرار جمع کر رہا ہے تا کہ (مقام) موتہ میں مسلمانوں نے عیسائیوں کے مقابلہ میں جس پامردی سے جم کر مقابلہ کر کے عرب میں اپنی دھاک بٹھا دی اور ان سے پہلے ایرانیوں نے حیرہ میں عیسائیوں کو مغلوب کر کے اہل عرب سے اپنی بہادری کی سند حاصل کر لی دونوں (مسلمان اور مجوس) کا طنطنہ ملک سے محو کر دیا جائے۔

رومیوں کی تیاری کی خبریں بجلی کی طرح اطراف ملک میں پھیل گئیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ تن اس پر متوجہ ہو گئے اور اپنی سپہ سالاری میں اس غزوہ کا اعلان فرما دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہیہ کر لیا کہ مسیحیت پر ایسی ضرب لگائی جائے، جس سے ان کے منہ پھر جائیں اور پھر کبھی انہیں مسلمانوں کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہو۔

لیکن موسم کا یہ حال کہ گویا دوزخ نے منہ کھول رکھا ہے۔ دشت وجبل کرہ نار بنے ہوئے تھے۔ بلا کی حمس، قدم قدم پر جاں کنی کا خطرہ۔ اس پر مدینہ سے لے کر تبوک تک طویل مسافت، جس کے لئے ہمت کے ساتھ زادراہ اور پانی کی ضرورت تھی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرما لیا اور اس مرتبہ ہمیشہ سے مختلف انداز میں اعلان فرما دیا کہ یہ سفر کس مقام کا ہے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے موقع پر اخفاء سا فرماتے تا کہ دشمن کو مسلمانوں کے آنے کی خبر نہ ہونے پائے۔ مگر اس مرتبہ اظہار سے مقصد یہ تھا کہ مسلمان پوری طرح سے تیاری کر لیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک میں چاروں طرف قاصد دوڑا دیئے تا کہ مسلمان پوری جمعیت کے ساتھ مسیحی ٹڈی دل کی مضرت سے بچنے کے لئے نکلیں اور اپنے سفیروں کو تاکید فرما دی کہ ہر مسلمان اپنی مقدرت کے مطابق مال واسباب بھی اسی راہ میں پیش کرے تا کہ مسیحی فوجیں جنہیں اپنی کثرت پر اس قدر فخر ہے، مسلمانوں کی جمعیت اور کثرت دیکھ کر متاثر ہو سکیں۔

سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایسی مشقت میں پڑنے سے کیا حال تھا جس کی وجہ سے

انہیں اپنے زن و بچہ سے علیحدہ ہونا پڑتا۔ مال و دولت سے چشم پوشی کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ شدید گرمی اور بے آب و گیاہ صحرا کی طویل منزلیں طے کرنا پڑتیں پھر ایسے قوی دشمن کے خلاف صف آرائی۔ جس سے کل موتہ میں مقابلہ ہوا تو مسلمان اسے شکست دیئے بغیر واپس لوٹ آئے؟ اس سے بھی کہیں سوا دشواریاں تھیں۔ لیکن مسلمانوں کا اللہ پر ایمان، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت اور دین الٰہی سے لگاؤ نے ان کے جذبہ شوق و محبت میں ایسا تلاطم پیدا کر دیا کہ صحرا اپنی وسعت کے باوجود ان کی کثرت کے سامنے عاجز آ گیا۔ وہ اموال اور گلہ ہائے شتر جن کی کشش انہیں آگے قدم بڑھانے سے روک سکتی تھی انہوں نے اس مال مویشی ہی کو اپنے ساتھ لے لیا۔

مسلمان مسلح ہو کر چمکتی ہوئی زرہیں پہنے ہوئے اس انداز سے نکلے کہ ان کے طمطراق کی خبر سن کر دشمن میں مقابلہ کرنے کی ہمت نہ رہے۔ ایسے بہادروں کے لئے منزل کی صعوبت، گرمی کی شدت، بھوک اور پیاس کی دقت کیوں کر دخل انداز ہو سکتی ہے!

غزوۂ تبوک کے زمانے میں مسلمانوں کے دو گروہ تھے:

الف: کامل الایمان، قلوب نور ہدایت سے منور رواں رواں ایمان کی روشنی سے پرضیا۔

ب: طمع اور خوف کی وجہ سے اسلام کا اقرار کرنے والے! لالچ تھا اس مال سے حصہ لینے کا جو ان قبائل سے حاصل ہوتا جنہوں نے نہ تو اسلام قبول کیا تھا نہ انہیں مسلمانوں کے سامنے دم مارنے کی ہمت تھی، اور آخر ناچار انہیں جزیہ دینا پڑتا۔ اور خوف تھا اس قسم کے (نام نہاد) کلمہ گویوں کو خالص مسلمانوں کی اس سطوت کا۔ جس کی وجہ سے عرب کا کوئی قبیلہ ان کے مقابلہ پر صف آرا نہ ہونا چاہتا۔ (یعنی مدینہ کے یہ منافق اب تک اس لئے ظاہری اسلام اور باطنی کفر پر جمے ہوئے تھے کہ اگر اسلام سے انکار کرتے ہیں تو مسلمانوں کی آمدنی میں سے حصہ ایک طرف، الٹا جزیہ دینا پڑتا ہے۔ اور مقابلہ کرتے ہیں تو مدینہ کے یہودیوں کی طرح استیصال ہوتا ہے۔۔۔م)

مسلمانوں کے پہلے گروہ (الف) نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوۂ تبوک کی دعوت پر

بلا تامل لبیک کہا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان میں سے بعض حضرات ناداری کے ہاتھوں اتنے طویل سفر کے لئے اپنے لئے سواری کے انتظام سے قاصر تھے۔ اگرچہ ان میں سے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے رضا و رغبت کے ساتھ اپنے اموال میں سے کثیر حصہ پیش کر دیا۔ ان لوگوں کے مدنظر راہ خدا میں فائز بہ شہادت ہو کر اللہ تعالیٰ کا قرب اور حضوری تھا۔

مگر دوسرا حریص و طامع گروہ جہاد کے نام سے جن کے بدن پر رعشہ طاری ہو جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت پر حیلہ سازی پر اتر آیا۔ باہم سرگوشیاں کرنے لگے۔ موسم گرما اور بعد مسافت کی وجہ سے جہاد پر تمسخر اڑانا شروع کر دیا۔ یہ منافقوں کا طائفہ تھا۔ ان کے اسی معاملہ میں سورۂ توبہ نازل ہوئی جس میں ایک طرف جہاد فی سبیل اللہ کی عظمت و اصابت اور اس کا دوسرا پہلو مسلمان کہلا کر رسول کی اس دعوت سے انکار پر تعذیب کا خوف دلانا مقصود تھا۔

اس دعوت کے موقع پر منافقین نے ایک دوسرے سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ایسی گرمی میں گھر سے نہ نکلنا یعنی

لا تنفروا فی الحر (81:9)

جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وقالوا لا تنفروا فی الحر قل نار جھنم اشد حرا لو کانو یفقھون فلیضحکوا قلیلاً ولیبکوا کثیراً جزاء بما کانو یکسبون(9:81-82)

اور لوگوں کو بھی سمجھانے لگے کہ ایسی گرمی میں (گھر سے) نہ نکلنا! اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! (ان لوگوں سے) کہو کہ گرمی تو آتش دوزخی کی بہت زیادہ ہے۔ اے کاش! ان کو اتنی سمجھ ہوتی تو (ایک دن ہوگا کہ) یہ لوگ ہنسیں گے کم اور روئیں گے بہت (اور یہ) بدلہ (ہوگا) ان اعمال کا جو (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

ان منافقوں ہی میں سے جد بن قیس (از قبیلہ بنوسلمہ) سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم بنو اصفر (رومی عیسائی) کے ساتھ جہاد کے لئے نہیں چلو گے؟

جد: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اپنے ہمراہ نہ لے چلیے۔ میری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کے معاملہ میں کس قدر حواس باختہ ہوں۔ بنو اصفر کی عورتیں حسن و جمال میں شہرہ آفاق ہیں۔ انہیں دیکھ کر میں خود پر قابو نہ پا سکوں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جد کی طرف پشت مبارک فرما دی۔ بعد میں اسی کے جواب پر یہ آیت نازل ہوئی:

ومنهم من يقول ائذن لي ولا تفتني الا في الفتنة سقطوا وان جهنم لمحيطة بالكافرين (9:49)

اور ان (ہی منافقوں) میں وہ نابکار بھی ہے جو تم سے درخواست کرتا ہے کہ مجھ کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دیجئے اور مجھ کو (حسینان روم) کی بلا میں نہ پھنسایئے۔ سنو جی! یہ لوگ بلا ئیں تو (آ ہی) گرے (حسینان روم) کی بلا نہ سہی، نافرمانی خدا کی بلا سہی اور بے شک جہنم (سب) کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

منافقین نے عوام و خواص کو ورغلانے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان لوگوں کے محاسبہ میں فروگزاشت نہ ہونے دی اور ایسے غداروں پر گرفت کا پورا تہیہ فرما لیا۔

یہودی کے گھر میں آتش زنی:

جونہی اطلاع پیش ہوئی کہ سویلم یہودی کے ہاں کچھ لوگ جمع ہیں، جو لوگوں کو شرکت غزوہ سے روکنے کی سازش کر رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب طلحہ بن عبید اللہ کی سربراہی میں چند مسلمانوں کو بھجوا کر سویلم کے گھر میں آگ لگوا دی۔ آگ کے شعلوں سے گھبرا کر ایک فتنہ جو چھت سے کود پڑا اور اپنا پاؤں توڑ بیٹھا۔ باقی لوگ بھاگ نکلے۔ اس واقعہ کے بعد کسی منافق و دشمن کو زبان سے بات نکالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی

گرفت نے سب کے حواس درست کر دیئے۔

جیش عسرہ (یا تبوک) کے لئے مال واسباب کی فراہمی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت سے ہر یگانہ وبیگانہ کو موقعہ کی اہمیت کا احساس ہو گیا۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک پر) دولت مند مسلمانوں نے جی کھول کر مالی امداد پیش کی۔ حضرت عثمان بن عفانؓ نے ایک ہزار درہم نقد اور تین سو اونٹ مع پالان ونکیل (زاد المعاد۔۔۔م) پیش کیے۔ چند حضرات نے اپنا پورا اثاث البیت حاضر کر دیا (صرف ابوبکر صدیقؓ نے۔۔۔م) بیشتر مسلمانوں نے اس معاملہ میں اپنی مقدرت کے مطابق سبقت کی۔ لیکن جو مسلمان اپنی عسرت کی وجہ سے اپنے لئے بھی سواری کا انتظام کرنے سے قاصر تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کی۔ تو جس کے لئے ہو سکا اپنی طرف سے سواری فراہم کر دی اور بقیہ سے معذرت۔ جس پر انہوں نے زار وزار رونا شروع کر دیا اور ان کی شدت گریہ وبکا کی وجہ سے ان کا لقب بکائین پڑ گیا۔ اس جیش میں تیس ہزار مسلمان تھے۔

اسلامی لشکر مدینہ سے باہر جمع ہوا۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر کے انتظام کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے، نماز میں حضرت ابوبکرؓ نے امامت کے فرائض ادا کیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد محمد بن مسلمہؓ کو مدینہ کی نیابت تفویض فرمائی اور اپنے اہل وعیال کی نگرانی کے لئے حضرت علیؓ (بن ابی طالب) کو مناسب ہدایت فرما کر لشکرگاہ میں تشریف لائے۔ یہاں سب سے پہلا کام عبداللہ بن ابی (مشہور منافق) کو اس کے ساتھیوں کے ساتھ فوج سے باہر سے دھکیل دینا تھا۔

مدینہ میں جیش کی روانگی:

کوچ کا نقارہ بجنے کے ساتھ ہی لشکر میں حرکت پیدا ہوئی۔ ذرا دیر میں ہر طرف غبار اڑ رہا تھا۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ نے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ (شہر کی) عورتیں اپنی اپنی چھتوں پر

سے اس کوہ پیکر لشکر کا نظارہ دیکھنے لگیں جو صحرا کو پامال کرتا ہوا شام جیسے دور و دراز ملک کی طرف جا رہا ہے۔ خداوند! اس لشکر کا جذبہ جہاد و شہادت! انہیں گرمی کا خوف ہے نہ بھوک اور پیاس کا خطرہ!

متخلفین:

جن لوگوں نے سائے اور عیش و تنعم کو ایمان و رضائے الٰہی پر ترجیح دی وہ گھروں میں بیٹھے رہے (م۔۔۔۔ اور قرآنی اصطلاح میں ان کا لقب متخلفین ہے) دس ہزار سواروں کا دستہ لشکر کے آگے آگے چل رہا تھا۔ مدینہ کی چھتوں پر عورتوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ کھڑے ہوئے جو اس لشکر کی قوت وجلال سے متاثر ہو رہی تھیں۔ لیکن دوسری طرف ان عورتوں کے نظارہ نے بعض ایسے مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کر لیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے متاثر ہونے کے بجائے گھروں میں بیٹھے رہے۔ انہی میں ابوخثیمہؓ بھی ہیں جو اس منظر کو دیکھنے کے بعد اپنے گھر واپس لوٹے تو ان کی دونوں بیویاں اپنے اپنے دالان اور آنگن سجائے زمین پر چھڑکاؤ کیا ہوا اور شوہر کے لئے کھانا تیار کیے بیٹھی تھیں۔ ابوخشیمہؓ نے یہ اہتمام دیکھ کر فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دھوپ کی شدت اور گرم لو کے تھپیڑوں سے دوچار ہوں اور ابوخشیمہؓ پر بہار سایہ، خوش ذائقہ خوان اور حسین و ماہ پارا بیویوں کے جھرمٹ میں داد عیش دے۔ ایسا نہیں ہوسکتا! میرے لئے زاد راہ تیار کرو اور چشم زدن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر روانہ ہو گئے۔ (ابوخشیمہؓ تبوک میں لشکر سے جا ملے۔۔۔۔ م۔)

متخلفین کو جب چاروں طرف سے ندامت اور رسوائی نے گھیر لیا تو شاید ان میں سے کچھ اور حضرات بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد ابوخشیمہؓ کے تتبع میں تبوک کی طرف روانہ ہوئے ہوں۔

وادی حجر (ثمود) میں پڑاؤ اور مسلمانوں کے لئے تنبیہ

اسلامی لشکر (مقام) حجر میں پہنچا جو قوم ثمود کی آبادی تھی۔ وہ لوگ پتھر کھود کر گھر بنایا کرتے۔

ایسے پتھر ابھی تک وہاں بکھرے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ پڑاؤ کا حکم فرمایا مگر یہ تاکید بھی فرمادی: نہ تو کوئی شخص اس وادی کا پانی پیئے نہ اس سے وضو کیا جائے۔ اگر کسی نے پکانے کے لئے آٹا گوندھ لیا ہے تو اسے اونٹوں کو کھلا دیا جائے۔ کوئی شخص ایسے آٹے کی روٹی پکا کر نہ کھائے۔ نہ کوئی شخص لشکرگاہ سے اکیلے نکلے۔ بعض اوقات اس وادی میں ایسی ہوائیں چلتی ہیں جن کے جلو میں ریت کے پہاڑ ہوتے ہیں جو انسان بلکہ اونٹ کو بھی اپنے دامن میں چھپا لیتے ہیں۔

بدقسمتی سے دو مسلمان (علیحدہ علیحدہ) شب کے وقت لشکرگاہ سے باہر چلے گئے۔ ایک کو ہوا جھپٹ کر لے گئی اور دوسرا ریت کے نیچے دب گیا۔ صبح ہوئی تو جس کنویں کے پانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔ منہ تک ریت سے اٹا ہوا تھا۔

مسلمان پانی نہ ملنے سے خوف زدہ ہو رہے تھے۔ کالے کوسوں کا یہ سفر پانی کے بغیر طے ہوگا! دیکھتے ہی دیکھتے ابر کا ایک چھوٹا سا لکہ نمودار ہوا اور چشم زدن میں جل تھل کرتا ہوا نظروں سے غائب ہوگیا۔ لشکر نے شکم سیر ہو کر پانی پیا۔ زادراہ کے لئے چھاگلیں بھر لیں۔ خوشی کی حد نہ تھی۔ ایک گروہ نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے تعبیر کیا۔ دوسروں نے کہا نہیں! یہ تو غیر موسمی مہینہ تھا۔ اطلاع ملی کہ عیسائیوں کا جو لشکر سرحد پر پڑا ہوا تھا اسے شام میں واپس لے جایا گیا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گریز سے ان کے خوف و ہراس کا اندازہ تو کر لیا لیکن ان کا تعاقب غیر ضروری سمجھنے کے باوجود عرب و شام کی اس سرحد پر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ ایک قسم کی مبارزت ہے کہ اگر رومیوں کو مقابلہ کرنا ہی ہو تو

ہمیں میدان! ہم چوگان! ہم گو!

اور اس درمیانی سرحد کو مضبوط کرنے کا انصرام فرمایا تا کہ آئندہ کے لئے اس راہ سے عرب سے آنے کی ہمت نہ ہو (مگر حفاظت کی صورت معلوم نہیں ہوسکی۔)

بادشاہ ایلہ کی طرف سے قبول اطاعت کا قبالہ:

اس سرحد پر بادشاہ ایلہ ابن روبہ کی حکومت تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سفیر بھیجا کہ اگر ہماری اطاعت منظور ہے تو فبہا ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ رئیس ایلہ یوحنا خود حاضر ہوا۔ اس کے سینے پر سونے کی صلیب لٹک رہی تھی اور نذر گزارنے کے لئے قسم قسم کے تحائف ہمراہ۔ یوحنا نے ادائے جزیہ منظور کرلیا۔ اسی طرح قریہ جربا اور اذرح کے حکم رانوں نے اطاعت کے لئے سر جھکا دیئے جن (تینوں) کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریری معافی نامے لکھوا کر ہر ایک کے حوالے کردیئے۔ ان میں سے یوحنا کے معافی نامے کا متن یہ ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم هذه امنة من الله و محمد النبى رسول الله ليوحنة ابن روبة سفنهم و سيارتهم فى البر و البحر لهم ذمة الله! ومحمد النبى! ومن كان معهم من اهل الشام و اهل اليمن و اهل البحر فمن احدث منهم حدثا فانه لا يحول ماله دون نفسه وانه طيب لمحمد اخذه من الناس وانه لا يحل ان يمنعوه ماء يردونه ولا طريقاً يريدونه من بر او بحر.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ معافی نامہ ہے خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی کی طرف سے جو اس کے رسول ہیں یوحنا ابن روبہ کے لئے (مشتمل بر مراعات ذیل)

الف۔ یوحنا کے کسی دشمن کی طرف سے ان کے بحری و بری نقصان کی ذمہ داری اللہ اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد ہوگی، بشمول ان لوگوں کے جو حلیف ہوں جو شام و یمن اور ساحل سمندر کے رہنے والے ہیں۔

ب۔ اور اگر ان کا کوئی آدمی ہمارے ساتھ بدعہدی کرے گا تو اس کا تمام مال واسباب ضبط کرلیا جائے گا اور ایسا مال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مباح ہوگا، البتہ مالی نقصانات کے عوض کسی کی جان سے تعرض نہ کیا جائے گا۔

ج۔ یوحنا اور ان کے دوسرے حلیفوں کو ان دریاؤں کا پانی بند کرنے کا مجاز نہ ہوگا جو اب تک ان کے علاقوں سے گزر کر مسلمانوں کی اراضی سیراب کر رہے ہیں۔

د۔ یوحنا اور ان کے حلیفوں کو ہمارے ان راستوں کی ناکہ بندی کا مجاز نہ ہوگا جو خشکی یا سمندر میں ہماری گزرگاہ ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معافی نامہ کی مزید توثیق کے طور پر یوحنا کو اپنی یمنی ردائے مبارک عطاء فرمائی۔ مدارات وتواضع سے اسے ہر طرح آرام پہنچایا اور جزیہ میں تین سو دینار سالانہ ادا کرنا قرار پایا۔

غزوۂ دومہ:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ محسوس فرمایا کہ رومی از خود اپنی فوجیں واپس لے گئے ہیں اور سرحدی امراء نے اطاعت قبول کر لی ہے، اب کسی کے ساتھ جنگ کے لئے یہاں پڑاؤ ڈالے رہنا ضروری نہیں۔ البتہ اکیدر بن عبدالملک (نصرانی) امیر دومہ کی طرف سے یہ اندیشہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر ہرقل روم ہی پھر کسی وقت سر اٹھائے تو وہ (اکیدر) بھی اس کی کمک کے لئے نہ نکل آئے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر کی سرکوبی ضروری سمجھ کر خالد بن ولید کو پانچ سو سپاہیوں کے ہمراہ دومہ جانے کا حکم فرمایا۔ خالد کچھ اس انداز سے بڑھے کہ اکیدر کو ان کے آنے کی خبر تک نہ ہوئی۔ اکیدر نے اس شب کی چاندنی کو غنیمت سمجھ کر اپنے بھائی حسان کو ہمراہ لیا اور دونوں ٹیل گائے کے شکار کے لئے قلعہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت خالد کی نظر پڑ گئی۔ انہوں نے حسان کو قتل کر کے اکیدر کی جان بخشی اس شرط پر منظور فرمائی۔ کہ وہ مسلمانوں کے لئے شہر کے دروازے کھول دے گا اور اہل شہر نے اپنے امیر کے فدیہ میں اسے قبول کر لیا۔ حضرت خالدؓ نے یہاں سے مندرجہ ذیل غنیمت حاصل کی: اونٹ 1000، بکری 8400، گندم 400 وسق، زرہیں 400 اور حضرت خالد سالما غانما اکیدر کو ہمراہ لئے ہوئے باریاب ہوئے۔ وہ اکیدر حاضر ہونے کے ساتھ مسلمان ہوگیا اور آج سے بحیثیت حلیف اپنے علاقہ دومہ پر بدستور حکمران بنا دیا گیا (م۔۔۔۔۔۔ اور وہ بعد میں مرتد ہوگیا: اصابہ در تذکرہ اکیدر و بجیر ابن بجیر)

تبوک سے مراجعت:

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اتنی دور سے جیش العسرۃ کی اس کثیر تعداد کو خوش و خرم لے کر واپس مدینہ تشریف لانا آسان نہ تھا کہ ان مسلمانوں ہی میں سے اکثر حضرات امیر ایلہ اور جرباواذرح سے معاہدوں کی افادیت کو نہ سمجھ سکے، نہ ان کے نزدیک شام وعرب کی سرحدوں کی حفاظت اس قدر اہم تھی، انہیں ملال تھا کہ اس طویل مسافت میں انہوں نے کیسی کیسی سختیاں برداشت کیں، لیکن نہ کہیں غنیمت حاصل ہوئی نہ قیدی دستیاب ہوئے۔ اور تو اور ان کی تلواریں بھی میان ہی میں پڑی رہیں۔ ادھر وہ مدینہ کے موسمی میووں سے بھی محروم ہو گئے۔

لشکر میں چھپے ہوئے منافق ان باتوں سے شہ پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زبان درازی اور استہزاء پر اتر آئے۔ مخلص مومنین ان کی باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرنے لگے جس سے منافق ذرا احتیاط سے زبان کھولتے، لیکن باز نہ رہ سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ راستے میں اہل لشکر پر اس قسم کی باتوں پر نگرانی رکھی۔ بارے امن وسلامتی کے ساتھ مدینہ وارد ہوئے اور چندروز بعد حضرت خالدؓ دومہ کی غنیمت لے کر باریاب ہوئے۔ خالد کی کمند میں دومہ کا امیر اکیدر تھا، زربفت کی بیش قیمت چادر کندھے پر ڈالے ہوئے۔ اہل مدینہ اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

مستخلفین تبوک:

(مدینہ سے تبوک کی طرف روانگی کے بعد جو مسلمان گھروں میں بیٹھے رہے وہ قرآن کی اصطلاح میں متخلفین ہیں۔۔۔۔م): یہ (متخلفین) ندامت سے سر چھپا رہے تھے اور منافقین خوف کے مارے پشیمان! طلبی پر ایک ایک متخلف پیش ہوا اور ان میں کعب بن مالک ومرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ (تین حضرات) کے سوا باقی (متخلفین) نے جھوٹے سچے عذر پیش کر کے بریت حاصل کر لی، لیکن کعب ومرارہ اور ہلال نے جب اپنا اپنا جرم تسلیم کر لیا تو رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان سے مقاطعہ کا فرمان صادر فرما دیا۔ مسلمانوں نے سلام وکلام کے ساتھ ان کے ہاتھوں خرید وفروخت بھی ترک کردی باوجودیکہ ہرسہ حضرات عذر خواہی میں راست گو تھے۔ آخر اللہ نے ان پر کرم فرما کر معاف کردیا:

لقد تاب اللہ علی النبی ولمھاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ماکاد یریغ قلوب فریق منھم ثم تاب علیھم انہ بھم رء وف رحیم(9-117)

البتہ خدا نے پیغمبر پر بڑا ہی فضل کیا اور (نیز) مہاجرین اور انصاف پر جنہوں نے تنگ دستی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا، جب کہ ان میں سے بعض کے دل ڈگمگا چلے تھے۔ پھر اس نے ان پر بھی اپنا فضل کیا (کہ ان کو سنبھال لیا) اس میں شک نہیں کہ خدا ان سب پر نہایت درجہ مہربان اور ان کے حال پر اپنی مہر رکھتا ہے۔

وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا حتیٰ اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت وضاقت علیھم انفسھم وظنوآ ان لا ملجا من اللہ الا الیہ ثم تاب علیھم لیتوبوا ان اللہ ھو التواب الرحیم(118:9)

اور (علیٰ ہذا القیاس) ان تینوں شخصوں پر بھی جو (بانتظار امر خدا) ملتوی رکھے گئے تھے، یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گئے اور سمجھ گئے کہ خدا کی گرفت سے سوا اس کے اور کہیں پناہ نہیں۔ پھر خدا نے ان کی توبہ قبول کرلی (تاکہ قبول توبہ کے شکریئے میں آئندہ کے لئے بھی) توبہ کیے رہیں۔ بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

منافقین پر گرفت:

تبوک سے واپس تشریف لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں پر پہلے سے زیادہ گرفت شروع کردی، اس لئے بھی کہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو جانے سے ان کی طرف

سے مزید ریشہ دوانی کا خطرہ بڑھ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کا استیصال ضروری سمجھا۔ پھر خدا تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی نصرت اور سربلندی کا وعدہ بھی فرما دیا، جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دن بدن مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کا یقین بڑھ گیا۔ منافق جو پہلے ہی فتنہ انگیزی سے باز نہ رہ سکتے تھے، آئندہ ان کے اس کاروبار کا اندیشہ اور زیادہ ہونے لگا کیوں کہ ابھی تو اسلام مدینہ اوراس کے گردونواح ہی میں محصور تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غور فرمایا کہ جب اسلام تمام عرب میں مقبول ہونے کے بعد بیرونی ممالک تک اپنا اثر ونفوذ قائم کرلے گا تو یہ (منافق) کیا کیا ستم برپا نہ کریں گے۔ اب ان کے بارے میں تغافل برتنا اسلام کا انجام خراب کرنا ہے۔ ان کے جراثیم تو بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

مسجد ضرار کا احراق:

منافقین نے مدینہ سے ملحقہ بستی ذواوان میں ایک علیحدہ مسجد تعمیر کر لی۔ ان کا مقصد نماز کے بہانے اسلام کی تحریف تھا، تاکہ مسلمانوں کے اندر مسائل بازی سے تفریق پیدا کی جائے۔ یہ مقام شہر سے ایک ساعت سفر کے فاصلہ پر تھا۔ مسجد کے بانیوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ پہلی نماز آپ پڑھا کر افتتاح فرما دیجئے (غزوۂ تبوک میں روانہ ہونے سے قبل منافقین نے یہ تجویز رسول پاک کے حضور پیش کی تھی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی پر ملتوی فرما دیا اوراب یہ مسئلہ دوبارہ پیش ہوا) اس مسجد کی حقیقت تعمیر واضح ہو چکی تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جلانے کا فرمان صادر فرما دیا اور جب یہ جلا دی گئی تو منافقوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ عبداللہ ابن ابی (راس المنافقین) کے ماسوا ایسے تمام اشخاص مہر بہ لب ہو کر رہ گئے۔

مسجد ضرار کے مسمار کرا دینے کے بعد یہ بدنصیب بھی دو ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔ جس دل میں مسلمانوں کے کینہ کی آگ ان کے ورود مدینہ سے سلگ رہی تھی آج وہ دل ہی نہ رہا۔ اس پر بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ابن ابی کی مذمت کرنے سے منع فرما دیا اور جب

اس کے فرزند جناب عبداللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کی لاش پر نماز جنازہ ادا کرنے کی درخواست کی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی انکار نہ فرمایا اور جب تک اس کی لاش دفن نہ ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے سرہانے تشریف فرما رہے۔ عبداللہ بن ابی کی موت سے منافقت کا ستون پاش پاش ہو گیا۔ اس کے ہم زاد اسلام کی طرف بڑھے اور صدق دل سے توبہ کر کے مخلصین میں شمار ہونے لگے۔

مدینہ میں دائمی امن وامان کا دور دورہ:

سفر تبوک کے بعد تمام عرب میں اسلام کا اثر ونفوذ بڑھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے دشمنوں کی طرف سے خالی الذہن ہو گئے۔ قبائل میں جو خاندان تاہنوز مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے اپنے رؤسا کی معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور قبول اسلام کا تحفہ پیش کرنے کے لئے چاروں طرف سے وفود کی صورت میں امڈ آئے۔

تبوک آخری غزوہ تھا جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی اس دین پر سکون و طمانیت کے ساتھ مدینہ میں فروکش رہے۔

لخت جگر ابراہیم سے شغف:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند ابراہیم کے ساتھ اپنی توجہ بڑھا دی۔ اس موقعہ پر ان کا سورہ یا اٹھارہ مارہ سے متجاوز نہ تھا۔ وفود سے فراغ اور مسلمانوں کو خدا اور رسول کی طرف سے ہدایات دینے کے بعد جس قدر مہلت ملتی اپنے نور نظر سے دل بہلانے میں صرف فرماتے۔ ابراہیم دن بدن تونا ہوتے جا رہے تھے۔ ان کی کھلائی ام سیف کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بکریاں عطا فرمائی تھیں وہ ان کا دودھ پلا کر انہیں سیر رکھتیں۔ ابراہیم کی شکل وشباہت اپنے رفیع المنزلت والد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی جلتی تھی۔ اس وجہ سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ زیادہ میلان تھا۔

مگر اپنے فرزند ابراہیم کے ساتھ یہ تعلق نہ تو رسالت کا مقتضی تھا نہ اس پر مبنی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد انہیں اپنے دنیوی ترکہ کا وارث بنانا چاہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی ذات اور اپنی رسالت پر اس قدر یقین و ایمان تھا کہ اپنی اولاد کی توریث کی بجائے فرمایا:

نحن معاشر الانبیاء لانرث ولا نورث ما تر کناه صدقه

(ہم) جماعت انبیاء کا یہ دستور ہے کہ نہ خود ترکہ کا وارث بنتے ہیں نہ کسی کو اپنے ترکہ کا وارث بناتے ہیں۔

صاحبزادہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جذبہ اس شفقت پدری کی بناء پر تھا جس سے تمام والدین یکساں بہرہ مند ہیں۔ البتہ رسول خدا کصلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں یہ شفقت تمام بنی آدم سے بیش تر تھی۔ یہ جذبہ ہر عربی نژاد میں بھی تھا کہ اس کے بعد اس کی نسل کسی طرح قائم رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس جذبہ سے محروم نہ تھے۔

پھر اس سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صاحبزادے (قاسم وطاہر) جو سیدہ خدیجہؓ کے بطن سے تھے۔ آپ کے سامنے طعمہ اجل ہو چکے تھے۔ اپنی تین صاحب اولاد اور شوہر والی صاحب زادیوں کو (یکے بعد دیگرے) اپنے ہاتھوں سپرد خاک فرما چکے تھے۔ جن کے بعد سیدۂ فاطمہؓ باقی رہ گئی تھیں اپنے سامنے اولاد کی دائمی مفارقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جو گھاؤ ہو چکا تھا، ابراہیم اس کا مداوا تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کی وجہ سے انبساط وخوشی موجزن تھی اور صاحب زادہ کے وجود پر آپ کا فخر بے محل نہ تھا۔

پسر نبی علیہ السلام (ابراہیم) کی علالت و وفات:

لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنے نور نظر سے آنکھیں ٹھنڈی کرنے کا یہ دوسر صرف سولہ یا اٹھارہ مہینے تک رہا۔ صاحب زادے ایسے علیل ہوئے کہ زندگی کی امیدیں منقطع ہوگئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ان کی کھلائی ام سیف کے ہاں سے اپنی والدہ

عالیہ (سیدہ ماریہؓ) کے ہاں مشربہ ام ابراہیم کے ہاں منتقل کر دیئے گئے۔ جناب ماریہؓ اور ان کی ہمشیرہ سیدۂ سیرین دونوں تیمارداری فرمانے لگیں، لیکن علالت نے شدت اختیار کر لی۔ مریض کی یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اطلاع بھیجی گئی۔ سنتے ہی دل بیٹھ گیا۔ عبدالرحمان بن عوف کے کندھے کا سہارا لئے ہوئے تشریف لائے۔ بچہ اس وقت دم توڑ رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھا کر اپنی گود میں دم توڑتے ہوئے دیکھ کر فرمایا:

انا يا ابراهيم لا تغنى عنک من الله شيئا

ابراہیم! میں قضائے الٰہی کو تجھ سے روک نہیں سکتا!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک جھکائے ہی رہے۔ صاجزادے پر جان کنی کا صدمہ طاری تھا۔ اس کی والدہ اور خالہ دونوں گریہ و بکاہ میں مصروف! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمایا۔ بچے کے دم توڑنے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی جوت جو کئی مہینوں سے خوشی کا اجالا کر رہی تھی ہمیشہ کے لئے گل ہوگئی۔ آنکھوں نے آنسوؤں کا تار باندھ رکھا تھا اور زبان پر یہ کلمات جاری:

يا ابراهيم! لولا انه امر حق ووعد صدق وان آخرنا سيلحق باولنا لجزنا عليک اشد من هذا!

اے ابراہیم! اگر موت برحق نہ ہوتی اور خدا کا وعدہ سچا نہ ہوتا تو ہم تمہاری موت پر زیادہ بے قرار ہوتے لیکن مرنے والوں کی ملاقات کے لئے ہمیں بھی ایک نہ ایک دن ان کے پاس پہنچنا ہی ہے!

(اس کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنبھل کر بیٹھ گئے اور زبان مبارک سے فرمایا:

تدمع العين ويحزن القلب ولا نقول الا ما يرضىٰ الرب وانا يا ابراهيم لمحزونون.

چشم اشک بار اور دل مبتلائے غم ہے۔ لیکن زبان سے ہم ایسا کلمہ نکالیں گے جو ہمارے

پروردگار کی خوشنودی کا باعث ہو! اے ابراہیم! میں تیری موت کے صدمے سے بے حد مغموم ہوں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گریہ و ملال سے مسلمان بے حد متاثر تھے۔ دو ایک دانش مندوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! گریہ وملال سے تو آپ دوسروں کو منع فرماتے ہیں۔ فرمایا:

ما عن الحزن نهيت وانما نهيت عن الحزن بالبكاء وان ماترون بى اثر ما فى القلب من محبة ورحمة ومن لم يبد الرحمة لم يبد غيره عليه الرحمة

میں نے حزن وغم سے کسی کو نہیں روکا۔ بین ونوحہ سے منع کیا ہے۔ میرے حزن وغم کا سبب محبت قلبی وشفقت پدری ہے۔ جو شخص دوسروں پر شفقت و رحمت نہیں کرتا، وہ بھی اوروں کی مہربانی ولطف سے محروم رہ جاتا ہے۔

یہ فرمانے کے بعد جب اپنے جذبات غم کو چھپانے پر میلان ہوا تو سیدۂ ماریہؓ اور سیرین کی طرف مہر کی نظر سے دیکھ کر دونوں کو تسکین دیتے ہوئے فرمایا:

ان له لمرضاً فى الجنة!

ابراہیم کے لئے جنت میں ایک دائی موجود ہے۔

مرحوم کی لاش کو بی بی ام بردہ (اور بروایت دیگر سیدنا عباسؓ کے صاحب زادے جناب فضل) نے غسل دیا۔ کھٹولے پر نعش رکھ لی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار مسلمان میت کی مشایعت میں اسے (گورستان) بقیع میں لے گئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین کے بعد فرمایا قبر میں دراڑیں نہ رہ جائیں درستی کرنے کے بعد دست مبارک سے تربت بنا کر پانی چھڑکا اور علم کے طور پر قبر کے سرہانے پتھر رکھ دیا۔ آخر میں یہ کلمات ارشاد فرمائے:

انها لا تضرو لا تنفع ولكهنا تقرعين الحى وان العبد اذا عمل عملا احب

الله ان يتفنه

قبر کی ساخت پر میت کے نفع وضرر کا مدار نہیں۔ ان سے زندوں کو تسکین سی ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ ایسے شخص کا دوست دار ہے جو کسی شے کو ادھورا نہ چھوڑے۔

ابراہیم کی موت کے بعد سورج گرہن کا اتفاقی حادثہ:

ابراہیم کی وفات کے روز ہی سورج کو گرہن لگ گیا جسے بعض سادہ لوح مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے تعبیر کرنے لگے کہ آپ کے صاحب زادہ کی وفات پر آفتاب غم سے کالا پڑ گیا ہے۔ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحب زادہ کی موت پر جس طرح غم سے بے تاب ہو رہے تھے۔ مسلمانوں کا یہ قیاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین قلب میں مددگار نہ ہو سکتا تھا۔ یہ خبر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہی رہے اور کم فہم عوام کے ایک اتفاقی حادثہ کو معجزہ قرار دینے پر چشم پوشی میں کیا تکلف تھا؟ مگر نہیں! ایسے نازک مواقع عوام کی طرف سے اور اس قسم کے خلاف واقعہ قیاسات ہی تو انہیں حقیقت سے دور کر دیتے ہیں یہ نہ ہو تو نفس واقعہ ان کے مزید حزن وملال کا سبب بن جائے! عوام کے ایسے دور از حقیقت قیاسات پر مرد دانا سکوت نہیں کر سکتا۔ چہ جائے کہ ایک عظیم المرتبت رسول! یہی مصالح تھے جن کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن پر عوام کو اپنے صاحب زادے (ابراہیم) کی وفات کے صدمہ سے بے تعلق ثابت کرنا چاہا اور مسلمانوں کے مجمع سے خطبہ کے دوران میں فرمایا:

ان الشمس والقمر آيات من آيات الله لا تخسفان الموت احد ولا لحياته! فاذا رايتم ذالک فافزعوا الی ذکر الله بالصلوٰة!

یہ سورج اور چاند بھی ہستی باری تعالیٰ کے دلائل میں سے دو ثبوت ہیں۔ انہیں کسی کی موت یا زندگی پر گرہن کیوں لگنے لگا! البتہ گرہن کے موقع پر اے مسلمانو! ادائے نماز سے اللہ کی یاد تازہ کیا کرو۔

رسالت کے لئے اس سے زیادہ واضح دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے غم واندوہ میں مبتلا ہیں مگر تبلیغ رسالت کے فریضہ میں سر مو فرق نہیں آنے پاتا۔ مستشرقین کو بھی اس واقعہ پر آپ کی عظمت و برتری کا اعتراف کرنا پڑا اور ان کے قلم سے بے ساختہ نکل گیا کہ یہ صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نازک ترین موقعوں پر بھی حق وصداقت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابراہیم کی جدائی میں اس قدر مغموم دیکھا تو ان پر کیا اثر ہوا ہوگا۔

عام الوفود:

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدستور فرائض رسالت کی ادائیگی میں مصروف اور اسلام کی ترویج میں منہمک رہے۔ اس وقفہ میں اطراف سے بکثرت وفود حاضر ہوئے جن کی وجہ سے اس سال کا لقب عام الوفود ہوگیا اور اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر حضرت ابوبکرؓ نے کعبہ کا حج کیا۔ یہ 10 ھ تھا۔

☆☆☆

باب 28

سال وفود

نتیجہ تبوک:

غزوۂ تبوک کا نتیجہ تمام جزیرہ عرب میں اسلام کے اثر ونفوذ کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے یک سوئی ہوگئی اور مدینہ میں سکون وطمانیت کے ساتھ زندگی کے دن گزارنے کا موقع حاصل ہوا۔

جو قبائل اب تک اپنے قدیم مسلک شرک پر قائم تھے۔ کسی تدبیر یا شرارت کی بجائے تبوک میں مسلمانوں کی کامیابی دیکھ کر اپنے مستقبل کی فکر میں ڈوب گئے۔ مسلمان جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا شرف حاصل تھا اور اس غزوۂ میں شریک تھے، اپنی جگہ شکوہ سنج کہ شام جیسا طویل و پرصعوبت سفر اختیار کیا، جس میں گرمی کی شدت اور لو کے تھپیڑوں کے ساتھ پانی نہ ملنے کی وجہ سے قدم قدم پر ہلاکت کا خطرہ تھا۔ رومی اپنی فوجیں میدان سے ہٹا کر اندرون ملک کے قلعوں میں جادبکے اور جنگ نہ ہونے کی وجہ سے غنیمت بھی نہ مل سکی۔ دوسری طرف ان قبائل کے دل پر بے حد اثر قائم کر دیا۔ عرب کے ان منتشر قبائل کے علاوہ ملک کی جنوبی سمت یمن وحضرموت اور عمان تک رومیوں کی پسپائی سے حیران گئے۔ کل کی بات تھی یہی رومی ایران جیسی عظیم الشان مملکت کو تہ وبالا کر کے اپنی مقدس صلیب ان سے واپس لے آئے تھے جسے انہوں نے جم غفیر کی مشایعت میں بیت المقدس میں اس کے اصلی مقام پر نصب کیا۔ وہی ایران ہے جس کے زیرنگین یمن جیسا وسیع ملک اور دوسرے عربی صوبے (اس کے) باج گزار تھے۔

عام الوفود:

نہ صرف یمن و راس کے قرب و جوار بلکہ ملک کے ہر خطہ میں اسلام کا اثر ہو چکا تھا۔ جو قبیلے اب تک مسلمان نہ ہوئے تھے ان کے لئے اس سے بہتر کیا تھا کہ وہ خود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے سائے میں لے آئیں، جس سے انہیں روم اور ایران جیسے خونخوار شہنشاہوں کے مظالم سے نجات مل جائے۔ بدیں وجوہ ایسے قبائل جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور تحفہ اسلام قبول کرتے، ان کے لئے پس و پیش کا سوال نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبائل کے سرداروں کو ان کے عہدوں پر بدستور قائم رکھتے۔ ایسے قبائل چاروں طرف سے جوق در جوق مدینہ آنا شروع ہو گئے۔ جو خود کو قبول اسلام کی خلعت سے مزین کر کے واپس ہوتے۔ وفود اس کثرت سے آئے کہ یہ سن (10ھ) عام الوفود کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ اب تک تبلیغ اسلام میں مکہ اور حنین کی فتح اور طائف کے محاصرہ کا اثر غالب تھا لیکن آج سے تبوک میں مسلمانوں کے لشکر کشی کی ہیبت سے رومیوں کا میدان جنگ سے لڑائی کے بغیر واپس لوٹ جانا کہیں زیادہ موثر ثابت ہوا۔

عروہ ابن مسعود طائفی کا قبول اسلام اور شہادت:

ان اتفاقات میں اہل طائف کا معاملہ حیرت انگیز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین کے بعد ان کا محاصرہ کرنے پر مجبور ہو گئے مگر مقاتلہ و فتح کیے بغیر یہ محاصرہ ترک کرنا پڑا۔ حسن اتفاق یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے مراجعت کے بعد سب سے پہلے اہل طائف نے اپنی اطاعت کا اعلان کیا، باوجود یہ کہ وہ عرصہ سے شش و پنج میں تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ ہوا یہ کہ اہل طائف کے سردار عروہ بن مسعود جو محاصرۂ طائف کے زمانہ میں (وطن سے دور) یمن گئے ہوئے تھے۔ اس دوران میں جب یمن سے واپس آئے تو واقعہ تبوک سے متاثر ہو کر مدینہ حاضر ہوئے۔ خود اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی قوم کو مشرف بہ دین کرنے کے لئے بعجلت واپسی پر مصر ہوئے۔

جناب عروہ (ابن مسعود) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے نا آشنا نہ تھے۔ حدیبیہ

کے موقع پر قریش کی طرف سے وکیل ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہاں سے لوٹ کر اہل مکہ کو تلقین فرمائی تھی۔

حضرت عروہ کو اپنی قوم میں عزیمت دعوت کے ارادہ کا احساس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو ثقیف کی اپنے معبودلات کے بارے میں عصبیت سے بھی خطرہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ کو اس نزاکت کی وجہ سے ان میں تبلیغ سے منع کرتے ہوئے فرمایا اگر تم نے بنو ثقیف میں تبلیغ کی تو کہیں وہ تمہیں قتل نہ کر دیں! لیکن عروہ کو اپنے متعلق بنو ثقیف میں احترام کی وجہ سے یہ خطرہ نہ تھا۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے تو بنو ثقیف اپنی آنکھ کا تارا سمجھتے ہیں! آخر وہ طائف پہنچے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت پیش کی۔ یاران شہر نے چھپ کر مشورہ کیا جس سے عروہ کو آگاہ نہ ہونے دیا۔ صبح ہوئی تو عروہ نے ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر بنو ثقیف کو نماز کے لئے جمع ہونے کا حکم دیا۔ اس موقع پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست ظاہر ہوئی۔ چاروں طرف سے ان کا محاصرہ کر کے تیر برسانا شروع کر دیے گئے۔ ایک تیر سے جناب عروہ جاں بحق ہوئے۔ یہ دیکھ کر ان کے اہل وعیال جمع ہو گئے۔ ہنوز زندگی کی رمق باقی تھی۔ حضرت عروہ نے آخری الفاظ میں فرمایا:

كرامة اكرمنى الله بها و شهادة ساقها الله الى فليس منى الا ما فى الشهداء الذين قتلوا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل ان يرتحل عنكم

یہ (اسلام) خدا کا دین ہے جو مجھے عطا ہوا اور یہ موت شہادت ہے جو میرے مقدر میں تھی۔ میں بھی ان ہی شہیدوں کی طرح ہوں جو (قبل ازیں) رسول خدا کی معیت میں کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

جناب عروہ نے وصیت میں فرمایا کہ انہیں ان لوگوں کے ساتھ دفن کیا جائے جو محاصرۂ طائف میں شہید ہوئے تھے۔

لیکن عروہؓ کا خون رائیگاں نہ جا سکتا تھا۔ طائف کے نواحی باشندے جو مسلمان ہو چکے تھے،

انہیں اپنے سردار (عروہؓ) کے قتل کا بے حد ملال تھا۔ بنو ثقیف نے حضرت عروہؓ کو شہید تو کر دیا لیکن اب وہ پشیمان تھے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں ان کا حشر کیا ہوگا! وہ تو جسے دیکھ لیں گے قتل کیے بغیر نہ رہیں گے۔ انہیں مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کرنے کے بغیر چارہ نہ تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو پھر موت ہی ان کا مداوا کر سکتی۔

بنو ثقیف نے مشورہ کر کے عبد یالیل کو اپنی طرف سے صلح کے لئے نامزد کیا، جس نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے) بدیں وجہ انکار کر دیا کہ اس کا حشر بھی کہیں عروہؓ ہی کی طرح نہ ہو۔ مزید اصرار پر اس نے اپنے ہمراہ چار اور اشخاص کو شامل کر لیا کہ اگر یاران شہر پہلے کی طرح برافروختہ ہوئے تو ہم سب کے قبیلہ دار انہیں سمجھا بجھا کر فتنہ سے روک سکیں گے۔

بنو ثقیف بحضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم:

وفد مدینہ پہنچا تو سب سے پہلے جناب مغیرہ بن شعبہؓ نے دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بشارت کی غرض سے روانہ ہوائے۔ راستے میں حضرت ابو بکرؓ نے مغیرہؓ کو اس طرح رواں دواں جاتے ہوئے دیکھ کر سبب دریافت کیا تو مغیرہ سے یہ خبر سن کر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عبد یالیل کے آنے کی خوش خبری پیش کی۔

اہل طائف مدینہ کی گلیوں سے گزرتے ہوئے کھوے سے کھوا ملا کر چل رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاصرہ طائف اور اس سے دست کش ہو کر تشریف لے آنے کا ذکر اذکار زبانوں پر تھا۔ حضرت مغیرہ نے انہیں اسلامی طریق پر ملاقات وسلام کے آداب اور الفاظ بتائے، لیکن انہوں نے ان آداب پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور باریابی کے موقع پر جاہلیت ہی کے انداز سے آداب وسلام بجالائے۔

وفد بنو ثقیف کا خیمہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بنوثقیف کے لئے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن میں خیمہ نصب ہوا، مگر طائفہ بہر صورت (اپنے متعلق) مسلمانوں سے خائف تھے۔ شرائط مصالحت میں حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص وکیل تھے۔ جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ارباب طائف کے درمیان پیام بری کی۔ خالدؓ ہی ان کے لئے خوان لاتے لیکن بنوثقیف حضرت خالدؓ کو اپنے سامنے اس خوان میں سے تھوڑا بہت چکھائے بغیر کھانے میں ہاتھ نہ ڈالتے۔ بنوثقیف نے ایک پیغام میں کہلا بھیجا کہ ہمارے معبود لات کو تین سال تک منہدم نہ کیا جائے اور فی الحال ہمیں نماز کی تکلیف سے بھی بری رکھا جائے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شرط تسلیم نہ کی حتیٰ کہ اپنے معبود لات کے لئے ایک ماہ کی مہلت مانگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی انکار فرما دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انکار ایسی قطعیت کے ساتھ تھا جس میں کسی استثناء یا ترمیم واضافہ کی گنجائش نہ تھی مامور من اللہ جو خدائے واحد القہار کے دین کی دعوت کے لئے مبعوث ہوئے اور جنہوں نے کبھی کسی صنم کی بقا گوارا نہ کی ہو آج وہ ایک قبیلہ کی خاطر استثناء کا روادار ہو سکتے تھے۔ اس لئے بنوثقیف کے لئے آج ایک اور رعایت فرما دی جائے کہ کل اسی قوم کے محاصرہ (طائف) پر خدا کے نبیصلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے درگزر کر کے محاصرہ ترک کر دیا تھا؟ نہیں نہیں! انسان ایمان لا سکتا ہے۔ یا ایمان نہیں لا سکتا! ایمان اور عدم ایمان کے درمیان ارتیاب و شک کے سوا کوئی اور مقام نہیں لیکن جس طرح ایمان اور کفر یکجا نہیں ہو سکتے، اسی طرح ایمان باللہ اور شرک دونوں ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ بنوثقیف کی طرف سے بقائے لات کا مطلب یہ تھا کہ وہ خدائے بزرگ و برتر اور لات کو مساوی مقام دینا چاہتے تھے۔ یہی تو شرک ہے!

وان الله لا يغفر ان يشرك به (48:4)

جب بنوثقیف نے نماز سے استثناء کی شرط پیش کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انه لا خير فى دين لا صلوٰة فيها!

جس دین میں عبادت نہ ہو اس میں کیا بھلائی ہو سکتی ہے؟

(م۔۔۔۔ باضافہ: امیر وفد عبد یا لیل نے عرض کیا ہمارے ہاں تجرد کی رسم عام ہے اور تجربہ کی وجہ سے۔۔۔۔ میں شغف فرمایا)

هو عليكم حرام فان الله يقول: ولا تقربو الزنى انه كان فاحشة(32:17)

یہ۔۔۔۔ تم پر حرام ہو گیا ہے خدا فرماتا ہے کہ زنا کے پاس (ہو کر بھی) نہ پھٹکنا کیوں کہ وہ بے حیائی ہے اور (بہت ہی) برا چلن ہے۔

ربا کے استثناء پر عرض ہوا ہماری معیشت سود خواری ہی پر موقوف ہے فرمایا:

لكم رء وس اموالكم (ان الله يقول) يايها الذين امنو اتقوا الله وذرو مابقى من الربوا ان كنتم مومنين(2:278-279)

جس قدر سود تمہارے مقروضوں کے ذمے ہے۔ مسلمانو! اگر فی الحقیقت تم خدا پر ایمان رکھتے ہو تو اس سے ڈرو! اور جس قدر سود مقروضوں کے ذمے باقی ہے اسے چھوڑ دو! اگر تم ایمان دار ہو۔

انہوں نے شراب نوشی کی اجازت طلب کی کہ یہ ہمارے خطہ کی سوغات ہے، تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسے حرام فرمایا ہے۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

يايها الذين امنو انما الخمر والميسر رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه (90:5)

مسلمانو! بلاشبہ شراب اور جوا سب شیطانی کاموں کی گندگی ہے۔ ان سے اجتناب کرو!

بنو ثقیف نے دیکھا کہ واقعی اسلام کے ساتھ ان امور کی کوئی نسبت نہیں۔ درخواست پیش کی ہمارے ہاتھ سے ہمارے بتوں کو نہ تڑوایا جائے۔ کیوں کہ وہ ابھی نئے نئے ایمان لائے تھے۔ ادھر ان کے وطن (طائف) میں ان کے مدینہ سے واپس آنے کا انتظار ہو رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھا۔ مقصود بتوں کو توڑنا ہے،

اہل طائف خود اپنے ہاتھ سے توڑیں یا کوئی اور دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہی ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قسم کی پابندی نہ لگائی۔ یہی سہی لات کو جلدی توڑ دیا جائے گا اور طائف میں اللہ کی عبادت کا دور دورہ شروع ہو جائے گا! فرمایا تمہارے ہاتھ سے تمہارے بتوں کو توڑنے کی شرط نہیں۔

ان کی دینی تربیت کے لئے جناب عثمان ابن ابوالعاص کا تقرر ہوا۔ ان کا ابھی عنفوان شباب ہی تھا۔ عثمان مسائل دین اور قرآن پڑھنے کے بڑے دلدادہ تھے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے مہاجرین اولین کی (عثمان کے متعلق) شہادت سے معلوم ہوتا ہے۔

وفد ثقیف آخر رمضان تک مدینہ میں رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزے بھی رکھے۔ افطاری اور سحری دونوں وقت کا کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محل سرائے سے جاتا اور مدینہ سے ان کی مراجعت کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان سے فرمایا:

تجاوز فی الصلوٰۃ واقدر الناس ضعفهم فان فيهم الكبير والصغير والضعيف و ذوالحاجه

باجماعت نمازوں میں قیام و سجود میں طول مت دو۔ مقتدیوں میں کم زور اور ضعیف عمر کی رعایت کرو! جن میں بوڑھے، بچے، ناتواں اور کاروباری لوگ ہوتے ہیں۔

انہدام لات:

ارباب وفد (ثقیف) اپنے وطن کی طرف لوٹے تو ان کے ہمراہ ابوسفیان (بن حرب) اور مغیرہ بن شعبہؓ کو طائف بھیج دیا۔ دونوں حضرات بنو ثقیف کی قرابت اور مودت میں دوسروں سے زیادہ قریب تھے۔ طائف وارد ہوئے تو من جملہ اور شرائط کے لات کے انہدام کا تذکرہ بھی ہوا۔ ابوسفیان اور مغیرہؓ ہاتھوں میں کدالیں لئے ہوئے لات کے صنم کدہ کی طرف جا رہے تھے۔ شہر کی عورتیں چھتوں پر بہ حسرت و یاس ان کی طرف تک رہی تھیں۔ جونہی لات پر ضرب لگائی اور یہ آواز لوگوں کے کان میں پہنچی عورتوں نے نالہ و شیون سے زمین آسمان ایک کر دیئے۔ لیکن وفد

کے ساتھ معاہدہ کی وجہ سے کسی نے مغیرہ کے ہاتھ پکڑنے کی جرأت نہ کی۔ لات کے چڑھاوے میں جو مال وزر اور زیور جمع تھا، حضرت مغیرہؓ نے جناب عروہ بن مسعودؓ اور ان کے والد مسعود دونوں کا قرض ادا کر دیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیرہؓ سے فرما دیا تھا اور ابوسفیان بھی اس سے متفق ہو گئے۔

لات کے انہدام اور اہل طائف کے قبول اسلام کی ہیبت سے حجاز کے باقی قبائل اور قریے بھی مسلمان ہو گئے۔ آج سے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سطوت کا شہرہ شام میں روم کی دیواروں تک ٹکرایا تو جنوب میں یہ غلغلہ یمن وحضرموت تک جا پہنچا۔

حج ابوبکر صدیقؓ

اس دوران میں اطراف ملک سے پے بہ پے وفود برائے اظہار وقبول اسلام آنا شروع ہوئے۔ ایک مہینہ گزرنے کے بعد حج کا موسم آ پہنچا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آج تک پورے شروط کے ساتھ بیت اللہ کا حج نہ کیا تھا اور روم پر (برموقعہ تبوک) نصرت حاصل کرنے، طائف کے مطیع ومسلمان ہو جانے اور ملک کے دور ودراز سے وفود کے حلقہ بگوش اسلام ہو کر آنے کے شکریہ میں واجب نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال (سنہ 9ھ) میں حج کے لئے شدرحال فرماتے۔ لیکن ابھی بعض مواقع باقی تھے۔ ملک میں خال خال قبیلے تاہنوز کفر سے وابستہ تھے۔ یہود ونصاریٰ ابھی کہیں کہیں باقی رہ گئے تھے۔ کفار ابھی تک ادب والے مہینوں (م۔۔۔ رجب، ذی قعد، ذوالحجہ، محرم) میں عمرہ وحج کے لئے آتے۔ یہ لوگ کفریہ عقائد کی وجہ سے نجس تھے۔ جب تک عرب کے چپہ چپہ پر ہر فرد کے دل میں کلمتہ اللہ (اسلام) کا نفوذ نہ ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کا قصد نہ فرما سکتے تھے۔ اس لئے ابوبکرؓ کو حج کے لئے مبعوث فرمایا جن کے ہمراہ تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ بھی تھا۔

یوں بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک اور پہلے ہی کی طرح مشرکین ہمیشہ سے بیت اللہ کا حج وزیارت کرتے چلے آ رہے تھے۔ اس سال بھی انہیں بحسب معمول آنا ہی تھا کیوں

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایسے لوگوں (مشرکین) کے درمیان وقت کی تحدید پر کوئی معاہدہ نہ تھا جس کی رو سے ان لوگوں پر نہ آنے کی پابندی عائد ہو سکے۔ پھر وہی ادب والے چار مہینوں میں سفر کی سہولتیں جس میں کسی رہ گزر کو رہزن کا خطرہ نہ تھا۔ دوسرے معنوں میں حج بیت اللہ کے لئے آنے کی ہر عقیدہ و عمل کے افراد کو اجازت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب بن اسید کو مکہ معظّمہ کا امیر مقرر فرما دیا، باوجودیکہ کعبہ کے باہر اندر اور شہر و نواحی کے تمام بت اور صنم کدے مسمار ہو چکے تھے لیکن غیر مسلم اشخاص مناسک کے رسوم اپنے پرانے طریق ہی پر ادا کرتے، جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب (مکہ) کی طرف سے کوئی قدغن نہ تھی۔ یہی دستور بیت المقدس کے زائرین میں رائج تھا کہ یہود اس کے ارض موعود اور نصاریٰ اس کے مولد مسیح ہونے کی وجہ سے وہاں جاتے مگر شرک و بت پرستی کی کون سی رسم تھی جو بیت المقدس میں ادا نہ ہوتی۔ قدیم کعبہ کی طرح یہاں بھی تو اصنام ہی کی جلوہ گری تھی۔

اہل کتاب اور مسلمانوں کا شریعت میں عملی فرق:

لیکن بیت اللہ الحرام میں اہل اسلام اور بت پرستوں کا ایسا اجتماع جس میں مسلمان اپنے طریق پر مناسک ادا کریں اور مشرکین بت پرستانہ رسوم کے مطابق، ناقابل برداشت اور فہم و فراست سے دور تھا۔ ضروری تھا کہ جس طرح مشرکین کے خداؤں کو کعبہ سے نکال دیا گیا، ان (بتوں) کے پرستاروں کو بھی یہاں آنے سے روک دیا جائے۔ سورۂ براۃ بھی اس معاملہ میں حرف آخر کے طور پر نازل ہوئی۔ موسم حج میں ایک مہینہ (ذی قعدہ) رہ گیا تھا۔ مشرکین نزدیک و دور سے چل کر حرم کعبہ میں پہنچ چکے تھے۔ مشیت خداوندی نے فیصلہ ہی کر لیا کہ اس سال (سنہ 9ھ) عوام و خواص کے اجتماع میں اعلان کر دیا جائے کہ شرک و ایمان یک جا نہیں رہ سکتے۔ دین کے کسی معاملہ میں دونوں کا اتحاد ممکن نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی سے معاہدہ ہوا ہو تو مسلمانوں پر اس کی پابندی واجب ہے۔

حضرت علیؓ کی نیابت:

معلوم ہے کہ ابوبکر صدیقؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے لئے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی ابن ابی طالبؓ کو ان کے قدموں پر بھیجا تا کہ عرفہ کے روز مجمع عام میں لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنائیں۔ اسی روز حضرت علیؓ پہنچے۔ لوگ عرفات کی طرف آ رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ کو دیکھتے ہی فرمایا آپ کو امیر کی حیثیت سے بھیجا گیا ہے یا ماتحت کے طور پر! علیؓ نے عرض کیا ماتحت کے طور پر! آنے کی وجہ بیان کی: سورۃ براۃ کی عام منادی کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ پر یہ اعتماد ان کے اہل بیت ہونے کی وجہ سے کیا۔

مجمع عام میں اعلام برأۃ

ادائے مناسک کے بعد جب لوگ منیٰ میں جمع ہوئے تو حضرت علیؓ نے سورۂ براۃ کی مندرجہ ذیل ابتدائی آیتیں بآواز بلند پڑھ کر سنائیں:

1. برآءۃ من الله ورسوله الى الذين عاهدتم من المشركين(1-9)

1۔ مسلمانوں جن مشرکوں کے ساتھ تم نے (صلح وامن) کا معاہدہ کیا تھا اب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بری الذمہ ہونے کا ان کے لئے اعلان ہے کہ:

2. فسيحو فى الارض اربعة شهروا علموا انكم غير معجزى الله وان الله مخزى الكفرين(2-9)

2۔ چار مہینے تک ملک میں پھرو (کوئی روک ٹوک نہیں اس کے بعد جنگ کی حالت قائم ہو جائے گی) اور یاد رکھو تم کبھی اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے اور اللہ منکروں کو (پیروان حق کے ہاتھوں) ذلیل کرنے والا ہے۔

3. واذا من الله ورسوله الى الناس يوم الحج الاكبر ان الله برىء من

المشكرين ورسوله فان تبتم فهو خير لكم وان توليتم فاعلموا انكم غير معجزى الله وبشر الذين كفروا بعذاب اليم(3-9)

3۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج کے بڑے دن منادی کی جاتی ہے کہ اللہ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی (یعنی اب کوئی معاہدہ اللہ کے نزدیک باقی نہیں رہا اور نہ اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاہدہ کے لئے ذمہ دار ہے) پس اگر تم (اب بھی ظلم وشرارت سے) توبہ کرلو تو تمہارے لئے اس میں بہتری ہے۔ اگر نہ مانو گے تو جان رکھو تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر کی راہ چل رہے ہیں انہیں عذاب دردناک کی خوش خبری سنادو۔

4. الا الذين عهدتم من ا لمشركين ثم لم ينقصو كم شيئا ولم يظاهروا عليكم احدا فاتموا اليهم عهدهم الى مدتهم ان الله يحب المتقين(40-9)

4۔ ہاں مشرکوں میں سے وہ لوگ کہ تم نے ان سے معاہدہ کیا تھا، پھر انہوں نے (قول وقرار نباہنے میں) کسی طرح کمی نہیں کی اور نہ ایسا کیا کہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی ہو، اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ پس چاہیے کہ ان کے ساتھ جتنی مدت کے لئے عہد ہوا ہے اتنی مدت تک اسے پورا کیا جائے۔ اللہ انہیں دوست رکھتا ہے۔ جو ہر بات میں متقی ہوتے ہیں۔

5. فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوالهم كل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوٰة واتو الزكوٰة فخلوا سبيلهم ان الله غفور رحيم(5-9)

5۔ پھر جب حرمت کے مہینے گزر جائیں (تو جنگ کی حالت قائم ہوگئی) مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو اور جہاں کہیں ملیں گرفتار کرلو۔ نیز ان کا محاصرہ کرو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر ایسا ہو کہ وہ باز آجائیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان سے کسی طرح کا تعرض نہ کیا جائے۔ بلاشبہ اللہ بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے۔

6. وان احد من المشرکین استجارک فاجره حتیٰ یسمع کلام الله ثم ابلغه ما منه ذالک بانهم قوم لا یعلمون(9-6)

6۔ اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم !) اگر مشرکوں میں سے کوئی آدمی آئے اور تم سے امان مانگے تو اسے ضرور امان دو یہاں تک کہ (وہ اچھی طرح) اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے (بامن) اس کے ٹھکانے پہنچا دو۔ یہ بات اس لئے ضروری ہوئی کہ یہ لوگ (دعوت حق کی حقیقت کا) علم نہیں رکھتے۔

7. کیف یکون للمشرکین عهد عند الله وعند رسوله الا الذین عهدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا لهم ان الله یحب المتقین (9-7)

7۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان مشرکین کا عہد اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ہو؟ ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے قریب (حدیبیہ میں) عہد و پیمان باندھا تھا (اور انہوں نے اسے نہیں توڑا) تو ان کا عہد ضرور عہد ہے اور جب تک وہ تمہارے ساتھ اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی ان کے ساتھ (اپنے عہد پر) قائم رہو۔ اللہ انہیں دوست رکھتا ہے جو (اپنے تمام کاموں میں) متقی ہوتے ہیں۔

8. کیف وان یظهروا علیکم لا یرقبوا فیکم الا ولا ذمة یرضونکم بافواههم وتابی قلوبهم واکثرهم فاسقون(9-8)

8۔ ان مشرکوں سے عہد کیوں کر ہوسکتا ہے جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر آج تم پر غلبہ پا جائیں تو نہ تمہارے لئے قرابت کا پاس کریں نہ کسی عہد و پیمان کا؟ وہ اپنی باتوں سے تمہیں راضی کرنا چاہتے ہیں مگر ان کے دلوں کا فیصلہ اس کے خلاف ہے اور ان میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں (یعنی راست بازی کے تمام طریقوں اور پابندیوں سے باہر ہو چکے ہیں)۔

9. اشتروا بایت الله ثمنا قلیلا فصدوا عن سبیله انهم ساء ما کانوا

یعملون(9-9)

9۔ ان لوگوں نے اللہ کی آیتیں ایک بہت ہی حقیر قیمت پر بیچ ڈالیں (یعنی ہوائے نفس کے تابع ہو گئے اور اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں کیا۔) پس اس کی راہ سے لوگوں کو روکنے لگے (افسوس ان پر) کیا ہی برا ہے جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔

10. لا یرقبون فی مومن الا ولا ذمة واولئک ھم المعتدون(9-10)

10۔ کسی مومن کے لئے نہ تو قرابت کا پاس کرتے ہیں نہ عہد (اقرار) کا۔ یہی لوگ ہیں کہ ظلم میں حد سے گزر گئے ہیں۔

11. فان تابوا واقاموا الصلوٰة واتو الزکوٰة فاخوانکم فی الدین و نفصل الایت لقوم یعلمون(9-11)

11۔ بہرحال اگر یہ باز آئیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں تو (پھر ان کے خلاف تمہارا ہاتھ نہیں اٹھنا چاہیے وہ) تمہارے دینی بھائی ہو گئے۔ ان لوگوں کے لئے جو جاننے والے ہیں ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔

12. وان تکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمة الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینقھون(9-12)

12۔ اور اگر یہ اپنے عہد و پیمان جو خود کر چکے ہیں توڑ ڈالیں۔ اور تمہارے دین کو برا بھلا کہیں تو پھر (اس کے سوا چارہ نہیں کہ ان) کفر کے سرداروں سے جنگ کرو۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی سوگند سوگند نہیں (اور تمہیں جنگ اس لئے کرنی چاہیے) تاکہ یہ (ظلم و بدعہدی سے) باز آ جائیں۔

13. الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدء وکم اول مرة اتخشونھم فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مومنین(9-13)

13۔ مسلمانو! کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنے عہد و پیمان کی

قسمیں توڑ ڈالیں جنھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے وطن سے نکال باہر کرنے کے منصوبے کیے اور پھر تمہارے برخلاف لڑائی میں پہل بھی ان ہی کی طرف سے ہوئی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ (اگر ڈرتے ہو تو تم مومن نہیں کیوں کہ) اگر مومن ہو تو اللہ اس بات کا زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا ڈر تمہارے دلوں میں بسا ہو۔

14. قاتلوهم يعذبهم الله بايديكم ويخزهم وينصركم عليهم ويشف صدور قوم مومنين.

14۔ مسلمانو! ان سے بلا تامل جنگ کرو۔ اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دے گا، انہیں رسوائی میں ڈالے گا، ان پر تمہیں فتح مند کرے گا اور جماعت مومنین کے دلوں کے سارے دکھ دور کردے گا۔

15. ويذهب غيظ قلوبهم ويتوب الله على من يشاء والله عليم حكيم (9-15)

15۔ اور ان کے دلوں کی جلن باقی نہیں رہے گی اور پھر جس پر چاہے گا اپنی رحمت سے لوٹ آئے گا۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور (اپنی ہر بات میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

16. ام حسبتم ان تتركوا ولما يعلم الله الذين جاهدوا منكم ولم يتخذوا من دون الله ولا رسوله ولا المومنين وليجة والله خبير بما تعملون (9-16)

(مسلمانو!) کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے کہ تم اتنے ہی میں چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی تو اللہ نے ان لوگوں کو پوری طرح آزمائش میں ڈالا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں کو چھوڑ کر کسی کو اپنا پوشیدہ دوست نہیں بنایا؟ (یاد رکھو) جیسے رکچھ بھی تمہارے اعمال ہیں خدا ان سب کی خبر رکھنے والا ہے۔

17. ما كان للمشركين ان يعمروا مساجد الله شهدين على انفسهم بالكفر اولئک حبطت اعمالهم وفي النارهم خالدون. (9-17)

17۔ مشرکوں کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں، ایسی حالت میں کہ وہ اپنے کفر کا اعتراف کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سارے عمل اکارت گئے اور وہ عذاب آتش میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

18. انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ و الیوم الاخر و اقام الصلوٰۃ و اتی الزکوٰۃ و لم یخش الا اللہ فعسی اولئک ان یکونوا من المھتدین (9-18)

18۔ فی الحقیقت مسجدوں کو آباد کرنے والا تو وہ ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا، نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی اور کا ڈر نہ مانا۔ جو لوگ ایسے ہیں ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ (سعادت و کامیابی کی) راہ پانے والے ثابت ہوں گے۔

19. اجعلتم سقایۃ الحاج و عمارۃ المسجد الحرام کمن امن باللہ و الیوم الاخر و جھد فی سبیل اللہ لا یستون عند اللہ و اللہ لا یھدی القوم الظلمین (9-19)

19۔ کیا تم نے یہ ٹھہرا رکھا ہے کہ حاجیوں کے لئے سبیل لگا دینا اور مسجد حرام کو آباد رکھنا، اس درجہ کا کام ہے جیسے اس شخص کا کام جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں اور اللہ (کا قانون ہے کہ وہ) ظلم کرنے والوں پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا۔

20. الذین امنوا و ھاجروا و جھدوا فی سبیل اللہ باموالھم و انفسھم اعظم درجۃ عند اللہ و اولئک ھم الفائزون (9-20)

20۔ جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو یقیناً اللہ کے نزدیک ان کا بہت بڑا درجہ ہے۔ اور وہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔

21-22 یبشرھم ربھم برحمۃ منہ و رضوان و جنٰت لھم فیھا نعیم مقیم. خالدین فیھا ابدا ان اللہ عندہ اجر عظیم.

21-22۔ ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت اور کامل خوشنودی کی بشارت دیتا ہے۔ نیز ایسے باغوں کی جہاں ان کے لئے ہمیشگی کی نعمت ہوگی اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ یقیناً اللہ کے پاس (نیک کرداروں کے لئے) بہت بڑا اجر ہے۔

23. یایھا الذین امنوا لا تتخذوا اباء کم واخوانکم اولیاء ان استحبو الکفر علی الایمان ومن یتولھم منکم فاولئک ھم الظالمون(9-23)

23۔ مسلمانو! اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں تو انہیں اپنا رفیق و کارساز نہ بناؤ اور جو کوئی بنائے گا تو یہ ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔

24. قل ان کان ابائکم وابناوکم واخوانکم وازواجکم و عشیر تکم واموال اقترفتموھا و تجارة تخشون کسادھا و مساکن ترضونھا احب الیکم من الله ورسوله و جھاد فی سبیله فتربصوا حتیٰ یاتی الله بامره والله لا یھدی القوم الفاسقین(9-24)

24۔ اے پیغمبر! مسلمانوں سے کہہ دو کہ اگر ایسا ہے کہ تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہاری برادری، تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے، تمہاری سوداگری جس کے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو، تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں اس قدر پسند ہیں کہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے، اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو (کلمہ حق تمہارا احتیاج نہیں) انتظار کرو۔ یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ کا (مقررہ) قانون ہے کہ وہ فاسقوں پر (کامیابی وسعادت کی) راہ نہیں کھولتا۔

25. لقد نصرکم الله فی مواطن کثیرة و یوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین (9-25)

25۔ (مسلمانو!) یہ واقعہ ہے کہ اللہ بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کر چکا ہے (جب کہ تمہیں اپنی قلت وکمزوری سے کامیابی کی امید نہ تھی) اور جنگ حنین کے موقعہ پر بھی جب کہ تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے اور سمجھتے تھے کہ محض اپنی کثرت سے میدان مار لو گے تو دیکھو وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین ساری وسعت پر بھی تمہارے لئے تنگ ہوگئی۔ بالآخر ایسا ہوا کہ تم میدان سے پیٹھ دکھا کر بھاگنے لگے۔

26. ثم انزل الله سكينته على رسوله وعلى المومنين وانزل جنودا لم تروها عذب الذين كفروا و ذالک جزاء الكافرين(9-26)

26۔ پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنی جانب سے دل کا سکون وقرار نازل فرمایا اور ایسی فوجیں اتاریں جو تمہیں نظر نہ آئی تھیں اور اس طرح ان لوگوں کو عذاب دیا جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی اور یہی جزا ہے ان لوگوں کو جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں (یعنی ان کی بدعملی کا لازمی نتیجہ یہی ہے۔)

27 . ثم يتوب الله من بعد ذالک على من يشاء والله غفور رحيم (9-27)

27۔ پھر اس کے بعد اللہ جس پر چاہے گا اپنی رحمت سے لوٹ آئے گا۔ (یعنی توبہ قبول کر لے گا) اور اللہ بڑا ہی بخشش والا ہے۔

28. يايها الذين امنوا انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا وان خفتم عيلة فسوف يعنيكم الله من فضله ان شاء ان الله عليم حكيم(9-28)

مسلمانو! حقیقت حال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مشرک نجس ہیں (یعنی شرک نے ان کے دلوں کی پاکی سلب کر لی ہے) پس چاہیے کہ اس برس کے بعد سے (یعنی 9ھ کے بعد سے) مسجد حرام کے نزدیک نہ آئیں اور اگر تم کو ان کی آمد و رفت کے بند ہو جانے سے فقر وفاقہ کا اندیشہ ہو

(کہ وہ ہر طرح کی ضروری چیزیں باہر سے لاتے اور تجارت کرتے ہیں) تو گھبراؤ نہیں اللہ چاہے تو عنقریب تمہیں تونگر کر دے گا۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

29. قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن یدوھم صغرون (9-29)

29۔ اہل کتاب میں سے جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ نہ تو خدا پر (سچا) ایمان رکھتے ہیں، نہ آخرت کے دن پر، نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے (ان کی کتاب میں) حرام ٹھہرا دیا ہے اور نہ سچے دین ہی پر عمل پیرا ہیں۔ تو مسلمانو! ان سے بھی جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ قبول کر لیں اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو۔

30. وقالت الیھود عزیز ابن اللہ وقالت النصریٰ المسیح ابن اللہ ذالک قولھم بافواھھم یضاھئون قول الذین کفروا من قبل قاتلھم اللہ انی یوفکون (9-30)

30۔ اور یہودیوں نے کہا عزیز اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کی باتیں ہیں محض ان کی زبان سے نکالی ہوئی (ورنہ سمجھ بوجھ کر کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتا) ان لوگوں نے بھی انہی کی سی بات کہی جو ان سے پہلے کفر کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔ ان پر اللہ کی لعنت! یہ کدھر کو بھٹکے جا رہے ہیں؟

31-32 اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم وما امروا اا لیعبدو الھا وجدا لا الہ الا ھو سبحنہ عما یشرکون یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون (9-31,32)

31-32۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو پروردگار بنا لیا اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی! حالانکہ انہیں جو کچھ حکم دیا گیا تھا وہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک خدا کی بندگی کرو، کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی، اس کی پاکی ہو اس ساجھے سے جو یہ اس کی ذات میں لگا رہے ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی پھونکوں سے بجھا دیں، حالانکہ اللہ یہ روشنی پوری کیے بغیر رہنے والا نہیں اگرچہ کافروں کو یہ پسند نہ آئے۔

33 . هو الذى ارسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون(9-33)

33۔ (ہاں!) وہی ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام (ٹھہرائے ہوئے) دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکوں کو ایسا ہونا پسند نہ آئے۔

34. يايها الذين امنوا ان كثيرا من الاخبار والرهبان لياكلون اموال الناس بالباطل ويصدون عن سبيل الله والذين يكنزون الذهب والفضه ولا ينفقونها فى سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم(9-34)

34۔ مسلمانو! یاد رکھو! (یہودیوں اور عیسائیوں کے) علماء و مشائخ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال حق و ناروا کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انہیں روکتے ہیں اور جو لوگ چاندی اور سونا اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دو۔

35. يوم يحمى عليها فى نار جهنم فتكوىٰ بها جباههم وجنوبهم وظهورهم هذا ما كنزتم لا نفسكم فذوقوا ما كنتم تكنزون(9-35)

35۔ عذاب دردناک کا وہ دن (جب کہ ان کا جمع کیا ہوا) سونے چاندی کا ڈھیر دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کے ماتھے، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی

(اور اس وقت کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے اپنے لئے ذخیرہ کیا تھا۔ سو جو کچھ ذخیرہ کر کے جمع کرتے رہے اس کا مزا آج چکھ لو۔

36. ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھراً فی کتاب اللہ یوم خلق المسوات والارض منھا اربعۃ حرم ذالک الدین القیم فلا تظلموا فیھن انفسکم وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ واعلموا ان اللہ مع المتقین (9-36)

36۔ اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ مہینے کی ہے۔ اللہ کی کتاب میں ایسا ہی لکھا گیا، جس دن آسمانوں کو اور زمین کو اس نے پیدا کیا (یعنی جب سے اجرام سماویہ بنے ہیں خدا کا ٹھہرایا ہوا حساب یہی ہے) ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت کے مہینے ہوئے۔ (یعنی رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم) کہ امن کے مہینے سمجھے جاتے تھے اور لڑائی ممنوع تھی۔ دین کی سیدھی راہ یہ ہے پس ان حرمت کے مہینوں میں (جنگ وخونریزی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور چاہیے کہ تمام مشرکوں سے بلا استثناء جنگ کرو جس طرح وہ تم سب سے بلا استثناء جنگ کرتے ہیں اور ساتھ ہی یاد رکھو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو (ہر حال میں) تقویٰ والے ہیں۔

سورہ توبہ کی یہ آیات جنہیں ہم نے نقل کر دیا ہے۔ جو مقام منیٰ پر علیؑ نے بآواز بلند سنائیں، ان کے ساتھ مندرجہ ذیل چار امور کا اعلان (مزید) بھی فرمایا:

1. انہ لایدخل الجنۃ کافر

1۔ جنت کافر کے لئے نہیں۔

2. ولا یحج بعد العام مشرک

2 آج کے بعد مشرک بیت اللہ کا حج نہیں کر سکتا۔

3. ولا یطوف بالبیت عریانا

3۔ کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف کعبہ نہیں کر سکتا۔

4. ومن كان له عند رسول الله

4۔ جس شخص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جس مدت کے لئے وعدۂ امان ہو اس کے لئے معاہدہ کی پابندی کی جائے گی۔

صلى الله عليه وسلم عهد فهو الى مدته.

علی بن ابی طالبؑ نے اس اعلام کے بعد فرمایا آج کے بعد چار مہینہ کی مہلت ہے۔ مقصد یہ تھا کہ جو لوگ دور دراز سے حج کے لئے آئے ہیں وہ امن وسلامتی کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں پہنچ جائیں۔

دولت اسلامیہ کا یوم تاسیس:

آج (یوم عرفہ 9ھ) دولت اسلامیہ کی تاسیس کا دن ہے، جس دن کے متعلق ہم نے سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات نقل کر دیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد جناب علیؑ کے مد نظر یہی امر تھا جیسا کہ معتمد روایات میں منقول ہے کہ ابن ابی طالبؑ نے مدینہ سے سفر کے بعد ان آیات کا مذکور منیٰ ہی پر منحصر نہ رہنے دیا بلکہ بیت اللہ سے مراجعت کے بعد ان آیتوں کو ہر منزل پر دوسروں کے سامنے دہرایا (بحسب روایات متعددہ) اگر سورۂ براۃ کی ابتدائی آیتوں کو بنظر امعان مطالعہ کیجئے تو بین طور پر واضح ہوگا کہ ان کے مفہوم میں جدید سلطنت کی تشکیل کا اشارہ ہے۔

اور معلوم ہے کہ سورۂ براۃ دشمنان دین کی پیدا کردہ جنگی ہنگاموں سے پوری طرح فارغ ہونے کے بعد نازل ہوئی حتیٰ کہ اہل طائف جیسے سرکش باشندے اسلام کے ساتھ وابستگی کو اپنے لئے فخر سمجھ کر اس میں منضم ہو گئے، جب کہ تمام حجاز نے اسلام قبول کر لیا اور تہامہ (عربستان) میں اسلام کا ڈنکا بجنے لگا، جب نجد میں اسلام کا جھنڈا لہرانا شروع ہوا اور عرب کے خانہ بدوش قبائل نے اپنے سرداروں کے ماتحت وفود مدینہ بھیج کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اسلام کو بحیثیت دین اختیار کر لیا۔

وقت آ گیا کہ دولت نوزائیدہ اسلام ان آیات کے پرتو میں متشکل ہو اور قوت وسطوت کا مصدر ہو، جس کے تمام پیرو پر ایک ہی عقیدہ میں منسلک ہوں اور اس عقیدہ کے سہارے دین اور دین کے پیروؤں پر ظلم کرنے والوں کا استیصال کر سکیں۔ ادنیٰ فکر سے واضح ہے کہ ایمان کے مقابلہ میں کوئی قوت ایسی نہیں جس کے سائے میں ظالموں کے جور وستم کو روکا جا سکے اور ایسے ایمان سے بڑھ کر کون سا عقیدہ ہے جس میں خدائے وحدہ لاشریک پر یقین کامل ہو اور اس سے بہتر عقیدہ کیا ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی روح کو ایک ایسی برتر از ہمہ ہستی کے ساتھ وابستہ سمجھے، جس کی ہمسری کے لئے ممکن نہیں اور اس عقیدہ کے نتائج میں اس کا یہ بھی یقین ہو کہ نہ تو اس پر خدائے واحد القہار کے سوا کوئی اور غالب آ سکتا ہے اور نہ اس کے ضمیر پر کسی کو قبضہ کرنے کی قدرت ہے۔

اور جو لوگ اس عقیدہ کے متوازی عقیدہ وضع کر لیں اور نہ صرف یہی بلکہ اس عقیدہ پر جدید حکومت کی بنیاد رکھنے کا قصد بھی رکھتے ہوں تو **اولئک ھم الفاسقون** 1؎ (19:59) یہ لوگ عادی معصیت کوش ہیں جو بنی نوع انسان کے اندر فتنہ پردازی اور خوں ریزی کے داعی ہیں۔

ریاست کی طرف سے ایسے لوگوں کے لئے مراعات ایک طرف، ایسے لوگوں کے لئے

فسیحوا فی الارض اربعة اشھر واعلموا انکم غیر معجزی الله وان الله مخزی لکافرین 2؎ (2:9)

کی مہلت دے کر ان کے ساتھ مقاتلہ تک واجب ہے۔ پھر ایسے سرکش فاسق اگر کسی قوم کے اجتماعی عقیدہ کے خلاف ریشہ دوانی کریں تو انہیں باڑھ پر رکھ کر اطاعت کے لئے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو کسی قوم کے اجتماعی عقیدہ کے دشمن تو ضرور ہوتے ہیں لیکن اس عقیدہ کے خلاف نہ وہ ریشہ دوانی کرتے ہیں اور نہ ایسے وسائل اختیار کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال مثلاً اہل کتاب ہیں۔ ان لوگوں سے مقاتلہ کی بجائے انہیں ادائے جزیہ پر مجبور کیا جائے گا۔

ان (ہردو) قسموں کی مثال اس ایک ہی آیہ میں بیان فرما دی گئی:

قاتلوا الذين لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن یدوھم صغرون (29:9)

اہل کتاب میں سے جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ نہ تو خدا پر سچا ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت کے دن پر، نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کی کتاب میں) حرام ٹھہرا دیا ہے اور نہ سچے دین ہی پر عمل پیرا ہیں تو (مسلمانو!) ان سے بھی جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ دینا قبول کر لیں اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو۔

تاریخی اور اجتماعی نقطہ نظر سے دیکھنے کے بعد سورۂ براۃ کی ان آیات کے مطابق ہم ایسے نتائج پر پہنچ سکتے ہیں جو انصاف پسند مصنف کی تحقیق کا ماحصل ہوں، لیکن ان کے دیدہ وروں کی کوتاہ نظری کا ماتم کہاں تک کیجیے جو بہر حال اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کرنا تحقیق و تدقیق کا لازمہ سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ ان آیات (برأۃ) کی روح میں ایسی عصبیت ثابت کرنا چاہتے ہیں جس کی تصدیق ان کا قابل صد فخر عہد حاضرہ کا تمدن تو نہیں کر سکتا۔ ان کی تحقیق کے مطابق سورۂ برأۃ مشرکوں کے بے رحمانہ قتل کی محرض ہے کہ مسلمان انہیں جہاں بھی دیکھ لیں کسی رافت یا نرمی کے بغیر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیں، یہ آیتیں ان مدعیان تنقید کے نقطہ نظر سے دعوت اسلام کو ہیبت و جبروت سے منوانے کی ترغیب دیتی ہیں جیسا کہ مستشرقین میں سے اکثر اہل قلم کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے۔

مغربی مدرسۂ تحقیق و تنقید کے یہ استاد السام کے خلاف اس طرح مقدمات اور نتائج مرتب کرتے ہیں کہ خود مسلمانوں میں جو لوگ فن نقد و بحث سے ناواقف ہیں ان کی تحریروں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، حالانکہ ان (مستشرقین) کا طرز استدلال فنی اور تنقید تاریخی و اجتماعی لحاظ سے مجذوب کی بڑ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔

---

[1] یہی لوگ تو بڑے نافرمان ہیں۔

[2] اے مشرکو! امن کے چار مہینے (ذی قعدۃ، ذی الحج، محرم، رجب) ملک میں چلو پھرو! اور جانے رہو کہ تم اللہ کو کسی طرح بھی ہرا نہیں سکتے اور یہ (کہ آخر کار) اللہ کافروں کو (مسلمانوں کے ہاتھ سے) رسوا کرنے والا ہے۔

ان (مستشرقین) کی طرف سے سورۂ توبہ اور قرآن مجید کے دوسرے ایسے حصوں کی تفسیریں خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اس اسلوب زندگی کے منافی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوائل بعثت سے لے کر سفر آخرت تک ظہور میں آیا۔

موجودہ تمدن کے خدوخال:

آیئے، سب سے پہلے عہد حاضر ہی کے تمدن کے حسن و زیبائی کی طرف دیکھیں اور اس (تمدن) کا موازنہ (جناب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی دعوت کے ساتھ کریں۔ آج کے تمدن کی بنیاد حریت رائے پر بتائی جاتی ہے۔ جس حریت رائے کی کوئی نہ حد ہے نہ اس کی ایک یا دو بلکہ عدد آخرت تک کوئی معین تعریف، الا یہ کہ قانون وقت خود اس (حریت رائے) کی تعریف متعین کرے۔

کہنے کے لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آزادی رائے ہی کے بل بوتے پر کمزور کو طاقت ور کے غلبے سے بچایا جا سکتا ہے، اس لئے تو اس عقیدہ (آزادی رائے) کی حفاظت کے لئے ہمہ وقت ایثار و قربانی کی جاتی ہے، اس کے حدود و تعریفات کا تجزیہ اور تحقیق جاری رہتی ہے، اسے برقرار رکھنے کے لئے جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جست لگائی جاتی ہے اور قوم کے جن اسلاف نے آزادی رائے کی حفاظت پر مصائب برداشت کرنے سے گریز نہیں کیا ان پر فخر کیا جاتا ہے۔

جن مستشرقین کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے اسی آزادی رائے کے غرور و تمکنت پر فرماتے ہیں اسلامی عقیدہ کے مطابق جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان نہ لائیں ان کے خلاف جنگ کرنا ایسا تعصب ہے جو عقیدہ کی آزادی کے خلاف ہے۔

لیکن مستشرقین کا یہ مغالطہ سراسر بے بنیاد ہے کیوں کہ عقیدہ کی جس آزادی کے خلاف ارتکاب کو وہ (مستشرقین) مسلمانوں کے سر تھوپتے ہیں خود ان کے گھر میں اس آزادی رائے پر شمہ بھر بھی تو عمل نہیں ہوتا۔

دوسری طرف اسلام ہے جو ایسے مشرکین کے ساتھ کسی قسم کے تعرض کا روادار نہیں جو حکومت مسلمہ کی اطاعت کے بعد کسی شرک کی تبلیغ نہ کریں نہ خود کسی قسم کے علانیہ رسوم عبادت (م۔۔۔۔ مثلاً **ولا یطوف بالبیب عریانا** نہ کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف کعبہ کر سکتا ہے۔) بجا لا سکتے ہیں۔

اس بارہ میں عہد حاضر کا تمدن ملاحظہ ہو جس میں ریاست کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ سختی کی جاتی ہے جو مسلمانوں نے مشرکین پر روا رکھی، مثلاً اسلام نے رعایا کے اہل کتاب سے جزیہ ہی تو لیا (باضافہ آیت از مترجم **من الذین اوتوا الکتاب حتیٰ یعطوا الجزیہ عن یدوھم صغرون**1۔ (29:9)) لیکن تمدن حاضرہ نے اپنے خلاف عقیدہ پر جذیہ سے ہزار ہا گنا زیادہ بار ڈال رکھا ہے۔

ہم یورپ کی ان جنگوں کو رفع الزام کے لئے پیش کرنا نہیں چاہتے جو انہوں نے بردہ فروشی کے خلاف لڑیں کہ غلاموں کی تجارت کو ان کے بعض یاران وطن ہی مذہبی حیثیت سے جائز قرار دیتے ہیں مبادا مسیحان یورپ اور ان کے

---

[1] اہل کتاب سے بھی جنگ کرو یہاں تک کہ وہ خوشی سے جزیہ دینا قبول کر لیں اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو۔

حاشیہ بردار اسلام پر اپنی طرف سے عائد کردہ تہمت کو دھرا دیں کہ اسلام نے بھی غلامی کو

جائز رکھا ہے۔

بلکہ آج کا یورپ جو تہذیب وتمدن کا مرغزار بنا ہوا ہے اور جس کی پشت پناہی کے لئے امریکا جیسا حریت نواز ملک کمر بستہ ہے اور جنوب میں پورا ایشیا اور مشرق اقصیٰ اس کی کمک کے لئے سر بکف، جن سب نے مل کر بولشویک روس سے وہ جنگ لڑی جس کی ہلاکت آفرینی کے سامنے شاید اسرافیل بھی گرد ہو کر مہر بہ لب رہ جائے۔ اتنی بڑی لڑائی صرف روس کے اس عقیدہ کو کچلنے کے لئے نہ تھی کہ تقسیم اموال میں بالشویک کے نظریہ یورپ وامریکا کے ان مدعیان تہذیب کے عقیدۂ سرمایہ داری کے خلاف ہے یا اس کے سوا کوئی اور بنائے مخاصمت ہے۔

میں کہتا ہوں کیا اسلام کی مشرکین کے ساتھ جنگ یورپ وامریکا کی بولشویک کے ساتھ لڑائی سے زیادہ تعصب انگیز اور حریت رائے کے منافی تھی / کیا بولشویک کا خلاف ترکتاز کی یہ ہمہ ہمی ان کے اس برائے بیت اجتماعی نظام کے خلاف نہ ہونے کی وجہ سے نہ تھی جو تقسیم دولت میں ان (امریکا و یورپ) کے عقیدے کے خلاف ایسا نظام پیش کرتا ہے جس کی بار آوری کے بعد ان مدعیان حفظ حریت رائے کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔

مغرب میں برہنہ رہنے کی منظّم انجمنیں:

یورپ کے کئی شہروں میں ایسی منظّم جماعتیں ہیں جن کا ایمان یہ ہے کہ جس طرح عقیدہ کی آزادی پر کوئی پابندی نہیں اسی طرح جسم کی آزادی بھی ہر محاسبہ اور پابندی سے آزاد رہنے کی مستحق ہے۔ ان لوگوں کی تحقیق میں جنسیت کا اسراف معیوب ترین عادت ہے اور اس عادت کا محرک جسم انسانی پر لباس کا غلاف ہے۔ یہ غلاف جس قدر تو بہ تو ہوتا جائے گا شہوانیت اسی قدر فراواں ہوتی جائے گی۔ اس لئے جنسیت کا بے جا استعمال صرف عریانی ہی سے رک سکتا ہے۔

ان جماعتوں نے بعض شہروں میں (اسی مقصد کے لئے) خاص قسم کے محل تعمیر کرائے جہاں اس گروہ کے زن ومرد پوری عریانی کے ساتھ ایک دوسرے کے سامنے آنے جانے لگے۔ ان محلوں کے نئے داخلے پر خاص طریقوں سے شرم وحیا کا دامن چاک کرنے کی تربیت ہوتی ہے۔

اب حریت رائے کے محافظین کا عمل ملاحظہ ہو۔ کچھ دنوں تک تو ان لوگوں کی اس رفتار پر اغماض کرتے رہے۔ لیکن جب دیکھا کہ یہ جماعتیں اپنے عقیدہ وعمل دونوں کا پرچار کرنے پر تل آئی ہیں تو تہذیب حاضرہ کے مدعیوں اور تحفظ عقیدہ کے سرغنوں نے اسے تہذیب وتمدن کے خلاف قرار دے کر ان کی تربیت گاہوں کا مقفل کر دیا اور ان طائفوں کو اس حد تک مغلوب کیا کہ اس عقیدہ کو قانون تمدن کے خلاف قرار دیا۔

مسلم ہے کہ اگر کسی قوم میں ایسا عقیدہ عملاً عام ہو جائے تو دوسری قومیں اس قوم کے خلاف جنگ کرنے کا حق رکھتی ہیں، اس لئے کہ فی نفسہ یہ عقیدہ کمالات انسانی کی توہین کا سبب ہے جیسا کہ مغرب میں سفید فام باشندوں کی خرید وفروخت اور گھر بار والی عورتوں کے بیوپار پر خون ریز جنگیں ہوئیں، اور یہ کیوں ہوتا رہا؟ اس لئے کہ عقیدہ کی آزادی اس وقت تک برداشت کی جاسکتی ہے جب تک اس کی مضرت سے معاشرہ کو ضرر نہ پہنچے یعنی کیسا عقیدہ بھی سہی مگر انفرادی طور پر قابل عمل ہوسکتا ہے۔ لیکن جب ایسا عقیدہ عام معاشرہ پر اثر انداز ہونے لگے (م ـــــ۔ جیسے بردہ فروشی خصوصاً گھریلو عورتوں کی تجارت) تو ایسے عقیدہ کے کلاف جنگ کرنا لازم ہے، عام اس سے کہ وہ محض اخلاق پر اثر اندا ہوسکتا ہے یا اس سے اجتماعی سیاست کے متاثر ہونے کا خطرہ ہو یا اس سے ملک کے اقتصادی حالات پر دخل اندازی کا ذریعہ ہونے کا اندیشہ ہو۔ عہد حاضر کا دستور اجتماعی اور قانون مدن بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ اگر گنجائش ہوتو ہم مختلف قوموں میں سے ایسے نظائر پیش کر سکتے ہیں مگر قطع نظر اس کے صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ جو عقائد اجتماعیت، وطنی معاشیات اور ملکی سیاسیات کے منافی ہوں گے ملک کا قانون ایسے عقائد کے خلاف ہر قسم کی سختی اور پابندی کرنے پر حق بجانب ہوگا۔

پس اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے میں اسلام کا حکم برمحل ہے یا ناروا تو سب سے پہلے ہمیں بت پرستی اور اس کے نتائج پر غور کرنا چاہیے۔

اس حیثیت سے گزشتہ تاریخ پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ اگر ثابت ہو جائے کہ شرک کا عقیدہ

مختلف زمانوں میں واقعی طور پر معاشرہ کے لئے ضرر کا موجب ثابت ہوا ہے تو تسلیم کر لینا چاہئے کہ مشرکین کے خلاف اسلام کی نبرد آزمائی جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔

جس عہد میں خاتم المرسلینصلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ کا آغاز فرمایا (تا بہ نزول سورۂ توبہ۔۔۔م) شرک محض بتوں کی پرستش ہی کی شکل میں جلوہ آرا نہ تھا اور اگر یہ معاملہ اس حد تک ہوتا تب بھی اس کے خلاف جہاد کرنا واجب ہو جاتا کہ آخر انسان پتھر کے حضور جبہہ سائی کر کے فطرت انسانی کو متہم کرنے والا کون ہوتا ہے؟ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شرک اپنے جیب و داماں میں عقائد و اعمال کے گوناگوں عجائبات لئے ہوئے صنم کدوں میں براجمان تھا، ایسا عمل وعقیدہ کے ساتھ جو نہ صرف بردہ فروشی کے مقابلہ میں پست ترین ہیں اور بولشویک عقیدۂ تقسیم دولت کے سامنے حقیر و ذلیل نظر آتے ہیں، بلکہ موجودہ بیسویں صدی کے اس دور (اواخر) کے بعض دوسرے مجلسی نظام کے مقابلہ میں بدترین عقائد و اعمال سے زیادہ گھناؤنے دکھائی دیتے ہیں، جس شرک کا ایک شاخسانہ زندہ دختروں کو دفن کر دینا تھا، دوسری شاخ بیویوں کی کثرت تھی۔ کسی کے محل میں تیس حرم ہیں، بعض کے تصرف میں چالیس نازنینائیں ہیں، کسی کی حویلی میں یک صد اور ایسے دولت مند بھی موجود ہیں جن کی زندگی تین سو بیویوں کے بغیر بسر نہیں ہوتی بلکہ اس سے بھی زیادہ اسی شرک کا ثمرہ سود در سود کا دیو ہے جسے سرمایہ داروں نے غریب الحال لوگوں پر مسلط کر رکھا تھا اور اسی طرح کوچہ و بازار میں علانیہ و نائت وپستی اخلاق کی نمائش معاشرہ کا حسن سمجھا جاتا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عرب کے یہ باشندے ہر لحاظ سے دنیا کی پست ترین اقوام سے تھے۔

کیا فرماتے ہیں دور حاضرہ کے ارباب فکر ونظر کہ اگر آج کے معاشرہ کے کسی جز یا کل میں دختروں کا زندہ درگور کرنا ضروری بلکہ جائز قرار دیا جائے، تعدد ازدواج کی وسعت بیان کردہ حدود کے مطابق یا اس کے مقابلہ میں جزواً ہی سہی اجازت دے دی جائے، بردہ فروشی قحط یا کسی اور سبب پر مبنی سہی، سود خوری اسی بہیمانہ طریق پر رائج ہو اور ریاست ان کے قلع قمع پر اتر آئے تو

ریاست کا یہ اقدام اس کے تعصب اور دوسروں کے عقیدہ کی آزادی پر ضرب سمجھا جائے گا؟

بالفرض ایک قوم ایسے برے اخلاق کو معاشرہ کا جزو قرار دے چکی ہے اور اب ان کے یہ اخلاق دوسری قوموں پر اپنا دامن پھیلانے کے لئے بے تاب ہو رہے ہیں اگر ارباب اختیار ایسی قوم کے خلاف اعلان جنگ کر دیں تو کیا ان کا یہ اعلان ناجائز ہوگا؟ اور یہ جنگ اس عالم گیر لڑائی کے مقابلہ میں زیادہ مکروہ ہوگی جس میں کروڑوں انسان صرف ارباب سیاست کی ہوس استعمار پر نچھاور کر دیئے گئے ہیں؟

خاتمہ بحث دربارۂ اعلان جنگ در سورۂ توبہ

سورۂ برات کی ابتدائی آیات پر مستشرقین کی گرفت کس حد تک ناکارہ ہے اور اسلام جیسی مواحدانہ دعوت کا مقابلہ میں شرک اور مشرکین جو ایک فطری نظام کے اندر اس کے مخالف نظم ونسق کا تداخل کرنے کے مجرم ہوں، ان کے خلاف اعلان جنگ کس حد تک حق بجانب!

زمانہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ملک عرب میں جو نظام شرک و بت پرستی کے پرتو میں قائم تھا تاریخ اس پر گواہ ہے اور اس نظام (شرکیہ) کے مقابلہ میں حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کے معمولات پر بھی تاریخ شاہد اس میں وہ مدت بھی شامل ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظّمہ میں بعثت کے ابتدائی تیرہ سال بلا انقطاع تبلیغ فرماتے رہے مگر اس عرصہ میں نہ تو براہین و دلائل کا دامن ہاتھ سے چھوڑا نہ گفتگو میں احسن طریق سے ہٹ کر کبھی کوئی لفظ زبان مبارک پر آنے پایا۔

یہی طرز عمل جنگون میں تھا جن میں کبھی جارحانہ اقدام کا موقعہ پیدا نہ ہونے دیا بلکہ جب کہیں مسلمانوں پر ظلم وتشدد کیا گیا تو اس کی مدافعت کے لئے ناچار ادھر کا رخ کرنا پڑا۔ مسلمانوں کی طرف سے یہ مدافعت اپنے اس عقیدہ و دعوت کی محافظت تھی جس پر وہ (مسلمان) ایمان لائے اور اس کے لئے قدم قدم پر قربانیاں دیں۔ پھر یہی دعوت (اسلام) پوری قوت سے مشرکین کے ساتھ ان کے عقیدہ شرک کی نجاست کی وجہ سے مبارزت میں بھی استعمال ہوئی اور

اس تحدی کے ساتھ کہ اگر وہ شرک سے ہاتھ نہ روکیں تو ان کے لئے کسی قسم کے عہد و پیمان کی ذمہ داری نہیں:

كيف وان يظهروا عليكم لا يرقبوا فيكم الا ولا زمة[1]

یعنی اس لئے کہ یہ رسم بھی انہی کی ایجاد ہے کہ جب کبھی انہیں مومنین پر قابو حاصل ہوا انہیں اس کے ساتھ کسی رواداری یا پناہ دہی پر میلان نہ ہوسکا (م۔۔۔حتیٰ کہ

وهموا يا خراج الرسول وهم بدء و كم اول مرة[2])

الغرض سورۂ براۃ تمام غزوات کے بعد (تا بہ خاتمہ غزوہ تبوک) نازل ہوئی۔ اب مثلاً عرب ہی میں ایک ایسا شہر ہے جس کے کچھ لوگ مسلمان ہو چکے ہیں اور اسی شہر کے رہنے والوں میں ابھی تک بے شمار اشخاص شرک کی نجاست سے آلودہ ہیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے شہر میں اس اجتماعی و اقتصادی نظام کے جاری کرنے کا تہیہ کرلیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر اب تک عرب کے قدیم مشرکانہ نظام کو تہس نہس کرتا چلا آ رہا ہے۔ جب نو وارد مسلمانوں نے وہاں کے مشرکوں کے سامنے اسلام (کا جدید نظام) پیش کیا، ان میں خدا کی طرف سے حلال شدہ اور حرام کردہ دونوں قسم کے امور کی تبلیغ کی۔ تو انہوں نے اسے قبول کرنے کی بجائے استحقار سے ٹھکرا دیا کیا انصاف پسند طبائع کے نزدیک ایسے (منکرین) لوگوں کے خلاف طاقت کا استعمال ناروا ہے؟ اور اگر ایسے لوگ معمولی

---

[1] مشرکین کے عہد کیسے معتبر ہوسکتا ہے؟ ان کا حال یہ ہے کہ اگر یہ لوگ تم مسلمانوں پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس ملحوظ رکھیں اور نہ عہد و پیمان کا(8:9)

[2] اور رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا اور تم سے چھیڑ خانی بھی اول انہوں نے شروع کی۔(13:9)

طاقت کی نمائش سے ریاست کے دستور اخلاق پر عمل پیرا ہونے کو تسلیم نہ کریں تو اس وقت تک ان کے خلاف جنگ کرنے میں تامل ہو سکتا ہے جب تک وہ کلمتہ الحق کی تعمیل سے گریز کریں تا آنکہ

ویکون الدین کلہ اللہ 1ـہ (39:8)

یہی باعث ہوا حضرت علی کے اعلام بزائۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین فیسحوا فی الارض اربعۃ اشھر....م کے بعد اس موقعہ پر مندرجہ ذیل قوانین ریاست بیان کرنے کا کہ:

1. لا یدخل الجنۃ کافر

1۔ کافر جنت میں داخل نہ ہوں گے۔

2. لا یحج بعد العام مشرک

2۔ شرک کرنے والا حج نہیں کر سکتا۔

3. ولا یطوف بالبیت عریانا

3۔ برہنہ ہو کر طواف کعبہ نہیں کیا جا سکتا۔

جس کا نتیجہ ریاست میں یک جہتی کے لئے بے حد امید افزا ثابت ہوا۔ قبائل میں جو لوگ ابھی تک اسلام قبول کرنے میں متردد تھے ان کے شکوک رفع ہو گئے اور اعلام کے بعد یمن، مہرہ، بحرین اور یمامہ کے وہ لوگ بھی اسلام میں داخل ہو گئے جو ابھی تک ایک طرف کھڑے ہوئے انجام کا انتظار کر رہے تھے۔

عامر بن طفیل کا حشر:

ماسوا معدودے چند منکرین کے جنہیں ان کے غرور بے جا نے بہکا رکھا تھا اور اپنی جاہلی نخوت و تمکنت کے سہارے اپنی سیادت کے پرتو میں جی رہے تھے۔ ان میں ایک متکبر عامر بن طفیل ہے جو روسائے قبیلہ (اربند بن قیس و خالد بن جعفر اور حیان بن مسلم بن مالک۔م) کا چوتھا رئیس تھا، یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب

ہوئے۔ لیکن جب عامر بن طفیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو بدنصیب مکابرہ پر اتر آیا۔ اور تو اور ریاست میں اپنے وقار پر وثیقہ طلب کرنے لگا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین میں کوئی کمی نہ رکھی۔ لیکن اس کے برے دن آ چکے تھے۔ یہ کہتا ہوا واپس لوٹا کہ دیکھنا اس شہر کو پیدل اور سوار فوج سے کس طرح کھنڈر کیے دیتا ہوں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے التجا کی خداوند! مجھے عامر کے شر سے محفوظ رکھیو!

عامر مدینہ ہی میں سے گزرتا ہوا بیمار پڑ گیا۔ گردن پر طاعون کا پھوڑا نکل آیا۔ راستے میں بنو سلول کی ایک عورت کے گھر میں آ گرا اور اسی گھر میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر موت کے چنگل میں الجھ گیا۔ مرتے وقت اس کی زبان پر یہ کلمہ تھا۔ اے برادران بنو عامر! یہ پھوڑا تو اونٹ کی گردن پر نکلا کرتا تھا۔ میرے مقدر میں بھی اسی سے مرنا لکھا ہے!

قبیلہ بنو عامر کا دوسرا متکبر اربد بن قیس بجلی گرنے سے ہلاک:

یہ بھی اسی وفد (بنو عامر) میں شریک تھا جو اسلام سے روگرداں ہو کر واپس لوٹا۔ ایک روز جب وہ اپنا اونٹ بیچنے کے لئے گھر سے نکلا تو بجلی گری اور اربد کو جلا کر بھسم کر گئی۔ لیکن عامر اور اربد ان دونوں قبیلوں کو اسلام لانے سے نہ روک سکے۔

مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے متوازی وحی:

عامر بن طفیل اور اربد بن قیس دونوں سے زیادہ بدانجام اور آفت رسیدہ مسیلمہ بن حبیب تھا جو یمامہ سے بنو حنیفہ کے وفد میں آیا لیکن خود شہر سے باہر اپنے ہمراہیوں کے سامان کی چوکیداری کے لئے رہ گیا۔ دوسرے افراد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوئے اور سب

---

[1] اور دھائی ساری خدا ہی کی ہو۔

کے سب اسلام سے مشرف ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں انعامات سے سرفراز فرمایا۔

بنوحنفیہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے رفیق وفد مسلیمہ کا تذکرہ کیا تو آپ نے اس کے لئے بھی ان کے برابر عطیہ بخشا اور فرمایا وہ بھی مرتبہ میں تم لوگوں کے مساوی ہیں اس لئے کہ قوم کے سامان کی چوکیداری مرتبہ میں کمی کا موجب نہیں ہوسکتی۔ لیکن جب مسلیمہ نے اپنے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول سنا تو اس نے متوازی نسبت اور وحی کا دعویٰ کرتے ہوئے خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رسالت میں شراکت کا پیغام بھیج دیا اور اپنی وحی کے نمونہ میں یہ جملے زبان سے ادا کیے:

لقد انعم اللہ علی الحبلی اخرج منھا نسمۃ نسعی من بین صفاق و حشاء.

اللہ نے زن حاملہ کو کیا نعمت عطا فرمائی۔ اس کے بطن سے زندہ بچہ پیدا ہوا جو چلنے پھرنے لگا

مسیلمہ کی شریعت:

شراب اور زنا حلال مگر نماز حرام ہے جس کی طرف اس نے لوگوں کو آنے کی دعوت دی۔

وفود:

رسالت مآب کے حضور ملک کے چاروں طرف سے وفود آنا شروع ہوئے جن کا امیر قبیلہ کا معزز سردار ہوتا۔ مثلاً جناب عدی بن حاتم اور حضرت عمرو بن معدی کرب۔ البتہ حمیر کے نوابوں نے اپنی طرف سے قبول اسلام کی تحریر وثیقہ اپنے سفیر کے توسل سے پیش کیا جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم فرما کر ضروری ہدایات واحکام شریعت بھی تحریری بھجوا دیئے۔ یہ جنوب ملک (یمن) کے سفیر ہیں۔ جب پورے یمن میں اسلام پھیل گیا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقین الاسلام میں سے ان لوگوں کو یمن بھیجا جو نو اردان اسلام کو عقائد ومسائل کی تلقین سے آراستہ کر سکیں۔

صرف وفود عرب کے قبیلوں کے نام:

وفود آتے رہے۔ ان میں سے ہر ایک کی حکایت طوالت کا باعث ہوگی جیسا کہ دوسرے سیر نویس حضرات نے کیا اور ابن سعد نے تو (طبقات نام کتاب) میں بڑی تقطیع کے پچاس صفات اسی تذکرہ میں مزین کر دیئے۔ لہٰذا ہم اس موقع پر صرف قبائل اور ان کی شاخوں کے ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔

مزینہ، اسد، تمیم، عبس، فزارہ، مرہ، ثعلبہ، محارب، سعد بن بکر، کلاب، رواس بن کلاب، عقیل بن کعب، جعدہ، قشیر بن کعب، بنی البکا، کنانہ، اشجع، باہلہ، سلیم، ہلال بن عامر، عامر بن صعصعہ، ثقیف۔

از ربیعہ:

عبدالقیس، بکر بن وائل، تغلب، حنیفہ، شیبان۔

از خطہ یمن

طے، تجیب، خولان، جعفی، صداء، مراد، زبید، کندہ، صدف، خشین، سعد ہذیم، بلیٰ، براء، عذرہ، سلامان، جہنیہ، کلب، جرم، ازد، غسان، حارث بن کعب، ہمدان، سعد العشیر ہ، عنس، الدارہین، الرھاویین۔

از بنو مذحج

غامد، نخع، بجیلہ، خثعم، اشعرہین، حضرموت، ازوعمان، غافق، بارق، دوس، ثمالہ، حدان، اسلم، جذام، مہرہ، حمیر، نجران، جیشان۔

جزیرہ نمائے عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس نے بت پرستی کے بعد اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ عرب کے مشرکین بت پرستی چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتے گئے تا آنکہ تمام ملک بتوں کی پرستش

سے بے نیاز ہو کر خدائے یکتا کی عبادت پر کاربند ہو گیا۔ یہ اتفاق تبوک کے بعد ہوا۔ مدینہ میں جو وفد آیا کسی جبر و تحکم کے بغیر آیا اور از خود اطاعت گزارانہ حیثیت سے آیا۔ نہ کسی قبیلہ پر دباؤ ڈالا گیا اور نہ کسی کے معاملہ میں کشت و خون کی نوبت آنے پائی۔

مشرکین کے قبول اسلام کے بعد یہود و نصاریٰ کا معاملہ باقی رہ گیا کہ ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا سلوک کیا۔ اسے انتیسویں فصل میں ملاحظہ فرمائیے۔

☆☆☆

باب 29

عرب کے اہل کتاب سے لے کر خطبہ حجتہ الوداع تک

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ حج (۹ھ) میں جناب علی بن ابی طالبؓ نیابتاً سورۃ براۃ کی جو آیتیں اعلاماً سنانے آئے تھے مدوح نے منیٰ میں یہ آیات سنانے کے بعد اعلان فرمایا کہ نہ کافر کے لیے جنت میں جگہ (مقام) ہے نہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج ادا کرنے کے لیے بیت اللہ میں قدم رکھ سکتا ہے۔ نہ کوئی زائر برہنگی کی حالت میں کعبہ کا طواف کرنے کا مجاز ہوگا۔ اور جس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا وثیقہ موجود ہو وہ آئندہ کی پابندیوں سے پوری طرح آزاد متصور ہوگا۔

اس اعلان پر مشرکین کو یقین ہوگیا کہ آج سے بتوں کی خدائی تسلیم کرنے کے لیے کوئی سبیل نہیں اگر ان میں سے کسی نے ایسا کیا تو اس کے خلاف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلان جنگ سمجھا جائے گا۔ اس ساعت تک عرب کے جنوبی گوشہ یمن وحضرموت میں ایسے لوگ باقی رہ گئے تھے جو بت پرستی پر قائم تھے۔ ان کے سوا حجاز اور اس کے ملحقہ گردونواح میں خصوصاً عرب کے شمالی حصہ میں بسنے والے مشرکین اسلام قبول کر چکے تھے۔ اور یہ کہ ان جنوبی (علاقہ یمن کے) باشندوں میں بت پرستوں کے ساتھ نصاریٰ بھی ہنوز قدیم مذہب پر جمے ہوئے تھے۔

عرب کے ان علاقوں سے مشرکین کے وفود مدینہ آتے جو بطیب خاطر اسلام قبول کرتے اور دین ودولت سے مالا مال ہوکر اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے۔ بیشتر وفود کے سرداروں کو ان کے مناصب دنیوی پر بحال رکھا جاتا جس سے انہیں اسلام کی رواداری اور زیادہ متاثر کرتی۔

اہل کتاب اور بت پرستوں میں امتیاز

اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کے متعلق سورۃ براۃ کی آیات جو حضرت علیؓ نے حج ابوبکرؓ کے زمانے میں سنائیں مندرجہ ذیل ہیں:

قاتلوا الذين لا يومنون بالله وباليوم الآخر ولا يحرمون ما حرم الله ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين اوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يدوه صغرون (۹ : ۲۹)

> ”اہل کتاب جن میں سے جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ نہ تو خدا پر (سچا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کتاب میں حرام ٹھہرا دیا ہے۔ اور نہ سچے دین ہی پر عمل پیرا ہیں تو (مسلمانو!) ان سے بھی جنگ کرو‘ یہاں تک کہ وہ خوشی سے جزیہ دینا قبول کر لیں اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ جائے۔“

(تابہ آیہ) يا ايها الذين آمنوا ان كثيرا من الاخبار الاهبان لياكلون اموال الناس بالباطل ويصدون عن سبيل الله والذين يكنزون الذهب والفضه ولا ينفقونها فى سبيل الله فبشرهم بعذاب عليم يوم يحمى عليها فى نار جهنم فتكوى بها جباههم وجنوبهم وظهورهم هذا ما كنزتم لا انفسكم فذوقوا ما كنتم تكنزون (۹ : ۳۴:۳۵)

> ”مسلمانو! یاد رکھو (یہودیوں اور عیسائیوں کے) علماء اور مشائخ یں ایک بڑی تعداد ہیچو لوگوں کا مال ناحق و ناروا کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے نہیں روکتے ہیں۔ اور جو لوگ چاندی سونا اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو عذاب دردناک کی خوش

> خبر یسنا دو (عذاب دردناک کا وہ دن) جب کہ (ان کا جمع کیا ہوا) سونے
> چاندی کا ڈھیر دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور ان سے ان کے ماتھے
> ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور اس وقت کہا جائے گا)
> کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے ذخیرہ کیا تھا سو جو کچھ ذخیرہ کر کے جمع کرتے
> رہے اس کا مزا آج چکھ لو۔“

بیشتر مسیحی مورخین سورۃ براۃ کی آیت متذکرہ الصدر کے مطابق اعتراض کرتے ہیں۔ کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل کتاب کے متعلق اب (آخر میں آکر) اس دستور کے خلاف حکم تو نہیں دیا جو سورہ برات نازل ہونے سے دو سال قبل آپ کا معمول تھا۔ بعض مستشرقین یہاں تک کھل کھیلے ہیں کہ آج سورہ براۃ کے نزول پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین اور عامل کتاب دونوں کو ایک صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ یہی یہود و نصاریٰ ہیں جن کے بل بوتے پر جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین پر غلبہ حاصل کیا تھا۔ جیسا کہ اپنی رسالت کے دور اول میں مسلسل کئی سال تک فرمایا کیے کہ آپ دین عیسوی اور مسلک موسیٰ و مشرب ابراہیمی اور ان انبیاء علیہ السلام کے طریق و تجدید تبشیر کے لیے مبعوث ہوئے ہیں جو ان سے قبل دنیا میں تشریف لائے۔ اس سے کچھ عرصہ کے بعد جب یہودیوں کی طرف سے عداوت ظاہر ہونے پر ان کا قلع قمع کر متوجہ ہوئے تو نصاریٰ ؤ سے امداد حاصل کرنے کے لیے ان کے ایمان دوستی کی تعریف میں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر) یہ آیہ نازل ہوئی:

لتجدن اشد الناس عدواۃللذین امنوا الیھود والذین اشرکو ولتجدن اقربھم مودۃ للذین امنوا الذین قالو انا نصری ذالک بان منھم قسیسی ورھبانا وانھم لا یستکبرون (۵ : ۸۲)

> ”(اے پیغمبرؐ) تم ایمان والوں کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت
> یہودیوں کو پاؤ گے نیز (عرب کے) مشرکوں کو اور ایمان والوں کی دوستی

میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتےہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں اس لیے کہ ان یمں پادری اور رہبان ہیں (یعنی عالم اور تارک الدنیا فقیر ہیں جو زہد و عبادت میں مشغول رہتے ہیں) اور اس لیے ان مین گھمنڈ اور خود پرستی نہیں"۔

لیکن آج سے عیسائیوں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جا رہا ہے جوک تک یہودیوں کے ساتھ ہوا۔ بلکہ یہاں تک کہ نصاریٰ کو ان لوگوں کے درجہ پر لایا جا رہا ہے کہ جو نہ خدا کو مانتے ہیں نہ قیامت کو۔ یہی نصاریٰ ہیں کہ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسلمان پیرو مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ پہنچے تو ان کی عیسائی بادشاہ (نجاشی) نے اپنی سلطنت میں انہیں پوری آزادی کے ساتھ رہنے کی اجازت دی۔ انہی مسیحیوں کے نجرانی اور دوسرے دوسرے قبائل کو جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف ان کے ساتھ سابقہ دین بلکہ رسومات پر بھی پہلے کی طرح عمل کرنے میں تعرض نہ کیا حتیٰ کہ ان میں جو جس کا منصب یا اعزاز تھا اسے بھی بحال رہنے دیا"۔

نتیجہ بحث دوبارہ نصاریٰ

رسول خدا صلوات اللہ علیہ نصاریٰ کے اس حد تک احسانات کا شمار کرنے کے بعد ہم ان کے ہم مسلک مستشرقین فرماتے ہیں کہ آج یہی نصاریٰ کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا برتاؤ اس قدر مختلف ہو رہا ہے کہ جس سے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان دشمنی کی خلیج حائل ہو سکتی ہے جس کی بنا پر تابعین مسیح اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں باہم یک جہتی کے امکانات اگر محال نہیں تاہم مشکل ضرور ہیں۔

ازروئے قرآن مسیح ابن مریمؑ کی منزلت

بظاہر مستشرقین کا یہ نقض ان لوگوں کے لیے سرمایہ تسکین ہوسکتا ہیکہ جن کے سامنے مسئلہ کی دوسری حیثیت نہ ہو لیکن تاریخٰ تتبع کے ساتھ ان آیات قرآنی کی ترتیب اور ان کے اسباب نزول پر غور کیا جائے تو قطعیت سے کہا جاسکتا ہے کہ آغاز بعثت سے لے کر رحلت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موقف اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) دونوں کے متعلق ایک ہی رہا ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

چنانچہ قرآن مجید کے مطابق مریم کا بیٹا مسیحؑ اس کے کلمہ بشارت کا ظہور ہے جو مریم پر القا کیا گیا تھا اور مسیح ابن ریمؑ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جس نے انہیں سراپائے نبوت عطا فرمایا اور وہ جہاں کہیں رہیں انہیں کے سبب برکت ٹھہرایا گیا اور انہیں ادائے ماز وزکوۃ کی تاکید فرمائی جب وہ دنیا میں رہیں اور اللہ ایک ہی ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا کہ نہ کوئی اس کے برابر ہے۔ اول یوم سے لے کر دنیا میں جہاں کی بقا تک اسی بنیاد پر اسلام کی روح قائم ہے۔ اور یہ روح اسی طرح ایک لمحہ کے لیے بھی اس سیمنفک نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ مسئلہ زیر بحث کے متعلق واضح ہے کہ مستشرقین کے مورد اعتراضات سورہ براۃ میں مشرکین کے ساتھ اہل کتاب کی تنبیہہ سے بہت پہلے کا واقعہ ہے جب کہ نجران کے عیسائی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مناظرانہ طریق پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ خیر عیسیٰؑ کی ماں تو مریم تھیں مگر ان کے باپ اسی وقعہ پر مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں:

ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل ادم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون (۳:۵۹)

> ”اللہ کے نزدیک تو عیسیٰؑ ایسا ہ ہے جیسے آدم مٹی سے پیدا کیا پھر اس کی بناوٹ کے لیے حکم فرمایا کہ ہوجاؤ اور جیسا کہ کچھ خدا کا ارادہ تھا اسی کے مطابق ہوگیا“۔

الحق من ربک فلا تکونن من الممترین (۲:۱۷۲)

”(اے پیغبر ! مسیح کے انسان ہونے کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے) تو یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے امرحق ہے (اور جو بات خدا کی طرف سے حق ہو وہ ثابت اور اٹل حقیقت ہے کبھی نہ مٹنے واالی نہیں) تو دیکھو! ایسا نہ ہو کہ شک وشبہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ“۔

فمن حاجک فیه من بعد ما جائک من العلم فقل قالوا ندع ابنائنا و انباء کم ونسائنا ونساء کم و انفسنا وانفسکم ثم نبتهل فنجعل لعنةالله علی الکاذبین (۳:۶۱)

”پھر جو کوئی تم سے اس بارے میں جھگڑا کرے حالانکہ علم ویقین تمہارے سامنے آچکا ہے تو تم اسسے کہو کہ میرے پاس مسیحؑ کے انسان ہونے کے لیے علم ویقین موجود ہے اگر تم بھی اس کی خدائی پر وایسا ہی علم و یقین رکھتے ہو تو آؤ (یوں فیصلہ کرلیں کہ) ہم دونوں فریق میدان میں نکلیں اورانے اپنے بیٹوں اورعوتوں کو بلائیں اور خود بھی شریک ہوں پھر عجز و نیاز کے ساتھ حضور خداوندی میں التجا کریں (ہم دونوں میں سے جس کا دعویٰ جھوٹا ہو) تو جھوٹوں پر خدا کی پھٹکار!“۔

ان هذا لهوا القصص الحق وما ممن اله الا الله و ان الله لهوا لعزیز الحکیم (۳:۶۲)

”اے پیغمبرؐ! یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے بلا شبہ بیان حق ہے اور کوئی معبود نہیں مگر صرف اللہ کی ذات یگانہ اور یقیناً اسی کی ذات ہے جو سب پر غالب ہے (اور اپنے کاموں میں) حکمت رکھنے والی ہے“۔

فان تولو ا فان الله علیم بالمفسدین (۳:۶۳)

> ’’پھر اگر یہ لوگ (فیصلہ کا یہ طریقہ) قبول نہ کریں (اور مباحلہ سے گریز کر جائیں) تو اللہ مفسدوں کا حال خوب جانتا ہے‘‘۔

قل یا ھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بینا وبینکم الا نعبد الا اللہ والا نشرک بہ شیئا ولا یتخذبعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا اشھدوا بانا مسلمون (۳: ۹ . ۶۴)

> ’’اے پیغمبر!) تم (یہود اور نصاریٰ سے) کہہ دو کہ اے اہل کتاب! (اختلاف ونزاع کی ساری باتیں چھوڑ دو) اس بات کی طرف آ جاؤ کہ جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے لیے یکساں طور پر مسلم ہے یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں کسی کی ہستیکو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں ہم میں سے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے گویا خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنا لیا ہے! پھر اگر یہ لوگ اس بات سے روگردانی کریں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہنا کہ (انکار تمہاری طرف سے ہے) اور ہم خدا کے ماننے والے ہیں‘‘۔

یہ آیتیں سورہ آل عمران میں سے ہیں جس میں ذات خداوندی نے نصاریٰ (بشمول یہود) ہر دو پر عتاب فرمایا کہ تم دوسروں کو بھی خدا پر ایمان لانے سے منع کرنے میں خدا سے نہیں ڈرتے ے[1]......اور ’’خود بھی اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہوئے[2]۔ اور اسی طرح (سورہ) آل عمران میں وہ احکامات بیان ہیں جو خدا کی طرف سے حضرت عیسیٰؑ و جناب موسیٰؑ اور ابراہیمؑ پر نازل ہوئے مگر یہود ونصاریٰ دونوں کے گٹھ جوڑ نے ان احکامات میں تحریف کر کے انہیں دنیوی اغراض کا آلہ بنا لیا اور جس طرح سورہ آل عمران ۳ میں یہ آیات ملتی ہیں اسی طرح قرآن مجید کی دوسری سورتوں میں بھی یہ احکام بکثرت پائے جاتے ہیں ازاں جملہ سورہ مائدہ میں!

لقد کفرالذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثۃ وما من الہ الا الہ واحد وان لم ینتھوا

عما يقولون ليمسن الذين كفروا منهم عذاب اليم (۵: ۷۳)

”یقیناً وہ لوگ (حق سے) منکر ہوئے جنہوں نے کہا خدا تین میں ایک ہے۔ (یعنی باپ بیٹا اور روحا القدس) حالانکہ کوئی معبود نہیں مگر وہی معبود یگانہ۔ اور (دیکھو) جو کچھ یہ کہتے ہیں اگر اس سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے انکار کیا ہے انہیں عذاب دردناک پیش آئے گا“۔

افلا يتوبون الى الله ويستغرونه والله غفور رحيم(۵: ۷۴)

”انہیں کیا ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹتے اور اس سے بخشش طلب نہیں کرتے حالانکہ وہ بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے“۔

ماالمسيح ابن مريم الا رسول الله قد خلت من قبله الرسل وامه صديقه كانا ياكلان الطعام انظر كيف نبين لهم الايت ثم انظر انى يوفكون (۵: ۷۵)

”مریم کا بیٹا مسیحؑ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کا ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے بھی کتنے رسول (اپنے اپنے وقتوں میں گزر چکے ہیں) اورس کی ماں (بھی اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ) صدیقہ تھی (یعنی بڑی ہی راست باز انسان تھی) یہ دونوں تمام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے۔ (یعنی غذا کی احتیاج رکھتے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ جسے زندہ رہنے کے لیے غذا کی احتیاج ہو اس میں ماورائے بشریت کوئی بات کیوں کر ہو سکتی ہے) دیکھو کس طرح ہم نے ان لوگوں کیلیے دلیلیں واضح کر دیتے ہیں اور پھر دیکھو کہ کس طرف کو یہ لوگ پھرے ہوئے جا رہے ہیں۔ (کہ اتی موٹی سی بات بھی سمجھ نہیں سکتے)“۔

سورہ مائدہ ہی میں یہ آیت بھی ہے:

اور پھر جب ایسا ہوگا کہ اللہ کہے گا اے

واذ قال الله یا عیسیٰ ابن مریم ء انت قلت للناس اتخذونی وامی الهین من دون الله قا سبحانک ما یکون لی ان اقول مالیس لی بحق (۵:۱۱۶)

”مریم کے بیٹے عیسیٰؑ کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا ھتا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو عیسیٰ جواب میں عرض کرے گا۔ تیرے لیے پاکی ہو۔ بھلا مجھ کو یہ بات کیسے ہو سکتی ہے کہ ایسی بات کہوں جس کا مجھے کہنے کا حق نہیں“۔

مسیحی مورخین سورہ مائدہ ہی کی آیات سے اپنے موافق یہ استدلال کرتے ہیں کہ اوائل میں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصاریٰ کے ساتھ حسن مراعات سے پیش آتے رہے جیسا کہ سورہ مائدہ کی آیت سے ثابت ہے:

لتجدن اشد الناس عدواة للذین امنوا والذین اشرکوا ولتجدن اقربهم مودة للذین امنوا الذین قالو انا نصریٰ ذالک بان منهم قسسن ورهبانا وانهم لا یکستبرون (۵:۸۲)

”(اے پیغمبرؐ!) تم ایمان والوں کی عداوت میں سب سے سخت یہودیوں کو پاؤ گے ۔ نیز (عرب) کے مشرکوں کو اور ایمان والوں کی دوستی

۱؎ بمطابق مفہوم مولف: قل یا اھل الکتاب لم تصدون عن سبیل اللہ من امن (۳:۹۹......م)

۲؎ وایضاً بمطابق مفہوم مولف: یعنی قل یا ھل الکتاب لم تکفرون بآیت اللہ (۳:۹۸......م)

۳؎ بمطابق مفہوم مولف: یعنی قل امنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علی ابراہیم واسمعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسی وعیسیٰ الخ (۳:۸۴)

> میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں اس لیے کہ ان میں پادری اور رہبان ہیں (یعنی عالم اور تارک دنیا فقیر ہیں جو زہد و عبادت میں مشغول رہتے ہیں) اور اس لیے کہ ان میں گھمنڈ و خود پرستی نہیں ہے"۔

اب رہیں سورہ براۃ کی وہ آیتیں (م......جن میں نصاریٰ کو بشمول یہود جزیہ ادا کرنے کا پابند کر دیا یعنی:

يعطوا الجزية عن يدوهم صغرون (۹ : ۲۹)

تو یہ عتاب ان کے حضرت عیسیٰؑ بن مریم پر ایمان لانے کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے شرک اللہ ایک دوسرے کا مال دھوکے سے بٹورنے سرمایہ داری کی کثرت سے شکم کو دولت کا تنور بنانے اور خدا کی طرف سے حرام کردہ امور کو حلال کر لینے کی وجہ سے ہے جسے اسلام عیسوی دین کے خلاف اعلان جنگ سمجھتا ہے اور یہ ان لوگوں کا وطیرہ ہو سکتا ہیکہ جن کا نہ تو خدا پر ایان ہو نہ آخرت پر۔

بایں تہدید انہی نصاریٰ کے حق میں اسلام کی رواداری اور حسن مراعات کا یہ عالم ہے کہ ان کی ایسی برائیوں کے باوجود اسلام نے انہیں نہ تو کامل ایان کے زمرہ سے مطلقاً خارج کیا نہ ان کے ساتھ بت پرستوں کا سلوک روا رکھا (م......جن بت پرستوں کے خلاف اسلام نے

قاتلوا لذين لا يومنون بالله ولا باليوم الاخر ۔ ا (۹ : ۲۹)

سے اعلان جنگ فرما دیا) بلکہ اسلام نے تو ان (نصاریٰ) کے ان اللہ ثالث ثلثۃ (۵:۷۳) خدا تین میں ایک ہے پر عقیدہ رکھنے اور (م......انجیل کی تعلیم کے مطابق) خدا کی طرف سے حرام کردہ امور کو حلال کر لینے کے باوجود اعلان جنگ کی بجائے صرف ادائے جزیہ تک کا مکلّف رہنے دیا۔

وفد کندہ

جیسا کہ اٹھائیسویں فصل سے نقل ہو چکا ہیکہ حج ابوبکرؓ کے موقع پر حضرت علیؑ کے اعلان اثر

سے جنوب کے عرب قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے اور مدینہ میں متواتر ان کے وفود آنا شروع ہو گئے۔ ان میں مشرکین اور اہل کتاب دونوں قسم کے لوگ شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی بیش از بیش تکریم فرماتے اور ان کے سرداروں کو ان کے سابقہ مناصب پر فائز رکھنے میں کوئی تامل نہ فرماتے۔

جب بنو کندہ کا وفد جس میں اسی افراد شامل تھے حاضر ہوا تو اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے ارباب وفد بڑے طمطراق کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوئے۔ کندھوں پر لٹیں بکھری ہوئیں آنکھوں میں سرمے کی تحریر ریشمیں استر سے منڈھے ہوئے یمنی جفر کے پٹکے گلوں میں حمائل۔ انہیں دیکھتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کیا تم لوگ مسلمان نہیں؟

---

۱ (مشرک......م) جو نہ خدا کو مانتے ہیں (جیسا کہ ماننے کا حق ہے) اور نہ آخرت کو ان لوگوں سے بھی لڑو۔

اشعت کندی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں نہیں ہم مسلمان ہیں۔

فرمایا: مسلمان ہونے کے باوجود ریشمی استر کے پٹکے گلے میں حمائل کرنے کے کیا معنی ہیں؟

ارباب وفد نے سنتے ہ پٹکے چاک کر کے پھینک دیے۔

امیر وفد اشعث بن قیس نے مزاحاً عرض کیا ا ہم لوگ بنی آکل المرار ہیں اور جنابؐ بھی یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیے اور فرمایا بنی آکل المرار ہوں گے تو عباس اور ربیعہ بن حارث ہوں گے میں بنی آکل المرار کیوں ہونے لگا۱

وائل بن حجر اور معاویہ بن ابو سفیان

اس وفد میں کندہ ہی کے ایک نواب وائل بن حجر بھی شریک تھے۔ یہ حضر موت کے ساحلی شہر

وں اور بستیوں کے سردار تھے مسلمان ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس شرط کے ساتھ اس منصب پر فائز رکھا کہ اپنے زیر اثر علاقہ سے عشر (زکوۃ) وصوکر کے محصلین کو سونپ دیا کریں وائل نے منظور کر لیا۔

ان کے ہمراہ معاویہ بن ابوسفیان کو وہاں کے سلمانوں کی تربیت کے لیے بھجوا دیا۔ راستے میں معاویہ نے ان سیان کی ردیف میں بیٹھ جانے کی درخواست کی۔ وائل نے ردیف میں جگہ دینا تو درکنار فرمایا کہ اگر دھوپ سے بچاؤ کے لیے یرے جوتے کی پوائی بھی طلب کرو تو مجھے گوارا نہیں۔ البتہ تم میرے انوٹ کے سایے میں چل سکتے ہو۔ معاویہ نے یہ تصور کرتے ہوئے کہ اسلامی تعلیم نے مسلمانوں میں اس قسم کے مراتب کا کوئی امتیاز نہیں رہے دیا حتیٰ کہ انہیں ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنا دیا۔ وائل کی اس بے مہری کو نظر انداز کر دیا تا کہ ان کے ذریعے وہ اس کی قوم اسلام سے بہرہ مند ہو سکے۔

---

[1] اسلاف کندہ میں حرث بن عمرو تھے جن کی اہلیہ کا نام اناس بنت عوف سے لقب بنی آکل المرار منسوب ہے۔ مرار پیلو کا درخت ہے۔ بی بی ام اناس نے یہ کلمہ ایسے موقع پر استعمال کیا تھا کہ جس کی وجہ سیان کی عظمت میں چار چاند لگ گئے۔ ہوا یہ کہ قریش (مکہ) کے نانیہال میں کلاب بن مرہ کی ماں اسی خاندان حرث بن عمرو سے تھیں بنو کندہ کے خاندان میں کئی پشتوں سے بادشاہت تھی۔ عرب اپنے فخر کے لے ہر شے کا سہارا لیتے۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور ربیعہ کے باپ حارث دونوں عبدالمطلب ہی کے فرزند تھے لیکن جدی نسب ماں کی جانب سے بنو کندہ سے ملتا تھا۔ عباس اور ان کے برادرزادہ ربیعہ بن حارث تجارت کے لیے نکلے اور کسی نے

ان کا نسب دریافت یا تو انہوں نے اپنے فخر کی وجہ سیاپنی والدہ ام کلاب سے منسوب کرتے ہوئے نحن بنو آکل المرار بتا دیا اور شدہ شدہ یہ بات تام ملک میں پھیل گئی۔ قریش مکہ کی عظمت کی وجہ سے بنو کندہ یمن کو بھی اپنے ساتھ ان ک ینسبت پر فخر رہا تھا۔ یہ ہے پس منظر اشعث بن قیس کے عرض کرنے کا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو کندہ اور قریش اکل المرار ہیں۔ لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الخالق نسب کے معاملہ میں والدہ کی بجائے والد کے نسب کو مناسب تصور فرماتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نحن نضر بن کنانتہلا نقفوا امنا ولا ثقفی من ابینا (ہم قبیلہ بن ونضر کنانہ سے ہیں۔ ہمیں اپنا الحاق ماؤں کے نسب سے منظور نہیں کہ اپنے باپ کی نسبت کو ترک کردیں اور نضر کنانہ کے باپ ہیں ابن ہشام......م)

اہل یمن کی دینی تعلیم کے لیے معاذؓ کا تقرر اور ہدایات

یمن میں ہر طرف اسلام پھیل گیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں کے مسلمانوں کی تربیت سے عرض سے حضرت معاذؓ کی قیادت میں معلمین کا وفد روانہ فرماتے ہوئے امیر وفد کو تلقین فرمائی:

یسر ولا تعسر و بشر ولا تنفر وانک ستقوم علی قوم من اهل الکتاب یسئلونک مامفتان الجنة فقل شهادة ان لا اله الا الله وحد لاشریک له

”اے معاذ! سہولت مدنظر رہے کہ نہ سختی لوگوں کو اپنے ساتھ مانوس رکھنا مبادا انہیں خود سے دور کردو اور وہاں اہل کتاب سے تمہاری ملاقات ہوگی

جو تم سے جنت کی کلید معلوم کرنا چاہیں گے تو انہیں جواب دینا کہ جنت کی
چابی لا الہ الا اللہ ہے اور الہ وہ ہے جوس کا کوئی شریک نہیں“۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذؓ کے ہمراہ مسلمانوں کی ایک جماعت تعینات کردی جو اہل یمن کی تربیت کے ساتھ ان کے مقدمات کا فیصلہ حکم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کرے۔

جزیرہ عرب میں شمال سے لے کر جنوب اور مشرق سے لے کر مغرب تک اسلام پھیل چکا تھا۔ ملک کے تمام باشندے امہ واحدہ بن گئے جو ایک علم کے سائے میں رہنے لگے اور یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم تھا۔ سب کا ایک دین اور ایک ہی اسلام تھا۔ سب سے دل ایک ہی رخ پر مائل۔ اور یہ رخ خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت تھی۔

یہی قبائل ہیں جو آج سے بیس سال پہلے ایک دوسرے سے متنفر اور ایک دوسرے کے مال و آبرو کے دشمن تھے مگر اسلام کے جھنڈے تلے آتے ہی ان کے دل میں بت پرستی نجاست دور ہو گئی۔ خدائے دو جہاں کی پرستاری کا جذبہ ابھر آیا اور باہمی عناد اور گلے شکوے خت ہو گئے اور ایک دوسرے سے جنگ وجدل کی راہیں مسدود ہو گئیں۔ جس تلوار کی کاٹ کا امتحان اہل وطن کے حلقوم پر ہوتا اب سے دشمنان وطن اور اعدائے دین کی شہ رگ پر ہونے لگا تھا۔

مابقی مسیحان نجران کا قبول اسلام

نجران کے عیسائیوں میں ایک ہی قبیلہ (بنو حارث) تھا جس کی اکثریت حلقہ بگوش اسلام ہو چکی تھی۔ مگر ایک حصہ ابھی تک اپنے قدیم مسلک پر قائم تھا‘ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن ولیدؓ کو ان کی تلقین کے لیے مقرر فرمایا اور انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ حضرت خالدؓ نے ان کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور مدینہ بھیجا۔ جس کی تکریم وتواضع رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحسب عادت گرامی مروت وخندہ پیشانی کے ساتھ فرمائی۔

اور ابقی اہل یمن کا قبول اسلام

یمن میں بھی قبیلہ نخع ابھی تک اسلام سے بھاگ رہا تھا۔ انہیں غرور تھا کہ اسلام کا ظہور اس ملک (حجاز) میں ہوا ہے جو کل تک ان کا باج گزار تھا۔ اہل حجاز کا مذہب قبول کر لینا اہل یمن کے نزدیک خود کو حجاز کا باج گزار بنانے کے مترادف تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ایک سو مسلمانوں کا دستہ ان کیہمراہ کر کے یمن بھیجا۔ یہ لوگ بھیمقالہ پر اتر آئے مگر علی ابن ابی طالبؓ نے اپنی کم سنی کے باوجود انہیں بھگا دیا۔ وہ دوسری مرتبہ پھر سمت کر پلٹ پڑے اور صف بندی کر کے سامنا کیا۔ اس مرتبہ حضرت علیؓ نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ محصورین نے عاجز آ کر ہتھیار ڈالنے کے ساتھ اسلام بھی قبول کر لیا اور اپنے حسن عمل و خلوص سے اسلا کا بول بالا کر دکھایا۔ وہ لوگ بھی حضرت معاذؓ اور ان کے رفقا کی تعلیم و تلقین سے مستفید ہوئے۔ یہ آخری وفد تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا (اس وفد کا عنوان وفد نخع ہے زرارہ بن عمرو نخعی اس وفد میں شریک تھے)۔

حج اکبر کا اہتمام

جس موقع پر علی بن ابی طالبؓ یمن سے مراجعت فرمائے مکہ ہوے کا اہتمام کر رہے تھے اسی وقفہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج اکبر کے انصرام میں مشغول تھے۔ اس سال کے اکثر مہینے نکل چکے تھے ذی قعد کا بھی دوسرا پندرواڑہ شروع ہو چکا تھا۔ اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج اصغر یعنی عمرہ تو دو مرتبہ ادا فرما لیا تھا لیکن حج اکبر ادا کرنے کا شرف ابھی تک اتفاق نہ ہوا تھا یہ بھی پیش نظر تھا کہ خود تشریف لے جا کر مسلمانوں کو اعمال حج سے آگاہ فرمایا جائے۔

(آپ کے) اس عزم کا افشا ہوتے ہی یہ خبر تمام عرب میں پھیل گئی۔ صحرا کے بادیہ نشین پہاڑوں کی گھاٹیوں پر بسنے والے دیہات اور شہروں کے باشندے نزدیک و دور ہر طرف سے امنڈ کر مدینہ میں سمٹ آئے دینہ سے باہر خیموں کا نیا شہر آباد ہو گیا۔ ایک لاکھ بلکہ اور زیادہ تعداد

میں لوگ جمع ہو گئے جنہوں نے سلمانوں کی دعوت پر لبیک کہا تھا۔ یہی لوگ ہیں جو چند سال پہلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے مگر آج مودت واخوت کے صدقے میں باہم بھائیوں کا سا برتاؤ کر رہے تھے۔ ہزاروں نو وارد مسلمانوں کا مدینہ کی گلیوں میں مٹرگشت ہر بشر خندرو چہرے سے مسرت وخوشی آشکار جن کی باہمی محبت حق کی دادرسی اور نور اسلام کا پھیلاؤ کا باعث ہوئی اور باہم اس قدر متحد گویا کانھم بنیان مرصوص (۶۱:۴)

حج بیت اللہ کے لیے شدالرحال

ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۲۵ ماہ ذیقعد سنہ ۱۰ کے روز مدینہ سے حج بیت اللہ کے لیے شدالرحال فرمایا۔ تمام حرم مشایعت میں تھیں۔ سب سے آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری تھی امہات المومنینؓ اپنے اپنے ہودج میں تشریف فرما زائرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امہات المومنینؓ کے پیچھے پیچھے۔ ان کی تعداد ستر ہزار اور بروایت دیگر ایک لاکھ دس ہزار منقول ہے۔ مسلمانوں کے اس سفر کی محرک ان کی قوت ایمان تھی۔ خانہ خدا کی زیارت اور حج کی خوشی سے دل بلیوں اچھل رہے تھے ذوالحلیفہ (میقات اہل مدینہ......م) پر پہنچے اور شب بھر قیام فرمایا۔ دوسرے روز نبوت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مسلمانوں نے احرام حج باندھا۔ ایک تہ بند اور ایک چادر سب کی پوشاک یکساں اور یک رنگ۔ گویا مساوات کا ایک نادر روزگار نمونہ پیش کیا۔

تلبیہ حج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلوص قلب سے رب العالمین کی طرف مائل تھے زبان سے تکبیرات حج ادا فرمائیں اور مسلمان بھی آپ کے ہم آواز ہوئے۔

لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة

---

[1] وہ گویا ایک دیوار ہیں جس میں سیسہ پلا دیا گیا ہے۔

والشکر ک لبیک لبیک لا شریک شریک لک لبیک!

”خداوند ہم تیرے حضور میں حاضر ہیں دل و جان سے تیرا کوئی شریک نہیں تو ہی حمد کا سزاوار ہے عطائے نعمت تیرے ہی کرم پر منحصر ہے۔ اور تیرے ہی حضور شکر واجب ! اے خدائے وحدہ لا شریک ہم تیرے حضور حاضر ہیں“۔

اس آواز سے دشت وصحرا گونج اٹھے۔ موجودات کے ذرہ ذرہ نے مسلمانوں کے ساتھ ہم آہنگی سے خدائے واحد کی ربوبیت کا اعتراف کیا۔ مدینۃ الرسول اور بیت اللہ (مکہ) کی درمیانی راہوں میں زائرین کوسوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جہاں نماز کا وقت آ گیا سب مل کر حضور خداوندی میں سربسجود ہو گئے۔ تکبیر کی دل کش آواز سے اللہ کی اطاعت اور تشکر کا اظہار کیا۔ ہر شخص بے تابی کے ساتھ یوم حج کا منتظر کہ دیکھیں خانہ خدا کی زیارت کب نصیب ہوتی ہے۔ عرب کے دشت و جبل وادیاں اور نخلستان بھی اتنے بڑے مجمع پر حیران کہ آج تک اس نبی امی عبدہ و رسولہ کی سی بابرکت و پر بہار شخصیت دیکھنے میں نہیں آئی۔

حج عمرہ اور حل احرام

جب زائرین مقام سرف پر پہنچے جو مدینہ اور مکہ کے درمیانی راستہ پر واقع ہے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس زائر کے ہمراہ قربانی کا جانور نہ ہو اس کے لیے صرف عمرہ کی نیت کرنا چاہیے اور جن حضرات کے ساتھ ہدی (قربانی) موجود ہے ان کے لیے حج کی نیت واجب ہے۔

مکہ معظّمہ میں

زائرین ذوالحجہ کی چوتھی تاریخ کو مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے رفقاء نے زیارت کعبہ کے لیے سبقت فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام

مسلمانوں نے حجر اسود کو مس فرمانے کے بعد بوسہ دیا۔ کعبہ کے سات طواف میں پہلے چار تیز قدمی اور مابقی تین طواف معمولی رفتار سے کیے۔ یہاں سے فراغ کے بعد کوہ صفا پر تشریف لائے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کے بعد اعلان فرمایا کہ جس زائر کے ساتھ ہدی نہ ہو وہ احرام کھول دے۔ مگر بعض حضرات نے تامل کیا جس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خشمگیں ہو کر فرمایا:

ما امر کم فافعلوه

جو حکم میں دیتا ہوں تم پر اس کی تعمیل واجب ہے۔

اور برہمی کی حالت میں اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزاج گرامی کس بات پر مکدر رہوا؟ فرمایا

مالی لا اغضب وانا آمر امراً فلا یتبع

”مجھے کیوں غصہ نہ آئے؟ انہیں جو حکم دیتا ہوں اس کی تعمیل نہیں کی جاتی“۔

صحابہؓ میں سے ایک صاحب حاضر ہوئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خشمگیں پا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو ناراض کرنے والے کو خدا تعالیٰ دوزخ میں جھونک دے گا۔ فرمایا آپ نے محسوس نہیں کیا کہ جونہیں حکم دیا گیا ہے (یہ لوگ) اس کی تعمیل میں متامل ہیں اگر مجھے حج قرآن کی مشکلات کا اندازہ ہوتا تو میں ھدی کے جانور خرید کر ہمراہ نہ لاتا اور احرام کھول دیتا جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے۔

جب مسلمانوں کو آپ کی برہمی کا علم ہوا تو ایسے زائرین ندامت کے ساتھ احرام کھول دیے جن کے ہمراہ ھدی نہ تھیں۔ ازواج مطہراتؓ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہؓ نے بھی احرام کھول دیا ماسوائے ان حضرات کے جن کے ہمراہ قربانی کے جانور موجود تھے۔

حضرت علیؓ کی یمن سے مراجعت

اسی دوران میں جناب علیؑ یمن سے تشریف لے آئے اور جب انہوں نے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام حج زیب تن فرما رکھا ہے تو خود بھی اقتدائے رسول میں احرام حج باندھ لیا مگر جب فاطمہؑ کو احرام کے بغیر دیکھ کر (علیؑ نے) دریافت فرمایا تو سیدہؑ نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کی نیت کرنے کا حکم دے کر احرام اتار دینے کا ارشاد فرمایا ہے اس پر ہم نے احرام کھول دیے۔

جناب علیؑ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوئے اور یمن کے حالات عرض کیے یہ گفتگو ختم ہو جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ سے کعبہ کا طواف کرنے اور دوسرے مسلمانوں کی مانند احرام اتار دینے کا ارشاد فرمایا علی بن ابی طالبؑ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام باندھنے کے مواقع پر میں ان الفاظ میں نیت کر چکا ہوں۔

الھم انی اھل بما اھل بہ نبیک و عبدک ورسولک محمد

"یا اللہ میرا تلبیہ۲ انہی لفظوں میں ہے کہ جن سے تیرے نبی عبد اور رسول
(جناب) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ علیؑ کے ساتھ ان کی ھدی نہیں تو ان کے الفاظ کی وجہ سے علیؑ کو اپنی قربانیوں میں شریک فرما لیا ار جناب علیؑ بدستور محرم ہی رہے تا آں کہ مناسک حج کی تکمیل ہوئی۔

مناسک حج کی ابتدا

نویں ذوالحجہ (ترویہ) کے روز منیٰ میں اپنے خیمے کے اندر تشریف لے آئے۔ اس دن کے معمولات عبادت اداؤ فرمانے کے بعد شب کو خیمہ ہی میں قیام فرمایا۔ صبح ہوئی۔ نماز فکر ادا کی اور اافتاب نکل آنے کے بعد اپنی ناقہ (قصواء) پر سوار ہو کر میدان عرفات کا قصد فرمایا یہ ۹ ذوالحجہ ہی کا دن تھا۔ ایک لاکھ زائرین مشایعت میں ہیں عرفات نامی پہاڑی پر تشریف لائے تو سب مسلمان

گرد و پیش بکھرے ہوئے ہیں ان میں بعض تلبیہ پکار رہے ہیں بعض تکبیرات۔

۱؎ تلبیہ بمعنی لبیک لبیک......م

۲؎ ترویہ بمعنی کلمہ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر واللہ اکبر و للہ الحمد الحمد اور یہ کلمہ تین تین مرتبہ ایام حج میں آٹھویں ذوالحجہ کی نماز فجر سے لے کر ہر نماز کے بعد باآواز بلند بعد سلام فرض پڑھنا۔ تا بہ ماہ ذوالحجہ عصر تک۔ حاجی اور اہلی دونوں کے لیے ہم اور آپ بھی اپنے اپنے ہاں اسی طرح ترویہ کہیں گے......م

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلبیہ و تکبیر کہنے والوں میں سے کسی سے تعرض نہ فرمایا۔ عرفات کے شرقی سمت نمرہ نامی بستی میں آپ کی منشا کے مطابق خیمہ پہلے سے نصب تھا جس میں استراحت فرمائی۔ زوال شمس کے بعد ناقہ قصواء پر عرق گیر اور کاٹھی کسنے کا حک دیا۔ سوار ہو کر (میدان) عرفات کے وسط میں تشریف لائے اور سواری ہ پر بیٹھے ہوئے خطبہ باآواز بلند ارشاد فرمایا جس میں ہر جلہ کے بعد توقف فرماتے۔ اسی لمحے جناب ربیعہ بن امیہ (بن خلف) انہی الفاظ کا اعادہ (باآواز بلند) فرماتے۔

حج اکبر کا خطبہ

(حمد و ثنائے باری تعالیٰ کے بعد فرمایا)

یا ایھا الناس اسمعوا قولی فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا بھذا الموقف ابدا!

”اے لوگو! میں جو کچھ کہوں اسے غور سے سنو اور شاید آئندہ سال اور اس کے بعد پھر کبھی تم سے ملاقات نہ ہو سکے“۔

انسانی جان کی حرمت

یا ایھا الناس ان دمائک و امواکم علیکم حرام الی ان تلقوا ربکم کحرمة یومکم ھذا و کحرمة شھر کم ھذا

’’اے لوگو! تم پر ایک دوسرے کی جان و مال تا قیامت حرام ہیں جس طرح آج کے دن اور اس مہینہ ذوالحجہ میں ایک دوسرے کی بے حرمتی نہیں کرتے‘‘۔

ادائے امانت

فمن کانت عندہ امانة فلیئو دھا الی من ائتمنه علیھا

’’جس کسی کے پاس دوسرے کی امانت جمع ہو اس کے مالک کو لوٹا دی جائے‘‘

سود کی حرمت

وان کل رباھو موضوع ولکن لکم روس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون قضی اللہ انه لا ربا

’’آج سے ہر قسم کا سود ختم کیا جاتا ہے راس المال کے سوا نہ تم ایک دوسرے پر ظلم کرو نہ قیامت کے دن تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے گا۔ خدا تعالیٰ ہی نے سود کو ممنوع فرما دیا ہے‘‘۔

وان ربا عباس بن مطلب موضوع کله

’’عباس کا جو دوسروں کے ذمہ واجب الادا ہے اسے موقوف کیا جاتا ہے‘‘۔

جاہلیت کے قتل وجراحات پر خط تنسیخ

وان کل دم کان فی الجاهلیة موضوع و ان اول دمائکم اضع دم ابن ربیعه الحارث بن عبدالمطلب

”جاہلیت کے مقتولین کا قصاص ودیت دونوں کالعدم قرار دی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے میں بنو ہاشم کے (طفل) ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے فرزند کا بدلہ اور دیت معاف کرتا ہوں“۔

عمل صالح جزو ایمان ہیں

اما بعد ایها الناس کان الشیطان قد ئیس من ان یعبد بارضکم هذا ولکنه ان یطمع فیها سوی ذلک فقد رضی به مما تحقرون من اعمالکم فاحذروه علی دینکم

”غور سے سنیے کہ اب عرب میں شیطان کی پرستش نہ کی جائے گی لیکن اس کی پرستاری کی بجائے اگر شیطان کی صرف اطاعت ہ کی گئی تب بھی وہ بہت خوش ہوگا۔ اسی لیے دینی امور میں شیطانی وساوس کو اپنے قریب نہ آنے دو“۔

مذہب میں خارجی رسوم کا دخل منع ہے

ایها الناس ان النسی ذیادةفی الکفر یضل به الذین کفروا یحلونه عاما ویحرمونه عاما لیو اطئوا عدة ما حرم الله فیحلو ا ما حرم الله ویحرمو ا ما احل الله

”اے لوگو ادب والے مہینوں کا غیر ادب والے دنوں سے ادل بدل کر دینا کفر ہے۔ جس میں مومن آلودہ نہیں ہوسکتا مگر کافر کا اس سے بچنا محال

ہے۔ جو اس سال ان چار مہینوں یں ایک مہینہ آئندہ سال کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں اور آنے والے سال میں اسے بدستور اپنے محل پر رکھتے ہیں۔ یہ بھی خدا کی طرف سے حرام کردہ امور کو حلال کر لینا اور حلال شدہ امور کو حرام کر لینا ہے[1]"۔

وان الزمان قد استدار كهية يو م خلق السموات والارض وان عدة الشهور عندا لله اثنا عشر شهرا منها اربعه حرم ثلاثه متو الية ورجب مفرد الذى بين جمادى و شعبان

"(اور دیکھو!) جب خدا نے ابتدا میں آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا زمانہ پھر پھرا کر آج پھر اسی نقطہ پر آ گیا ہے چار ادب والے مہینے ہیں یعنی تین متواتر ہیں (از ذی قعدہ تا بہ محرم اور ایک مفرد یعنی رجب کہ جمادی اولیٰ و آخریٰ اور شعبان دونوں کا درمیانی مہینہ ہے)

شوہر و زوجہ کے باہمی حقوق کا تحفظ

اما بعد ايها الناس فان لكم على نسائكم حقا وان لهن عليكم حقا لكم عليكم الا يوطئن فرشكم احدا تكر هونه

"اس کے بعد مجھے بتانا ہے کہ زن و شوہر دونوں ایک دوسرے کے سامنے جواب دہ ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ کسی عورت کے لیے غیر مرد کو اپنے قریب کرنے کا حق نہیں ورنہ شوہر کے تن بدن میں آگ لگ جائے گی"۔

---

[1] رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اشارہ سورہ توبہ ک آیت انما النسی زیادۃ فی الکفر یضل بہ الذین کفروا یحلونہ عاما و یحرمونہ عاما لیواطئو ا عدۃ اما حرا اللہ فیحلو ما حرم اللہ (۹:۳۷) کی طرف ہے۔

اگر بیویاں فحش کا ارتکاب کر بیٹھیں

وعلیھن الا یا تین بفاحشه مبینه فان فعلن فان الله قد اذن لکم ان تھجرو ھن فی المضاجع و تضربوھن ضربا غیر مبرح

”اور یہ کہ عورتوں کو بے حیائی کے ارتکاب سے مطلقاً کنارہ کش رہنا چاہیے۔ اگر ان سے یہ قصور ہو جائے تو ان کے شوہر انہیں بدنی سزا دے سکتے ہیں مگر وہ سزا ضرب شدید کی حد کے قریب نہ پہنچ جائے“۔

فان انتھن فلھن رزقھن و کسوتھن بالمعرو فاستر ضوا بالنساء خیرا فانھم عندکم عوان لا یملکن لا نفسھن شیئا وانکم انما اخذ تمو ھن بامانه الله واستحللتم فروجھن بکلمات الله

”اگر عورتیں ایسا لاابالی پن چھوڑ دیں تو عام دستور کے مطابق ان کے خورد ونوش اور ان کے لباس کا پورا لحاظ رکھو اور ان کے معاملہ میں حسن سلوک سے ہاتھ نہ کھینچو۔ وہ تمہارے نکاح میں آجانے سے تمہاری پابند ہو جاتی ہیں اور (ان معنوں میں) اپنے نفس کی مالک نہیں رہتیں لیکن تم بھی خیال رکھو کہ آخر کلمہ ایجاب وقبول کے ساتھ ہی تو تم نے اللہ کی اس امانت کو اپنی تحویل میں لیا ہے اور انہی کلمات کے ساتھ انہیں خود پر حلال کیا ہے۔

فاعقلوا ایھا الناس قولی فانی قد بلغت وقد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم به فن تضلو ا ابدا امر بینا کتاب الله وسنة رسولة

”(اے لوگو) غور سے سنو جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں اس کی تبین کے لیے جو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے تو کبھی ٹھوکر نہ کھاؤ گے وہ چیز بجائے خود نہایت واضح ہے اور وہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے“۔

ايهاالناس اسمعوا قوى واقعلو ه تعلمن ان كل مسلم اخ للمسلم وان المسلمين اخوة فلا يحل لا مرى ن اخيه الا ما اعطاء عن طيب نفس منه فلا تظلمن انفسكم انفسكم

’’اے لوگو میری بات گوش ہوش سے سنو ہر مسلمان دورے مسلمان کا بھائی ہے اور اس رشتہ کی وج سے کسی مسلمان کو دوسرے مسلمانبھائی پر اس کی اجازت کے بغیر تصرف روا نہیں۔ ورنہ یہ ایک دوسرے پر ظلم ہو جائے گا‘‘۔

اللهم هل بلغت

’’خداوندا تو سن رہا ہے کہ میں نے اپنا یہ فرض بھی ادا کر دیا‘‘۔

نیابت خطبہ

(خطبہ میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جملہ پر توقف فرماتے اور س وقفہ کی تکرار باآواز بلند ربیعہ کرتے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ربیعہ کو تاکید فرمادی کہ حاضرین کو ان کے طاب ذہن میں رکھنے کی تاکید فرمادیں۔ بعض جملوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربیعہ سے فرماتے ہیں کہ وہ حاضرین سے اس کا جواب بھی طلب کریں مثلاً

سوال: ھل تدرون ای یوم ھذا؟

تم لوگ جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟

جواب: یوم الحج الاکبر

یہ حج اکبر کا روز ہے۔

حاضرین کے اس جواب پر فرمایا

ان الله قد حرم عليكم دمائكم واموالكم الى ان تلقوا ربكم كحرمة يومكم هذا

> ”اے لوگوت پر ایک دوسرے کی جان اور اسی طرح مال ہر ایک تا بہ قیات حرام ہے جیسا کہ آج کے دن اور اس مہینہ میں تم کسی قسم کی بے حرمتی نہیں کر سکتے“۔

اس جملہ کے بعد فرمایا ”اللھم بلغت“ (خداوند تو سن رہا ہے کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا) اور ہر طرف آوازیں بلند ہوئیں اللھم اشد (یا اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا فرض ادا فرما دیا)

تکمیل دین کی بشارت

ارشاد خطبہ کے بعد قصوا ناقہ سے اتر کر زمین پر فروکش ہوئے تھوڑی دور پا پیارہ چلنے کے بعد ظہر وعصر دونوں اوقات نماز درصورت جمع عرفہ میں ہی ادا فرمائی۔ پھر ناقہ پر سوار ہوئے اور مقام صخرات میں نزول اجلال فرمایا جہاں یہ آیت تکمیل دین نازل ہوئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (۵:۳)

> ”آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نصیحت پر تم پر پوری کر دی اور تمہارے لے پسند کر لیا کہ دین اسلام ہو“۔

آیہ تکمیل دین پر حضرت ابوبکر کا گریہ

جناب صدیق ابوبکرؓ تکمیل دین واتمام رسالت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے وفات یاب ہونے کا مترادف سمجھ کر گریہ فرمانے لگے۔

حج کے بقیہ اعمال کی تکمیل

ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفات سے مراجعت فرمائے مکہ معظّمہ سے ہوتے ہوء سرراہ مقام مزدلفہ میں منزل فرمائی۔ یہ شب بسر فرمانے کے بعد ادائے نماز فجر اور طلوع آفتاب

کے درمیان جہاں سے شدالرحال فرمایا اور اس راہ میں جمرہ پر رمی فرماتے ہوئے منیٰ میں اپنے خیمہ میں فروکش ہوئے۔

ذبیحہ قربانی

اور ذرا وقفہ کے بعد (دسویں تاریخ ہی کو) من جملہ ایک سو شتر کے جو مدینہ سے قربانی کے لیے ہمراہ لائے تھے تریسٹھ اونٹ اپنی طرف سے اپنے سن مبارک کے ہر سال کے عوض میں ایک ایک کے حساب سے قربانی میں ذبح کے اور مابقی سینتیس شتر حضرت علیؑ نے ذبح کیے جس کے بعد مناسک حج کا آخری عمل موئے سر منڈانا رہ گیا اس سے فارغ ہو کر احرام کھول دیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حج وک تین مختلف عنوان سے موسوم کیا گیا:

(الف) حج الوداع: بمعنی مکہ معظّمہ اور بیت اللہ کے آخری زیارت کی وجہ سے۔

(ب) حج البلاغ: بمعنی اللہ کی جانب سے اس کے احکام کے آخری ابلاغ کی بنا پر۔

(ج) حج اسلام: بمعنی اس حج میں تکمیل دین کی بشارت بمطابق آیہ ۵:۳ کے باعث یعنی الیوم اکملت لکم دینکم الخ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خداوند عالم کی جانب سے مبشر و منذر دونوں حیثیات سے مبعوث ہوئے تھے۔

* * *

باب ۳۰

از علالت تا بہ ارتحال

تکمیل مناسک کے بعد یہ لاکھوں زائرین اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹنا شروع ہوئے۔ ساکنان حضرت موت و یمن نے اپنے وطن کی راہ لی۔ یاران نجد اپنے ملک کی طرف گامزن ہوئے۔ تہامہ میں بسنے والے اپنے دیس کی ڈگر پر چل دیے اور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے مدنی رفقاء کی مشایعت میں مدینہ کی جانب مراجعت فرما ہوئے۔ یہاں پہنچ کر محسوس ہوا کہ اب سے جزیرہ نمائے عرب میں مسلمانوں کے لیے کوئی خطرہ نہیں تاہم عرب کے نواحی ممالک روم و ایران و شام و مصر و عراق کی طرف سے ریشہ دوانی کا خدشہ باقی ہے۔

اہل عرب کا یہ معاملہ ظاہر ہے کہ ملک کے اطراف و اکناف میں بسنے والے فوج در فوج دین میں شامل ہو چکے تھے۔ وفود پے بہ پے مدینہ حاضر ہوتے اور اپنے قبول اسلام کا وثیقہ پیش کر کے علم اسلام کے سائے میں رہنے کی سعادت حاصل کرتے یہ لوگ حجۃ الوداع میں بھی شریک تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وفود کے سداروں کی ان کے قبائل کی سیادت میں ردوبدل نہ فرمایا۔ جیسا کہ بدھان ہے جو مملکت ایران کی طرف سے یمن کا گورنر تھا۔ جب اس نے اسلام قبول کر کے عرب کی وحدت کو قائم رکھا اور آتش کدہ پر پانی پھیر دیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بدھان کو اس کے سابقہ نصب پر فائز رکھنے میں ادنیٰ سا تامل بھی نہ فرمایا۔ بلاشبہ ابھی تک خال خال ایسے بے مایہ اشرار کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ آپ کی سلطانی ملک بھر سے خراج وصول کر چکی تھی۔ عرب کے پشینی بت پرستوں نے اصنام کی بندگی کی طرف سے منہ موڑ کے خدائے حی و قیوم کے حضور سر نیاز جھکا دیا تھا اور ان کے دلوں میں اللہ الواحد القہار پر یقین وادغان بس چکا تھا۔

مدعیان نبوت کاذبہ

یہی وجہ ہے کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مدعی نبوت کو درخود اعتنا نہ سمجھا ۔ ایسے دعویداروں کی بودوباش بھی مدینہ منور سے بہت دور تھی ۔ ان کے ادعا کہ وجہ یہ تھی کہ جونہی انہوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا چرچا سنا تھا اپنی نبوب کا سوانگ رشچا کر نمودار ہوگئے ان مدعیان نبوت کی قبولیت کا دائرہ ان کے قبیلہ سے متجاوز نہ ہوسکا ۔ ان کے دماغوں میں یہ سوادکھول رہا تھا کہ جس طرح قریش مکہ نے اپنے قبیلہ کے پیغمبر کی وجہ سے تمام عرب میں نام پیدا کرلیا ہے وہ بھی اپنے نبی کے جلو میں لک کے اندر شہرت حاصل کرلیں ۔

نبوت کے ایسے مدعی اوران کے قبیلہ دار اسلا کے مولد (مکہ) سے بعد مسافت کی بنا پر دین اوراس کی شہرت سے بے بہرہ تھے ۔ انہیں یہ احساس نہ ہوسکا کہ اسلا جوتما ملک میں مقبول ہو چکا ہے اس کا مقابلہ کرنا آسان نہیں ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس راہ میں جو صعوبتیں برداشت کیں ان کے چرچے ملک کے گھر گھر میں ہونے لگے اوران مدعیان نبوت کاذبہ کے ذہن میں یہ بات نہ آسکی کہ ایسے مصائب اورسختیوں کا تحمل پسر عبداللہؐ کے سوا کسی کے بد کی بات نہیں خصوصاً وہ بدنصیب جن کے اس دعویٰ کی بنیاد افترا و بہتان محض پر ہو انہیں کیوں کرفروغ حاصل ہوسکتا ہے ۔

طلیحہ (مدعی نبوت)

قبیل بنو اس کا سردار عرب بھر میں مشہور جنگ آزمودہ دلاور اور اپنے صوبہ (نجد) میں صاحب اقتدار و سیاست ۔ بدنصیب اپنے نبیہو نے کے وہم میں مبتلا ہو گیا جس پر مندرجہ ذیل اتفاقی حادثہ نے طلیحہ کو اور بھی بہوت کردیا ۔ ہوا یہ کہ ہو اپنی قوم کے ہمراہ سفر میں تھا کہ راستے میں پان نہ ملنے کی وجہ سے سب کی جان لبوں پر آ گئی طلیحہ نے کہا کہ ذرا ہی دور پانی مل جائے گا اور اتفاق سے ایسا ہی ہوا جسے طلیحہ نے اپنی نبوت کا کرشمہ قرار دے کر اس پر تحدی سے قاء ہوگیا ۔

طلیحہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں مسلمانوں کیطرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہ تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد وہ ان کے منہ لگنے سے باز نہ رہ سکا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کی سرکوبی کے لیے خالد بن ولیدؓ کو بھیجا طلیحہ کو شکست کھا جانے کے بعد اس پر اسلام کی عظمت واشگاف ہوگئی۔ طلیحہ دل وجان سے اسلام کا مطیع ومنقاد ہوگیا۔ اور اس پر اسی کا خاتمہ ہوا۔

مسیلمہ اور اسود عنسی (مدعیان نبوت)

یہ دونوں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد حیات میں اپنی اپنی نبوت کی بڑ ہانکتے رہے مسیلمہ نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اپنا سفیر بھیجنے یں بھی کوتاہی نہ کی' جس کے ذریعے یہ خط بھیجا:

من مسیلمه رسول الله الی محمد رسول الله ما بعد فانی قد اشرکت فی الامر معک وان لنا نصف الامر والقریش نصف الامر ولیس قریش قوما یعدلون

> ”یہ خط اللہ کے رسول مسیلمہ کی جانب سے محمد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے مشتمل بر آنکہ میں اور آپ دونوں امر رسالت میں نصف نصف کے شریک ہیں اگرچہ قریش کی ذات سے عدل کی توقع نہیں کی جا سکتی“۔

(خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے)

بسم الله الرحمن الرحیم من محمد رسول الله الی مسیلمة الکذاب والسلام علی من اتبع الهدیٰ اما بعد فان الارض لله یورثها من یشاء من عباده و العاقبه للمتقین

> ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ گرامی نامہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

طرف سے ہے جو اللہ کے رسول ہیں بنام مسیلمہ کذاب سلامتی کا مستحق وہ شخص ہے جو صداقت کا پیرو ہو اور مک سب اللہ کا ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ انجام بخیر پرہیز گاری پر ہے''۔

مسیلمہ کے دو قاصد تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر سفیروں کا قتل روا ہوتا تو میں انہیں زندہ نہ چھوڑتا۔

اسود عنسی کا حشر

صنعائے یمن کا جادوگر جو بدھان گورنر یمن کی وفات کے بعد اس صوبہ پر مسلط ہو گیا تھا اور جادوگری می ترقی کرتے کرتے اپنی نبوت کے وہم میں گرفتار ہو کر درپردہ اس کا پرچار شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ اسود عنسی نے اپنے ارد گرد ایسے سر پھروں کی کثیر تعداد جمع کر لی کہ جسے ہمراہ لے کر وہ جنوب کی سمت بڑھا اور یہاں کے مسلمان تحصیلداروں کو بھگا کر اس نے نجران کا رخ کر لیا۔ یمن کے مسلمان گورنر بازن کیی وفات کے بعد اس کے صاحبزادے (شہر: اصابہ) اپنے باپ کے منصب پر فائز تھے اور اس وقت وہ نجران میں موجود تھے۔ اسود نے انہیں شہید کر دیا اور ان کی بیوی کو اپنے حرم میں داخل کر کے ہمراہ لے گیا۔

اسود یہ سب کچھ کرتا رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاملہ کو زیادہ اہمیت نہ دی کہ یمن کے عمال حکومت کی طرف سے اس کی گرفتاری یا قتل دونوں میں سے جو موقع آ جائے کا فرمان بھیج دیا لیکن اس مہم سے قبل ہی باذان کے فرزند کی معصوبہ بیوی نے اسود کو قتل کر کے اس کا قصہ پاک کر دیا۔

از روئے قصاص مسیحی سلطنت روم کا تختہ الٹنے کی فکر

جب ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج الوداع سے مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے تب

جنوب کی طرف سے اسلام کے خلاف کسی قسم کی چیری دستی کا اندیشہ نہ تھا کہ اس کے آخری خط تک ہر شخص مسلمان ہو چکا تھا۔ لیکن عرب کا شمالی حصہ یعنی شام اور روم جن میں ابھی تک عیسائی سلطنت کا طبل انا ولا غیری بجتا تھا ان کی طرف سے ہر وقت دغدغہ تھا کہ مبادا سر اٹھا لیں اور موتہ کی طرح پھر مسلمانوں کو نرغے میں لے لیں۔ مسیحان روم و شام کے ذمہ ان کے مسلمانوں کا قصاس بھی تھا۔ ان ے ہاتھ سے حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت جعفر طیارؓ قتل ہوئے۔ خدا خدا کر کے خالد بن ولیدؓ کی جنگی تدبیر سے مسلمان عیسائیوں کے نرغیسے نکل کر واپس لوٹ آئے۔

جنگ موتہ کے موقعہ رپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان مسیحی دشمنان اسلام سے یہ خطرہ بھی نہ تھا کہ مبادا عرب کے جلاوطن نصاریٰ جو فلسطین میں جا کر آباد ہو گئے ہیں اپنے یاران طریقت کے ساتھ ساز باز کر کے دوبارہ اپے وطن لوٹنے کی حرص میں مبتلا ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج سے قبل (تبوک کے موقعہ پر) جونہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا کہ روم کے عیسائی سمانوں پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں اپنے ہمراہ لشکر جرار لے کر تبوک کی طرف بڑھے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ مسمانوں کی ہیبت سے گھبرا کر خود بخود واپس ہو گئے ہیں بایں ہمہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مستقبل سے غافل نہ تھے کہ رومی نصاریٰ مسلمانوں کے خلاف ہر وقت آمادہ پیکار ہو سکتے ہیں جن کے ہم مشربوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں بارہا مصیبتیں اٹھائیں ایک گروہ کو ان کی ہیبت سے مرعوب ہو کر تبوک سے اپنی فوجوں کو لوٹانا پڑا اور دوسرے طائفہ کو مسلمانوں ہی کی وجہ سے نجران چھوڑنا پڑا۔ اسی طرح عرب کے دوسرے حصوں سے عیسائیوں کے متعدد قبیلے جلاوطن ہوئے۔

جیش اسامہ بن زیدؓ

آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان پیش بندیوں کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی حجۃ الوداع سے مراجعت کے بعد (قیا مدینہ کا) زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام پر چڑھائی کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ فوج جمع ہونے کا حک جاری فرمایا جسمیں مہاجرین اول

تھے ان میں جناب ابوبکر و حضرت عمرؓ جیسے سر برآوردہ روزگار بطور عسکری مگر لشکر کی سپہ سالاری اسامہ بن زیدؓ کو عطا ہوئی جن کا سن ابھی پچیس برس سے متجاوز نہ ہوا تھا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر مسلمانوں کا دل سے ایمان نہ ہوتا تو مہاجرین سابقین اور دوسرے ممتاز صحابہ کا اسامہؓ جیسے نوعمر کی سیادت کیوں کر گوارا ہوسکتی اسامہؓ کے تقرر میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک دو امر محرک تھے۔

(الف) اسامہؓ کو ان کے والد شہید زید بن حارثہؓ کا نائب بنانا تھا جو انہی نصاریٰ کے ہاتھوں اسی مقام میں قتل ہوئے تاکہ اسامہ کو ان کے والد کی شہادت کے صلہ میں نصرت کا فخر حاصل ہوسکے۔

(ب) ریاست کے مہمات پر نوجوانوں کو متعین کر کے انہیں مصائب کے برداشت اور خطرات کا مقابلہ کرنے کا خوگر بنانا۔

نوجوان سپہ سالار کے لیے ہدایات

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوجوان سپہ سالار اسامہؓ کو تاکید فرما دی کہ فوج و پیادہ ارض فلسطین کے اس نقطہ پر لے جائیں جہاں بلقاء و روم کی حدیں ملتی ہیں وہاں مورچہ بندی کیجیے اور اس مقام کے قریب جہاں دشمنوں نے ان کے والد کو قتل کیا تھا اور یہ کہ خدا کے ان دشمنوں اور اپنے اعدا کو صبح کی تاریکی میں گھیر لیا جائے۔ اگر ضرورت پڑے تو ان کو آگ میں جھونکنے میں بھی کوتاہی نہ کیجیے اور اس اندازہ سے حملہ کیجیے کہ جس سے دشمن کو کانوں کان تک خبر نہ ہو اور یہ کہ فتح ہونے کے بعد وہاں پر پڑے رہنے کی بجائے نصرت اور غنیمت کی بشارت کے ساتھ مدینہ واپس لوٹنے میں سبقت کی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اچانک علالت اور جیش اسامہ کا التواء

حضرت اسامہؓ نے لشکر کی کمان سنبھالی۔ مدینہ سے باہر مقام جرف پر فوجوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شدید علالت کی اطلاع پہنچی جس سے روانگی میں تعویق پیدا ہوئی سوال یہ ہے کہ جس لشکر کی روانگی کا حکم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شدومد کے ساتھ فرمایا ہو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیمار پڑ جانے کی وجہ سے تعویق یوں گوارا کر لی گئی۔

بات یہ تھی کہ شام کا طویل سفر اور جس میں دشوار گزار صحرا کو عبور کرنا ناگریز تھا اور قدم قدم پر ہلاکت کا خطرہ درپیش ادھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شدید علالت اور ایسی گرانمایہ ہستی جو ہر مسلمان کے نزدیک اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو مسلمانوں کے لیے آسان نہ تھا کہ ایسی حالات میں مدینہ چھوڑ دیں جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی نازک حالت میں مبتلا ہوں جس کے الم ناک انجام کا پہلو نمایاں نظر آ رہا تھا اور اس سے قبل اب تک رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف دو مرتبہ علیل ہوئے تھے۔

(الف) سنہ ٦ ھ میں بھوک کی شدت سے گھبرا کر طبیعت ناساز ہو گئی تھی جسے بعض مسلمانوں نے یہود کی طرف سے جادو پر محمول کر دیا۔

(ب) خیبر میں یہودی عورت کی طرف سے گوشت میں زہر ہی کی وجہ سے جس کے مدوار کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پچھنے لگوانے پڑے۔

مزید برآں یہ کہ آپ کے طرز معاشرت اور دوسروں کی تربیت صحت سے اندازہ کیا جا سکتا ہیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات گرامی اور اپنے پیروؤں کو امراض و علالت سے بچانے کے لیے کیا تعلیم فرماتے تقلیل غذا لباس و طرز بود و باش میں سادگی معمولات زندگی کے ہر شعبہ میں بیش نظافت اور ستھرے پن کا اہتمام ہر نماز کے وضو کی فرضیت حتیٰ کہ اگر امت پر بار کا خطرہ نہ ہوتا تو شاید پنج وقتہ وضو کے لیے مسواک کا فرض ہو جانا جو منہ کی نظافت اور دانتوں کی صحت کے لیے صفائی کی پوری طرح ضامن ہے کا امکان بھی تھا۔ یوں عبادت اور زدگی کے ہر تعم میں

میانہ روی مقدم تصور فرماتے ہر شے کا لطف حاصل کرنے سے پہلے اس کی نظافت اور اس نعمت سے حاصل ہونے والی صحت کے نتیجہ میں خیال رکھتے۔ خواہشات نفس پامال کرتے ہوئے زندگی اور کائنات کے ساتھ یہ ارتباط جس شخص میں ایسی صفات موجود ہوں ایسے اجسا گرامی تندرست اور علالت سے محفوظ کیوں نہ رہیں پھر اگر ان جیسے حضرات کے اجسام طبعا تنومند اور ان کے اعضاء جوارح پیدائشی طور پر قوی بھی ہوں تو بیماری ان سے از خود بھاگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے سلیم الفطرت اور قوی الجثہ وجود گرای کو مرض نے اس طرح گھیر لیا کہ تشخیص مرض محال ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست داروں صحابہؓ کا اس حد تک متاثر ہونا محال نہ تھا۔

انہی صحابہؓ کے سامنے آپ نے مسلسل بیس سال تک کیسے کیسے جان کاہ مصائب کا مقابلہ فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے یہی تو کہا تھا کہ جن بتوں کی پرستش کے لیے تمہارے پاس صرف یہ دلیل ہے کہ تمہارے آباء بھی ان کی پوجا کرتے تھے ان سے منہ موڑ کے خدائے وحدہ لاشریک کی پرستاری کرو۔ آہ اس سیدھی اور بدیہی بات پر اہل مکہ نے وہ ظلم برپا کے کہ جن سے گھبرا کر آپ نے اپنے دوستوں کو وطن سے کالے کوسوں دور حبشہ چلے جانے کا حکم دیا۔ یہی نہیں بلکہ قریش مکہ کے دست تظلم نے آپ کو مسلسل تین برس تک شعب ابوطالب میں دھکیل دیا ستم بالائے ستم یہ کہ انہی قریش کے مظالم سے تنگ آ کر بیعت عقبہ کی تکمیل کی امید میں یثرب منتقل ہو جانے کے لیے مجبور ہو گئے جس کا سفر ایسے پر خطر اور اتنے ہولناک موسم میں ہوا کہ جب قدم قدم پر تپش سے ہلاکت کا خطرہ اور عقب سے قریش کی دوش کا خوف تھا۔ پھر یہ نہیں معلوم کہ یثرب جا کر کیا پیش آئے جہاں یہود جیسے ہزار شیوہ سرمایہ دار چھائے ہوئے ہیں۔

اور جب مدینہ میں اقامت گزیں ہونے کے بعد (نصرت الٰہی سے) قبائل عرب جوق در جوق مسلمان ہونا شروع ہو گئے تو جن نو واردان اسلام میں ابھی چند ہی ایسے بہادر تھے کہ جن کی ہمت اور دلاوری پر بھروسا کیا جا سکتا لیکن مقابلہ جتھی بند قریش اور ان کے ازلی بھگت

جنہوں نے ایک ایک سال میں کئی کئی مرتبہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے شعلے بھڑکائے۔ ان لڑائیوں میں بعض غزوات پر ایسے روح فرسا حوادث سے دوچار ہونا پڑا کہ اگر یہی صدمات کسی نوجوان پر وارد ہوں تو اسے بوڑھا کردیں۔

غزوہ احد ہی کے تو برتو صدمات پر نظر ڈالیے جس میں ایک دفعہ پر مسلمانوں کے قدم ہی اکھڑ گئے تھے اور خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی سے پہاڑ پر پناہ لینے پر مجبور ہوگئے مگر حملہ آور قریش نے یہاں بھی تعاقب نہ چھوڑا۔ آہ دشمنوں کے پتھراؤ کے سامنے کے دو دانت اسی حادثہ میں شہید ہوئے۔

وہ غزوہ حنین کی ہولناکی الامان والحفیظ ہنوز پوری طرح صبح نہ چھٹکی تھی کہ دشمن نے تیروں کی بوچھاڑ کردی جس کی تاب نہ لاکر مسلمان بھاگ نکلے۔ یہ منظر دیکھ کر ابوسفیان جیسے معرکہ آزمودہ مدبر نے کہا ان کے طور طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سمندر سے ادھر نہیں رک سکتے۔

ایسے نازک موقع پر بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثبات واستقلال کا یہ عالم کہ اپنے قدموں سیسر مو پیچھے نہ ہٹنے دیا اور اپنے پیرووٴں کو بار بار پکارتے رہے کہ اے تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟ میں موجود ہوں۔ جس پر مسلمان میدان میں واپس لوٹ آئے اور بالآخر فتح یاب ہوئے!

بار نبوت کے شدائد

ان ظاہری مصائب کے ماسوا وحی ونبوت کا دشوار ترین سلسلہ جس کا ایک حلقہ کائنات اور اس کے اسرار سے منسلک اور (سلسلہ وحی نبوت کا) آخری حلقہ ملائے اعلیٰ سے پیوست اضداد کے نبھانے کی دشواریاں جس پر نبوت مآب ہی نے فرمایا:

شیبنی ھود و اخواتھا ے ا

”مجھے تو سورہ ہود اور اس کے نظائر نے قبل از وقت بوڑھا کردیا“۔

یہ حوادث ایک ایک کرکے مسلمانوں کی نظر سے بھی گزرتے رہے مگر کبھی کسی نے رسول خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمت وثبات میں لغزش نہ دیکھی نہ ان میں سے کسی حادثہ کی وجہ سے آپ پر کسی مرض کا اچانک حملہ ہوا۔ مگر جب تمام شدائد گزر جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب فراش ہوئے تو اس علالت پر آپ کے پیروؤں اور دوست داروں کا اس حد تک متاثر ہونا محال قرار دیا جائے کہ جس لشکر کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے ارشاد پر شام کی طرف جانے کے لیے رخصت کیا جائے اور جب وہ لشکر مدینہ سے چند میل کی مسافت مقام جرف پر پہنچے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اچانک اور شدید ترین علالت کی خبر سن کر اس لے رانگی میں تعویق کر دے کہ اب ذات کبریا کی طرف سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

علالت کی شب اول میں گورستان جنت البقیع میں تشریف آوری

علالت کی پہلی شب میں عجیب اتفاق پیش آیا۔ شدت مرض سے دماغ ماؤف ہو گیا اور آنکھوں سے نیند غائب ہوگئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ اس پر بادنسیم کے خوشگوار جھونکے شہر سے باہر کھلے

---

[1] اس پوری حدیث یں سورہ ہود کے ساتھ سورہ الحاقہ و واقعہ وعم یستاعلون ارھل اتاک حدیث الغاشیہ بھی ہیں اس حدیث میں لفظ شیب بڑھاپا کی شرح میں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سبب شیبۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من ھذا السورۃ المذکورہ فی الحدیث لما فیھا من ذکر القیامۃ والبعث والجنۃ والحساب والنار (تفسیر خازن در ضمن سورہ ہود) یہ کہ ان سورتوں میں حشر ونشر اور حساب وبہشت اور دوزخ کا مذکور ہونے کی وجہ سے ایسا فرمایا ……م۔

یدان میں تشریف آوری کا رجحان بڑھ گیا۔ اپنے خدمت گار ابومویہبہ کو شایعت میں لے کر دولت کدہ سے باہر تشریف لائے۔ معلوم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس جانب کا رخ فرمایا: گورستان بقیع میں تشریف لائے جو شہر (سے باہر) مسلمانوں کی آخری آرام گاہ ہے۔ جس کے وسط میں آ کر اہل قبور سے ان لفظوں میں خطاب فرمایا:

السلام علیکم یا اهل المقابر لمهنی لکم ما اصبحتم فیه ممااصبح الناس فیها اقبلت الفتن کقطع اللیل امظلم یتبع آخڑها اولها ولآخرة شر من الاولی

”اے اصحاب قبور تم پر سلامتی ہو جو بھی تمہاری حالت ہے اس پر خوش رہنے سے جی نہ چراؤ۔ یہ سب کے ساتھ یکساں ہے۔“

”دیکھو فتنے اس طرح تو بہ تو چلے آ رہے ہیں جیسے اندھیری رات میں تاریکی کے پردے۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا جن میں ہر دوسرا پردہ اپنے پہلے سے زیادہ خوفناک ہے“۔

اس روایت میں (جناب) ابومویہبہ (غلام) نے بھی فرمایا کہ جب وہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشایعت میں) بقیع کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا:

انی امرت ان استغفر لا هل هذا البقیع فانطلق معی

”بقیع میں مدفون موتی کے لیے مجھے دعائے مغفرت پیش کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے اے ابویہبہ تم بھی میرے ہمراہ گورستان تک چلو“۔

اور جب اس دعا کے فارغ ہوئے تب ابومویہبہ سے فرمایا:

انی قد اوتیت مفاتیح خزائن الدنیا والخلد فیها ثم الجنة فخیرت بین ذالک ولقاء ربی والجنة

”اللہ نے مجھے دنیا کے خزانے اور زندگانی جاوید ہر وہ یا ان کے مقابلہ میں جنت! کسی ایک پہلو کے پسند کرنے کا اختیار فرمایا مگر میں نے اس دنیا

کے خزانوں اور دائمی حکات کے مقابلہ میں اپنے رب کی ملاقات اور جنت پر اکتفا کر لیا ہے‘‘۔

جس شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گورستان بقیع میں موتی کے لیے دعافرمائی اس شب کی صبح کو مرض نے اور شدت اختیار کر لی۔ مسلمان گھبرا اٹھے اور جیس اسامہؓ بھی اس افراتفری میں جہاں (مقام جرف میں) تھا وہیں پڑا رہا۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض مورخین ابو مویہبہ کی روایت کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ایسے حضرت کا اعتراض یہ ہے کہ جیش اسامہؓ کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت نہ تھی بلکہ اکابر مہاجرین وانصار اسامہؓ کی نوعمری کی وجہ سے ان کی قیادت پر خفا تھے۔ ایسے مورخن کے پیش نظر وہ واقعات ہیں جو فصل ھذا میں قارئین کے ملاحظہ سے گزر چکے ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ اگر ہم ایسے مورخین کی (اس) رائے پر تنقید نہ کریں جس (رائے) کا مبنیٰ ابو مویہبہ کی روایت ہے تب بھی جیش اسامہ کے اسباب کے توقف کو توجہ کا مرکز قرار دینا نامناسب ہے ماسوائے اس ایک وجہ تعویق کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شب کے وقت گورستان بقیع میں تشریف لا کر موتی کے لیے دعائے مغفرت کرنا محض اس بنا پر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی وفات کے قریب تر ہونے کا احساس ہو چکا تھا جسے ایسے مورخ نظرانداز کر رہے ہیں۔

دورحاضرہ میں روحوں کے ساتھ مکالمہ کا جو دروازہ کھل گیا ہے اس علم کے موجد اور عامل ہر دو فریق روحوں کے ساتھ باتیں کرنے کے بعد دوسروں کو بتاتے ہوئے اعتراف کرتے ہیں کہ روھوں سے مکالمہ کا ادراک مکالمہ کرنے والوں کی روحانی قوت پر مبنی ہے۔ یہ عاملین یہاں تک دعویٰ خرتے ہیں کہ مردہ لوگوں کو روحوں کے ساتھ ایک دوسرے سوالات ہی نہیں بلکہ اس سے زیادہ مکالمات بھی ممکن ہیں ظاہر ہے کہ یہ مکالمات زندہ انسانوں کے ہیں مردہ لوگوں کی روحوں کے درمیان اور معمولی طریق پر نہیں بلکہ ان مکالمات جہاں ماضی و مستقبل دونوں ڈانڈے مل جات ہیں وہاں زمان ومکان بھی حائل نہیں رہتے۔

بایں ہمہ ابھی تک اس علم کے جاننے والے دوسروں کے سامنے علم الارواح کو ایسے واضح طریق پر بیان کرنے سے قاصر ہیں جسے ہر درج کا انسان سمجھ سکے۔ جب موجودہ دور تمدن کی دریافت کا یہ حال ہے کہ ہمارے سامنے اس علم کے مدعی موجود ہیں جن کی تحقیق کی تصدیق دوسرے ارباب علم وتنقید نے بھی کردی ہو لیکن جس علم کی ہمہ گیری و پذیرائی کی یہ حالت ہو جو اوپر بیان کی گئی ہے تو پھر ہمارے اس انکار کی کیا وجہ ہے جو ابو مویہبہ روایت کرتے ہیں؟ اگر ان کی روایت کو تسلیم کرلیا جائے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معنوی اور روحانی ہر دو لحاظ سے دوسروں سے زیادہ اسرار کائنات سے آگاہ تھے اور یہ حقائق مقابلہ آپ سے کہیں زیادہ منکشف ہو سکتے تھے تو یہ اعتراف کرنا ہی پڑے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے قبل از وقت اپنی وفات پر آگاہی حاصل کرنا مشکل نہ تھی۔

حالت مرض میں ام المومنین صدیقہؓ کے ساتھ مزاح

شب مذکور کیدوسرے روز رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے المومنین عائشہؓ کی طرف دیکھا کہ سر پکڑے ہوئے درد سے کراہ رہی ہیں بار بار ہائے میرا سر ہائے میرا سر زبان پر آرہا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض کی شدت سے نڈھال ہوتے جارہے تھے مگر حضرت عائشہؓ کو اس حال میں دیکھ کر فرمایا:

بل انا و الله یا عائشه و اراساه

''بی بی میں بھی درد سے بے حال ہوا جارہا ہوں''۔

بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درد و کرب کا یہی عاال تھا لیکن ابھی تک بستر علالت پر گر جانے کی نوبت نہ آئی تھی، نہ مرض اس حد تک پہنچا تھا کہ اپنے اہل و ازدواج سے لطف و فکاہات کا دامن سمیٹ لیں یہی وجہ ہے کہ جب ام المومنینؓ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کراہنے کی آواز سننے پر بھی اپنا واویلا نہ روک سکیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزاح کے طور پر فرمایا:

وما ضرک لومت قبلی فقمت علیک و کفنتک وصلیت علیک ودفنتک

’’بی بی! اگر ایسا ہی ہو جائے تو تمہیں کیا گھاٹا ہے؟ میں خود تمہاری تجہیز و تکفین کر کے تمہاری میت پر دعا پڑھ کر تمہیں دفن کروں گا‘‘۔

ام المومنینؓ جنہیں اپنی نوعمری کی وجہ سے ابھی اور زندہ رہنے کی تمنا تھی اور اپنی ضرب المثل حاضر جوابی کی بدولت اپنے گرامی منزلت شوہر کے مزاح کا جواب مزاح میں عرض کرنے پر ماء عرض کیا:

لکن ذالک حظا غیری واللہ لکانی بک لو قد فعلت ذالک لقد ذالک جعت الی بیتی فاعرست فیہ ببعض نسائک

’’آپ کی خواہش تو یہی ہوگی کہ جس طرح ہو سکے مجھے سپرد زمین کر دیں اور دولت خانہ پر تشریف لا کر میری نوبت میری کسی سوت کو ہبہ فرما دیں‘‘۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حرم کے جواب میں تبسم فرما کر خاموش ہو گئے۔ شدت مرض کی وجہ سے بھی کسی قسم کی گفتگو کو طول دینا مناسب نہ تھا۔

جملہ حرم پاک کی طلبی اور حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام کی تحریک

کچھ دیر بعد افاقہ محسوس ہوا تو سابقہ معمول کے مطابق تمام حرم کے ہاں قدم رنجہ فرمانے کا ارادہ ہو گیا لیکن رض ہے کہ لمحہ لمحہ شدت اختیار کر رہا تھا۔ ام المومنین میمونہؓ کے ہاں تشریف لائے ہ تھے کہ تکلیف سے گھبرا اٹھے اور اپنے یے تیماری داری کے بغیر مفر نہ دیکھا۔ تمام ازواج کو حضرت میمونہؓ کے ہاں بلا کر فرمایا مجھے عائشہؓ ہی کے ہاں رہنے کی اجازت دی جائے۔

حرم پاک نے بصدق قلب تسلیم کرلیا۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور اپنے عم زاد عباسؓ دونوں کے کندھوں پر ٹیک لگائے ہوئے میمونہؓ کے ہاں سے عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لے آئے۔ بے چینی اور نقاہت کی شدت سے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اور قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

مسجد میں تشریف آوری

علالت نے ابتدائی دنوں میں بلا کی شدت اختیار کرلی جیسے رواں رواں حرارت کا سوتا بن گیا ہو، لیکن تپ میں کمی واقع ہوتے ہی مسجد میں تشریف نماز پڑھائی اور اسی طرح ایک سے زیادہ دنوں تک نمازیں پڑھاتے رہے۔ مگر مسجد میں ہونے والی کسی گفتگو میں شرکت نہ فرمائی، نہ صحابہ سے کسی قسم کا خطاب فرمایا۔ دوسروں کی بات چیت سمع عالی تک پہنچتی رہ جس میں یہاں تک سننے میں آیا کہ آخر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا مصلحت دیکھی جو شام کی مہم پر ایک کم سن نوجوان کو اکابر مہاجرین وصحابہ پر سپہ سالار نامزد فرما دیا جوں جوں مرض ترقی کرتا گیا اسامہؓ کی تقرری کے بارے میں مسلمانوں کو تنبیہ کرے کا احساس بڑھتا گیا۔ حرم اور متعلقین کو حکم دیا کہ سات کنوؤں سے علیحدہ علیحدہ پانی کے ساتھ برتن منگوا کر یہ پانی آپ کے بدن پر ڈالا جائے۔ غسل کے دوران فرمایا کہ بس بس اغسل سے فارغ ہوکر پوشاک زیب تن فرمائی اور سر سے پٹی باندھ کر (مسجد میں) نبر پر تشریف فرما ہوئے۔ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حمد وثناء اور شہدائے احد کے لیے دعائے مغفرت کے بعد فرمایا:

جیش اسامہؓ کی روانگی پر تاکید

یا ایھا الذین انفذوا بعث ااسامة فلعمری لئن قلتم فی امارته لقد قلتم فی امارة ابیه من قبله وانه لخلیق کلا مارة وان کان ابوه لخلیقا لھا

> ”دوستو! اسامہ کے منصب پر اعتراض نہ کرو! قسم بجان خویش آج جو تم اساہ کی امارت پر حرف گیری کر رہے ہو اسامہ کے والد کی امارت پر بھی تم

اسی طرح نکتہ چینی کرتے رہے لیکن اسامہ اسی طرح امارت کے لیے خلق ہوا ہے جس طرح اس کے والد زید امارت کے لیے خلق ہوئے تھے“۔

خطبہ میں اپنی وفات کا اشارہ اور ابوبکرؓ کا گریہ و بکا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذرا دیر کے لیے خاموش ہو گئے پھر فرمایا:

ان عبـدا مـن عبـادالـله خيره الله بين الدنيا والاخرة وبين ما عند فاختار ما عنده

”اللہ نے اپنے بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا و عقبیٰ اور خدا کی نعمت دونوں میں سے کسی چیز کو اپنے لیے منتخب کر لے مگر اللہ نے اس بندے نے خدا کی ملاقات کو ترجیح دی ہے“۔

یہ فرمانے کے بعد (رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پہلے کی طرح پھر خاموش ہو گئے اور حاضرین بھی۔ ابوبکرؓ بات کی تہہ تک پہنچ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنے ہی متعلق فرما رہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا چھوڑنے کو ہیں۔ یہ نتیجہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے اس وجدان کا جو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کے بارے میں ازل سے ودیعت تھا۔ ابوبکرؓ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور عرض کیا

بل نحن نفديک بانفسنا وابناء نا

”اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری جانیں اور اولاد نثار ہو جائیں آپ ہمیں یہ کیسی سناؤنی سنا رہے ہیں؟“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکرؓ کے اس تاثر سے محسوس فرمایا کہ مبادا یہی جذبہ دوروں کو بھی گرو یہ و بکا میں مبتلا کر دے۔ ابوبکرؓ کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ مسجد میں جن لوگوں کے گھروں کے دروازے ہیں ابوبکرؓ کے گھر کے سوا سب کے دروازے موند دیے جائیں۔ اور ایک بعد منبر سے اترتے ہوئے فرمایا۔

ابو بکرؓ کی منقبت

انی لا اعلم احدا کان افضل فی الصحبة عندی یدا منه وانی لو کنت متخذا من العباد خلیلا لا تخزت ابابکر خلیلا ولکن صحبة واخاء ایمان حتیٰ یجمع الله بینا عنده

”میرے دوستوں میں سے مجھ پر کسی کا احسان ابو بکرؓ کے برابر نہیں۔ اگر میں خدا کی طرف سے کسی کو اپنا خلیل بنانے کا مجاز ہوتا تو یہ منزلت ابو بکرؓ کے لیے ہوتی لیکن ازروئے اسلا باہمی رفاقت و اخوت ایمانی تک کا اختیار ہے کہ اور اسی حالت میں خدا کے سامنے میری حاضری ہے“۔

انصار کے حق میں وصیت

مسجد میں حجرہ عائشہؓ میں تشریف لانے کا قصد کرتے ہوئے فرمایا:

یا معشر المهاجرین استوصوا بالانصار خیر فان الناس یزیدون والانصار علی هیهتها لا تزید و انهم کانو اعیبتی التی اویت الیها فاحسنوا الی محسنهم وتجاوزوا عن سیئهم

”اے یاران مہاجر! انصار کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ ان کے سوا دوسروں کی تعداد بڑھتی جائے گی۔ انصار میرے ایسے محرم ہیں جن کے سامن میں مجھے پناہ ملی۔ ان کی خوبیوں کی قدر اور انکی لغزش سے چشم پوشی کرتے رہنا“۔

مسجد میں لوٹ کر ام المومنین عائشہؓ ہی کے حجرے یں فروکش ہوئے۔ آج کی جدوجہد اور مسجد میں تشریف لے جانے سے مرض نے اور تھکا دیا۔ وہ مریض جن کے بدن مبارک پر سات مشکیزے پانی ڈالا جائے جسے ایسی شدید علالت میں بھی مشاغل سے یکسوئی نصیب نہ ہو۔ جیش

اسامہؓ کے نتائج کا فکر ادھر انصار کا غم، اس پر ملت جو ابھی ابھی اسلام سے وابستہ ہوئی ہے اس کا فکر مآل۔ یہی تفکرات دوسرے روز پھر مسجد میں تشریف لانے کے محرک ہوئے لیکن مرض نے اتنا کمزور کر دیا تھا کہ ارادہ پورا نہ فرما سکے اور نماز کا وقت سر پر آ گیا۔ دوستوں سے فرمایا۔

مروا ابابکر فلیصل الناس

”ابوبکرؓ سے ہو کہ میری بجائے نماز کی امامت وہ کرائیں“۔

لیکن ام المومنین عائشہؓ جو دنیا جہاں سے زیادہ آپ کو صحت مند دیکھنا چاہتی تھیں عرض کیا ابوبکرؓ رقیق القلب ہیں ان کی آواز بھی مدھم ہے اور قرات میں گریہ بھی ضبط نہیں کر سکتے اس پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکرؓ ہی کے لیے امامت صلواۃ کا حکم قائم کیا۔ ادھر ام المومنینؓ نے اپے پہلے اندازے کے مطابق اپنے والد گرامی کی طرف سے معذرت کے ارادہ سے پھر اسی بات کو دہرایا مگر اس مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض کی سختی کی وجہ سے گفتگو کا یارا نہ ہونے کے باوجود وہی حکم دہراتے ہوئے فرمایا:

ان کن صواحب یوسف مروه فلیصل الناس

”تم گویا حضرت یوسفؑ کے ہم جلیس ہو۔ ابوبکرؓ ہی سے کہو کہ وہ میری بجائے نماز کی امامت کرائیں“۔

اور ایسا ہی ہوا جس کے بعد ایک موقعہ پر جب حضرت ابوبکرؓ ابھی مسجد میں تشریف نہ لائے کہ بلال نے ان کی بجائے سیدنا عمرؓ سے امات کی درخواست کی۔ عمرؓ کی آواز اس قدر گرج دار تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہؓ کے حجرہ میں سن لی تو فرمایا۔

این ابوبکر؟ یا بی الله ذالک و المسلمون!

”ابوبکر کہاں رہ گئے؟ اللہ اور تمام مسلمان ناپسند کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ کے سوا کوئی اور نماز پڑھائے“۔

حضرت ابوبکرؓ کے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس تاکید پر بعض

مسلمانوں نے سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اپنا خلیفہ مقرر کرنا چاہتے ہیں کیونکہ نیابت رسالت کا سب سے بڑا مظہر نماز کی امامت ہے جس کی تاکید سے اس شدومد سے فرمائی جا رہی تھی کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتخاب پر ابوبکرؓ کی افضلیت کا یہی دلیل حضرت عمرؓ نے آپ کا نام پیش کرتے ہوئے بیان کی۔

ساعت بساعت مزاج زیادہ ناساز ہوتا گیا تپ کی شدت بڑھتی گئی چہرہ مبارک ردا سے ڈھانک لیا۔ ازواج مطہرات یا دوسرے تیماردار جبین مبارک پر ردا کے اوپر ہاتھ رکھتے تو حرارت کی شدت محسوس کر کے حیران رہ جاتے۔

سیدہ فاطمہؓ سے اپنی وفات کا راز

بضعۃ رسول فاطمہؓ دن میں کئی کئی مرتبہ عیادت کے لیے حاضر ہوتیں۔ اولاد میں تنہا سیدہ فاطمہؓ ہی باقی رہ گئی تھیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بے حد محبت فرماتے۔ جب تشریف لاتیں تو استقبال کے ساتھ ان ے ماتھے پر بوسہ دیتے اور اپنی مسند پر نشست کا اعزاز بخشتے۔ سیدہؓ شدت علالت میں حاضر ہوتیں تو تب بھی ان معمولات میں فرق نہ آنے پاتا۔ اسی دوران انہیں پاس بٹھا کر بی بی کے ان میں کوئی بات کہی جس سے وہ رو پڑیں دوسری مرتبہ ان کے کان میں کوئی بات کہی تو سیدہؓ ہنس پڑیں۔ ام المومنین عائشہؓ جو وہیں تشریف فرما تھیں سیدہؓ سے ان کے رونے اور ہنسنے کا سبب دریافت کیا فاطمہ نے فرمایا:

ماکنت لا فشی سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بات مجھے راز کے طور پر بتائی ہے
اس کے افشا کا یہ موقع نہیں“۔

لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد فاطمہؓ نے ازخود بتایا کہ اس روز میرے گریہ کا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی وفات کی اطلاع تھی اور دوسری مرتبہ جب مجھے یہ بشارت فرمائی کہ خاندان نبوت میں سب سے پہلے مجھے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی ملاقات کا شرف حاصل ہوگا تو میں فرط مسرت سے ہنس پڑی''۔

شدت کرب سے بار بار چہرہ کو تر کرنا

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) تپ کی شدت نے اس قدر نڈھال کر دیا تھا کہ آپ کے فرمانے پر پانی کی لگن بالیں کے قریب لگا دی گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی میں ہاتھ ڈبوتے وار جبین و چہرہ تر کرتے۔ بار بار غشی کے دورے پڑنے شروع ہو گئے۔ ذرا افاقہ ہوتا تو شدت کرب سے کراہا ٹھتے۔

فاطمہؓ کا ''وااتباہ'' سے اپنے غم کا اظہار

خاتون جنت اپنے شفیق باپ کی یہ حالت دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئیں کہ بے ساختہ واکرب ابتاہ آہ میرے باپ کی جان پر کیا بیت رہی ہے؟ نکل گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لخت جگر کی آواز سنی تو فرمایا کہ اے بیٹی آج کے بعد تمہارے باپ پر کوئی بدنی سختی نہ ہوگی۔ اشارہ اس طرف تھا کہ آج کسی نہ کسی وقت اس عالم کرب و بلا کی آخری منزل سے آگے بڑھ جانا ہے!

صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم غلط کرنے کے لیے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ دوسرے بیماروں کو تو آپ صبر و تحمل کی تلقین فرماتے رہے؟ فرمایا یہ صحیح ہے کہ مگر میری تکلیف دو مریضوں کے برابر ہے۔''

واقعہ قرطاس

دولت کدہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیمارداروں کا ہجوم تھا فرمایا:

ائتونی بدواۃ و صحیفۃ اکتب لکم کتابا بالا تضلوا ابدا

''دوات و کاغذ لے آؤ! تمہاری بہتری کے لیے میں ایسی تحریر کرا دوں جس سے تم کج رہی سے بچ سکو گے''۔

حسبنا کتاب اللہ

حاضرین میں سے ایک صاحب ے عرض کیا (جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ تھے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غلبہ الوجع وعندکم القران وحسبنا کتاب اللہ

”اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکلیف سے دوچار ہیں۔
مسلمانو! تمہارے پاس قرآن موجود ہے وہی ہمارے لیے کافی ہے“۔

بعد میں اس حادثہ پر دو رائیں قاء ہو گئیں بعض نے اسے ضروری سمجھ کر دوات اور کاغذ پیش کرنے کا مشورہ دیا اور بعضوں نے کتاب اللہ کے کال ہونے کی بنا پر اسے زیادہ اہمیت نہ دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ رنگ دیکھ کر فرمایا نبی کے سامنے اس قسم کا غوغا نامناسب ہے۔ آپ حضرات میرے قریب سے ہٹ جائیں۔

واقعہ قرطاس پر حضرت عباسؓ و جناب عمرؓ کی رائیں

جناب ابن عباسؓ کی رائے

(م...... جن کا سن وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر تیرہ سال تھا) ان لوگوں نے کیسی غفلت برتی جو بیش قیمت نصائح سے محروم رہ گئے کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے املا کرانے میں سبقت کرتے۔

جناب عمر ابن الخطابؓ کی رائے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد بھی اپنی اس رائے کی تحسین فرماتے رہے اس لیے کہ قرآن اپنے متعلق

ما فرطنا فی الکتاب من شئی ـہ ا (٦:٣٨)

فرماتا ہے۔

علالت تشویشناک حد تک پہنچی اور دور دور تک خبر پہنچ گئی۔ جیش فلسطین (شام) کے سپہ سالار اسامہ بن زیدؓ اوران کے ہمراہی جرف (مقام پڑاؤ) سے سیدہ عائشہؓ کے دولت کدہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیمار داری کے لیے حاضر ہوئے لیکن اب تاب مقال ختم ہو چکی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہ کو دیکھا تو آسمان کی طرف دست مبارک اٹھایا پھر وہی ہاتھ اسامہؓ کے سر پر رکھ دیا گویا اسامہب کے لیے دعا کی علامت تھی۔

معالجہ

یہ حالت دیکھکر اہل بیت کی توجہ معالجہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ ام المومنین میمونہؓ کی قرابت دار جناب اسماء نے حبشہ کے زمانے میں ہجرت میں ایسے ہ ایک شربت بنانے کی ترکیب معلوم کر رکھی تھی۔ وہی شربت غشی کی حالت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہن مبارک میں ٹپکایا گیا ذرا افاقہ ہوا تو شربت پلانے کا سبب دریافت فرایا۔ عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات الجنب کے شبہ کی بنا پر شربت کے چند قطرے دہن مبارک میں ٹپکائے ہیں فرمایا مجھے تو خدا تعالیٰ نے ذات الجنب میں مبتلا ہونے سے محفوظ فرمالیا ہے پھر فرمایا مناسب یہ ہے کہ عباسؓ کے سوا ہر اس شخص کے حلق میں یہ شربت ٹپکایا جائے جو یہاں موجود ہے۔ حتی کہ ام المومنین میمونہؓ جو اس روز روزہ دار تھیں ان کا استثنا بھی نہ فرمایا۔

۱؎ یعنی کائنات کی ہر مخلوق کے لیے جو کچھ ہونا چاہیے تھا وہ سب کچھ اس کے لیے لکھ دیا۔ کسی مخلوق کے لیے بھی فروگزاشت نہیں ہوئی۔

آخری پونجی کا صدقہ

شدت علالت کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی تحویل میں سات دینار تھے۔ شاید اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام آجائے اور یہ رقم میرے قبضہ میں رہ جائے۔ اس خیال

کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے صدقہ کر دینے کا حکم فرمای دیا تھا لیکن اہل بیت تیمارداری میں اس قدر منہمک تھے کہ تعمیل کرن ذہن سے اتر گیا۔ زندگی کے آخری روز دو شنبہ کو غشی سے افاقہ ہوا اور آپ نے ان دیناروں کا دریافت کیا تو ام المومنین عائشہؓ نے معذرت پیش کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے فرصت نہیں ملی دینار ابھی تک میری تحویل میں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے لے کر فرمایا:

ماظن محمد بربه لو لقی عنده هذه؟

> ”اگر یہ دینار میری تحویل میں رہ جائیں تو میں اپنے رب کے متعلق کیا
> گمان لے کر اس کے سامنے حاضر ہوں گا؟“

شب نہایت سکون وراحت کے ساتھ بسر فرمائی۔ تپ سے افاقہ نظر آنے لگا۔ سمجھا گیا کہ اسی دوا کا اثر ہے جو اہل بیت نے آپ کو پلائی تھی۔ صبح کے وقت سر سے پٹی باندھے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ علیؓ ابن ابی طالب اور فضلؓ ابن عباسؓ دونوں کے کندھوں پر ٹیک لگا رکھی تھی۔

ابو بکرؓ کے اقتدا میں ادائے صلواۃ

فجر کی نماز شروع ہو چکی تھی۔ ابو بکرب امامت فرما رہے تھے۔ جب صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورود کا احساس ہوا تو ہر ایک کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور آپ کے مصلیٰ پر تشریف لے جانے کے لیے راستہ بنا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے سمجھا دیا کہ نماز میں خلل نہ آنے پائے اور مسلمانوں کو اس خلوص سے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔

ابو بکرؓ کو محسوس ہوا کہ مقتدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی وجہ سے آپ ے مصلیٰ تک پہنچنے کے لیے راستہ بنا رہے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مصلی خالی چھوڑ کر خود صف میں لوٹ آنے کا قصد کیا۔ لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو بکرؓ کی پشت پر دست مبارک رکھ کر فرمایا صل بالناس (اے ابو بکرؓ آپ ہی امامت کرائیے) اور خود ابو بکرؓ

کی اقتدا میں نماز کی نیت باندھ کر ان کی دائیں طرف بیٹھ کر نماز ادا کی۔

ادائے صلوۃ کے بعد تذکیر

تکمیل (نماز) کے بعد رخ مبارک نمازیوں کی طرف پھیر لیا اور ایسی بلند آواز سے جو مسجد کے باہر بھی سنی گئی فرمایا:

سعرت النار و اقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم و انی الله ماتمسکون علی بشئی انی والہ لم احل الاما احل القرآن ولعن قومنا اتخذوا قبور انبیا ء ہ مساجد

> ”آگ دہک اٹھی ہے اندھیری رات کی مانند فتنے تو اُمڈے چلے آرہے ہیں خدا کی قسم میرے فرمان کے سوا تمہیں کسی اور دستاویز سے تمسک نہ کرنا چاہیے۔ میں اس پر بھی خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے قرآن ہی کی حلال کردہ اشیاء کو حلال کیا اور قرآن ہی کی حرام کردہ چیزوں کو حرام قرار دیا۔ ارور خدا اس قوم پر لعنت کرے جس نے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا“۔

مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحت یاب ہو گئے ہیں۔ وہ اس جذبہ سے بے حد محظوظ ہوئے۔ حتیٰ کہ اسامہ بن زیدؓ نے اپنے ماتحت لشکر کو شام لے جانے کی اجازت طلب کی۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے فضل و کرم سے آپ کی صحت عود کر آئی ہے آج کا دن ام المومنین زینب بن خارجہؓ کی نوبت ہے۔ اجازت ہو تو ان سے اپ کی صحت کی بشارت عرض کر دوں؟ فرمایا اجازت ہے حضرت ابوبکرؓ (مقام) سخ (بحوالی مدینہ) ام المومنینؓ کے دولت خانہ پر حاضر ہو کر یہ مژدہ پہنچانے کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت عمرؓ اور علیؓ اپے کام کاج کے لیے روانہ ہوئے۔ اسی طرح دوسرے مسلمان شاداں وفرحاں ادھر ادھر چلے گئے۔

لیکن رات ابھی پورے طور پر نہ پڑی تھی کہ مزاج کی ناسازی تپ کی سختی اور غشی کے دوروں

کی خبر اڑنا شروع ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں فروکش ہونے پر مجبور ہو گئے۔ مسجد میں جمع شدہ مسلمانوں نے آپ کے صحت عود کر آنے سے جس خوشی کا اظہار فرمایا تھا اس کے تصور سے آپ کا قلب معمور تھا۔ مگر بیماری کی شدت اور نقاہت حد سے گزر چکی تھی۔

سیدہ عائشہؓ کا حزن وملال

سیدہ عائشہؓ جن کا قلب ایسے عظیم المنزلت وجود (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے احترام و جلالت سے لبریز تھا آپ کی اس ناتوانی اور ضعف پر چاہتی تھیں کہ اگر ہو سکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی برقرار رکھنے کے عوض میں اپنی جان تک قربان کر دیں۔ آہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ہمت کے ساتھ مسجد میں تشریف انا اور اس سنبھالنے کی حالت تھی جو مریض کے لیے افاقہ الموت کا مترادف ہو۔ کیوں کہ مسجد میں واپس تشریف لے آنے کے بعد نقاہت لمحہ بہ لمحہ بڑھتی گئی کوئی گھری جا رہی تھی کہ جان حزیں قالب کو چھوڑ کر اپنی راہ لے۔

اس وقفہ میں ذہن مبارک زندگی کے ان لمحات کا تصور کر رہا تھا کہ جن میں خدا نے اپنے نبی وہادی کا مرتبہ بخش کر مبعوث فرمایا؟ یا اس منزل میں جن صعوبتوں سے واسطہ پڑتا رہا ان کی یاد تازہ ہو رہی تھی؟ یا اللہ ان کی نعمتوں میں سرور حاصل ہو رہا تھا جن سے تبلیغ نبوت کے صدقے میں متمتع ہوئے؟ یا دین حقہ کی قبولیت سے اہل عرب کے دلوں کو جس طرح مسخر فرمایا اس کی خوشی سے مستعمند ہو رہے تھے۔ یا زندگی کے ان آخری لمحوں میں حضور خداوندی میں توبہ وانابت کی طرف رجوع فرماتے جیسا کہ زندگی بھر معمول رہا؟ یا جان کنی کی دشواریوں سے گھبرا کر پوری زندگی کے حوادث کو فراموش کر دیا گیا؟ ہر ایک واقعہ پر روایات کا اختلاف نمایاں ہے۔

ارباب تاریخ کا غالب رجحان یہ ہے کہ ۸ جنوری ۶۳۲ کا دن تھا۔ عرب کی گرمی غضب ڈھا رہی تھی۔ ٹھنڈے پانی کی لگن بالیں کے قریب لگی ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا دست ناتواں تر کر کے چہرہ مبارک سے مس فرماتے رہے۔

دنیا کا آخری عمل دہن مبارک کی صفائی

اسی اثناء میں ابوبکرؓ کے خاندان کے ایک صاحب مسواک لے کر حضرت عائشہؓ کے دولت خانہ میں باریاب ہوئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف ایسے دیکھا جیسے مسواک کی طلب ہو۔ ام المومنینؓ نے ان کے ہاتھ سے مسواک لے کر اپنے دہن مبارک میں چبائی۔ جب اس کے ریشے نرم ہوگئے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی۔ جس سے خود دہن مبارک صاف فرمایا۔ جان کنی کی اس کش مکش میں آخری مرحلہ پر پہنچ گئی ھتی۔ خدا کی طرف متوجہ ہوکر الحاح کیا۔

سکرات الموت

اللھم اعنی علی سکرات الموت

”اس جان کنی میں میری اعانت فرمائیو!

آغوش عائشہؓ میں دنیا سے رحلت

فرق مبارک ام المومنینؓ کی آغوش میں تھا۔ اس حالت کے تذکرہ میں فرماتی ہیں دفعتہً محسوس ہوا کہ میری آغوش بوجھ سے دبی جا رہی ہے۔ میں نے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی تو آنکھیں پتھرائی جا رہی تھیں اور زبان پر الرفیق الاعلیٰ اپے رب کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ خدا کی قسم جس نے آپ کو رسول صادق کا منصب عطا فرمایا جب اس نے آپ کو دنیا و عقبیٰ دونوں میں سے ایک کا اختیار دیا تو آپ نے عقبیٰ کو ترجیح دی۔

روح مبارک اسی حالت اور میری ہی گود میں ٹیک لگائے ہوئے رفیق الاعلیٰ کی جانب سدھاری۔ ایک وجہ سے یہ میرے لیے بھی اعزاز ہے کہ اور اس اظہار میں مجھے کسی کی توہین مقصود نہیں۔ ایسے ہی ہوا۔ میرا یہ سن اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میری گود میں جاں بحق ہونا خداوند میری یہ منزلت!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی داستان ختم ہوجانے کے بعد آپ کے فرق مبارک کے نیچے تکیہ لگا کر ان عورتوں کے مجمع میں شامل ہوگئیں جو پریشان گریہ و بکا میں مشغول تھیں۔ مگر میں دوسرے خیالات میں سر جھکائے کھڑی رہی۔

اس لمحہ مسلمانوں میں عجیب اضطراب پیدا ہوگیا۔ بعض حضرات کو آپ کے وفات پانے کا تذکرہ سننا بھی گوارا نہ تھا ایسے لوگوں کا خیال تھا کہ آپ نے وفات نہیں پائی۔ یہ مسئلہ حد نزاع کو پہنچنے کو تھا لیکن خداوند عالم نے جو مسلمانوں کے لیے حسن سلوک کا خواہاں ہے اس فتنہ کا انسداد فرما دیا۔

* * *

باب ۳۱

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین

نبی علیہ السلام ام المومنینؓ کے حجرے میں اور اس حالت میں رفیق الاعلیٰ سے ملاقی ہوں کہ فرق مبارک کی ٹیک ام المومنینؓ کی گود میںؒ گی ہوئی تھی۔ سیدہ آپ کے فرق مبارک کے نیچے تکیہ لگا کر ان عورتوں کے مجمع میں شامل ہو گئیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کی خبر سنتے ہی پہنچ گئیں اور فرط حزن سے گریہ وبکا میں مشغول ہو گئیں۔ ام المومنینؓ پریشان حال کھوئی کھوئی سی رہیں جو لوگ مسجد میں جمع تھے یہ خبر سن کر حیرت میں ڈوب گئے کہ ابھی ابھی وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں دیکھ چکے تھے جیس کہ صحت دوبارہ لوٹ آئی ہو۔ اسی تسکین کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ ام المومنینؓ زینب بن خارجہؓ کو بلانے کی غرض سے مقام سخ تشریف لے گئے اسی اطمینان کی بنا پر حضرت عمرؓ دوڑے دوڑے ہوئے اس حجرے میں آئے جہاں جسد مبارک ابدی خواب میں محو استراحت تھا۔ اسی وجہ سے عمرؓ کو آپ کی وفات کا یقین نہ ہو سکا۔ رخ انور سے ردائے مبارک ہٹائی تو سانس کی رمق تک نہ ہونے کے باوجود حضرت عمرؓ نے غشی پر محمول کیا۔ یہ سمجھ کر کہ ذرا دیر بعد ہوش میں آ جائیں گے۔ حضرت مغیرہؓ نے ہر چند سمجھایا کہ آپ کس خیال میں ہیں لیکن حضرت عمرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کا یقین نہ آیا بلکہ مغیرہؓ کے اصرار پر انہیں یہ کہہ کر جھڑک دیا کہ آپ جھوٹ کہہ رہے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے۔

وفات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر حضرت عمرؓ کی بے اختیاری اور اس حالت کی تقریر

حضرت عمرؓ کو یہی جذبہ مسجد میں لے آیا مغیرہؓ بھی ان کے ہمراہ تھے اور انہوں ں ے با آواز بلند

اعلان کیا کہ:

ان رجالا من المنافقین یزعمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قد توفی وانہ واللہ مامات ولکنہ ذھب الی ربہ کما ذھب موسیٰ بن عمران فقد غاب عن قومہ اربعین لیلۃ ثم رجع الیھم بعد ان قیل قدمات وواللہ لیرجعن رسول اللہ کما رجع موسیٰ فلیقطعن ایدی رجال وارجلھم زعموا انہ مات

> ”منافق افواہ اڑا رہے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے بلکہ موسیٰ بن عمران کی طرح خدا کے حضور تشریف لے گئے ہیں جس طرح موسیٰؑ بنی اسرائیل سے چالیس روز تک غائب رہنے کے بعد دوبارہ تشریف لائے ان کی غیوبت کے دوران میں اسی طرح بنی اسرائیل نے کہا کہ موسیٰؑ کی وفات ہوگئی! اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی رجعت فرما ہوں گے اور جس جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی خبر پھیلاء ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپسی پر اس کے ہاتھ پیر قلم کرادیں گے۔“

حضرت عمرؓ کی تقریر پر سامعین کی حیرت

مسلمان حضرت عمرؓ کی تقریر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے متعلق گومگو میں پڑ گئے۔ کبھی خیال گزرتا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت فرما چکے ہیں تو ہمارے لیے کس قدر افسوس والم کا حادثہ رونما ہوگیا۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی زندگی میں دیکھا آپ کے حسن تکلم س بہرہ مندہ ہوئے۔ آپ کی تعلیم کے اثر سے خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لانے کا موقع حاصل ہوا۔ جس نے آپ کو سچا دین عطا فرما کر انسان کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا آج ان مسلمانوں کے ذہن میں رسول صادق الامین کی رحلت کا تصور گردش کر رہا تھا اور اس تصور کا مقابلہ ارحضرت عمرؓ کی تقریر تھی لیکن حضرت موسیٰ کی

مانند آپ کی رجعت کا انتظار تو اور بھی حیرت انگیز ہے!

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حضرت عمرؓ کے ارد گرد جمع ہو گئے اس امر کی تصدیق پر مائل تھے کہ رسلو خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعی انتقال نہیں ہوا۔ ان کے دماغ میں یہ تصور بھی گردش کر رہا تھا کہ ذرا ہی دیر پہلے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحیح سالم دیکھا آپ کی گفتگو سنی اور آپ کی زبان مبارک سے دعا و استغفار کے کلمات گوش گزار ہوئے۔ مسلان یہ سوچ رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خلیل اللہ ہیں ذات خدا نے اپنی رسالت کے لیے آپ کو منتخب فرمالیا تمام عرب آپ کے سامنے سرنگوں ہو گیا ایسی ذات کی موت واقع ہو سکتی ہے ان کے ذہن مین یہ امر بھی آپ کی وفات کے بارے میں مانع تھا کہ ابھی تک آپ کے مقابلہ میں قیصر و کسریٰ کو تو شکست ہی نہیں ہوئی۔ ان کیک ذہن میں یہ خیال بھی چٹکیاں لے رہا تھا کہ جس قوت نے بیس سال کی مدت میں ایک عالم کو اپنے سامنے مطیع و منقاد کر لیا تاریخ عال جس کی نظیر کرنے سے قاصر ہے ایسے وجود گرامی پر موت کا وارد ہونا سمجھ میں آنے کی بات ہی نہیں۔ عورتیں فرط غم سے پریشان حال سر جھائے ہوئے مصروف گریہ تھیں جس کی وجہ سے آپ کی وفات کا یقین ہو گیا۔ اسی موقع پر حضرت عمرؓ مسجد میں بار بار دھرا رہے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حضرت موسیٰؑ کی مانند اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں اور جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی افواہ اڑا رہے ہیں وہ منافق ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لا کر ایسے وگوں کے ہاتھ اور گردنیں کٹوائے بغیر انہیں معاف نہ فرمائیں گے۔

مسلمان دو متضاد خبروں میں سے کس امر کی تصدیق کریں؟ ذرا دیر پہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارتحال کی خبر سے گھبرا رہے تھے اب حضرت عمرؓ آپ کے ارتحال کو افواہ سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں اور حضرت موسیٰ کی مانند رجعت فرمائیں گے۔ مسلمان ابھی تک اس خبر کے تسلیم کرنے پر مائل اور خود کو بہلا رہے تھے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رجعت سے شادماں ہو کر رہیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ کی سخ سے واپسی

اسی افراتفری میں ابوبکرؓ سخ سے واپس تشریف لائے اور رحلت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پر آشوب سناؤنی سے کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئے انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ تقریر فرما رہے ہیں اور مسلمان پوری تجوہ سے اور یقین کے ساتھ سن رہے ہیں۔ یہ کوائف دیکھنے کے ساتھ ہی حضرت عائشہ کے حجرہ کا رخ کیا اجازت طلبی پر جواب آیا کہ آج کوئی شخص طلب اذن کا مکلّف نہیں دالان میں ایک طرف پلنگ پر جسد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا یمن کی حظ دار چادر سے چہرہ مبارک ڈھکا ہوا ہے ابوبکرؓ نے دامن ہٹا کر پیشانی کا بوسہ لیا اور زبان سے یہ کلمہ کہا:

ما اطیبک حیا! و ما اطیبک میتا!

> ”آپ کا جسم اطہر زندگی میں بھی کسی درجہ عطر بیز رہا اور مرنے کے بعد بھی اس کی شمیم آرائیوں میں کمی نہیں آئی“۔

اپنے دونوں ہاتھ رخ انور کا ہالہ بنائے اور فرق مبارک تکیہ سے ذرا اٹھا کر غور سے دیکھا تو چہرہ کی تنویر جوں کی توں ضیا پاش تھی ابوبکرؓ نے کہا:

بابی انت وامی ! اما الموتة التی کتب اللہ علیک فقد ذقتھاثم لن تصبیک بعدھا موتتہ ابدا

> ”میرے ماں باپ نثار خدا کی طرف سے جو موت آپ کے لیے مقرر تھی واقع ہو چکی ہے۔ اب آپ کے لیے دوبارہ وفات پانے کا کوئی امکان نہیں“۔

اس کے بعد سر مبارک جس طرح تکیہ سے لگا ہوا تھا اسی طرح رکھ کر چہرہ انور پر ردا کا دامن اوڑھا دیا۔ اب مسجد میں تشریف لائے جہاں حضرت عمرؓ کی تقریر ابھی جاری تھی۔ وہ مسلمانوں کو یقین دلا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر موت وارد نہیں ہوئی۔ مجمع نے ابوبکرؓ کے لیے راستہ کھول دیا انہوں نے حضرت عمرؓ کے قریب پہنچ کر انہیں خاموش رہنے اور اپنی تقریر سننے کی

ہدایت کی لیکن عمرؓ نے بدستور اپنی تقریر جاری رکھی۔

حضرت ابوبکرؓ کی تقریر

حضرت ابوبکرؓ نے مجمع کو اشارہ کیا میں جو کچھ کہتا ہوں اسے غور سے سنا جائے اس مقام پر ابوبکرؓ کا ہم پلہ کون ہو سکتا تھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے مصدق تھے۔ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلیل بنانے کے مجاز ہوتے تو ابوبکرؓ کے سوا کوئی دوسرا اس عزت کا مستحق نہ ہوتا۔ اس لیے ان کی آواز کان میں پڑتے کے ساتھ ہی عمرؓ کی طرف سے مجمع کا رخ پھر گیا اور تمام لوگ حضرت ابوبکرؓ کی طرف مائل ہو گئے۔ ممدوح نے تقریر شروع کی اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

ایھا الناس ان من کان یعبد محمد ا فان محمد اقدمات و من کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت

> ''لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عبادت گزار ہے اسے معلوم ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا چکے ہیں اور جو کوئی اللہ کا عبادت گزار ہے اس پر واضح کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس پر موت وارد نہیں ہو سکتی''۔

جس کے بعد یہ آیات تلاوت فرمائی:

وما محمد الا رسول قد حلت من قبلہ الرسل افا ء ن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا و سیجزی اللہ الشاکرین (۳:۱۴۴)

> ''اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سوو ا کیا ہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اوران سے پہلے بھی اللہ کے رسول گزر چکے ہیں (جو اپنے اپنے وقتوں میں ظاہر ہوئے اور راہ حق کی دعوت دکر دنیا سے چلے گئے) پھر اگر

> ایسا ہوا کہ وہ وفات پائیں (اور بہر حال انہیں ایک دن وفات پانا ہی ہے) یا (فرض کرو) ایسا ہوا کہ لڑائی میں قتل ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں راہ حق سے پھر جاؤ گے (اور ان کے مرنے کے ساتھ ہی تمہاری حق پرستی بھی ختم ہو جائے گی) اور جو کوئی راہ حق سے الٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جو لوگ شکرگزر رہیں (یعنی نعمت کی قدر سمجھنے والے ہیں) وہ وقت دور نہیں کہ خدا انہیں ان کا اجر عطا فرمائے گا"۔

حضرت ابوبکرؓ کی تقریر کا اثر

مجمع کا رخ ابوبکرؓ کی طرف دیکھ کر حضرت عمرؓ خاموشی سے ابوبکرؓ کی تقریر سنتے رہے۔ جب انہوں نے آیہ مذکورہ پڑھی عمرؓ کے پاؤں لڑکھڑا اٹھے زمین پر گر پڑے اور انہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا یقین ہو گیا۔ جو مجمع ذرا دیر پہلے تک حضرت عمرؓ کا ہم نوا تھا ابوبکرؓ کی زبان سے یہ آیت سننے کے بعد ان کی کیفیت بھی متبدل ہو گئی جیسے یہ آیت انہوں نے آج ہی سنی ہو۔ ان کے ذہن میں آنحضرتؐ کی وفات کا نقش قائم ہو گیا۔ ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ رسول خداؐ نے اپنے لیے رفیق اعلیٰ کی معیت کو ترجیح دی اور خدا تعالیٰ (رفیق اعلیٰ) نے بھی آپ پر اپنی رحمت کا دامن پھیلا دیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے فہم پر تبصرہ

حضرت عمرؓ جس شد و مد کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے انکار کر رہے تھے اور دوسروں کو بھی اپنا ہم خیال بنانے میں مصروف تھے کیا اس بارے میں وہ عمداً مبالغہ کر رہے تھے؟ ان کے انکار میں کہا جا سکتا ہے کہ جیسے موجودہ دور کے ارباب علم کی تحقیق کے مطابق آفتاب اپنی روشنی آفتاب اپنی روشنی اور حرارت دونوں بتدریج کھوتا آ رہا ہے جس کے ہاتھوں ایسا دن آ کر

رہے گا کہ جب آج کا مہر عالم تاب کرہ سیاہ بن کر رہ جائے گا۔ لیکن سورج کے یوں پتھرا جانے کو شک کے بغیر تسلیم کرنا بے حد مشکل ہے۔ ایسے سر چشمہ نور کے متعلق جس کی روشنی اور حرارت دنیا کے ذروں تک کی بقا کے لیے ضامن ہو اس کے لیے اس قدر بے چارگی کا یقین کہ آفتاب فنا ہو جائے یا اس کا نور تاریکی سے متبدل ہو جائے! اس پر اہل تحقیق کا یہ طرفہ کہ سورج کے ساتھ اس حادثہ کے بعد بھی دنیا ایک دن اور قائم رہے گی!

میں کہتا ہوں (جناب) محمد نور ہدایت و ایمان اور قوت کے سہ گونہ اوصاف کے ہوتے ہوئے آفتاب عالم تاب سے کم نہ تھے۔ جس طرح سورج کا پرتو تو تمام عالم پر ہے۔ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضیاء سے تمام دنیا منور ہے اور جس طرح آفتاب استقرار کائنات کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اپنی تعلیم کی خوبیوں کا باعث) ربع مسکون کے لے سبب برکت ویمن ہیں۔ جن کے تذکرہ کے صدقہ میں عالم کون ومکاں کی رونق قائم ہے۔

پس حضرت عمرؓ کا یہ یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت ممکن نہیں ان معنوں میں قابل تسلیم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی صفات کی وجہ سے اس وقت بھی زندہ تھ اور جب تک یہ عالم قائم ہے آپ پر موت وارد نہ ہو سکے گی۔

جیش اسامہؓ کی جرف میں واپسی

اس دن کی صبح کے وقت جب حضرت اسامہؓ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجد میں دیکھا تو انہیں بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح آپ کی صحت عود کر آنے کا یقین ہو گیا اور وہ اپنے ہمرہان غزوہ کو ساتھ لے کر (مدینہ سے) جرف (کی سمت) روانہ ہو گئے (جہاں پر لشکر کا پڑاؤ تھا) اور فوج کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ اتنے ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کی سناؤنی آ پہنچی جس کے سنتے ہی اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ لوٹ آئے اور فوج کا علم سیدہ عائشہؓ کے دروازہ کے قریب نصب کر کے مسلمانوں کے فیصلہ کے انتظار میں سفر ملتوی کر دیا۔

سقیفہ بنی ساعدہ اور تاسیس خلافت

مسلمان گونہ پریشان تھے۔ بہر حال حضرت ابوبکرؓ کی تقریر نے انہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا یقین دلا دیا اور اپنے اپنے گھر لوٹ گئے مگر ایک گروہ محلّہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت سعد بن عبادہ (انصاری) کے ہاں جمع ہوا۔ مہاجرین میں سے چند حضرات اسید بن حضیر کی معیت میں جناب ابوبکرؓ کے ہاں (محلّہ) بنی اشہل کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت علیؓ زبیر بن عوامؓ اور طلحہ بن عبیداللہؓ جناب فاطمہؓ کے دولت خانہ میں آ کر ایک طرف بیٹھ گئے۔

سقیفہ سے آمدہ اطلاع

اتنے میں ایک شخص ابوبکرؓ اور عمرؓ کے پاس یہ خبر لایا کہ سعد بن عبادہؓ نے سقیفہ میں انصار کا مجمع لگا رکھا ہے اسنے یہ بھی کہا ہے کہ آپ دونوں کو امت کے مصالح سے تعلق ہے تو انصار کے فیصلہ سے قبل سفیقہ بنو ساعدہ میں پہنچ جایئے ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد گرامی تجہیز کے بغیر پلنگ پر رکھا ہوا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ سے عمرؓ کا سقیفہ پہنچنے کا مشورہ

جناب عمر نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا کہ ہمیں اپنے انصار بھائیوں کے ہاں جا کر دیکھنا چاہیے کہ آخر ہو لوگ کیا کر رہے ہیں اور وہ دونون حضرات سقیفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر سے دو نیک طینت انصار تشریف لا رہے تھے۔ جنہوں ل ے مہاجرین کا ذکر اذکار کرنے کے بعد سقیفہ میں جمع شدہ لوگوں کی حقیقت بیان کی۔ پھر ان دونوں کا ارادہ دریافت کیا تو ان کے بتانے پر ہا کہ آپ کو سقیفہ میں جانے کے بجائے خود اپنی جگہ مہاجرین کے مستقبل کا خیال کرنا چاہیے۔

ان ہر دو انصار نے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کا ارادہ معلوم کرنے کے بعد پھر عرض کیا کہ آپ مہاجر ہیں اور آپ کو مہاجرین سے مل کر اپنا فیصلہ طے کرنا چاہیے۔ لیکن عمر نے اصرار کیا کہ واللہ اب ہم سقیفہ ضرور جائیں گے۔

سقیفہ اور سعد بن عبادہ

سقیفہ پہنچ کر دیکھا کہ ایک صاحب چادر میں لپٹے ہوئے ہیں زمین پر پڑے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ یہ سعد بن عبادہ ہیں ان کا مزاج کچھ ناساز ہے۔

سقیفہ میں ایک انصاری کی تقریر

اتنے میں انصار کے ایک خطیب نے تقریر شروع کر دی اور حمد وثناء کے بعد فرمایا کہ اے صاحبو سب کو علم ہے کہ ہم انصار اللہ ہیں اور مسلمانوں میں جنگ آزمودہ بہادر۔ اے یاران مہاجر اا پ لوگوں کو ہم انصار کے فوج کا دستہ ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ افسوس ہے کہ آپ لوگوں کی مختصر سی جماعت نے مدینہ میں ہماری جڑیں کاٹ کر ہمیں اپنے ماتحت رکھنے کا منصوبہ بنانا شروع کر دیا۔

ابو بکرؓ کی تقریر مسالمت

انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بھی اسی طرح سوچ رہے تھے۔ یہ تقریر سننے کے بعد حضرت عمرؓ نے فتنہ کے سد باب کا تہیہ کر لیا لیکن حضرت ابو بکرؓ نے ان کی سخت کلامی کی وجہ سے انہیں تقریر کرنے سے روک دیا اور خود انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

ایھا الناس نحن المھاجرون اول الناس اسلاما و اکرمھم احسابا و اوسطھم دار واحسنھم وجوھا واکثرھم ولا دۃ فی العرب و امسھم رحما برسول اللہ

"اے دوستو ہم مہاجر ہیں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے ملک کے تمام باشندوں میں حسب ونسب کے لحاظ سے مقتدر مولد مکہ معظّمہ ہے عرب کے ہر قریہ وشہر میں ممتاز دوسروں کے مقابلہ میں وہ عمدہ ترین خوبیوں کا مجموعہ ہیں تعداد میں عرب کے تمام قبائل سے زیادہ قرابت

میں ملک کے ہر خاندان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب تر‘‘۔

اسلمنا قبلکم وقدمنا فی القران علیکم فقال تبارک و تعالیٰ والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان (٩ : ١٠٠) فمن المهاهرون و انتم الانصار اخواننا فی الدین وشرکائونا فی الفی وانصارنا علی العد د اماما ذکر تم فیکم من خیر فانتم له اهل وانتم اجدرنا بالثناء من اهل الارض جمعیا

فاما العرب فلن تعرف هذا الامر الا بهذا الحی من قریش فما الامراء ومنکم الوزراء.

”اے یاران انصار! ہم نے آپ لوگوں سے پہلے اسلام قبول کیا۔ قرآن نے بھی ہمیں آپ کے مقابلہ میں حق تقدم مرحمت فرمایا۔ واضح ہو کہ ہم مہاجر ہیں اور انصار ہمارے دینی بھائی جو غنیمتوں میں ہمارے ساتھ حصہ دار ہیں اور جنگوں میں ہمارے معین وانصار ہیں اور جو لوگ آپ نے اپنے محاسن کا اظہار فرمایا تو ہمیں بھی اس سے انکار نہیں بلکہ ہم یہاں تک تسلیم کرتے ہیں خہ دنیا میں آپ لوگ افضل ہیں۔ لیکن عرب کا کوئی قبیلہ قریش کے ماسوا کسی کی امارت پر صاد نہیں کرسکتا۔ اس لیے امیر قریش میں سے ہوگا اور وزیر انصار میں سے!“

انصار کی جوابی تقریر

حضرت ابوبکرؓ کی تقریر ختم ہونے کے بعد ایک انصاری نوجوان (حباب بن منذر اصابہ جلد ا نمبر ۱۵۲۷۔ م) نے جوش کے ساتھ فرمایا۔

ان جذیلها المحک و عذیقها المرجب منا امیر و منکم امیر یا معشر

قریش

> ”میں لکڑی کا وہ کندا ہوں جو اونٹوں کے باڑے میں ان کے بدن گھسانے کے لیے گاڑ دیا جاتا ہے اور ایسا درخت ہوں جس کی حفاظت کے لیے اس کے اردگرد اوتھاولا بنا دیا جاتا ہے (م۔ یعنی آج کے دن صرف میں ہی خلافت کی پیشتیبانی کے لیے موزوں ہوں)“۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں امیر مہاجرین میں سے منتخب کیا جائے جس کے وزیر انصار ہوں اور اس اصول کے مطابق دو مہاجر حضرات کے نام تجویز کرتا ہوں (اس موقعہ پر حضرت ابوعبیدہ الجراحؓ) بھی وہیں تشریف رکھتے تھے۔ ابوبکرؓ نے دونوں (حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہ الجراحؓ) پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ ان میں سے جسے سب مسلمان پسند فرمائیں اسے منتخب کر لیا جائے۔ اس مرحلہ پر ہر طرف سے شور بلند ہوا اور باہم اختلاف کا شبہ بڑھ گیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت عمرؓ نے باآواز بلند ابوبکرؓ سے درخواست کی کہ آپ اپنان ہاتھ بڑھائیے۔ اور حضرت ابوبکرب کی بیعت کرتے ہوئے کہا:

الم یامرک النبی بان صلی انت یا ابابکر بالمسلمین! فانت خلیفة ونحن نبایعک فنبایع خیر من احب رسول الله مناجمیعا!

> ”کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہ فرمایا تھا کہ اے ابوبکرؓ مسمانوں کو نماز پڑھاؤ۔ جس فرمان کے مطابق حضرت ابوبکرؓ آپ رسول کے خلیفہ ہیں اور ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ یقین ہے کہ جس شخص کی بیعت کی جا رہی ہے وہ ہم سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں زیادہ پسندیدہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب ہے“۔

مسجد نبوی میں تجدید بیعت

اس سے دوسرے روز مسجد نبوی میں اجتماع ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور

جناب عمرؓ نے سبقت فرماتے ہوئے (حمد وثناء کے بعد) مندرجہ ذیل تقریر کی۔

انی قد قلت لكم بالامس مقالة ما كانت هما وجدتها فی كتاب الله ولا كانت عهداً عهده الى رسول الله ولكنی قد كنت اریٰ ان رسول الله سيدبر امرنا و يبقی فيكون اخرنا وان الله قد ابقیٰ فيكم كتابه الذی به هدی الله رسوله فان اعتصمتم به هذا كم الله لما كان هداه الله وان الله قد جمع امر كم علی خير كم صاحب رسول الله صلی الله عليه و آله وسلم وثانی اثنين اذهما فی الغار فقوموا وبايعوه

> ’’صاحبو! کل جو کچھ عرض کیا ہو نہ کتاب اللہ میں مذکور ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لفظوں میں میرے سامنے بیان فرمایا۔ میرا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امر میں ایک خاص تدبیر فرماسکیں گے اور آپ کی رحلت ہمارے سامنے ہوگی۔ دوستو! اللہ نے ہمارے سپرد وہ کتاب فرمائی ہے جس کے ذریعے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہنمائی کی۔ تم نے اس کتاب کے ساتھ تمسک کیا۔ تمہارے لیے بھی بڑی کامیابی کی راہ کھلی ہوئی ہے۔ تم میں سے بہتر شخص (ابوبکرؓ) کو اللہ نے تمہارا امر تفویض فرمایا۔ ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ندیم خاص ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ قرآن ہی میں ارشاد ہے وثانی اثنین اذھما فی الغار پس اے مسلمانو اٹھو اور ابوبکرؓ کی بیعت میں مسابقت کرو‘‘۔

تقریر ختم ہونے کے ساتھ ہی ہر مسلمان نے ایک دوسرے سے سبقت کر کے بیعت شروع کی اور گزشتہ کے بعد آج کی بیعت عامہ تھی اور اول الذکر بیعت خاصہ تھی۔

خلیفہ اول کی پہلی تقریر

اتمام بیعت کے بعد خلیفہ بلافصل حضرت ابوبکرؓ نے منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تشریف لاکر تقریر ارشاد فرمائی جسے آیت حکمت وفصل خطاب کا درجہ حاسل ہے۔

اما بعد! ایھا الناس! فانی قد ولیت علیکم ولست بخیرکم ! فان احسنت فاعینونی وان اسات فقومونی! الصدق امانة والکذب خیانة! الضعیف فیک قوی عندی حتی اریح علیه حقه ان شاء الله والقو فیکم ضعیف عندی حتی اخذ الحق منه ان شاء الله والا یدع قوم الجهاد فی سبیل الله الا ضربهم الله بالذل.

”دوستو! مجھے آپ لوگوں کا امیر بنا دیا گیا ہے حالانکہ آپ حضرات سے زیادہ لائق نہیں (یہ آپ کی خوشی) بھلائی میں میری اعانت کرتے رہیے اور برائی کے موقع پر مجھے زجر فرما دیجیے۔ خیال رہے کہ راست گوئی امانت داری میں داخل ہے اور کذب بیانی خیانت ہے۔ جو تم میں کمزور ہے میرے نزدیک قوی ہے۔ جس نے بےکس شخص کا حق تلف کیا ان شاء اللہ اس کا حق دلوا دیا جائے گا اور جابر میرے نزدیک کمزور ہے۔ میں ایسے شخص سے مظلوم کا حق دلوا کر رہوں گا ان شاءاللہ!“

فان عصیت الله ورسوله فلا طاعه لی علیکم

”ہاں جو قوم دینی اور قومی جہاد چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو ذلیل کرنے میں کمی نہیں رکھتا۔ یہ بھی خیال رہے کہ اگر میں خدا اور اس کے رسول کی بےفرمای کروں تو اس حالت میں تم پر میری اطاعت کرنا واجب نہیں“۔

قوموا!! الی صلاتکم برحمکم الله

”اے دوستو! اب نماز ادا کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ اللہ تم پر رحم کرے!

تدفین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مسلمانوں میں خلافت کے متعلق جو کشمکش جاری تھی حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر سقیفہ بنی ساعدہ اوراس کے بعد مسجد نبویؐ میں مجمع عام میں (بیعت) ہوجانے پر ختم ہوگئی جس کے بعد جسد مبارک کی تجہیز وتدفین کا اہتمام شروع ہوگیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس پلنگ پر ابدی نیند میں محو تھے وہ پلنگ بدستور اسی جگہ پر تھا۔ غم زدہ اقربا اردگرد پریشان حال بیٹھے ہوئے تھے پہلے مدفن کی تعیین پر گفتگو ہوئی جس میں تین مختلف رائیں تھیں:

(الف) مکہ معظّمہ میں تدفین ہو جسے آپ کا مولد اور آپ کے اجداد کا وطن ہونے کا فخر حاصل ہے۔

(ب) بیت المقدس انبیائے کرام علیہم السلام کی آخری آرام گاہ ہونے کی وجہ سے۔ لیکن مسلمان (ب) پر متفرق نہ ہوسکتے تھے کیونکہ ابھی تک بیت المقدس پر نصرانی رومی حکومت کا قبضہ تھا جن کی پشتینی دشمنی نے مسمانوں کو کبھی چین نہ لینے دیا۔ مسلمانوں کے دل سے جنگ موتہ اور غزوہ تبوک دونوں کا داغ ابھی تک مندمل نہ ہوسکا تھا حتیٰ کہ ابھی ابھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کے لیے جیش اسامہ کو اسی فلسطین پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا جس میں شہر بیت المقدس واقع ہے۔ اور مسلمان مکہ معظّمہ کو بھی آپ کا مدفن بنانے پر رضامند نہ ہو سکے۔

(ج) مدینہ منورہ جس بستی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے رفقا کے لیے اپنے دروازے کھول دیے تھے جہاں کے باشندوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کی سعادت کی، جس شہر نے سب سے پہلے اسلا کا علم بلند کرنے کے لے سردھڑ کی بازی لگادی اور اس رائے پر تمام مسلمان متفق ہوگئے۔

اب مرقد کی جگہ کے تعیین کے لیے گفتگو ہوئی اور اس میں بھی مختلف رائیں پیش ہوئیں۔

(الف) مسجد نبوی میں منبر کی جگہ پر جہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوکر

خطبہ سناتے۔

(ب) مصلّٰی کی جگہ جہاں پر امامت الصلوۃ کے قیام فرماتے۔

مرقد کے متعلق یہ دونوں رائیں ام المومنین عائشہؓ کی اس روایت کی وجہ سے مسترد کی گئی کہ علالت کے آخری مرحلہ میں جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیاہ رنگ کی ردا اوڑھ رکھی تھی دفعتاً تکلیف بڑھ گئی جس کے اثر سے ردا کا دامن چہرہ مبارک پر پھیلا دیتے اور کبھی دامن کو رخ انور سے سرکا کر دوسری طرف پھینک دیتے۔ اسی اضطراب میں زبان مبارک سے یہ الفاظ صادر ہوئے!

قاتل اللہ قوما اتحذو ا قبور انبیاء مساجدا!

> ”خدا تعالیٰ نے ایسی قوم کو ہلاک کیے بغیر نہیں رہتا جو نبیوں کی قبروں کو مسجد بنا لے!“

ام المومنینؓ کی اس روایت سے مسجد نبوی کے اندر تدفین کا ارادہ ختم ہو گیا لیکن مرقد کی تعیین کا مرحلہ ابھی باقی تھا کہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور انہوں نے سن کر فرمایا:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یقول ما قبض نبی الادفن حیث یقبض

> ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ سنا کہ نبی کی روح جس مقام پر قفس عنصری سے پرواز کرتی ہے اس قطعہ زمین کو ان کے مرقد بننے کا شرف حاصل ہوتا ہے“۔

جس کا شرف ام المومنینؓ سیدہ صدیقہؓ کے مقدر میں تھا۔ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ی آخری آرام گاہ بھی آپ کا حجرہ قرار پائے۔ (مرقد کی تعیین) پلنگ جس مقام پر لگا ہوا تھا وہیں قبر کھودلی گئی۔

غسل میں صرف قرابت دار شریک تھے۔ جناب علی جسد اطہر کو مل رہے تھے۔ حضرت عباسؓ

اورآپ کے ہر دو صاحبزادے (افضل وقثم بشمول شقران) پردہ کیے ہوئے تھے۔ اسامہ ابن زیدؓ پانی ڈالنے پر (شقران رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدمت گار غلام ہیں) بعض حضرات نے بدن سے قمیض علیحدہ کرنے کا مشورہ دیا مگر حضرت علیؓ اوران ے دوسرے رفقا نے اسے مناسب نہ سمجھا۔ غسل کے دوران میں جسد گرامی پر مالش سے خوشبو کی لپٹوں کی وجہ سے درودیوار مہک اٹھے۔ جس پر علی ابن طالبؓ نے کہا:

بابی انت و امی! ما اطبیک حیا و میتا!

’’میرے ماں باپ نثار! زندگی میں بھی اس جسد مبارک سے خوشبو کی مہک آتی رہی اور اس حالت میں بھی‘‘۔

خوشبو کے بارے میں مستشرقین کی توجیہ

بعض مستشرقین نے اس کی توجیہ میں لکھا ہے کہ زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن چیزوں کا اشتیاق تھا ان میں خوشبو کا استعمال غالب تھا جس سے خوشبو بدن کا جزو ہی بن گئی۔

تکفین وتدفین

کفن تین چادروں سے دیا گیا جن یں دو چادریں قریہ صحار (یمن) کی بنی ہوئی تھیں اور ایک چادر دھاری دار تھی تکفین سے فارغ ہونے کے بعد فی الحال جسد مبارک کو اپنے حال میں چھوڑ کر زیارت کے لیے پردہ ہٹا دیا گیا۔ زائرین مسجد سے گزر کر آخری دیدار کے لیے آنے لگے اور درود وسلام پڑھ کر بادیدہ حسرت واپس لوٹتے گئے۔

نماز جنازہ میں ابوبکرؓ وعمرؓ کے ساتھ دوسرے مسلمانوں کی شرکت

ابوبکرؓ وعمرؓ حجرہ میں داخل ہوئے تو زائرین کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ دونوں حضرات نے

مسلمانوں کی معیت میں نماز جنازہ (بہ نیت فرادی......م) ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر ہر شخص اپنی جگہ پر خاموش کھڑا ہو گیا۔ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

السلام علیک یا رسول الله ورحمت الله و بر کاتهنشهد ان نبی ورسوله قد بلغ رسالة ربه وجاهد فی سبیله حتی اتم الله النصر لدینه وانه فی بوعده و امر الا نعبد الا الله وحده لا شریک له.

> ”السلام علیک یا رسول اللہ ورحمتہ و برکاتہ! ہم سب گواہ ہیں کہ اللہ کے نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار کی رسالت پہنچا دی۔ اس کی راہ میں اس وقت تک جہاد جاری رکھا کہ جب تک اللہ نے اپنے دین کی نصرت نہ فرما دی۔ ہم اس پر بھی گواہ ہیں کہ خدا کے رسول نے اللہ کے ساتھ جو میثاق کیا تھا۔ اسے حرف بحرف پورا کر دیا اور لوگوں نے فرما دیا کہ ہم خدائے وحدہ لاشریک کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔“

جناب ابوبکرؓ کے ہر جملہ پر حاضرین نے صدق زبان سے تائید کرتے ہوئے اور موقعہ بموقعہ آمین پکارتے۔

مردوں کے حجرہ سے باہر آجانے کے بعد عورتیں آئیں ان کے بعد بچے آئے جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق کی حسرت میں چہرہ مبارک پر نظر کرتے۔ آپ کی وفات کی وجہ سے ہر زن و بچہ دین کے انجام پر خائف تھا۔

تاریخ کی پرشکوہ گھڑیاں

یہ واقعہ جسے تیرہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے جو تاریخ کا پرشکوہ منظر ہے کہ جب اس کا تصور کرتا ہوں تو دل پر اس زور کی ہیبت اور دبدبہ سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے کہ کفن میں لپٹا ہوا پیکر حجرہ کے ایک طرف ابدی نیند میں سویا پڑا ہے یہ جسد گرامی کل سپرد لحد ہو جائے گا۔ گزشتہ کل تک یہی جسم بارک زندگی نور اور رحمت کا سرچشمہ تھا۔ یہ ایسے بزرگ کا پیکر ہے جو بنی نوع بشر کو

ہدایت وحق کی تبلیغ کرتا رہا۔ نیکی کا مصدر رحمت عالم احسان کا منبع، رفاہ عام کے ہر امر میں سبقت کا خوگر ہدایت اور رشد کا سرچشمہ سرکشوں سے مظلوم کا حق دلانے میں پیش پیش۔ آج اس مجموعہ صفات کے آخری دیدار کی تمنا دل میں لیے ہوئے انسانوں کے دل کے دل چلے آ رہے ہیں مردوں عورتوں اور بچوں کی زبان مدح سرائی میں مصروف ہے اور فرط غم سے نڈھال ہیں کہ ایسا بزرگ ان سے بچھڑ رہا ہے جوان کے لیے شفیق باپ کا قائم مقام مہربانی بھائی کا بدل مونس وغم خوار دوست محبت ووفا کا پیکر اور خدا کا نبی ورسول ہے جو آج اپنے رب کے پاس جا رہا ہے۔

ایسے لوگوں کا احساس کس قدر قابل تعریف ہے جن کے دل ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں۔ سب خائف ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد پردہ غیب سے کیا ظہور پذیر ہوگا!

جب میں آج سے تیرہ سو سال قبل کے اس منظر کا تصور کرتا ہوں تو حیرت میں کھو جاتا ہوں روح ایسے پرشکوہ نظارہ کی ہیبت سے متاثر ہو جاتی ہے، جسے ذہن میں سے محو کرنے کی کوشش کرنے کے باوجود اس پر قادر نہیں ہوا جا سکتا۔

مسلمانوں کا یہ ہراس بے سبب نہ تھا کیوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی خبر سے اطراف مدینہ کے یہود ونصاریٰ دونوں گروہ سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔ قبائل میں جو لوگ ضعیف الایمان تھے منافقت پر اتر آئے۔ اور تو اور مکہ معظّمہ کے مسلمان بھ اسلام سے برگشتہ ہونے پر تل گئے۔ عال حضرت عتاب بن اسید جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے مقرر فرمایا تھا یہ رنگ دیکھ کر چپ ہو گئے۔ اس نازک موقع پر حضرت سہیل بن عمرو کی فراست آڑے آئی، جنہوں نے مجمع عام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا اسے سے ہماری قوت میں ضعف نہیں آ سکتا۔ سن لو! جس نے اسلام کے خلاف زبان کھولی اس کی گردن اڑا دی جائے گی ذرا تو سوچو کہ تم تمام لوگوں کے بعد اسلام میں داخل ہوئے مگر سلام سے برگشتہ ہونے میں سب سے پہلے پیش قدمی کر رہے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

ہے کہ دنیا میں قریش کی برتری قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ان ہی کے ہاتھ سے ان کی نصرت کرائے گا۔

صورت تدفین

عرب میں لحد کے دو طریقے رائج تھے (۱) بغلی اور (۲) ہودہ۔ مدینہ میں بغلی کا رواج تھا اہل مکہ ہودہ بناتے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ سرد آبہ تیار کرنے کے بعد مکی طریق کے مطابق لحد بناتے اور جناب ابوطلحہ (زید بن سہیلؓ) جو اہ مدینہ کے گویا قبر کن تھے بغلی لحد تیار کرتے۔ سیدنا عباسؓ نے دونوں حضرات کو طلب فرمایا مگر تنہا ابوطلحہ تشریف لائے اور ابوعبیدہ جو دولت کدہ پر موجود نہ تھے نہ آ سکے۔ مرقد مبرک اہ مدینہ کی رسم کے مطابق تیار کیا گیا۔ نصف شب تک جب مسلمان آخری دیدار سے فارغ ہو گئے تو اہل بیت نے تدفین پر توجہ فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوڑھنے کی سرخ رنگ کی ردا کا فرش بچھایا۔ جو حضرات غسل میں شریک تھے انہیں کے ہاتھ سے جسد مبارک لحد میں رکھا۔ اسے پکچی اینٹوں سیڈھانک دیا گیا اور سرد آبہ میں مٹی ڈال کر قبر بنادی۔ ام المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نصف شب کے قریب پھاؤڑوں سے مٹی کاٹنے کی اوازسن کر اندازہ کیا گیا کہ جسد مبارک دفن ہو رہا ہے۔ (اسی طرح حضرت فاطمہؓ سے روایت کی جاتی ہے)۔

تاریخ و یوم تدفین

۱۴ ربیع الاول بروز چہار شنبہ یوم رحلت سے دو روز بعد

ام المومنین صدیقہ طاہرہؓ اور حجرہ مزار مقدس

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اسی حجرہ میں اقامت گزیں رہیں جس کے ایک حصے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرقد مبارک تھا اور رساتل مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہمسائیگی کو اپنا فخر سمجھتی رہیں اسی حضرہ میں حضرت ابوبکرؓ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائیں سمت) مدفون

ہوئے ان کے بعد جناب عمرؓ بن الخطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بائیں طرف ام المومنینؓ عائشہؓ ایک روایت میں فرماتی ہیں کہ حضرت عمرؓ کے مدفون ہونے سے قبل میں چہرہ پر نقاب اوڑھے بغیر مزار مبارک کی زیارت کے لیے حاضر ہوتی رہی اور ابوبکر کے دفن ہونے پر نقاب کی ضرورت نہ سمجھی لیکن حضرت عمرؓ کے دفن ہونے کے بعد پورا نقاب اور پورا پردہ کیے بغیر زیارت کے لیے حاضر نہ ہوتی۔''

جیش اسامہ کی روانگی

جسد مبارک کی تدفین کے بعد خلیفہ المسلمین ابوبکرؓ نے سب سے پہلے اس پر توجہ فرمائی کہ جیش اسامہ کو شام کی طرف روانہ کیا جائے کیوں کہ جس طرح مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوران میں جیش کے معاملہ پر اعتراض کیا تھا مبادا کہ وہی نکتہ چینی پھر ابھر آئے۔ اس وقت حضرت عمرؓ بھی ان لوگوں کے ہم نوا تھے لیکن آج عمرؓ کی رائے مختلف تھی وہ مصر تھے کہ فی الحال لشکر کی روانگی میں التوا کیا جائے۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی وجہ سے مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا۔ انہیں اس حادث سے یہ خطرہ بھی تھا کہ جو لوگ بھی تک اسلا کے اصولوں سے پوری طرح واقف نہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دین سے پھر جائیں اور لشکر کے موجود ہونے سے فتنہ کا انسداد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفاذ میں ایک لمحہ کی تاخیر کے روادار نہ تھے۔ نہ مسلمانوں کے اس مشورہ پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کہ سپہ کی کمان نوعمر اسامہؓ کے بجائے کسی مسن اور تجربہ کار کے ہاتھ میں دی جائے۔

اور لشکر اپنی پہلی فرودگاہ (مقام) جرف میں یک جا ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ رخصت کرنے کے لیے خود تشریف لائے اور جناب اسامہؓ سے درخواست کی کہ مجھے ہر وقت حضرت عمرؓ کے مشورے کی ضرورت ہے۔ ہو سکے تو آپ انہیں مدینہ ہی میں رہنے دیجیے۔ اور سپہ سالار نے خلیفہ المسلمین کا مشورہ قبول کیا۔

جیش اسامہؓ کی کامیابی

مدینہ سے روانگی کے بعد بیس یوم نہ گزرے تھے کہ بلقائے روم پر مسلمانوں کا حملہ ہو گیا جس میں اسامہؓ نے عیسائیوں سے غزوہ موتہ کے مقتول اور مسلمانوں اور اپنے والد کا قصاص لیا۔ مسلمان اس لڑائی میں مغلوب دشمنوں پر وار کرتے ہوئے للکار کر کہتیکہ اے مفتوحین تم مر کر ہی نجات حاصل کر سکو گے۔

دیکھنا یہ ہے کہ ابوبکرؓ اور جناب اسامہؓ دونوں حضرات نے کس خلوص و یگانگت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی۔ جب اسامہؓ بلقا فتح کر کے مدینہ واپس تشریف لائے تو سواری میں اس دشمن کا گھوڑا تھا جس کے ہاتھ سے آپ کا والد گرامی (حضرت زیدؓ) شہید ہوئے تھے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو علم اپنے دست مبارک سے گوندھ کر اسامہ کو عنایت فرمایا تھا وہ علم گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا تھا۔

انبیائے کرامؑ کی توریث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ خلیفہ المسلمین (جناب حضرت ابوبکرؓ) کے حضور تشریف لائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے حصہ خمس کی جو اراضی فدک و خیبر میں تھی بر بنائے حصہ اس اراضی کا مطالبہ پیش فرمایا لیکن خلیفہ المسلمینؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہ کے اس فرمان پر سیدہ کے ارشاد کی تعمیل سے مجبوری کا اظہار کر دیا۔

نحن معاشر الانبیاء لا تورث ماترکناہ صدقة

> ”ہم انبیاء کی جماعت میں سے ہیں جو اپنے کسی عزیز و قرابت دار کو اپنے
> متروکہ کا وارث نہیں بناتے۔ ہمارا ترکہ امت کے لیے صدقہ ہے“۔

لیکن خلیفۃ المسلمینؓ نے احتراما وکراما سیدہ سے فرمایا کہ اے بی بی اگر رسول خدا صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے یہ اراضی آپ کے لیے ہبہ فرمادی ہو تو ااپ ہی کے فرمانے سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔ سیدہ نے فرمایا یہ تذکرہ ام ایمن نے مجھ سے کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ کے لیے فدک وخیبر کی اراضی ہبہ کرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن میرے والد گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے براہ راست اس معاملہ میں مجھ سے کبھی کوئی اشارہ نہیں فرمایا سیدہ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سننے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فدک وخیبر کی ایسی اراضی بیت المال میں داخل فرمادی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خمس میں سے تھی۔

انبیاء کرام کی میراث معنوی ہے

ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو مال و زر سے کوئی چیز اپنے وارثوں کے لیے نہ چھوڑی۔ جس طرح دنیا میں تشریف لائے تھے اسی طرح خویش واقارب کی پابندی اور زر و مال کی حبت کا داغ دل میں لیے بغیر دنیا سے واپس تشریف لے گئے۔ البتہ ورثا بلکہ تمام بنی نوع بشر کے لیے اسلا اور اسلام کے ساتھ ایک ایسا تمدن چھوڑا جس کے سایے میں یہ جہاں صدیوں سے خوشی وخرمی کی زندگی بسر کررہا تھا اور رہتی دنیا تک (اہل جہان) ان دونوں سے فیض یاب رہیں گے۔ اس کے ساتھ ہی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) توحید کی بنیاد کو استوار فرمایا کلمۃ اللہ کو سر بلند اور کلمہ کفر کو سرنگوں کیا بت پرستی اور شرک کی جڑیں پاتال سے کھود کر پھینک دیں۔ انسان کو ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور محبت سے پیش آنے کی تلقین اور نافرت و کینہ سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی اور اپنے بعد قرآن کو ہدایت ورحمت کے سرمایہ کی حیثیت سے چھوڑا۔

یہ وجود مقدس کہ مظہر کامل وپیشوائے بزرگ ہیں اپنے کردار کا آخری مرقع کس حیرت انگیز طریق پر ظاہر کیا فرمایا:

ایھا الناس من کنت جلدته له ظهراً فهذا ظهری

”دوستو! تم میں سے جسے میرے ہاتھ سے کوئی بدنی ایذا پہنچی ہو قصاص

کے لیے میری پشت حاضر ہے“۔

ومن کنت شتمت له عرضا فهذا عرضی فلیستقدمنه ومن اخذت له مالا فهذا مالی فلیستا خذمنه ولا یخش الشحناء فهو لیست من شانی

”جس کسی کے حق میں میری زبان سے کوئی ناروا بات نک گئی ہو وہ شخص اسی طرح مجھ سے انتقام لے سکتا ہے جس کسی کا قرض میرے ذمہ ہو میں ادا کرنے کے لیے تیار ہوں اور ایسے حضرات کے خلاف میرے دل میں کوئی پرخاش نہ ہوگی کیوں کہ ایسی چیزوں سے میری طینت مبرا ہے“۔

اس پر ایک صاحب نے اپنے تین درہم قرض کا اشارہ کیا جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت ادا کردیا اور اس کے بعد آپ نے اپنا وہ روحانی ترکہ چھوڑ کر دنیا سے منہ موڑ لیا جسے اللہ تعالیٰ ہمیشہ باقی رکھے گا اور اپنے اس دین کو دنیا کے ہر نئے اور پرانے دین کے مقابلہ می سچا ثابت فرمائے گا ولو کرہ الکافرون (۹:۳۲)

☆☆☆

خاتمہا

اسلامی تمدن......قرآنی نقطہ نظر سے

☆☆☆

اسلامی تمدن......قرآنی نقطہ نظر سے

ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد ایسا عظیم تمدن چھوڑا جس نے صدیوں سے عالم کو منور کر رکھا ہے جس کی صلاحیت اس قدر ہے کہ جب تک دنیا قائم ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متروکہ تمدن اس کے آخری لمحے تک ضیا پاشی کر رہے گا۔ تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ قرون ماضیہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس میراث کا حقیقی ثمرہ اور اس کے نتائج سے درجہ بہرہ یاب ہوئے۔ یہ بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ اس میں مستقب کو فیض یاب کرنے کی صلاحت اور بھی زیادہ ہے اس لیے کہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے دین قیم کی بنیاد رکھی جو کائنات کی تمام خوبیوں کا حامل اور ضامن ہے۔

اسلامی تمدن اور مغرب تہذیب کا امتزاج

اس کے مزاج میں ایک خوبی یہ ہے کہ اگر اسے علم صحیح اور عقل سلیم کی آمیزش و اور استقامت کے ساتھ مربوط کیا جائے جس کے ساتھ تہذیب وتمدن کی ان اشیاء سے کا بھی لیا جائے جو اس تمدن (مغربی) کے جزو لاینفک کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں اور اپنی افادیت میں بنی نوع انسان کے لیے ضروری ہیں تو قرآن کی تعلیم کے مطابق اسلامی تمدن اور مغربی تہذیب کا یہ امتزاج خود اسلام کی تقویت کا سبب ہوگا۔ اسلام کی فطرت اور اس قسم کے غور وفکر اور ایسے قوانین دانش وعقل کے دریان ایسا رابطہ پیدا کر دیتی ہے جس سے مسلمانوں کی ان دونوں (اسلامی اور مغربی تمدن) کے درمیان مناسب رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیے لیکن یہ رابطہ کس طرح پیدا کیا جائے؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک خاص وضع کے مطابق تمدن کی تعریف اور شرح کرتا ہے اور اسی تمدن کی تعریف وتشریح مغرب دوسرے انداز سے کرتا ہے اس لیے دونوں کے تمدن کا اصل جوہر مختلف ہے۔

مغربی تمدن کا خطرناک پہلو انسانی فکر اور حقیقت صحیحہ کے درمیان تفریق ہے

مغربی تمدن کے نتائج میں سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ اس سے انسانی فکر اور حقیقت صحیحہ کے درمیان تفریق ایسی خلیج حائل ہوگئی ہے جس کا پر کرنا بظاہر ممکن نظر آتا ہے اور اس غلطی کا سبب اقتصادی نظام کو اساس قرار دینا ہے جو اہل مغرب کے ہر سیاسی کاروبار میں اولیت اور اولویت کا درجہ رکھتا ہے۔ ان دونوں کا یہ اختلاف ان کے تاریخی اسباب کا نتیجہ ہے جیسا کہ ہم اس کتاب کے قدمہ طبع اول وقدمہ ثانی (درطبع ثانی) ؤمیں قدرے بسط کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

ہوا یہ کہ جب مغرب میں ریاست اور کینسہ دونوں کے درمیان فرق رونما ہوا تو یہ اختلاف اس آخری نقطہ پر جا کر رکا جہاں حکومت اور کینہ دو مختلف گدیاں قرار پائیں یونکہ مغرب کی فکر اور نتائج کی سمتیں بھی متضاد اور مختلف ہی تھیں۔ ادھر کلیسا کی یہ تمکنت کہ وہ سلطنت پر حاوی ہے اور ادھر ریاست کو یہ اصرار کہ پوپ اور حکومت دونوں کے درمیان کوئی مذہبی رابطہ نہیں۔ دونوں کی یہ کشمکش مغرب کی سیاست کے ہر جزو وکل میں پائی جاتی ہے۔ مغرب کے ان مفکرین کے نتائج کا یک مقدمہ بھی ہے کہ عقل محض عقل مجرد اور عقل عملی (مادیات) دونوں کے درمیان بعد بعید واقع ہے اور اہل مغرب کے نزدیک ان کا موجودہ تمدن عقل عملی مادیات ہی کے صدقے میں اس بام عروج تک پہنچ سکا ہے۔

مغرب میں اسی مغالطہ کی بنا پر متعدد مفکرین نے تسلیم کر لیا ہے کہ نظام عالم بھی اقتصادیات ہی کے کھونٹے سے بندھا ہوا ہے حتیٰ کہ مغرب کے ان مفکرین میں ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں جو مذہب صنعت وحرفت اور فلسفہ و منطق میں سے ایک ایک شعبہ کو اقتصادی نظام سیمر بوط کرنے کے درپے ہیں۔ تاریخ عالم کے گزرے ہوئے ءواقعات اور قوموں کے موجودہ تصادم کے نتائج فتح وشکست کو بھی اس دور کے اقتصادی حالات کا کرشمہ تصور کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے نزدیک

نہ صرف تاریخی حوادث معاشی نظام کی برتری ونکبت کا ثمرہ ہیں بلکہ قوموں کے اخلاق کا انحصار بھی ان کے معاشی نظام کے خوبی و بدنمائی پر ہے۔ ان فلاسفہ مغرب نے معاشیات کی اس حد تک ہمہ گیری کو تخنقی تحقیق کا تدرجہ دے رکھا ہے۔

اہل مغرب کے نزدیک روحانیت صرف انفرادی درجہ تک قابل قبول ہے

مغربی فلاسفہ کے نزدیک روحانی علو (جسے دل کی پاکیزگی اور صفات کی برتری سے تعبیر کیجیے) کو اجتماعیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ وہ اسے محض انفرادی مسئلہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کے انفرادی ہونے کی وجہ سے ریاست کو افراد کے اس پہلو سے کوئی واسطہ نہیں۔ مغرب نے اس معالہ میں یہاں تک آزادی اختیار کر رکھی ہے کہ اور دوسروں کی اس آس آزادی میں ان کی پاسداری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ اپنے اصول کو بھی عقیدہ کی آزادی دینے پر محمول کرتے ہیں اور افراد کو ان کے اختیار پر چھوڑے رکھنا ریاست کے فرائض میں سمجھتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ فلاسفہ اس انفرادی مختاریت کو بھی قوم کی اقتصادی برتری ہی کا جز شمار کرتے ہیں۔

جو تمدن دوسروں کا حق چھیننے کا حریص ہوا اس کا انجام معلوم

لیکن میرے (مولف علام کے) عقیدہ کے مطابق جس تمدن کی بنیاد صرف معاشی اصلاح و بہبود اور ترقی پر قائم ہو اس طرح کہ وہ اخلاقیات کو اجتماعیت معاشی سود و منافع ہی کا ثمرہ سمجھے اس کے ساتھ ہی اخلاقیات کو اجتماعتی کا جزو لازم قرار دینے کی بجائے اسے انفرادی درجہ سے علیحدہ متصور کرنے کا دعوے دار ہوا ناممکن ہے کہ ایسا تمدن انسان کو سعادت اور کامیابی کی حقیقی راہ دکھا سکے۔ بلکہ ایسے تمدن کا حصول بالآخر قوم کو مصیبت اور تباہی میں متلا کر دے گا جیسا کہ اہل یورپ

کی روزمرہ زندگی میں نظر آ رہا ہے۔ جب تک ان کا یہ شعار رہے گا ان کی جنگوں سے دست برداری اور باہمی صلح وصفائی کا وعظ کوئی ثمرہ نہیں لاسکتا' کیونکہ ان میں اصل مسئلہ روٹی کا ہے اور وہ بھی ان میں ہر ایک قوم کی اپنی منشا کے مطابق حل ہونے کا مقتضی۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی اقوام میں سے ہر ایک ملک نے جنگی قوت بھی روٹی ہی کے نام سے بڑھا رکھی ہے لیکن اصل غرض اپنے لیے روٹی نہیں بلکہ دوسروں کے ہاتھ کا لقمہ جھپٹ لینا ہے۔ ان میں سے ہر ایک طاقت اپنے مقابل کی حکومت کو دشمنی کے سوا کسی اور نظر سے دیکھ ہی نہیں سکتی جیسے باہم انسانیت کا کوئی رشتہ ہی نہیں ہم گویا انسان بننے کے باوجود حیوانوں کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ کہہ میں سے ہر ایک قوت کو صرف ذاتی منافع کا احساس باقی رہ گیا ہے اور وہ اخلاقی مبادیات جن پر ایک دوسرے کی مودت ومحبت کا انحصار ہے مفقود ہے۔

اشتراکیت اور آمریت دونوں ایک چہرہ کے مختلف روپ ہیں

یورپ میں جو حوادث رونما ہو رہے ہیں وہ ہماری اس توجیہ اور دعویٰ کا ثبوت ہیں۔ اقوام مغرب کی موجودہ رقابت اور مبارزت اسی اقتصادی نظام کی غلط روی کا نتیجہ ہیں حتیٰ کہ ان کے تمدن کا ماحصل ایک دوسرے سے جنگ اور دشمنی کے سوا اور ہے ہی نہیں۔ یہ وبا یورپ کے اس طبقہ میں اسی طرح پائی جاتی ہے جو خود کو جدید اشتراکی نظریہ کا حامل بتاتے ہیں اور اس گروہ میں بھی جو اشتراکیت کے دشمن ہیں یعنی اجارہ داری ان آمریت جیسا کہ یورپ کی یہ دونوں قسمیں (اشتراکیت اور ان کے مخالف گروہ) ایک دوسرے کے ساتھ کی روٹی کی تاک میں اس طرح لگے ہوئے ہیں جیسے گدھ مردار کی تاک میں ہو' کہ تمدن کے یہ دعویدار ایک دوسرے کی دولت چھیننے کے لیے ہمہ وقت فکرمند لطف یہ ہے کہ دونوں گروہ انسانی حقوق کا محافظ اور اپنے کردار کو ان حقوق کے تحفظ کا پاسبان بتانے میں نہیں شرماتے۔ کاش ان قوموں کا یہ رشک ورقابت زندگی کی حفاظت

کے لیے ہوتا تو ہم ان کے زرمبارزہ میں رقابت کو بھی طبعی کہتے۔

اسی طرح مختلف اقوام وملل کا باہمی اختلاف تب اس دلیل کے لیے طبعی اور قابل قبول ہوسکتا ہے جب وہ اپنے مال کی حفاظت کے لیے ہو۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو آمریت واشتراکیت دونوں عقیدوں کے مطابق جنگ کرنا بھی طبعی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اب یہ سوال حل طلب ہے کہ قوموں کی باہمی صلح قائم رکھنے اور ان کا جنگوں سے اجتناب دونوں حالتیں کیونکر دائمی اور مستحکم ہوسکتی ہیں۔

موجودہ صدی (بیسویں) کے ثلث اول (از ۱۹۰۱ تا ۱۹۳۹) میں یورپ کی باہمی جنگوں میں جو حوادث رونما ہوئے واضح طور پر ثابت ہے کہ جن کی زندگی کا منتہیٰ محض قومیت ہی رہ گیا ہو ان قوموں میں دائمی صلح اور پائیدار دوستی کا استحکام خیالی اور ایسی آرزو ہے جس کا تصور بغایت شیریں مگر نتیجہ نہایت تلخ ہو یا محض سراب جو دور سے ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دکھائی دے رہا ہو لیکن حقیقت میں چمک دار ریتلے ذروں کا لامتناہی سلسلہ ہے۔

اسلامی تمدن کی بنیاد

مغربی تمدن کے خلاف اسلامی تمدن میں معنوی حسن زیبائی بدرجہ اتم موجود ہے جو انسان کو ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ ادراک پر آمادہ کرت ہے اور اس پر توجہ متوجہ رکھتی ہے کہ وہ خود کو بھی اپنی نظر سے اوجھل نہ ہونے دے۔ اس کا یہی ادراک جب ایمان باللہ کی حدود تک جا پہنچتا ہے تب وہ انسان اپنی روحانیت کو شائستہ اور قلب کو مزکی کرنے کا سبب صرف اس جذبہ کو بنالیتا ہے یہی ادراک اس کے لیے عقل وشعور کی ابتدائی غذا مہیا کرتا ہے جس میں فرد خود اخلاقی طور پر سربند ہوکر اپنے آپ کو انسانی برادری کے ساتھ منسلک اور محبت واحسان وپرہیز گاری کا منبع سمجھنے لگتا ہے جس کے بعد اپنی زندگی کے اقتصادی معاملات کو اسی محبت واحسان اور پرہیز گاری کے مطابق درجہ کمال تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسلام میں اس امر کی اجازت نہیں کہ اخلاقی اقدار کو راہ سے ہٹا کر نظام اقتصادی کے لیے راستہ ہموار کیا جائے۔

اسلامی تمدن کا تصور

اسلام تمدن کا یہ تصور اس قدر جاذب و مفید ہے کہ تمام انسانی کمالات و اوصاف کا کفیل ہو سکتا ہے۔ اگر اسلام کا تمدن دلوں میں بس جائے اور اس کی تنفیذ و اجراء کے لیے بھی وہی ذرائع کام میں لائے جائیں جو مغربی نظام تمدن کی ترویج و اشاعت میں استعمال کیے جا رہے ہیں تو انسانیت کے خدوخال کا نکھار کچھ اور ہی ہو۔ تمدن کی بنیاد اس انداز سے مستحکم ہو جائے کہ جس سے تمام عالم موجود بحران سے نجات حاصل کر سکتا ہے جو اسے ہر سمت سے گھیرے ہوئے ہے (موجودہ حالات میں) مشرق و مغرب اس بحران کے استیصال پر ہمہ تن متوجہ ہیں لیکن طریق کار سے بے خبر اور نہ صرف غیر مسلم ہی بلکہ خود مسلمان بھی ان کے نقش قدم پر گام زن اور ان کے جوش اتباع میں منزل کے صحیح رخ سے بے خبر ہیں۔

میں برملا کہتا ہوں کہ دنیا کے اس بحران کا حل صرف اسلام کے پاس ہے۔ جس کے لیے اہل مغرب اور مشرق کے رہنے والے ہر طرف نظر دوڑا رہے ہیں لیکن انہیں اتنا قریب دیکھنے کا موقعہ نہیں ملتا کہ ان کا یہ بحران جو باہمی قتال کا موجب بن رہا ہے نتیجہ ان کی عبادۃ المال کا اس پر طرف یہ کہ جب وہ اس بحران کو اپنے موجودہ مذہب عیسویت کا نتیجہ سمجھ کر کسی دوسرے دین کی تلاش میں نظر دوڑاتے ہیں تو ان کی نگاہ ہندومت سے ادھر کہیں نہیں رکتی۔ اسلام کہ جغرافیائی حیثیت سے ہندومت کے گہوارہ (ہندوستان) سے ان (اہل مغرب) کے قریب تر مشرق اقصیٰ میں پھیلا ہوا ہے۔ اہل یورپ اس دین پر توجہ نہیں کرتے جس کے پاس ان کے موجودہ سیاسی و معاشی بحران کا پورا حل بصورت قرآن موجود ہے مع اس شرح کے جو حامل قرآن ہے رسول عربی کی زندگی کے ہر ہر صفحہ سے ان کی مشکلات میں ان کی رہبر ہو سکتی ہے (یعنی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ......م)

دوستو! اس مقام پر اسلامی تہذیب و تمدن کی وضاحت مطلوب نہیں۔ یہ مضمون بجائے خود اس طویل بحث کا متقاضی ہے کہ اگر اس پر قلم اٹھایا جائے تو زیر تسوید کتاب (حیات محمد صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے برابر بلکہ اس سے بھی ضخیم دفتر اس کے لیے درکار ہے یہاں اس نظام اسلامی کے مجمل سی وضاحت کی جاسکتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس ضمن میں دعوت محمدیہ کا وہ انداز بھی معرض ذکر میں آ جائے جس میں ایسے مباحث کا آنا ممکن ہے۔ اگر ایسا ہو سکا تو اس سے مزید استفادہ کا مقصد حاصل ہونا ممکن ہے۔

اسلامی نظام تمدن کی مختصر توضیح

اسلامی تاریخ میں کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں مسیحی مغرب کی طرح کینسہ اور سلطنت دو مختلف ومتضاد طاقتیں تسلیم کی گئی ہوں۔ جانشیان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (خلیفہ ابوبکرؓ سے لے کر آخری خلیفہ راشد تک) نے بھی دینی حیثیت سے کوئی ایسا ضابطہ نافذ نہیں کیا جس سے خود کو مستثنٰی قرار دیا ہو۔ منصب کی وجہ سے خدا کے نزدیک کسی مسلمان کو دوسرے سلمان پر ترجیح نہیں۔ یہاں تقویٰ و پرہیز گاری قربت کا ذریعہ ہے اور نہ کسی ایسی ولی کی اطاعت ایسے امور میں کسی مسلمان پر واجب جس امر سے خداوند عالم کی معصیت کا کوئی پہلو نکلتا ہو جیسا کہ مسلمانوں کے خلیفہ اول ابوبکرؓ نے عنان خلافت اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے (اپنے پہلے خطبہ میں) فرمایا۔

اطیعونی ما اطعت الله و رسوله فان عصیت الله و رسوله فلا طاعة لی علیکم

> ”(اے مسلمانو!) جس امر میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دوں اس میں تم پر میری اطاعت واجب ہے جس امر میں خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی دعوت دوں اس امر میں تم لوگوں پر میری اطاعت واجب نہیں“۔

مگر جب خلافت کی باگ جابر حکمرانوں کے ہاتھ میں آ گئی تو گوناگوں فتنے اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن مسلمانوں کی قوت فکر و عمل پر اس کا کوئی اثر نہ ہو سکا‘ کیونکہ وہ مسلمان آزادی فکر اور قوت عقل کو ہر چیز حتیٰ کہ دین و ایمان میں بھی نظر انداز نہیں ہونے دیتے‘ جس کا واضح ثبوت

مامون الرشید (عباسی) دور سے ملتا ہے، جب ایسے حکمرانوں نے خلیفۃ الرسول کی بجائے خود کو خدا کا نائب ظاہر کرتے ہوئے مسلمانوں کی گردنوں کا مالک بنایا۔

مامون الرشید کے دور میں عقیدہ خلق قرآن کی مہم کا تصور کیجیے جس کے خاف اس نے ہر قسم کے جبر و تشدد کو فرض سمجھ لیا۔ مگر مسلمانوں نے پورے استقلال و جرات کے ساتھ مامون کے اس بدعی اور جبری قانون کی مخالفت کی اور اس راہ میں گونا گوں سختیاں برداشت کرنے سے نہ گھبرائے۔

اسلام نے عقل کو ہر معاملہ میں حاکم قرار دیا ہے

خدا تعالیٰ نے دین و ایمان دونوں میں عقل و شعور کو حاکمیت کے مقام پر رکھا ہے قرآن مجید فرماتا ہے۔

ومثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق بما لا یسمع الا دعاء ونداء صم بکم عمی فھم لا یعقلون

> ''اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ان کی مثال ایسی ہے (یعنی انہیں کورانہ تقلید کی جگہ عقل کی ہدایت کی دعوت دینا ایسا ہے) جیسے ایک چرواہا چارپائیوں کے آگے چیختا چلاتا ہے کہ چارپائے کچھ سنتے ہی نہیں مگر صرف بلانے اور پکارنے کی صدائیں وہ بہرے اور گونگے اندھے ہو کر رہ گئے ہیں پس کبھی سوچنے سمجھنے والے نہیں''۔

عقل کی حاکمیت کے بارے میں شیخ محمد عبدہ کی رائے

آیت متذکرہ بالا کی تفسیر میں شیخ محمد عبدہ فرماتے ہیں کہ قرآن جید کی اس آیت کے مطابق سمجھ بوجھ کے بغیر دوسروں کی پیروی کرنا کافروں کا شیوہ ہے۔ اس لیے جو شخص حقیقت اور صحت دونوں امور کو نہیں سمجھ سکتا ایسا شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ ایمان سے یہ مقصود نہیں کہ انسان بھی

حیوانوں کی مانند نیکی کی متابعت پر مائل ہو جائے انسانیت کا نتیجہ تو یہ ہے کہ عقل وشعور دونوں کی یک جہتی کے ساتھ علم کی راہ سے ترقی حاصل کر لے اور اس تصور کے ساتھ کہ جس کام کو بہتر سمجھ کر کیا جا رہا ہے وہ کام خدا کی رضا کا ذریعہ بھی ہے۔ اسی طرح اسے ہر اس کام سے نفرت اور اجتناب ہو جس کے بدانجا ہونے کا اسے یقین ہے۔

شیخ نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے قرآن مجید نے اسے بے شمار آیتوں میں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے۔

قرآن میں مظاہر قدرت پر غور کرنے کی ہدایت

(۱) ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتھا و بث فیھا من کل دابۃ و تصریف الریاح و السحاب المسخرین اسلماء والارض لا یت لقو م یعقلون (۲:۱۶۴)

> ”بلا شبہ آسمان اور زمین پیدا کرنے ومیں اور دن اور رات کے بعد ایک آتے رہنے میں وار جہاز میں جو انسان کی کار برآریوں کے لیے سمندر میں چلتا ہے اور برسات میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے اور اس کی آب پاشی سے زمین مرنے کے بعد پھر جی اٹھتی ہے اور اس بات پر کہ ہر قسم کے جانور زمین کے پھیلاؤ میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہواؤں کے مختلف رخ پھرنے میں اور بادلوں می جو آسمان اور زمین کے درمیان (اپنی مقررہ جگہ کے اندر) بندھے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں خے لیے جو عقل رکھنے والے ہیں اللہ کی ہستی اور اس کے قوانین رحمت کی بڑی نشانیاں ہیں“۔

(۲) وایۃ لھم الارض المیتہ احینھا واخرجنا نھا حبا فملہ یاکلون وجعلنا

فيها جنت من لخيل وا عناب وفجرنا فيها من العيون لياكلوا من ثمره وما عملته ايديهم افلا يشكرون سبحان الذى خلق الازواج كلها مما تنبت الارض ومن انفسهم ومما لا يعلمون (۳۶:۳۳تا۳۶)

”اوران (لوگوں کے) سمجھنے کے لیے ہماری (قدرت کی) ایک نشانی مری ہوئی (یعنی پڑی ہوئی) زمین ہے کہ ہم نے اس کو پانی برسا کر جلا اٹھایا اور اس سے اناج نکالا کہ اسی میں سے (یہ لوگ اپنی قسمت کا) کھاتے ہیں اور زمین میں ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اوران میں پانی کے چشمے بہائے تا کہ باغ کے پھلوں میں سے یہ لوگ (اپنی اپنی قسمت کا) کھائیں اور یہ معلوم ہے کہ یہ پھل ان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے نہیں تو کیا (یہ لوگ اس نعمت کا) شکر نہیں کرتے؟ پاک ہے وہ ذات جس نے زمین کی روئیدگی کی قسم میں سے اوران (مخلوقات) کی قسم میں سے جن کو یہ نہیں جانتے ہر قسم کی چیزیں پیدا کی ہیں“۔

(۳) وايٹهپ لهم الل نسلخ منه النهار فاذا هم مظلمون (۳۶:۳۷)

”اوران کے (سمجھنے) کے لیے ہماری قدرت کی ایک نشانی رات ہے کہ ہم اس میں سے دن کو کھینچ کر نکالتے ہیں تو بس یہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں“۔

(۴) والشمس تجرى لمستقرها ذلاک تقدير العزيز العليم (۳۶:۳۸)

”اور آفتاب (ہے) کہ اپنی ایک ٹھکانے کی طرف کو چلا جا رہا ہے یہ اندازہ خدا کا باندھا ہوا ہے جو زبردست اور ہر چیز سے آگاہ ہے)

(۵) والقمر قدرنه منازل حتیٰ عاد كالعرجون القديم (۳۶:۳۹)

”اور چاند ہے کہ اس کے لیے ہم نے منزلیں ٹھہرا دیں یہاں تک کہ آخرہ

ماہ میں گھٹتے گھٹتے پھر (ایسا ٹیڑھا اور پتلا) رہ جاتا ہے جیسے (کھجور کی) پرانی ٹہنی)“

(۶) لا الشمس ينبغی لها ان تدرک القمر ولا اليل سابق النهار و كل فی فلک يسبحون (۳۶:۴۰)

”نہ تو آفتاب ہی سے بن پڑتا ہے کہ چاند کو جالے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے (اور کیا چاند اور کیا سورج سب (اپنے) اپنے مدار (یعنی گھیرے) میں تیر رہے ہیں“۔

(۷) واية لهم انا حملنا ذريتهم فی الفلک المشحون و خلقنا لهم من مثله ما يركبون وان لشانعرقهم فلا صريح لهم ولا هم ينقذون الا رحمه منا و متاعا الی حين (۳۶: ۴۱ تا ۴۴)

”اور ان (لوگوں سے) سمجھنے کے لیے ہمارے قدرت کی ایک نشانی یہ ہے کہ ہم ان (آدمیوں) کی نسل کو بھری ہوئی کشتیوں میں اٹھائے پھرتے ہیں اور کشتی کی طرح ہم نے اان کے لیے اور چیزیں از قسم ڈونگی وغیرہ بھی پیدا کی ہیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں اور ہم چاہیں تو ان کو ڈبو دیں۔ پھر نہ تو کوئی ان کا فریادرس ہو اور نہ یہ کسی طرح ڈوبنے کی مصیبت سے چھڑائے جا سکیں گے مگر (یہ) ہماری مہربانی ہے کہ اور ایک وقت (خاص) تک (ان کو دنیاوی) فائدے پہنچانے منظور ہیں“۔

قرآن مجید نے یہ مفہوم کئی سورتوں میں ارشاد فرمایا ہے جو انسان کو مظاہر قدرت پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے، جن کے مطالعہ سے اس پر گونا گوں حقائق منکشف ہو سکتے ہیں اور جو (حقائق) بالآخر خالق کائنات پر ایمان لانے کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔ خداوند عالم اس (انسان) کی قوت عاقلہ کی فکر و تدبیر کے لیے پکار رہا ہے تاکہ (وہ) عقل و دلیل کو اپنا رہبر تسلیم کرے نہ کہ اپنے باپ

دادا کی رسومات پارینہ کو پیشوا بنائے رکھے۔

قوت ایمان کا ثمرہ

ایمان کی یہ قسم ان اسلامی تعبیرات کا ماحصل ہے جو پیرزال کے ایمان سے بالکل مختلف ہے۔ ایسا ایمان (اول الذکر) اس مرد عاقل کا سا ایمان ہے جو روز روشن میں رکھا گیا ہے۔ جس کے جانچنے والے نے اس کا ایک ایک پہلو غور سے دیکھ کر اس کے کھرے ہونے کا یقین کر لیا ہو ناممکن ہے کہ جو شخص ایسے غور و تعمق کے بعد ایمان کو تسلیم کرے وہ اس کے اپنانے میں لمحہ بھر کی تاخیر بھی گوارا نہ کر سکے!

حقائق کائنات پر غور کرنے کا نتیجہ خدا پر ایمان لانا ہے

جوں جوں انسان زمان و مکان کے اس لامتناہی سلسلہ پر غور کرتا ہے اس کا تصور اس بے تابی کے ساتھ بیدار ہوتا ہے کہ اسے خود بھی سلسلہ کائنات کا ایک جز و تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہیں۔ جس کی وجہ سے اس پر ایک مربوط ترتیب کے ساتھ منکشف ہو جاتا ہے کہ اگر وہ کائنات کے ان حقائق کے باوجود ایک ایسی ہستی پر جو حس و عقل سے مافوق الفوق ہے یقین نہ کرے اور ان حقائق کے ساتھ اپنا رشتہ منسلک کرنے سے دور پڑا رہے تو وہ اصل مقصد سے ہٹ کر سراسر نقصان میں گھر جائے گا اور یہی ادراک وہ قوت ہے جسے ایمان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

اور سرور ایمان کا درجہ

ایمان ایسا وجدان ہے کہ انسان اپنی ذات کو کائنات کے ساتھ اس طرح مربوط سمجھ سکے کہ عالم کے لامتناہی دائرہ میں خود کو نہ صرف محصور بلکہ کائنات کے اپنی ذات میں منعکس ہونے کا شعور پیدا کر لے جس کی رسم معین کے مطابق وہ اس کائنات کے ساتھ خود کو بھی مصروف گردش محسوس کرنے لگے۔ پھر اگر وہ اپنے اور کائنات دونوں کے کردگار کی عملی مدح وثنا کو وظیفہ زندگی بھی بنالے تو ایمان کا یہ درجہ اس کے دل کو سرور و انبساط کا خزینہ بنالیتا ہے۔

کنہ واجب الوجود کی تفتیش

رہا یہ سوال کہ خداوند متعال دنیا میں جلوہ فرما ہے اور اگر ایسا ہی ہے تو موجودات میں جاری و ساری ہے یا ان سے منفصل؟ اس مسئلہ پر بحث و تمحیص ایسا جدل ہے جس کا نقصان بیش از بیش اور منفعت کا شائبہ تک نہیں اور نتیجہ گمراہی! ایسا مبحث جس پر جتنی گفتگو کی جائے جہالت میں اور اضافہ ہو۔ اس تفتیش می اہل علم اور فلاسفہ نے بے حد کوششیں کیں آخر تھک کر بیٹھ گئے کہ الوہیت کا مقام ان کے ادراک سے بالا تر ہے۔ اور اس راہ میں ناکامی میں ان کی عقل کی کوتاہی حائل ہے۔

لیکن عقل و فرہنگ کی یہی کوتاہی خدائے متعال پر ایمان اور زیادہ استوار کر دیتی ہے۔ جب قلب میں یہ تقین پوری طرح جاگزیں ہو جائے کہ ذات صمدیت جلوہ فرما ہیے اور اس کا علم ہر شے پر حاوی ہے اور تخلیق کائنات اسی کی نگہ میں کرم کا صدقہ ہے۔ کائنات کی ہر شے کو بالآخر اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ یعنی پہلی حضالت میں اور پہلی حالت ہے لم یکن شیئا مذکورا (٧٦:١۔م) تب ازدیاد ایمان کے ساتھ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہم اس کی کنہ ذات سے محض نابلد ہیں کیونکہ آج کے دور مین ذات باری کے ادراک سے ماورا کوئی ایسی چیزی ہمارے سامنے موجود ہیں جن کا احاطہ کرنے سے ہم محض قاصر ہیں مثلا کہربا (Electricity) اور ایثر (Ether) جن دونوں کا وجود ظاہر میں دیکھ رہے ہیں اور یہ بھی محسوس ہو رہا ہے کہ آواز اور روشنی دونوں اس کہربا (Electricity) اور ایثر کی موجوں کے دوش بدوش پر ادھر سے ادھر منتقل ہو رہے ہیں جو ثبوت ان دونوں کہربا و ایثر کے وجود اور ان کی قوت کا لیکن جب ہم ان کی ماہیت دریافت کرنے پر متوجہ ہوتے ہیں تو ہماری بے مائیگی ہمیں پیچھے دھکیل دیتی ہے اسی طرح ہر لحہ ہم خدا کی صنعت کے گونا گوں شواہد دیکھتے ہیں لیکن اگر انہی صنعتوں کو ان کی کنہ ذات کی تحقیق میں آلہ کے طور پر استعمال کرنے کا تہیہ کر لیں تو ظاہر ہے کہ یہ کاوش خود ہماری بے فہمی پر منتج ہوگی۔ اس لیے کہ ذات واجب الوجود ہماری حد ادراک و تعیین سے بالا تر ہے اور اس کی کنہ ذات میں منہمک وہی لوگ ہیں جو

انسانیت کے حدودوفرائض متعین کرنے سے اپنا دامن سمیٹ کر واجب الوجود کی تحقیق ماہیت ان آلات وادویات سے کرنے بیٹھ جاتے ہیں جو ذرائع (آلات وادوات) ہماری ہی عقل محدود نے تجویز فرمائے ہیں

دوسرا گروہ

واجب الوجود کی کنہ حقیقت کا متلاشی دوسرا گروہ وہ ہے جس کی تجسس وادراک کے ذریع پہلے گروہ کے آلات وادوات تحقیق سے مختلف ہیں۔ جب یہ طبقہ اس مسئلہ پر متوجہ ہوتا ہے تو قرآن کی آیت۔

ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (۱۷:۸۵)

> ”(اے پیغمبرؐ) لوگ تم سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں تو ان
> سے کہہ دو کہ روح (بھی) میرے پروردگار کا حکم ہے! اور تم لوگوں کو
> (اسرار الٰہی میں سے) بس تھوڑا سا علم دیا گیا ہے“۔

پر پہنچ کر مطمئن ہو جاتا ہے اور خالق روح پر ایمان رکھنے کی بدولت ان کے دل سرور وانبساط سیمعور ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ لوگ بے جا قیل وقال سے اپنا دامن بچا کر ایک طرف ہو جاتے ہیں۔

مسلمان اور مومن کا فرق

قرآن مجید مسلمان اور مومن دونوں مس ایک قسم کی تفریق کا مبین ہے۔

قالت الاعراب امنا قل لم تومنا ا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم (۴۹:۱۴)

> ”عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ (اے پیغمبر ان سے)

> کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے ہاں یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے اور ایمان
> کا تو ہنوز تمہارے لیے گزر تک نہیں ہوا‘‘۔

اس (آیت) سے ثابت ہوا کہ اس قسم کا اسلام یا تو خوف و امید کا کرشمہ ہے یا مسلمان کے گھر میں جنم لینے کی وجہ سے اس شخص نے اسلام کو خود پر لازم رکھا یا محض اس کی تقدیس کے خیال سے اسے قبول کر لیا گیا ہے، گر نہ تو اس کے دل میں اسے جگہ لی نہ ایسے شخص نے اس کی حقیقت کو سمجھا نہ اس کے معاملہ میں یقین کے درجہ تک پہنچ سکا۔ قرآن مجید ایسے مسلمانوں کے معلق فرماتا ہے:

یخدعون اللہ والذین امنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا (۲:۹‘۱۰)

> ’’وہ ایمان کا دعویٰ کر کے اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ
> وہ خود ہی دھوکے میں پڑے ہیں اگرچہ جہل و سرکشی سے اس کا شعور نہیں
> رکھتے ان کے دلوں میں انکار کا روگ ہے پس اللہ نے (دعوت حق
> کامیاب کر کے) انہیں اور زیادہ روگی کر دیا‘‘۔

ایسے لوگ مسلمان تو ہیں مومن نہیں انکی روح سدا ضعیف عقیدہ ہمیشہ متزلزل اور قلوب ہر لمحہ غیروں کی اطاعت فرماں برداری پر مائل رہتے ہیں۔

مگر جو لوگ سمجھ کر ایمان لائے ان کے دل انہیں ایمان صادق پر قائم رکھتے ہیں اور خدا کے سوا کسی کے حکم پر نہیں جھکتے نہ کسی پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان ظاہر کرتے ہیں۔

بل اللہ یمن علیکم ان ھدکم للایمان ان کنتم صادقین (۴۹:۱۷)

> ’’بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو احسان کا راستہ دکھایا بشرطیکہ
> تم (دعویٰ اسلام میں) سچے ہو‘‘۔

ایسے شخص کا اسلام قابل قدر ہے جو صرف اللہ کی رضا طلبی کی خاطر اسے اختیار کرے۔ وہی

شخص مومن ہے جسے عاقبت کے روز حزن وملال سے سابقہ نہ ہوگا اور یہی لوگ ہیں جنہیں دنیا میں محتاجی اور ذلت سے سابقہ نہیں پڑتا کیونکہ ایمان باللہ کا صلہ عزت نفس اور استغنا ہر دوصورت میں حاصل ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اللہ اور اس پر ایمان انے والوں کے لیے سدا عزت ہے اور سعید روحی ایسے ہی ایان کی کوشش کرتی ہیں تاکہ خود کو اسرار کائنات کے قریب لے جا کر تقرب خداوندی سے بہرہ مند ہوں۔

اسرار کائنات پر آگہی کا ذریعہ

مخلوق خداوندی کا مطالعہ ایسی وقت نظر سے کیجیے جس کی دعوت علمی طور پر قرآن نے پیش فرمائی ہے صدر اول کے مسلمانوں کی مانند جن کے طریق تحقیق سے مقصود وہ نہ تھا جو موجودہ یورپ کے پیش نظر ہے۔ اسلام چاہتا ہیکہ خود کو اس نظم کے تابع کر کے زندگی کی نعمتوں سے بہرہ مند ہو۔ چہ جائیکہ یورپ کا مقصد قدرت کے انہی حقائق کے انکشاف سے محض دنیوی مفاد کی پرورش ہے۔ مگر اسلام ہر وسیلہ وذریعہ کو صرف خداشناسی کے لیے استعمال کرتا ہے اس لیے کہ انسان کو معرفت میں جس قدر وسعت حاصل ہوگی اس کے ایمان واذعان میں اسی قدر اضافہ ہوگا۔ بالآخر اسی عرفان کی بدولت اسے جماعت کے سود و بہبود کا احساس ہوگا کہ یورپ کی مانند صرف منفعت کا سودا۔

خیال رہے کہ روحانی کمالات کے وسعت انفرادی مصالح کو اپنے دامن میں جگہ نہیں دے سکتی۔ وہ تو مشرق ومغرب حتیٰ خہ چاروں سمتوں کو اپنے احاطہ میںؒ یے ہوئے ہے۔ اس لیے مادی کو روحانی کمالات پر نثار کر دینا ازبس نفع رساں اور ایسے کمالات کے حصول میں ہر جدوجہد مفید ہے۔

مگر ایسی گراں بہا متاع حاصل کرنے کے لیے محض زبانی قیل وقال کافی نہیں بلکہ علم کے ستھ قلب اذھان کو اس عالی مقصد کے حصول پر متوجہ رکھنا ضروری ہے۔ اور یہ نعمت حضور خداوندی میں استمداد اور قلب وروح دونوں کو پروردگار عالم کے لطف وعنایات کا دست نگر کیے بغیر حاصل

ہونا ممکن نہیں کیونکہ صرف وہی ذات عبادت کی سزاوار ہے اور اسی کی توجہ سے کائنات کے سربستہ راز منکشف ہونے اور زندگی کے طریقے معلوم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ یہی (ذریعہ ہے تقرب خداوندی کا جسوئے ہم اس کی نعمتوں پر اظہار تشکر کے ساتھ حاصل کرنے کے خواہش مند اور اس کے لطف وکرم کے امیدوار ہیں کہ وہ اس منزل پر فائز المرا ہونے میں ہماری دست گیری فرمائے جس منزل سے ہم دور پڑے ہوئے ہیں۔

بحکم قرآن۔

دعا و استعانت

واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیو منوا بی لعلهم یرشدون (۲:۱۸۶)

”اور (اے پیغمبرؐ) جب میرا کوئی بندہ میری نسبت تم سے دریافت کرے (کہ کیونکر مجھ تک پہنچ سکتا ہے) تو تم اسے بتلا دو کہ میں تو اس کے پاس ہوں۔ وہ جب پکارتا ہے تو اس می اس کی پکار سنتا ہے اور اسے قبول کرتا ہوں پس (اگر وہ واقعی میری طلب رکھتے ہیں تو) چاہیے کہ میری پکار کا جواب دیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ حصول مقصد میں کامیاب ہوں“۔

وایضاً

واستعینوا بالصبر والصلوة وانها لکبیرة الا علی الخاشعین الذین یظنون انهم ملقوا ربهم وانهم الیه راجعون (۲: ۴۵، ۴۶)

”اور (دیکھو) صبر اور نماز (کی قوتوں) سے (اپنی اصلاح کرلو) مدد لو لیکن نماز ایک ایسا فعل ہے (جو انسان کی راحت طلب طبیعت پر) بہت ہی کٹھن گزرتا ہے البتہ جن لوگوں کے دل اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں

> اور جو سمجھتے ہیں کہ انہیں اپنے پروردگار سے ملنا اور بالآخر اس کے حضور لوٹنا ہے تو اس پر یہ عمل کٹھن نہیں''۔

نماز

نماز جو تعلق باللہ کا دوسرا نام ہے اور مدد و نصرت کی طلب وجستجو سے تعبیر ہے خالی رکوع وسجود اور تلاوت وتکبیر کو نہیں کہتے۔ بلکہ اس کیفیت کو کہتے ہیں خہ جس سے دل میں ایمان ابھرے تقدیس واحترام کے جذبات پیدا ہوں اور عقل وخرد کو اس کی طرف پرواز کے مواقع میسر ہوں۔

لیس البر ن تولو وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتاب والنبین واتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوۃ واتی الذکوۃ والموفون بعھدھم اذ ا عاھدوا والصابرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولئک الذین صدقوا و اولئک ھم المتقون (۲:۱۷۷)

> ''نیکی اور بھلائی کی یہ راہ نہیں کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھیر لیا یا پچھّم کی طرف کر لیا یا سی طرح کی کوئی دوسری بات رسم ریت کر لی۔ نیکی کی راہ تو ان لوگوں کی راہ ہے جو اللہ پر آخرت کے دن پر فرشتوں پر آسمانی کتاب پر اور خدا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں۔ خدا کی محبت کی راہ میں اپنا مال رشتہ داروں یتیموں، مسکینوں مسافروں اور سائلوں کو دیتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اپنی بات کے پکے ہوتے ہیں جب قول واقرار کر لیتے ہیں تو اسے پورا کرتے رہتے ہیں تنگی و مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف وہراس کا وقت ہر حال میں صبر کرنے والے (اور اپنی) راہ میں ثابت قدم ہوتے ہیں تو بلا شبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو نیکی

کی راہ میں سچے ہوتے ہیں اور یہی ہیں جو برائیوں سے بچنے والے مسلمان ہیں"۔

صادق الایمان مومن

وہ ہے جو حضور قلب کے ساتھ نماز ادا کرے اور خدا کو اپنے تقویٰ پر گواہ سمجھتے ہوئے وظائف زندگی ادا کرنے کے لیے اس کی اعانت کا طلب گار ہو۔ اسی ذات سے ہدایت کی استمداد اور خود کے اسرار کائنات پر مطلع ہونے کی التجا کرے اور خدائے برتر پر اس کا ایمان اس درجہ ہو کہ ادائے صلوۃ کے دوران میں خود کو خدائے برتر و اعلیٰ کے سامنے حقیر محض سمجھے۔

جب مومن کا قلب اس درجہ تک پاک ہو جائے تو نہ صرف نماز بلکہ زندگی کے ہر وظیفہ میں خود کو ذات ذوالجلال کے سامنے حقیر ولا شے سمجھے۔ مثلاً ہم طیارہ میں پرواز کرتے کرتے فضا میں بلند ترین منطقہ میں جا پہنچے اور جب نیچے کی طرف نگاہ دوڑائی تو سر بلند پہاڑوں سینکڑوں میل میں پھیلے ہوئے دریاؤں اور بڑے بڑے شہروں پر سے گزرے نقشہ پر چھوٹے چھوٹے نشان اور مدھم سے خط کھنچے ہوئے ہیں۔ سر بفلک پہاڑوں کی بلندی ایک نقطہ کی طرف بڑھتی ہوئی نہریں اور دو خط کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ کرہ ارض کا نشیب وفراز ایک ہو کر رہ گئے نقطہ نظر آتا ہے یا ذرا سی لکیر پھر جوں جوں طیارہ بلندی کی طرف بڑھتا جاتا ہے وہ نقطہ اور یہ خط اور بھی چھوٹے ہوتے جا رہے ہیں۔ زمین جو ہزاروں لاکھوں افلاک اور ستاروں کی گود میں پڑی ہے وہ بھی ایک موہوم نقطہ کی صورت دکھائی دینے لگی۔

ان مثالوں کے بعد حضرت انسان کو خود اپنی طرف دیکھنا چاہیے جو ان پر شکوہ کروں، دریاؤں اور پہاڑوں کے مقابلہ میں ذرہ برابر سے بھی کم درجے پر ہے۔ خالق کائنات و مدبر ہستی جس کی عظمت و برتری اس (انسان) کے حدود خرد سے بالا تر ہے ایسی ذات گرامی کے سامنے یہ (انسان) کس قدر کم درجہ پر ہے۔ پس حضرت انسان جیسی بے مایہ شے کے لیے سزاوار ہے کہ جب وہ خدا کے حضور وظیفہ نماز کے لیے حاضر ہو تو اپنی قوت و ہدایت کے لیے اس بالا و برتر ذات

سے امداد کا طلب گار رہے۔

انسان کو یہ نکتہ کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ وہ خدائے عزوجل کے سامنے حقیر محض ہے اور اس تصغیر کی تلافی نہ تو مال وذر سے ہوسکتی ہے اور نہ اس کا منصب وجاہ یہ کمی پوری کر سکتے ہیں۔ البتہ ایمان خالص اور خضوع الی اللہ جن کے یمین ویسار میں نیکی وتقویٰ دونوں ہوں۔ ایسا ایمان انسان کی طبعی بے چارگی اور بے مائیگی کا مداوا کرسکتا ہے۔

یورپ کا قانون جو گزشتہ آخری صدیوں میں منضبط ہو مساوات اسلامی کے مقابلہ میں کس درجہ گھٹیا قانون ہے حتیٰ کہ آج کا یورپ بھی انسانوں میں اصل مساوات ماننے سے انکار پر مائل ہے اور وہاں بعض اشخاص کو ابھی تک خاص مراعات دی جاتی ہیں۔

از روئے اسلام نماز کی حالت میں جو مساوات ظاہر طور پر نظر آتی ہے اسلام میں عقیدہ کی آزادی کا مگر یورپ میں انسانی مساوات کا یہ قحط ایک دوسرے کا مال فریب اور منافقت کے ساتھ پوری دیدہ دلیری سے ہتھیا لیا جاتا ہے اور قانون ہی کی رعایت سے ایسے ذلیل انسان کو بچا لینا روا سمجھا جاتا ہے۔ اسلامی اور مغربی قانون مساوات میں یہی فرق ہے۔

نماز میں مساوات کا سبق

خدا کے حضور میں یہ مساوات انسانوں کو برادری کی دعوت دے کر انہیں یہ نکتہ سمجھاتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بھائی اور خالق کی عبادت میں شریک ہیں۔ جانتے ہیں کہ پرستش صرف خدائے واحد کے لیے ہے۔ یہ برادری کی ایک قسم ہے جسے قراان نے یہ دستور تلقین فرمایا ہے اور قرآن کی بدولت انہیں فکر وتدبر کی لازوال نعمت عطا ہوئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ فکر وعمل میں اسلام سے بہتر آزادی باہمی اخوت ومساوات کوئی اور قوم پیش کرسکتی ہے۔ جس کے ماننے والے ایک ہی صف میں بارگاہ ایزدی میں صف بستہ کھڑے ہوں۔ بیک وقت خشوع وخضوع میں سرشار تکبیر ورکوع اور سجدہ میں اس طرح متوجہ کہ ایک کو دوسرے پر نہ کسی قسم کی ترجیح حاصل ہے نہ کوئی امتیاز بلکہ ان میں سے ہر ایک توبہ واستغفار سے طلب اعانت کا خواستگار خدا ا کے سامنے نیکی اور تقویٰ

کے ماسوا جن کا کوئی وسیلہ نہیں! ظاہر ہے کہ جب کوئی برادری اس مرحلہ پر گامزن ہوجاتی ہے تو اس کی عبادت اس کی روح وقلب کو مادی آلائشوں سے پاک کر کے ایسے لوگوں کی قسمت میں چار چاند لگا دیتی ہے۔ جس کی روشنی میں ان پر کائنات کے سربستہ راز منکشف ہوجاتے ہیں۔

روزہ کا فلسفہ

تقویٰ کے اعتبار سے تمام انسان احکام خداوندی بجا لانے میں یکساں نہیں ہو سکتے کہ ہمارے جسم مادیت کی وجہ سے ہماری روحوں پر بھاری رہے آتے ہیں۔ اگر ہم نماز میں رکوع وسجدہ اور قرات پر اکتفا کر کے دلوں کو خدا کی طرف متوجہ نہ کریں تو یہ مادی اجسام روح کر پژمردہ رکھتے ہیں اور بہیمیت انسان پر غالب آجاتی ہے جس کے لیے ایسے اعمال ضروری ہی جو روح کو جسم پر غالب اور انسانیت کو بہیمیت پر مستولی کر سکیں۔ اسلام نے یہ صفت بیدار کرنے کے لیے ہمیں روزہ کی تلقین فرما کر اسے ہمارے مدارج میں ترقی وتقویٰ میں قوت کا سبب قرار دیا۔

یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (۲:۱۸۳)

> ”مسلمانو! جس طرح ان لوگوں پر جو تم سے پہلے گزر چکے ہی روزہ فرض کیا گیا تھا اسی طرح تم پر بھی فرض کر دیا گیا ہے تا کہ تم میں پرہیزگاری پیدا ہو“۔

نیکی اور تقویٰ توام ہیں

اور نیک وہی شخص ہے جو تقویٰ کی نعمت سے بہرہ مند ہے اور خدا پر روز قیامت پر فرشتوں پر آسمانی کتابوں پر اور پیغمبروں پر جس کا ایمان ہے جو آیہ سابق الذکر کے مطابق حرف بحرف گام زن ہے۔

روزہ شب میں پرخوری سے روکتا ہے

اگر روزہ سے یہ مقصود ہے کہ جسم روح پر بدستور مسلط رہ کر اس کی بہیمیت کر اور مہمیز دیتا رہے جیسا کہ طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک حوائج نفسانی سے دست کش رہنا مگر آغاز شب کے ساتھ ہی شکم سیری اور دوسری لذتوں کی بے تحاشا پرورش میں انہماک! حاشا اللہ روزہ کا یہ مقصد نہیں۔ چہ جائے کہ روزہ کے بغیر بھی ان لذتوں کی افراد فساد بدن کا موجب ہے۔ الٰہی! یہ کیسا روزہ ہے جو انسان دن بھر کھانے پینے سے ہاتھ کھینچے ہوئے تھا جو نہی آفتاب غروب ہوا ایک دن ان چیزوں پر جھپٹ پڑا جو دن میں اس نے خود پر حرام کر رکھی تھیں۔ یہ تو اپنے خلاف خدا کو گواہ بنانے کے مترادف ہے کہ اس نے تزکیہ نفس اور انسانیت کو سر بلند کرنے کے لیے خود پر کھانا پینا حرام نہیں کیا اور ایمان کو مدنظر رکھ کر روزہ دار رہنے کی بجائے ایسا فریضۃ ادا کیا کہ عقل جس کی اجازت دینے سے انکار کرتی ہے۔ اس نے دن بھر ناحق خود پر پابندی رکھی کہ دن کا نور زائل ہوتے ہی اپنی آزادی کا استعمال اس بے جگری سے شروع کر دیا کہ غروب آفتاب تک جن نعمتوں سے محروم تھا رات کا وقت آتے ہی ان چیزوں کا مسرقانہ استعمال ہونے لگا۔ ایسے شخص کی مثال اس چور کی سی ہے جو سرقہ کرنے سے اس لیے خود کو دور رکھتا ہے کہ یہ (فعل) انسانیت کے منافی ہے بلکہ قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے چوری کا ارتکاب نہیں کرتا!

روزہ کی حقیقت

روزہ کی حقیقت پر اس جہت سے نظر کرنا کہ یہ صرف چند قسم کی لذتوں سے محرومی کا نام ہے سراسر غلط ہے اور بالکل بے معنی ہے۔ ایسا روزہ جو محض بے سود ہے۔ بلکہ وہ تزکیہ نفس کا ایسا ذریعہ ہے کہ جسے عقل واجب سمجھتی ہے۔ روزہ دار اپنے اختیار سے خود پر لازم کر لیتا ہے کہ نفس کو ان مادی لذتوں سے دور رکھے جو اس کے قبضہ قدرت میں ہیں اور اس وسیلہ سے خود کو بلند ترین منزلت پر پہنچا سکے۔ فرضیت روزہ سے یہی باری تعالیٰ کے مدنظر ہے جیسا کہ مذکورہ الصدر آیت (۲:۱۸۳) کے ساتھ ہی (دوسری آیت) میں فرمایا:

ایا ما معدودات فمن کان منکم ریضا او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اخر وعلی

الذین یطیقونہ فدیة طعام مسکین فمن تطوع خیر ا فھوا خیرلہ وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون (۲:۱۸۴)

”(یہ روزے کے) چند گنے ہوئے دن ہیں (کوئی بڑی مدت نہیں) پھر جو کوء تم میں بیمار ہو یا سفر میں ہے تو اس کے لیے اجازت ہے کہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر روزے کی گنتی پوری کر لے اور جو لوگ ایسے ہوں کہ ان کے لیے روزہ رکھنا نا قابل برداشت ہو جیسے نہایت بوڑھا آدمی کہ نہ تو وہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہے اور وہ یہ توقع رکھتا ہے کہ آگے چل کر قضا کر سکے گا) تو اس کے لیے روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا ہے۔ پھر اگر کوئی اپنی خوشی سے کچھ زیادہ کر لے (یعنی زیادہ مسکینوں کو کھلائے) تو یہ اس کے لیے مزید اجر کا موجب ہو گا لیکن اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو سمجھ لو کہ روزہ رکھنا تمہارے لیے (ہر حال) میں بہتر ہے“۔

روزہ کے اخلاقی فوائد

ہم روزہ کی قوت سے آخری عزم اور حریت فکر بیش از بیش حاصل کر کے اپنی روحانی زندگی بہتر بنا سکتے ہیں مگر ہمارا یہ قول غیروں کے سامنے اس لیے عجیب سا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہاں سے روحانیت کی بنیادیں کھود کر ایک طرف پھینک دی ہیں اور مادیت قصر کے کنگرے اپنی فوجی قوت کی امداد سے آسمان پر پہنچا رکھے ہیں۔ انسان فکر نو کے مطابق دوسروں کے مال اور نفس پر تصرف کا مستحق ہے۔ صرف اپنی ذات پر اسے اختیار ہے اگر چہ اس کا اختیار عقل اور قانون کے خلاف کیوں نہ استعمال ہو لیکن حقیقت ایسے قانون کے خلاف رہبری کرتی ہے۔

عادت غیر متبدل شے ہے

مثلاً انسان جو عادت کا بندہ بھی ہے جس (عادت) کے مطابق وہ صبح چاشت اور شام تین

وقتوں میں تناول کا خوگر ہے اب اگر اس سے یہ تقاضا کیا جائے کہ صبح کا ناشتا ترک کر کے صرف چاشت اور شام پر اکتفا کر لے تو اتنا اختصار بھی وہ اپنی عادت پر پابندی عائد کرنا سمجھ بیٹھے گا۔

اسی طرح جن لوگوں کی عادت میں تمبا کو نوشی اس طرح مزمن ہو چکی ہے کہ اس کے بغیر وہ ایک لمحہ بھی ضبط نہیں کر سکتے' اب اگر ایسے لوگوں کو صرف دن میں تمبا کو نوشی سے روکا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ اسے اپنی آزادی پر بے محل محاسبہ تصور کریں گے۔

اسی طرح جو لوگ مقررہ اوقات میں قہوہ اور چائے یا کسی خاص قسم کے مشروب کے عادی ہو چکے ہیں اگر ایسے حضرات سے محض اوقات میں تبدیلی کا تقاضا کیا جائے تو وہ اسے اپنی آزادی پر ضرب سمجھ کر چلا اٹھیں گے۔ چہ جائے کہ محض وقتوں کی تبدیلی ان کی آزادی پر ضرب نہیں ہو سکتی' مگر وہ اسے بھی سلب حقوق کے بغیر کسی اور چیز سے تعبیر نہیں کر سکتے۔

ظاہر ہے کہ ہر مزمن کی عادت فکر کی سلامتی کے لیے خطرہ سے مبرا نہیں ہو سکتی اسی لیے ایسے حضرات بھی ہفتہ یا مہینہ میں ایک نہا یک روز اپنی ایسی عادت میں اعتدال پیدا کرنے کی کوشش جاری رکھتے ہیں۔ ان کی یہ احتیاط بھی تو ایک قسم کی روزہ داری ہی ہے مگر اس کے مقابلہ میں اسلام کا روزہ؟

معین اوقات میں روزہ کی مصلحت

خداوند عالم نے مسلمانوں پر آسانی رکھنے کی غرض سے سال بھر میں مقررہ دنوں کے روزے عائد فرما دیے ہیں جن کی پابندی غریب و امیر دونں پر لازم ہے اور ان پر قضا کے عوض ناتواں پر فدیہ مگر مسافر اور مریض کے ذمے قیام و صحت کی حالت میں قضا واجب ہے۔

صرف متعین دنوں میں روزہ کی پابندی بدنی ریاضت سے قطع نظر باہمی اخوت کا بھی ذریعہ ہے۔ جس میں ہر ادنیٰ و اعلیٰ مساویانہ حیثیت سے روحانی ریاضت کے ساتھ خداوند عالم کے حضور پیش ہوتا ہے اس صورت میں ان کے اندر باہمی مساوات میں اسی قسم کا اکمال پیدا ہو جائے گا جیسا کہ روزہ داری سے قبل ایک دوسرے کے فرق مراتب میں تفاوت نظر آتا تھا مگر اب وہ تفریق

کالعدم ہو جائے گی نماز جماعت کی مانند۔

روزہ زندگی کی مشکلات میں دلیل راہ ہے

اسی طرح جب ہم اپنے اختیار سے روزہ رکھتے ہیں تو یہ امر منکشف ہو جاتا ہے کہ عقل اگر اسرار زندگی کے صحیح معنی سمجھ لے تو خدا کے حکم سے روزہ رکھنا بعید از فہم نہیں اور نہ ایسا روزہ عادت یہ پرضرب ہے۔ بلکہ وہ عادت کی پابندی سے آزادی دلا کر نہ صرف ہمارے اندر عزم واستقلال اور آزادی کی قوت عطا فرماتا ہے بلکہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اگر انسان روحانی کمالات حاصل کرنے کی غرض سے اپنے اختیار کو اپنی کسی عادت کے خلاف استعمال کرے تو اس سے اس کی قوت فکر میں ایسی استقامت پیدا ہو جاتی ہے کہ جس سے ایمان کی طویل منزلیں آسانی سے طے کر سکتا ہے۔

تقلیدی روزہ بے معنی ہے

اور جیسا کہ محض تقلیدی ایمان کافی نہیں ہے ایسے ایمان سے بہرہ مندی اس شخص کے مسلمان ہونے کے لیے تو کافی ہے مگر یہ شخص مومن کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہی صورت ہے تقلیدی روزہ کی ہے جس کا رکھنے والا یہ گرہ لگائے بیٹھا ہے کہ روزہ اس کے اکل وشرب کی آزادی پر پہرہ ہے۔ ایسا روزہ دار اس کیف وسرور سے محروم ہے کہ روزہ تو انسان کو عادت کی قید سے آزاد کر کے اس کی روح کو قوی اور طاقت ور بنا دیتا ہے۔

اور زکوۃ وصدقہ

جب انسان روحانی قوت کی وجہ سے اسرار کائنات کے قریب پہنچ جاتا ہے تو اس پر بنی نوع انسان کی منزلت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ ہم سب ایک ہی وجود کے مختلف مظاہرات ہیں۔ تب وہ دوسرے انسان کے ساتھ محبت کرنے کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں احساس ابھر آتا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو اپنے بھائی کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے۔

طاقتور کو ناتواں پر رحم اور تونگر کو نادار کی مالی اعانت کرنا چاہیے۔ پس یہ امداد اگر مقررہ حد (نصاب) تک ہے تو زکوۃ اور اگر اس حد سے زیادہ ہے تو صدقہ ہے۔

نماز کی طرح زکوۃ بھی عبادت میں داخل ہے

قرآن مجید میں کئی مقامات پر یکجا زکوۃ و نماز کا تذکرہ فرمایا ہے جیسا کہ قارئین آیہ ذی کا مطالعہ فرما چکے ہیں:

ليس البر ان تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من امن بالله واليوم الاخر والملئكته والكتاب والنبين واتى المال على جبه ذوى القربى واليتامى والمسكين وابن السبيل والسائلين وفى الركاب واقام الصلوة واتى الذكوة (۲:۱۷۷)

”نیکی اور بھلائی (کی راہ) یہ نہیں کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھیر لیا یا پچھّم کی طرف کر لیا (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات رسم ریت کر لی) نیکی کی راہ تو ان لوگوں کی راہ ہے جو اللہ پر آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر، اور خدا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں خدا کی محبت کی راہ میں اپنا مال رشتہ داروں یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں“۔

ایضاً

واقيمو الصلوة واتواالزكوة واركعوا مع الركعين (۲ ۴۳)

”اور نماز ادا کرو (جس کی حقیقت تم نے کھو دی) زکوۃ ادا کرو (جس کا تم میں اخلاص باقی نہ رہا) اور جب اللہ کے حضور جھکنے والے جھکیں تو ان کیساتھ تم بھی سر نیاز جھکا دو“۔

وایضاً

قد افلح المومنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون والذین هم عن اللغو معرضون والذین هم للزکوۃ فاعلون (۲۳: ۱ تا ۴)

''ایمان والے (اپنی) مراد کو پہنچ گئے اور وہ لوگ ہیں جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے اور وہ نکمی باتوں کی طرف رخ نہیں کرتے اور جو زکوۃ دیا کرتے ہیں''۔

صدقہ ایمان کا ہم پلہ ہے

قرآن مجید ان دونوں (زکوۃ وصدقہ) کا حکم بار بار ارشاد فرماتا ہے جس میں کہیں صدقہ کو نیک اور مفید امور میں ثواب کامل کا وسیلہ قرار دیا ہے اور کہیں اسے ایمان کا ہم پلہ ٹھہرایا ہے مثلاً:

خذوہ فغلوہ ثم الجحیم صلوۃ ثم فی سلسلۃ ذرعها سبعون ذراعا فاسلکوہ انہ کان لا یومن باللہ العظیم ولا یحض علی طعام المسکین (۶۹: ۳۰......۳۴)

''پھر ہم اس کی نسبت حکم دیں گے کہ اس کو پکڑ واور اس کے گلے میں طوق ڈالو پھر (کشاں کشاں لے جا کر) اس کو جہنم میں دھکیل دو۔ پھر زنجیر سے جس کی ناپ گزوں میں ستر گز ہوگی اس کو خوب جکڑو (کیونکہ) یہ خدائے بزرگ پر ایمان نہیں لایا تھا اور (آپ کھانا تو درکنار اوروں کو بھی) مسکینوں کے کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا''۔

ایک اور مقام میں:

وبشر المخبتین الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبهم والصابرین علی ما اصابهم والمقیمی الصلوۃ و مما رزقنا هم ینفقون (۲۲: ۳۴..۳۵)

''اے پیغمبر! عاجزی کرنے والے بندوں کو (جنت کی) خوشخبری سنا دو

> جو ایسے نیک ہیں) کہ جب خدا کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں اور جو مصیبت ان پر آ پڑے اس پر صبر کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور جو ہم نے ان کو دے رکھا ہے ان میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں‘‘۔

اور تیسری جگہ:

صدقہ ہر عقیدہ و عمل سے برتر ہے

الذين ينفقون اموالهم باليل و النهار سرا و علانية فلهم اجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون (۲: ۲۷۴)

> ’’جو لوگ دن اور رات چھپے اور ظاہر اپنے مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں تو ان کو دیے کا ثواب ان کے پروردگار کے ہاں سے ملے گا اور (قیامت میں) ان پر نہ (تو کسی قسم کا) خوف (طاری) ہوا اور نہ وہ کسی طرح آزردہ خاطر ہوں گے‘‘۔

اور قرآن مجید نے صدقہ کا تذکرہ محض ایمان باللہ یا صرف نماز کے اجر و ثواب کا ہم پلہ ہی قرار نہیں دیا بلکہ اس صدقہ کی مدح میں ایسا عجیب پیرای اختیار فرمایا کہ گویا صدقہ اور عمل سے برتر و اعلیٰ ہے۔

ان تبدوا الصدقات فنعما هي وان تخفوها وتوتوها الفقراء فهوا خير لكم (۲: ۲۷۱)

> ’’اگر خیرات ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا ہے کہ اس سے خیرات کے علاوہ دوسروں کو بھی ترغیب ہوتی ہے اور اگر اس کو چھپاؤ اور حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے (کہ اس میں نام و نمود کا دخل نہیں ہونے پاتا)‘‘۔

اور یہ کہ

قول معروف ومغفرة خير من صدقة يتبعها اذى والله غنى حليم (۲۶۳:۲)

’’نرمی سے جواب دے دینا اور (سائل کے اصرار سے) درگزر کرنا اس خیرت سے بہت بہتر ہے جس کے دیے پیچھے سائل کو کسی طرح کی ایذا ہو اور اللہ بے نیاز اور بردبار ہے‘‘۔

يا ايها الذين آمنوا لا تبطلو ا صدقاتكم بالمن والاذى كالذى ينفق ماله رئاه الناس (۲۶۴:۲)

’’مسلمانو! اپنی خیرات کا احسان جتانے اور (سائل کو) ایذا دینے سے اس شخص کی طرح اکارت مت کرو جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے پر خرچ کرتا ہے‘‘۔

مستحقین صدقہ

انما الصدقات للفقراء والمساكين والعلمين عليها والمو لفة قلوبهم وفى الرقاب والغارمين وفى سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم (۶۰:۹)

’’خیرات (کا مال) تو بس فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور ان کارکنوں کا جو مال خیرات (کے وصول کرنے) پر تعینات ہیں اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کا پرچانا منظور ہے۔ ان مصارف میں مال خیرت یعنی زکوۃ کو خرچ کیا جائے اور نیز قید غلامی سے غلاموں کی گردنوں کے چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرضے میں! نیز خدا کی راہ یعنی مجاہدین کے ساز و سامان میں اور مسافروں کے زادراہ میں۔ یہ حقوق اللہ کے ٹھہرائے ہوئے ہیں

اور اللہ جاننے والا اور صاحب تدبیر ہے"۔

زکوۃ اور صدقہ فرائض اسلام میں سے ایک فریضہ اور دین کا رکن ہے یہ سوال کہ وہ اجزائے عبادت میں سے ہے یا محض اخلاق و تہذیب کا مظاہرہ حاشاءاللہ زکوۃ و صدقہ بھی عبادات ہیں اور اس لیے عبادت ہیں کہ تمام مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور مومن کا ایمان اس وقت کامل ہوتا ہے کہ جب اسے دوسرے بھائی کے لیے بھی وہی گوارا ہو جسے اپنے لیے پسند کرتا ہے کیونکہ مون اللہ کے نور کی روشنی میں اپنے بھائی کے ساتھ محبت کا دیوانہ ے اور فریضہ صدقہ و زکوۃ اس اخوت کو اور قریب کرن کا وہ ذریعہ ہے جو صرف اخلاق اور معاملہ بندی سے مربوط نہیں رہ سکتا اور ایان کا اس عمل سے کامل ہوسکتا ہے جو باہمی اخوت کو مستحکم کرے اور جو ایمان باللہ کی تکمیل کا باعث ہو وہ عبادت ہے۔ یہی عمل ہے جس کی بنا پر زکوۃ کو اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن قرار دیا گیا ہے۔

خلیفہ رسول حضرت ابوبکرؓ نے زکوۃ کو ایمان کا جزو قرار دیا

اور یہی سبب ہے کہ خلیفہ رسول جناب ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد مسلمانوں سے زکوۃ کا مطالبہ فرمایا تو بعض لوگوں نے انکار پر خلیفہ محمدؐ نے اس انکار کو ان کے ضعف ایمان پر محمول کرتے ہوئے سمجھا کہ یہ جو لوگ مال کو ایمان پر ترجیح دے کر اس بغاوت کے مرتکب ہو رہے ہیں جو قرآن کے روحانی نظام سے ارتداد ہے۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے ایسے لوگوں کو مرتد قرار دے کر ان کے ساتھ جنگیں کیں جو حروب الردہ کے نام سے مشہور ہیں اور خلیفہ رسولؐ اپنے اس کردار کی بدولت اسلام کی وحدت کو از سر نو مربوط کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

صدقہ کی اہمیت

اسلام نے سدقہ اور زکوۃ کو جس جلی عنوان کے ساتھ ایمان کا جزو قرار دیا ہے وہ اپنی ذات میں یہ صلاحیت لیے ہوئے ہے کہ اگر متمدن اقوام اس پر عمل پیرا ہوں تو بنی نوع بشر کے بہبود کا

ایک فریضہ خوش اسلوبی سے ادا کر سکتی ہیں۔ بخلاف اس کے مال وزر کو خزانوں میں جمع رکھنے اور دوسروں پر فوقیت حاصل کرنے کی تگ ودو میں لگے رہنے کا ثمرہ نہ صرف عوام کی مذلت بلکہ خونریز لڑائیوں کا منبع ہے۔ جو مادہ پرستی کی نحوست کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں رکھتا۔ اسی کی بدولت اخوت جیسی نعمت بیکراں سے منہ موڑ کر دوسرے بھائی کی دشمنی پر کمر باندھ لی جاتی ہے۔ اگر مادہ پرست اغور کریں تو انہیں اخوت انسانی کے سامنے مادیت سے دستبردار ہونے کے بغیر چارہ نہیں رہ سکتا۔ وہ اس مقام پر فائز ہو کر محتاجوں کی دستگیری سے خالق ومخلوق دونوں کی نظر میں ایسے محبوب بن سکتے ہیں جن کے سامنے دولت کے انبار حقیر معلوم ہوں گے کاش! اہل دول خدا پر ایمان لا کر انسانی برادری کا طبعی حق ادا کر سکیں جس کا اولین مظاہرہ محتاجوں کو افلاس سے بچا کر اور مظلوم کی چیرہ دستیوں کی زد سے ہٹا کر اس کی حرمت بحال کرنا ہے جیسا کہ دور حاضرہ میں خیراتی شفاخانے اور امدادی ادارے کام کر رہے ہیں جن سے انسانی زندگی کا تحفظ اور مفلوک الحال طبقہ کی اعانت مقصود ہے۔ یہی کام اگر برادری اور تشکر نعمت کی صورت میں کیے جائیں تو انسان کو گونہ سکون حاصل ہو اور اس کا یہ فعل کہیں بلند اور اونچا سمجھا جائے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے۔

وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الاخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض ان اللہ لا یحب المفسدین (۲۸:۷۷)

> ”اور یہ جو (سازوسامان دنیا) تجھ کو خدا نے دے رکھا ہے اس میں (سے کچھ آخرت) کے گھر کا بھی فکر کرتا رہ اور دنیا سے جو تیرا حصہ ہے اسے فراموش نہ کر اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی اوروں کے ساتھ احسان کر اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو (کیونکہ اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا)“۔

اسی قسم کی برادری بنی آدم میں محبت کا رشتہ مربوط کر سکتی ہے۔ خیال رہے کہ اسلام نے برادری کو مستحکم اور برقرار رکھنے کے لیے نہ تو وطنیت کو درخور اعتنا سمجھا اور نہ محبت و اخوت کے تقاضوں کو کسی ملک یا کسی قطعہ زمین میں منحصر جانا۔ اسلام میں محبت حدود نا آشنا ہے۔ چنانچہ اسلامی تعلیم کے مطابق محبت کا دائرہ تمام ربع مسکوں کو اپنے حصار میں لیے ہوئے ہے تا کہ خدا کی رضا جوئی کے جذبہ میں ہر شخص دوسرے کی طرف محبت کا ہاتھ بڑھائے۔ ایسی محبت ایمان باللہ میں ازدیاد کا ذریعہ ہے اور یہی محبت انسانوں کو دور دراز سے کھینچ کر ایک ایسے میدان میں جمع کرنے پر قادر ہے جو اجتماع کے لیے بے مثل مقام ہے اور جس میں محبت باہمی کا فوارہ ابل رہا ہے۔ یہ بیت اللہ ہے مکہ معظّمہ میں اور مومنوں کا یہ اجتماع حج سے موسوم ہے جس حج کے لیے ہر مومن کی زندگی میں ایک مرتبہ شدالرحال واجب ہے۔ اس لیے کہ شعائر حج ادا کرنے سے ایمان باللہ میں مزید استقامت پیدا ہو کر انسانی برادری کی قدرومنزلت میں ترقی ہوتی ہے۔

الحج اشهر معلومات فمن عرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فى الحج وما تفعلوا من خير يعلمه الله و تزودو افان خير الزاد التقوىٰ وتقون يا ولى الالباب (۲:۱۹۷)

> ”حج (کی تیاری) ک مہینے میں عام طور پر معلوم ہیں۔ پس جس کسی نے ان مہینوں میں حج ادا کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا تو وہ حج کی حالت میں ہو گیا اور حج کی حالت میں نہ تو عورتوں کی طرف رغبت کرنا ہے نہ گناہ کی کوئی بات کرنا ہے اور نہ لڑائی جھگڑا اور (یاد رکھو) تم نیک عملی کی باتوں میں سے جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں رہتا۔ پس (حج کرو تو اس کے) سروسامان کی تیاری بھی کرو اور سب سے بہتر سروسامان (دل کا سروسامان ہے اور وہ) تقویٰ ہے“۔

حج سے برادری کا رشتہ استوار ہوتا ہے

یہاں مومنین حج کے لیے جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے تعارف سے برادری اور مواخات کا رشتہ اور استوار ہوتا ہے۔ ایمان میں مزید استقامت حاصل ہو کر فرق مراتب ختم ہو جاتا ہے (اور یوں بھی مومنین میں یہ فرق نہیں) اس سر زمین میں پہنچ کر حان میں یہ احساس اور شدت سے بیدار ہو جاتا ہے کہ خدا کے سامنے ہر ایک مومن کا درجہ یکساں ہے اور یہ کہ انہیں خدا کی دعوت کو صدق دل سے قبول کرنا چاہیے اور یہ ایمان! کہ اس کی وحدانیت پر اور زیادہ متوجہ رہیں اور یہ کہ اس کی نعمتوں پر شکر مزید ادا کریں، جن میں سب سے بڑی نعمت ایمان ہے جو تمام نیکیوں اور نعمتوں کا مصدر ہے جس کی روشنی میں تمام اوہام شکست خوردہ ہو کر چھٹ جاتے ہیں جس ایمان کے سامنے مال اولاد اور جاہ و منصب زوال پذیر تصورات کی مانند نظر آتے ہیں کیونکہ ایمان ہی کی روشنی میں حقیقت، نیکی اور جمال کا صحیح ادراک ہوسکتا ہے اور کائنات کے غیر متبدل اسرار کے پرتو سے مجلی نظر آنے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سر زمین مکہ میں حج کے موقعہ پر مومنین کے دل میں اخوت کا وقار اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

اسلام کے یہ اصول و فرائض حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی صورت میں نازل ہوئے۔ یہی اصول ایمان کے ارکان ہیں جن کا تذکرہ مذکورہ الصدر آیتوں میں گزر چکا ہے۔ اور یہی اصول اسلامی زندگی کی اساس ہیں جن کے بعد ان اخلاقی قوانین کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جن کی بنیاد ایمان ہی ہے جو (اخلاق) ایمان کے شجر میں پھل اور پھول کی شکل میں نمودار ہوئے اور جن کا رنگ و بو دنیا کے کسی متمدن قوم کے ہاں دیکھنے میں نہیں آیا۔

قرآن نے اخلاقی رواداری کا جو خاکہ پیش کیا ہے اس پر عمل پیرا ہونے سے انسانیت کا اعلیٰ ترین درجہ حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ اصول قرآن کی ایک ہی سورۃ میں نہیں بلکہ متعدد حصوں میں ہیں۔ آپ دنیا کی متمدن سے متمدن قوم کے ہاں اس کا بدل نہ پاسکیں گے۔ بشرطیکہ آپ کے مدنظر یہ ہو کہ جو کردار ایمان باللہ اور تزکیہ نفس و تعقل کی بدولت حاصل ہو اور جس (اخلاق) سے مادی منفعت مقصود نہ ہو وہ اخلاق انسان کو کس بلندی پر پہنچا سکتا ہے۔

قرآنی اخلاق

اہل قلم نے مختلف زمانوں میں انسانی اخلاق کا نمونہ تحریر کیا یا اورشعراء وفلاسفہ نے عہد قدیم کے انسان کامل کی تصویر کھینچی ہے۔ ان کی یہ مشق صفحہ قرطاس پر مسلسل جاری ہے مگر ایسی غیر منقطع مشق کے باوجود کسی قوم کا ایسا نمونہ پیش نہیں کیا گیا جو اپنے خدوخال کی رعنائی میں اس قدر جاذب ہو جیسا کہ قرآن کی سورۃ اسراء (بنی اسرائیل) میں مذکور ہے یہ نمونہ اس حکمت بالغہ کا کرشمہ ہے جو خدا نے وحی کے ذریعے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتاری اور جو کسی گزرے ہوئے دور میں انسان کامل کی حکایت نہیں بلکہ بنی آدم کو اس کے وظیفہ سے آگاہ کرنا مقصود ہے۔ (فرمایا)

(۱) وقضی ربک الا تعبدو ا الا ایاہ (۱۷:۲۳)

> ''اور تمہارے پروردگار نے قطعی حکم دے دیا ہے کہ (لوگو!) اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا''۔

(۲) وبالوالدین احسانا اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما ربنی صغیرا ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صالحین فانہ کان للاوابین غفورا (۱۷:۲۳.۲۵)

> ''اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ (اے مخاطب) اگر والدین میں کا ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو ان کے سامنے انگلی (بہ تصرف مترجم) نہ اٹھانا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے (کچھ) کہنا (سننا) ہو تو ادب کے ساتھ کہنا (سننا) اور محبت سے خاکساری کا پہلو ان کے آگے جھکائے رکھنا اور (ان کے حق میں) دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے (اور میرے حال پررح کرتے رہے ہیں) اسی طرح تو بھی

ان پر (اپنا) رحم کیجیو (لوگو!) تمہارے دل کی بات کو تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے۔ اگر تم (حقیقت میں) سعادت مند ہو (اور تم سے ماں باپ کے حق میں بھولے سے بھی کوئی فروگزاشت ہوگئی ہو) تو وہ تم کو معاف کر دے گا چونکہ وہ توبہ کرنے والوں کی خطاؤں کو بخشنے والا ہے“۔

(۳) وات ذالقربی حقه واالمسکین وابن السبیل (۱۷: ۲۶)

”اور رشتہ دار اور غریب اور مسافر (ہر ایک) کو اس کا حق پہنچاتے رہو“۔

(۴) ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربه کفورا واما تعرض عنهم ابتغاء رحمته من ربک ترجوها فقل لهم قولا میسورا (۱۷: ۲۶تا ۲۸)

”اور (دولت کو) بے جا مت اڑاؤ (کیونکہ) دولت کے بے جا اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے اور اگر تم کو اپنے پروردگار کے فضل کے انتظار میں جس کی تم کو توقع ہو (بہ مجبوری) ان (غربا) سے منہ پھیرنا پڑے تو نرمی سے ان کو سمجھا دو“۔

())۵) ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر انه کان بعباده خبیرا بصیرا (۱۷: ۲۹.۳۰)

”اور اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑو کہ (گویا) گردن میں بندھا ہے اور نہ اس کو بالکل ہی پھیلا دو (ایسا کرو گے) تو تم ایسے ہی بیٹھے رہ جاؤ گے اور لوگ تم کو ملامت کریں گے (اور) تم تہی دست ہو گے۔ (اے پیغمبرؐ) تمہارا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی روزی چاہتا ہے نپی تلی کر دیتا ہے (اور) وہ اپنے بندوں (کے حال) سے باخبر (اور

ان کی ضرورتوں کا) دیکھنے والا ہے“۔

(٦) ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقھم و ایاکم ان قتلھم کان خطا کبیرا (١٧ : ٣١)

”اور (لوگو!) افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ اولاد کا جان سے مارنا بڑا بھاری گناہ ہے“۔

(٧) ولا تقربوا الزنیٰ انه کان فاحشة وساء سبیلا (١٧ : ٣٢)

”اور زنا کے پاس (ہو کر بھی) نہ پھٹکنا کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی برا چلن ہے“۔

(٨) ولا تقتلو النفس التی حرم الله الا بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل انه کان منصورا (١٧ : ٣٣)

”اور کسی کی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے ناحق قتل نہ کرنا اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے والی (وارث) کو (قاتل سے) قصاص لینے کا اختیار دیا ہے تو اس کا چاہیے کہ خون (کا بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرے) کیونکہ (واجبی بدلہ لینے میں بھی) اس کی جیت ہے“۔

(٩) ولاتقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشده (١٧ : ٣٤)

”اور جب تک یتیم اپنی جوانی کو نہ پہنچ لے اس کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسی طرح پر کہ (یتیم کے حق میں بہتر ہو)“۔

(١٠) واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا (١٧ : ٣٤)

”اور عہد پورا کیا کرو کیونکہ قیامت میں عہد کی باز پرس ہوگی“۔

(١١) واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالاسطاس المستقیم ذالک خیر وا

حسن تاویلا (۱۷:۳۵)

’’اور جب ناپ کر دو تو پیمانے کو پورا بھر دیا کرو اور (تول سے دینا ہو تو) ڈنڈی سیدھی رکھ کر تولا کرو۔ (معاملے کا) یہ بہتر (طریق) ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے‘‘۔

(۱۲) ولا قـقف مـا لیـس لک بـه عـلـم ان السمع والبصر و الفواد کل اولائک کان عنه مسئولا (۱۷:۳۵)

’’اور (اے مخاطب) جس بات کا تجھے علم (یقینی) نہیں (اٹکل پچو) اس کے پیچھے نہ ہو لیا کر کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان سب سے قیامت کے دن پوچھ گچھ ہوتی ہے‘‘۔

(۱۳) ولا تـمـش فی الارض مـرحـا انک لـن تـخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا کل ذالک کان سیئه عند بک مکروھا (۱۷:۳۷.۳۸)

’’اور زمین پر اکڑ کر نہ چلا کر کیوں کہ اس دھماکے کے ساتھ چلنے سے تو زمین کو پھاڑ نہیں سکے گا۔ اور نہ (تن کر چلنے سے) پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکے گا۔ ان سب باتوں میں جو بری ہیں سب ہی تو تمہارے پروردگار کے نزدیک ناپسند ہیں‘‘۔

حسنات کی تلقین وفصاحت بیان

کیا انسان کے لیے اس سے بہتر ارتقاء وکمال اور تزکیہ نفس کا درس ممکن ہے؟ ان آیتوں میں شوکت الفاظ وفصاحت بیان وغوامض معانی اور اعجاز تعبیر سب کے سب کس قدر مربوط ہیں کہ پڑھنے والے ان کی تقدیس وتعظیم کے لیے بے اختیار لبیک پکار اٹھیں! بلکہ قرآن نے روحانی اور اخلاقی تربیت کے لے جو اشارہ فرمایا ہے اگر اسکے ایک کرشمہ کی توضیح بھی کی جائے تو حکایت طویل ہو جائے گی اور کتاب (زیر تسوید) کا خاتمہ جس نہج پر لکھا جا رہا ہے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

اسی قدر کافی ہے کہ قرآن کے سوا کوئی اور کتاب انسان کو ایسی نیکی اور شرافت کی ترغیب دیتی ہے اور نہ کوئی دوسرا صحیفہ انسان کے لیے دوسروں کے ساتھ ساتھ حسن سلوک رحم و کرم مواخات و مودت باہمی تعاون و رفاقت صدقہ و خیرات وفا کیشی و ادائے امانت خلوص دل اور صدق لہجہ عدل وعفو، صبو و استقامت، تواضع و انکسار، ہمدردی اور شفقت باہم، امر معروف و نہی عن المنکر کی تلقین اس پیرایہ و اعجاز کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

سیئات سے تنبیہ

اور اسی طرح نہ کوئی اور صحیفہ اسے (انسان کو) جبن و نامردی، خوف و حسد، بغض و ظلم، ایک دوسرے پر ظلم و ستم، کذب و چغلی، اسراف و بخل، بہتان و غیبت، بدامنی و فساد، بے وفائی و خیانت، الغرض ہر قسم کے اخلاق ذمیمہ و منکرات سے قرآن کی مانند ہی کرتا اہے پھر انداز بیان کی یہ ندرت! یہ اس وحی الٰہی کا صدقہ ہے جو نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ قرآن میں سے کسی سورۃ کا مطالعہ کیجیے نیکی اور امر بالمعروف کی تلقین اور نہی منکرات پر مختلف پیرایوں میں تنبیہ اور کمالات کی جانب ترغیب دیکھنے میں آئے گی جن سے روح از خود کمال و رفعت کی طرف پرواز کرے گی مثلاً آیہ ذیل میں

برائی کے عوض بھلائی

ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ نحن اعلم بما یصفون (۲۳:۹۶)

"اے پیغمبرؐ (اگر کوئی تمہارے ساتھ بدی کرے تو) بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ دیکھنے میں بہت ہی اچھا ہو"۔

ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن فاذالذی بینک و بینہ عداوۃ کانہ ولی خمیم (۴۱:۳۴)

"اورا (اے پیغمبرؐ) نیکی اور بدی کے برابر نہیں ہو سکتی۔ برائی کا دفیعہ ایسے

> برتاؤ سے کرو کہ وہ دیکھنے والوں کی نظر میں بہت ہی اچھا ہو اگر ایسا کرو گے تو (تم دیکھ لو گے کہ) تم میں اور جس شخص میں عداوت تھی تو اب ایک دم سے وہ تمہارا گویا دل سوز دوست ہے"۔

یہ بھی فراموش نہ کیجیے کہ قرآن کی طرف سے جس عفو کی تلقین ہو رہی ہے وہ (عفو) کسی ضعف وکمزوری کا نتیجہ نہیں بلکہ احسان ومروت کی وجہ سے انسان کو دنائت سے بچانے کے لیے ہدایت فرمائی جارہی ہے۔

(۱) واذا حییتم بتحیة باحسن منها اوردوها (۴:۸۶)

> "اور (مسلمانو!) جب تم کو کسی طرح پر سلام کیا جائے تو (اس کے جواب میں) اس سے بہتر (طور پر) سلام دیا کرو یا (کم سے کم) ویسا ہی جواب دو"۔

(۲) وان عـاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به ولئن صبرتم لهو خیر للصابرین (۱۶:۱۲۶)

> "اور مسلمانو! دین کی بحث میں مخالفین کے ساتھ سختی بھی کرو تو ویسی ہی کرو کہ جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہو اور اگر (لوگوں کو ایذاؤں پر) صبر کرو تو بہر حال صبر کے حق میں صبر بہتر ہے"۔

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح ایک دوسرے کے مظالم وچیرہ دستی سے چشم پوشی کر لینا جبن یا نارسائی کی وجہ سے نہیں بلکہ انسان کو اس کے اس علو کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے جس فطرت نے اس کے خمیر میں سودیا تھا۔ قرآن نے جس شرف وبزرگی کی تلقین فرمائی اس کی اصل اسلام کے اس پیش کردہ تمدن سے مربوط ہے جو مسلمانوں کو ایک برادری کے رشتہ میں منسلک کرنا چاہتی ہے۔ اور جس رشتہ نے مشرق اور مغرب دونوں کو مربوط کر رکھا ہے۔ اخوت وبرادری میں جو عدل ورحمت پر مبنی ہے جہاں ضعف وناتوانی کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اس برادری سے مقصد

صداقت و بھلائی اور تفضیل میں مساوات کے سوا کوئی اور پہلو نظر نہیں آتا۔ اس اخوت کے سامنے مستعجل منافع ناقابل قبول ہیں۔ اس معاشرہ کے تمام منسلکین ممدوح ہیں۔

دوسروں کو خود پر ترجیح

آیہ یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصة (۵۹:۹)

صرف خدا کا خوف

آیہ ویخشونه ولا یخشون احدا الا الله (۳۳:۳۹)

ایفائے عہد

آیہ والموفون بعھدھم اذا عھدوا [3] (۲:۱۷۷)

تکالیف میں ضبط

آیہ والصابرین فی الباساء والضراء و حین الباس [4]

آیہ الذین اذا اصابتھم مصیبة قالو انا لله وانا الیه راجعون [5] (۲:۱۵۶)

---

[1] اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو (مہاجرین) بھائیوں کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں۔

[2] اور خوف خدا رکھتے تھے اور خدا کے سوا سے نہیں ڈرتے تھے۔

[3] اپنی بات کے پکے ہوتے ہیں۔ جب قول و اقرار کر لیتے ہیں تو اسے پورا کرتے رہتے ہیں۔

[4] تنگی و مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت ہر حال میں صبر

کرنے والے اور اپنی راہ میں ثابت قدم ہوتے ہیں۔

۵؁ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کبھی کوئی مصیبت ان پر آن پڑتی ہے تو ان کی زبان پر یہ صدا ہوتی ہے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون (ہماری زندگی اور موت رنج وغم جو کچھ بھی ہے سب اللہ ہی کے لیے اور ہم سب کو بالآخر مرنا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے)

گفتگو میں لہجہ کا انداز

جو آیه ولا تصعر خدک للناس ؁ ۱

کو نظر انداز نہیں کرتے ہیں۔

بخل سے اجتناب

آیه ومن یوق شح نفسه فاولئک هم المفلحون ؁ ۲ (۹:۵۹)

انہی کے حق میں وارد ہے۔

فحش باتوں سے پرہیز

جو یہ آیہ

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا لهم عذاب الیم فی الدنیا والاخرة (؁۳ الخ (۱۹:۲۴)

کے مطابق ایسے مومن ہیں کہ اس فاحش سے اپنے دامن کو آلودہ نہیں ہونے دیتے۔

کبائر سے اجتناب

اور آیہ

والـذيـن يـجـتـنبـون كبـر الاثـم والـفـوا حــش واذا مـا غضبوا هم يغفرون ؎۴ (۳۷:۴۲)

کے مطابق نہ صرف فحش باتوں سے بلکہ دوسرے دوسرے کبائر سے بھی اپنا دامن بچائے رکھتے ہیں۔

عفوو ترحم

اور آیہ

والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس (۱۳۴:۳)

نے انہیں اپنے سایہ عفوو رحمت میں لے رکھا ہے۔

ناحق بدظنی

اور جو آیہ

اجتـنبـوا كثيـرا من اظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا يغتب بعضكم بفصا ايحب احدكم ان ياكل لحم اخيه ميتا فكر هتموه ؎۵ (۱۲:۴۹)

کے مطابق نہ تو ایک دوسرے پر ناحق بدگمان ہوتے ہیں اور نہ ایک دوسرے مسلمان کے اندرون خانہ کی جستجو ان کا شیوہ ہے۔

۱؎ اور لوگوں سے بے رخی نہ کرو۔

۲؎ اور بخل تو سب ہی کی طبیعتوں میں ہوتا ہے مگر جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح یاب ہوں گے۔

۳؎ جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں فحش باتوں کا چرچا ہو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور آخرت مس بھی اور ایسے

لوگوں کو اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

۴؎ اور جو بڑے بڑے گناہوں سے بے حیائی کی باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو (لوگوں کی) خطاؤں سے درگزر کرتے ہیں۔

(۵) (لوگوں کی نسبت) بہت شک کرنے سے بچتے رہو کیونکہ بعض شک (داخل) گناہ ہیں اور ایک دوسرے کی ٹٹول میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں ایک ایک کو ایک پیٹھ پیچھے برا کہے۔ بھلا تم میں سے کوئی (اس بات کو) گوارا کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ یہ تو یقیناً تم کو گوارا نہیں تو غیبت کیوں گوارا ہو کہ یہ بھی ایک قسم کا مردار کھانا ہے۔

منع رشوت

اور جو آیہ

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بها الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم ؎ ۱ (۲:۱۸۸)

کی ہدایت سے متاثر ہو کر مقدمہ بازی میں رشوت دہی سے اپنا حق حاصل کرنے کی سعی نہیں کرتے۔

ترک حسد

اور جو آیہ

ولا یغتب بعضکم بعضا ؎ ۲ (۴۹:۱۲)

کی انہی سے متاثر ہوکر ایک دوسرے کا حسد کرنے سے یک طرف ہیں۔

ترک فریب

اور جو آیہ

ویل للمطففین الذین اذ کتالوا علی الناس یستوفون و اذا کالو ھم اووز نوھم یخسرون ہ۳(۸۳: ۱ تا ۳)

کے ایسے پابند جو کسی کے ساتھ مکر و فریب سے پیش نہیں آتے۔

یاوہ گوئی کی مذمت

اور جو آیہ

عن اللغو معرضون ہ۴(۲۳: ۳)

کے منطوق! اور خود کو ہر قسم کی بے ہودہ گفتگو سے دور رکھتے ہیں۔

ہجو کرنے سے نہی

اور آیہ

یا ایھا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منھم ولا نساء من نساء عسی ان یکن خیرا منھن ولا تلمذو انفسکم ولاتنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک ھم الظالمون ہ۵ (۴۹: ۱۱)

کی ہدایت فرمائی سے متاثر ہو کر کبھی مومن کی منفضت نہیں کرتے۔

---

[۱] اور دیکھو! ایسا نہ کرو کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھاؤ اور نہ ایسا کرو کہ مال و دولت کو حاکموں کے دلوں تک پہنچان کا

(یعنی اپنی طرف مائل کر کے دوسروں کے مال کا کوئی حصہ ناحق حاصل کر لو)

۲ ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کرو۔

۳ کم دینے والے کی بڑی ہی تباہی ہے کہ لوگوں سے ماپ کر لیں تو پورا پورا لیں اور جب ان کو ماپ کر یا انکو تول کر دیں تو کم کر دیں۔

۴ اور جو لوگ نکمی باتوں کی طرف رخ نہیں کرتے۔

۵ مرد مردوں پر نہ ہنسیں۔ عجب نہیں کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو۔ نہ ایک دوسرے کو نام دھرو ایمان لائے پیچھے بدتہذیبی کا نام ہی برا ہے اور جو (ان حرکات) سے باز آئیں تو وہی خدا کے نزدیک ظالم ہیں۔

اسلامی اور تاجرانہ اخلاق میں تفریق

جیسا کہ ابھی ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ وہ برگزیدہ صفات جن کا تعلق تہذیب نفس اور حسن کردار کے ساتھ ہے قرآن کے اخلاقی نظام نے ان میں سے ایک ایک صفت کو اپنے دامن میں لے رکھا ہے۔ اس نظام میں ایمان باللہ اساس ہے۔ کیونکہ اخلاق کی نمو و بقا ایمان باللہ کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اسی ایمان باللہ کے پرتو میں روح (انسانی) آلائشوں سے منزہ ہو کر از خود نیکی کی طرف متوجہ ہوتی ہے بخلاف ازیں اگر انسان کے سامنے محض مادی منافع اور تبادلہ ہو تو ایسا شخص اخلاق کو بھی حسن معاملت کے ساتھ سودا بازی کے طور پر استعمال کرے گا اور جہاں اپنی منفعت میں خسارہ پائے گا دوسرے کے سات بھلائی کرنے سے اس کا ہاتھ خود بخود رک جائے گا۔ کیونکہ تاجرانہ اخلاق کی تہ میں جلب منفعت کے سوا کوئی اور مقصود نہیں ہوتا۔ یہی سبب ہے کہ ایسے افراد کے دل

اور زبان ایک دوسرے سے متفق نہیں رہ سکتے۔ زبان پر حفظ امانت اور ادائے حقوق کے قصائد مگر دل میں مقابل کی جیب کتر لینے کے مسودے! ہاتھ میں ایسی ترازو جس کی تول خریدار کے حق میں سراسر خسارہ مگر اپنا نفع ازل سے مدنظر!

اخلاق کا یہ انداز دور حاضرہ کے تمدن میں پوری طرح گھل مل گیا ہے۔ بار ہا سنا جاتا ہے کہ فلاں شہر میں خلفشار پیدا ہو رہا ہے۔ جب اسباب تلاش کیے جاتے ہیں تو تہ میں صرف مال و دولت اور جاہ و منصب کی کشمکش ہوتی ہے۔ ان فسادات کی ذمہ داری جن افراد کے سر پر ڈالی جاتی ہے بظاہر وہی لوگ معاشرہ میں ممتاز اور حسن اخلاق میں سند یافتہ سمجھے جاتے ہیں لیکن ان کا یہ رکھ رکھاؤ حقیقت میں محض نمائشی ہوتا ہے کہ جہاں سود و زیاں میں کشمکش دیکھی اخلاق کا دامن جھٹک کر منافع کے انبار پر ڈھیر ہو گئے۔ ان میں بعض افراد ایسے چھپے رستم ہیں جو اعلانیہ خود کو رسوائی سے بچائے رکھتے ہیں مگر درپردہ برائی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور بعض ایسے زود پشیمان کہ اپنی رسوائی کا چرچا عام ہو جانے کے خوف سے خودکشی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ موجودہ دور تہذیب میں یہ کردار ہر متمدن قوم پر حاوی ہے۔ جس اخلاق کا پس منظر صرف حصول منفعت ہو جہاں نفع میں زوال دیکھا دولت اخلاق جواب دے گئی۔

اخلاق بر بنائے ایمان

مگر جو اخلاق قرآنی ہدایت کے مطابق ایمان باللہ اور عقیدہ یعنی اخلاق برائے اخلاق پر مبنی ہو اس پر کسی قسم کے خسارے کا خوف موثر نہیں ہو سکتا۔ ایسے افراد کا پس منظر نیت ہے جو نفع و نقصان میں یکساں سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے جو شخص لاٹری کا ٹکٹ اس نیت سے حاصل کرتا ہے کہ اس رقم میں سے ایک چیز خیراتی شفا خانہ کی نذر بھی کر دے گا تو ظاہر ہے کہ اس سودے میں خیرات و احسان پیش نظر نہیں بلکہ اپنی منفعت مقدم ہے۔ ضمناً اس کا ایک جزو شفا خانے کے لیے بھی سہی! ایسے شخص کے مقابلہ میں ایک کریم النفس ہے ان لوگوں کی جستجو میں سرگرداں جنہیں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے میں شرم دامن گیر ہے۔ مگر حالات کا تقاضا ان کے حال تباہ کی

غمازی کر رہا ہے یہ شخص ان کی دست گیری کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیتا ہے۔ ایسے فرد کی خیرات کس قدر حسن نیت پر مبنی ہے!

اسی طرح وہ شخص جو قانون کی زد سے بچنے کے لیے عدالت کے سامنے جھوٹ بولنے سے گریز کرتا ہے مگر دوسرا فرد مصدق مقال کی عصمت قائم رکھنے کی خاطر سچی گواہی دیتا ہے ان دونوں کا فرق ظاہر ہے۔ اس لیے جس اخلاق کی نمائش سودوزیاں کے انداز میں ہو نہ کہ شرف انسانیت کی بقا قائم رکھنے کی غرض پر مبنی ہو تو ظاہر ہے کہ دوسری قسم ایمان باللہ کے بغیر مستحکم نہیں ہو سکتی۔

شراب اور جوئے کی مذمت

قرآن عقل کے صحیح استعمال کا محرک ہونے کی بنا پر ایسے امور سے بہ شدت منع کرتا ہے کہ جو عقل پر اثر انداز ہوتے ہیں اور قرآن ایسے امور سے از راہ ایمان و اعتقاد منع فرماتا ہے۔ ان کاموں میں شراب اور جوا دونوں ایسے موثرات ہیں جنہیں قرآن نے ناپاک اور شیطانی عمل سے تعبیر فرمایا ہے۔ بظاہر ان دونوں میں منفعت کی جھلک بھی پائی جاتی ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے کہیں زیادہ ہے جس کی وجہ سے دونوں سے کلیۃ دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جواری کا دھندا ملاحظہ ہو۔ ضیاع اوقات اور اخلاقی قدروں سے تجاوز اس کا نتیجہ ہیں۔ اور شرابی کا؟ ادھر نشہ سر پر سوار ہوا ادھر حواس الوداع۔ ہوش میں جن امور کو رذیل سمجھ کر ان کے قریب نہ پھٹکتا تھا وہی کام نشے میں مرغوب خاطر ہیں۔

شراب اور جوا مسلمان کے امۃ وسطا بننے میں مانع ہیں

قرآن نے جو اخلاقی نظام پیش فرمایا ہے اس میں انسان کے لیے دنیا کی نعمتوں سے کنارہ کشی نہیں۔ قرآن کا یہ مقصود نہیں کہ مسلمانوں کو رہبانیت کے چکر میں ڈال کر اسے اسرار کائنات پر ورو فکر کی نعمت سے محروم کر دے۔ مگر شراب اور جوا انسان کو خواہشوں کا ایسا پرستار بنا دیتے ہیں کہ

جس سے ایسے تصورات ان کی لوح وفکر سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں۔ قرآن اعتدال کے ساتھ اخلاقی نظام کی دعوت پیش کررہا ہے تاکہ انسان اپنا صحیح موقف حاصل کرسکے یعنی مسلمانکو امت وسطیٰ بننے کا جو موقع دیا گیا ہے اس کے لیے کوشش جاری رکھے جو شراب اور جوئے ایسے دھندوں میں ڈوبے رہنے سے نہیں مل سکتا۔

قرآن ہمیں کائنات اور مخلوق خدا میں غور وفکر کرنے کی بار بار تاکید فرماتا ہے۔ کبھی ھلال نو پر کبھی شمس قمر پر، کہیں دن اور رات پر گاہے زمین اور اس کی پیداوار پر، افلاک اور ان کی آرائش ستارگاں کی طرف، دریاؤں اور ان یک سینے پر تیرنے والی کشتی اور جہازوں پر جو ہمارے سفر اور تجارت کا ذریعہ ہیں چوپایوں کی حکایت سے جن پر سواری اور ان میں ہماری شان وشوکت کا سامان ہے اور علوم وفنون میں۔ الغرض کائنات کی ان گنت نعمتوں کا بار بار اعادہ وتکرار تاکہ ان چیزوں پر غور کرکے ہم مادی منافع بھی حاصل کرسکیں۔

شراب اور جوا اور اقتصادی نظام

اور ان نعمتوں پر خالق ہر دوسرا کا شکریہ بھی ادا کرسکیں جن پر عقل کی رہنمائی کے بغیر دست رس ناممکن ہے اور بالآخر یہی غور وفکر اور تعقل ہمارے اقتصادی سود وبہبود پر منتج ہوسکتے ہیں۔

سود کی حرمت

اگر اقتصادی نظام کی اساس اخلاق وشرف پر قائم ہو تو وہ بنی نوع بشر کی آسائش کا صحیح مبنی ہو گی اور انسان کی نحوست کا ستارہ خود بخود ماند پڑ جائے گا۔ قرآن کا یہ نظریہ انسان کو عقیدہ اور ایمان کی قوت سے فضائل اخلاق کی طرف مائل کرتا یہ تاکہ دنیا بدبختی اور شقاوت سے پاک ہوجائے۔ جو شخص اس نظریہ پر عمل پیرا ہوگا وہ سود جیسی بے برکت تجارت کو جس کے ہاتھ میں موجودہ اقتصادی نظام کی باگ ڈور ہے ایک لمحہ کے لیے گوارا نہ کرے گا۔ اسی وجہ سے قرآن نے ربا (جس نے ہر طرف شقاوت پھیلا رکھی ہے) کو قطعاً حرام قرار دیا ہے۔

سودخوری کا انجام

الذین یاکلون الربوا الا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس (۲:۲۷۵)

’’جو لوگ حاجت مندوں کی مدد کرنے کی جگہ (الٹا ان سے) سود لیتے اور اس سے اپنا پیٹ پالتے ہیں (یاد رکھیں کہ ان کے ظلم وستم کا نتیجہ ان کے آگے آنے والا ہے) وہ کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر اس آدمی کا سا کھڑا ہونا جسے شیطان کی چھوت نے باولا کر دیا ہو (یعنی مرگی کا روگی ہو)‘‘۔

ایک اور آیت میں

سوداورزکوۃ

وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند الله وما اتیتم من زکوۃ تریدون وجه الله فاولئک هم المضعفون (۳۰:۳۹)

’’اور (یہ) جو تم لوگ سود دیتے ہو تا کہ لوگوں کے مال میں بڑھوتری ہو تو وہ (سود) خدا کے ہاں (پھولتا) پھلتا نہیں (یعنی اس میں برکت نہیں ہوتی) اور (وہ) جو (محض) خدا کی رضا جوئی کے ارادے سے زکوۃ دیتے ہو جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہی اپنے دیے کو خدا کے ہاں بڑھا رہے ہیں‘‘۔

سود کی حرمت تمدن کا ایسا رکن ہے جس پر تمام عالم کی آسائش منحصر ہے مثلاً ربو کی ادنیٰ ترین صورت یہ ہے کہ صاحب مال خود کوئی مشقت کیے بغیر اپنے مدیون کی کمائی سے ایک معین رقم وصول کر لیتا ہے۔ اس لیے کہ اس نے غریب کو چند روپے قرض عنایت فرما دے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ دائن خود کاروبار کرنے کی صلاحیت سے معرا نہ ہوتا تو دوسرے کو اپنی رقم کیوں دیتا (وہ خود کام کر

ہی نہیں سکتا) اور کام کی صلاحیت سے محروم ہونے کی وجہ سے اگر اپنا راس المال دوسرے کو سود پر نہ دیتا تو ایسے نکھٹو کی دولت رفتہ رفتہ تلف ہی تو ہو جاتی۔ بہتر صورت یہ تھی کہ سرمایہ دار متعین منافع مقرر کرنے کے بجائے ایسے محنت کش کے ساتھ سود و زیاں دونوں میں حصہ دار ہوتا۔ سود مدیون کے لیے ایسی مصیبت ہے کہ کاروبار میں خسارہ کی صورت میں غریب کو اصل کے ساتھ سود خوار کی مقررہ شرح بھی ادا کرنا پڑتی ہے اور سود کے اس نقص کی وجہ سے شریعت نے اسے کلیتہ قرار دیا ہے۔

”اجارہ“ اور سود میں تفریق

اگر معترض یہ کہے کہ روپیہ بھی زمین یا سواری کی طرح اجارہ پر دیا جا سکتا ہے اور مال دار اس پر جو منافع مقرر کر دے وہ اجارہ ہی ہے تو یہ اعتراض عقل کے خلاف ہے کہ روپیہ مال مثمر (یعنی اس کی محض ذات منفعت رساں نہیں اسے یا تو خرچ کیا جا سکتا ہے یا اندوختہ نہ کہ اراضی اور سواری کے جانور وغیرہ کی مانند اس کی ذات نفع رساں ہے روپیہ کی نسبت اس قسم کا حسن ظن بے وقوف یا مجنوں ہی رکھ سکتے ہیں جو اس کے استعمال سے ناواقف ہیں البتہ اسے مضاربت پر دیا جا سکتا ہے۔ جس میں نفع اور نقصان دونوں کا امکان ہے مگر روپیہ کے سوا دوسری چیزوں میں خسارہ بہت کم احتمال ہے اور یہ احتمال عام دستور کے مطابق مضاربت کا مانع نہیں اور جہاں اس قسم کی صورت رونما ہو ارباب قانون اس پر فریقین کے درمیان مناسب تصفیہ کر دیتے ہیں جس میں صاحب مال اور ستاجر دونوں کو زیر بار کیا جاتا ہے نہ صرف متاجر کو۔

لیکن سود؟ مثلاً سات یا نو فی صدی یا اس سے کم و بیش پر لین دین ہوا جس کے نتیجہ میں قرضدار ہی گھاٹے میں رہے گا جس میں یہ صورت اور بھی ہولناک ہے کہ خسارہ اصل رقم کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبا۔ مگر مقروض پر واجب ہے کہ مالدار کے حضور اصل رقم اور سود دونوں پیش کرے۔ اخلاقی طور پر یہ صورت کس قدر افسوس ناک ہے جس کا نتیجہ برادری اور باہمی حبت کی بجائے دشمنی اور کینہ جوئی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا اور اسی کی بدولت موجودہ دور نہایت مہلک بحران

میں گرفتار ہے۔

جب سود کی معمولی نقصان دہ قسم کا یہ ہولناک نتیجہ ہو تو اس کی دوسری اقسام کا اثر کیا ہو گا؟ مثلاً ضرورت مند نے تجارت کے سوا دوسرے اخراجات یا اہل وعیال کے نان ونفقہ کے لیے سودی قرضہ لیا تو اس کی ادائیگی کہاں تک کر سکے گا ماسوائے ازیں کہ غیب سے کشائش کا امیدوار ہے کہ اگر کچھ ہاتھ لگ جائے تو ادا کر دے۔ قرآن نے قرض کی ادائیگی کو بھی فرض قرار دیا ہے۔ لیکن ایسے مقروض کو کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا؟ اس قسم کا یہ سود وحشیانہ تو نہیں؟ سود مردم کشی کا مترادف تو نہیں؟ اس قدر معیوب طریقہ کے مالدار سود کے نام سے لوگوں کے مال ہتھیا لینے کا جرم کرتے ہیں خداوندا ایسا قبیح سرقہ قانون پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کو چوری کی سزا دے بلکہ اس سے بھی زیادہ سزا۔

سود اور استعمار

موجودہ دور کی ہمہ گیر اور مشہور ترین گرفت استعمار سود ہی کا ثمرہ ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ سرمایہ دار ملک کسی غریب خطہ کو تاک لیتا ہے اور اپنے لگے بندھوں میں سے دو دو چار چار دولت مندوں کو اس خطہ میں چپ چاپ بھیج دیتا ہے جو وہیں کے نادار باشندوں کو سودی قرضہ دینا شروع کر دیتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان کی آمدنی کے ذرائع پر قابض ہو جاتے ہیں جب مقروض طبقہ کروٹ لیتا ہے تو اپنی یہ حالت دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

جونہی لوگ ان پیران تسمہ پا سے نجات کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کرتے ہیں ان کے بھیجنے والی حکومت اپنی رعایا کے تحفظ حقوق کا نعرہ لگا کر الٹا اس خطہ پر دوڑ پڑتی ہے اور بالآخر ان کا تسلط قائم ہو جاتا ہے۔ اب اس سے خطہ کے باشندے اور قدیم حکمران ان بیاجیوں کو بھیجنے والوں کی رعایا اور وہ ان کے بادشاہ ہو جاتے ہیں، جس کے بعد ملک کے اصلی باشندوں کی غیرت بے حیائی سے بدل جاتی ہے اور ایمان غفلت کی نذر ہو کر برسوں کے لیے منہ ڈھانکے پڑا رہتا ہے۔ لیکن جو قومیں زوال ونکبت کے مآل کو سمجھتی ہیں وہ سودی قرضہ کا لین دین کرنے سے دور رہ کر اپنے

ایمان اور مال دونوں پر خود ہی قابض اور مسلط رہتی ہیں۔

استعمار

جنگوں کا مصدر اور شقاوت کا ایسا بوجھ طومار ہے جس کے بوجھ تلے آج انسانیت سسک سسک کر دم توڑ رہی ہے یہ سود کا پروردہ ہے۔ سود اور یہ دونوں جور و ظلم کی تیغ براں۔ جب تک دونوں میں سے ایک کا ہیولیٰ موجود ہے انسان محبت اور اخوت کا منہ نہیں دیکھ سکتا اور اس کا استیصال اس وقت تک ناممکن ہے جب تک معاشرہ قرآنی بنیادوں پر قائم نہ ہو۔ وہ قرآن جو وحی کی صورت میں نازل ہوا۔

اسلامی اشتراکیت

قرآن بجائے خود اشتراکیت کا حامی ہے مگر اس کی اشتراکیت کے سائے میں نہ تو جنگوں کی ہماہمی ہے نہ ایٹم بم اور آکسیجن بموں کی غارت گری، نہ اس کے ہاں اجارہ داری (استعمار) میں جکڑنے کے داؤ پیچ ہیں جو مغربی اشتراکیت کا جزو لاینفک ہیں۔ قرآنی اشتراکیت ایسی اخلاقی سربلندی ہے جس کے سائے میں مختلف ملکوں کے رہنے والے ایک دوسرے کی اخوت و برادری سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ایک خطہ کے باشندے دوسرے وطن میں رہنے والے مسلمانوں کی کفالت کا اور دونوں باہم تعاون میں کس قدر پیش پیش رہتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے کے ساتھ اس کی سرکشی اور معصیت میں اعانت کا ہاتھ نہیں بڑھا سکتے

تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (۵ : ۲)

قرآنی اشتراکیت کا ایک ایک حرف نظام صدقہ و زکوۃ کی شکل میں ہے جس زکوۃ کی ادائیگی اس قرآن کے ماننے والوں پر فرض ہے اور جس زکوۃ کا نتیجہ وہ اشتراکیت نہیں جس کے نام پر ایک جماعت ماتحت طبقہ کو اپنی قوت سے بے بس کر دے۔ قرآنی تمدن میں قوم یا فرد دونوں میں سے کسی جز کو دوسرے جز پر تفوق نہیں۔ یہاں باہم دگر ایسی برادرانہ مساوات کا درجہ حاصل ہے کہ

تمدن حاضرہ کے دربار میں جس کی پذیرائی ناممکن ہے اس لیے کہ وہاں مغرب مین وقتی مصالح پر ایمان ہے جن کی پابندی کے بغیر ان مصالح کا استحکام محال ہے مگر یہاں ایمان کی متابعت ہے جس کا ثمرہ اخوت و برادری ہے الٰہی! دونوں کا پس منظر کس قدر مختلف ہے!

اور ایسا ایمان جس کی متابعت سے مومن اس قدر جری ہو جاتا ہے کہ اگر بس ہو تو ضرورت مند سائل اور سوال کرنے سے اپنا دامن سمیٹے رکھنے والے دونوں قسم کے محتاج کی ضروریات خوراک (م۔ جسے اشتراکیت کی بولی میں روٹی کہا جاتا ہے) لباس، رہائش معالجہ، تعلیم اور رکھ رکھاؤ یعنی تہذیب ہر ایک میں ان کی اعانت لازم اور بغیر تاخیر لازم ہے اور اپنے دل یا زبان سے کسی قسم کا احسان و کرم جتائے بغیر اس کی پابندی کرتا رہے کہ ایسی سبقت خدا کی دین پر اظہار تشکر ہے اور حقیقی عطا کنندہ کا شکریہ اخلاقاً واجب۔ یہ بھی قرآن کی ہی تعلیم ہے۔ بایں مقصد کہ جماعت کے پس ماندہ طبقہ کو اس سطح کے قریب تر لایا جا سکے جس پر زکوۃ عطا کرنے والا فائز ہے۔

قرآنی اشتراکیت میں حق تملیک

قرآنی اشتراکیت میں حق تملیک پر اس طرح کا قبضہ نہیں کرتی جو کچھ عرصہ تک مغربی اشتراکیت کا مایہ فخر رہا ہے۔ حتیٰ کہ روسی بالشویک کے اکابر کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ حق تملیک پر کلی تصرف غیر ممکن ہے البتہ املاک کے منافع و پیداوار میں عوام کا اشتراک ضروری ہے مگر ریاست اس امر کی مجاز نہیں کہ عوام کے منافع کی غرض سے ایسا قانون جاری کرے جس کی رو سے حق تملیک کا کلیۃً سلب ہو جائے۔

اصحاب نبیؐ میں اشتراکیت کا تصور

ان حضرات میں اس نقطہ خیال کے مطابق دو مختلف تصورات تھے۔

(الف) وہ عالی حضرات جو تملیک کے قطعاً خلاف اور نہ صرف پیداوار بلکہ پیداوار کے مصادر و منابع پر بھی عوام کے تصرف و دخل درآمد کے موید تھے۔

(ب) اراضی پر بھی دوسرے (عروض) (خرید و فروخت دونوں کے قابل) کی طرح حق تملیک حاصل ہے۔

مگر یہ دونوں فریق اختلاف رائے کے باوجود یورپ کے موجودہ اشترا کی تقسیم اموال کے طریق پر اس انداز سے متفق تھے کہ:

(الف) مشترکہ مفاد کے لیے اموال کا جمع کرنا ہر فرد کا ذمہ ہے۔

(ب) مشترکہ خزائن میں سے معاشرہ کے ہر ضرورت مند کی کفالت نگران بیت المال کے ذمے ہے۔

اس لیے ہر مسلمان کو حق حاصل تھا کہ جب تک اپنا خود تکفل نہیں کر سکتا اس کی ضروریات بیت المال سے پوری کرنا چاہئیں اور جو حضرات بیت المال کے منتظم تھے ان پر یہ ذمہ داری کہ ایسے خستہ حال افراد کی کفات نظر انداز نہ ہونے دیں

قرآن کے جس دستور معاشرہ کا ہم نے تذکرہ کیا ہے عقل منداس کی تکذیب نہیں کر سکتا۔ نہ یہ دعویٰ صحیح ہے کہ ایسا دستور مسلمانوں کے صدر اول میں تو واقعی مقبول و محمود ہو سکتا ہے۔ لیکن موجودہ دور میں س کی افادیت موثر نہیں ہو سکتی اور نہ ایسا ادعا تسلیم قابل ہے کہ یہ دستور پورے معاشرہ کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

ایسے معترض ذرا پیچھے مڑ کر دیکھیں کہ صدر اول میں مسلمانوں کے امیران کے حالات سے کس حد تک باخبر رہتے نہ کوئی ضرورت منداُن کی نظر سے اوجھل ہوتا ہے کہ وہ روسی اشتراکیت کی مانند تقسیم اموال کی سرحد پر پہنچ کر دم نہیں توڑ دیتی۔ اس (اسلامی) کی اشتراکیت کے ڈانڈے جو اخوت اور روحانی زندگی کی حدوں کو چھو رہے ہیں ان کی برکت و پذیرائی سے انسان اخلاقی اور اقتصادی بہبودی دونوں قدروں پر فائز ہو جاتا ہے مثلاً اسلامی دستور اشتراکیت کی یہ شق کہ

حدیث یحب لاخیہ میں اشتراکیت کی تعلیم

لا یومن احد کم حتی یحب لا خیه ما یحب لنفسه (الحدیث)

> ”شرط ایمان یہ ہے کہ مومن وہی کچھ دوسرے مومن کے لیے پسند کرے جو اسے اپنے لیے پسند ہے“۔

اس کے وہی معنی ہیں کہ اگر مومن اپنا شکم بھرے اور دوسرے بھائی کی روٹی کا خیال اسے نہ رہے تو ایسا شخص مومن نہیں رہا۔ اسلامی دستور اشتراکیت کے مطابق یہ شخص جو دوسروں کی روٹی کی فکر سے بے نیاز ہے قرآنی دستور اشتراکیت کے مطابق اس کے لیے یہ تہدید فرمائی گئی۔

آیہ ارایت الذی میں

ار ء یت الذی یکذب بالدین فذالک الذی ید ع الیتیم و لا یحض علی طعام المسکین (۱۰۷ : ۱ تا ۳)

> ”(اے پیغمبرؐ) بھلا تم نے ایسے شخص کے حال پر کبھی نظر کی جو (روز) جزا کو جھوٹ سمجھتا ہے اور (اسی سبب سے) یہ شخص ایسا سنگ دل ہو گیا ہے کہ یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو آپ کھانا کھانا تو درکنار لوگوں کو بھی اس کے کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا“۔

اور قرآن نہ صرف تقسیم وعطائے ظاہری بلکہ در پردہ وعلانیہ بحسب مصالح ہر دو صورت میں غریبوں کی روٹی کا خیال رکھتا ہے بہ مقصد آیاتے

ان تبدوا الصدقات فنعما ھی و ان تخفوھا و توتو ھا الفقراء فھو خیر لکم (۲ : ۲۷۱)

> ”اگر خیرات ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا ہے (اس سے خیرات سے علاوہ دوسروں کو بھی ترغیب ہوتی ہے) اور اگر اس کو چھپا کر دو اور حاجت مندوں کو دو تو یہ تو تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے“۔

الذین ینفقون اموالھم بالیل والنھر سرا و علانیہ فلھم اجرھم عند ربھم (۲ : ۲۷۴)

> ’’جولوگ رات اور دن چھپے اور ظاہر میں اپنے مال (اللہ کی راہ میں) خرچ
> کرتے ہیں تو ان کے دیے کا ثواب ان کے پروردگار کے ہاں سے ان کو
> ملے گا‘‘۔

اس قسم کی اشتراکیت میں ایثار کی بدولت انسان کا ایمان اور زیادہ ہو جاتا ہے، جس کا ثمرہ اسے تقرب و رضائے پروردگار کی صورت میں حاصل ہوتا ہے اور قلب کے سکون و طمانیت سے اسے خود پر رشک آنے لگتا ہے۔

خداوند عالم نے انسان کی کسی حالت اور نعمت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے ہم مثل نہیں بنایا۔ کسی امر میں ایک کو دوسرے پر فوقیت ہے اور اس دوسرے کو کسی وجہ سے پہلے پر تفوق۔

الله يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر (۱۳:۲۶)

> ’’اللہ جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے نپی تلی
> کر دیتا ہے‘‘۔

بایں سبب درجات میں برابری قائم رکھنے کی غرض سے اسلام نے پابندی عائد فرما دی کہ چھوٹے بڑے دونوں ایک دوسرے کی توقیر نظر انداز نہ ہونے دیں۔ بزرگ چھوٹوں پر شفقت فرمائیں اور توانگر مفلسوں کی دست گیری کے لیے ہاتھ پھیلائے رکھیں جو خدا کی عطا کردہ نعمتوں پر اظہار تشکر ہے نہ کہ ایک دوسرے پر احسان و کرم۔

قرآن میں ترکہ و وصیت و معاملات و تجارت کے فوائد

قرآن نے اقتصادی نظام کے مختلف پہلوؤں از قسم ترکہ و وصیت و معاملات اور تجارت پر جس انداز سے رہنمائی کی ہے اگر ان کے فقہی اور اقتصادی فوائد پر قلم اٹھایا جائے تو ایک مستقل کتاب ہو جائے گی۔ اتنا کافی ہے کہ ان معنوں میں دنیا کا کوئی قانون اس کے مقابلہ میں پورا نہیں اتر سکتا بلکہ اسلام کے تجارتی اصولوں سے قطع نظر اگر لین دین (قرضہ محض) کے انداز تحریر و تمسک و شہادت پر نظر کی جائے یا زوجہ و شوہر کے باہم اختلاف پیدا ہو جانے پر دونوں کے تجدید

تعلقات کے لیے فریقین کے ایک ایک صاحب فراست کامل کا انہیں سمجھانا تاکہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے ان میں دائمی تفرقہ پیدا نہ ہو جائے، یا مسلمانوں کے ایسے دو گروہوں کے درمیان جو ایک دوسرے پر تلواریں سونت کر امنڈ پڑنے کے قریب پہنچ چکے ہیں اور مصالحت کی بجائے قتال پر کمر بستہ ہو گئے ہیں صلح و آشتی کی سعی کرنا امن قاء کرنے کے لیے مظلوم فریق کی نصرت قرآن کے یہ اصول پڑھنے سے حیرت ہوتی ہے کہ اس آسمانی صحیفہ نے معاشرہ کے لیے کیسے کیسے مفید قوانین پیش فرمائے ہیں۔

پس اگر ہم اس کتاب سے سود خواری کی مذمت اور اسلامی اشتراکیت کی برتری پیش کرتے ہیں تو کون سا طرفہ ہے جس سے انکار کیا جاسکے۔ جب کہ قرآن میں ایسے قوانین مشرح اور مفصل طیرق سے موجود ہی ہوں جن کی قوت و پذیرائی کی صلاحیت کی وجہ سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قرآن میں انسانیت کے سود و منفعت کا کما حقہ احترام ملحوظ رکھا گیا ہے۔

قرآنی نظام تمدن اور مستشرقین

جیسا کہ ہم نے قرآنی نظام تمدن اور اس کی اساس کی وضاحت کی ہے مستشرقین میں سے بھی بعض اہل قلم اس کی افادیت کے معترف ہیں۔ اگرچہ بعض افراد اس پر اعتراض کرنے پر بھی پیش پیش مثلاً

قرآنی نظام تمدن اس قدر بہتر ہے کہ انسان اپنی فطری پستی کی وجہ سے اس کی پیروی کرنے سے قاصر ہے، اس لیے کہ اسے قبول کر لینے کے بعد اس کی زندگی دشوار ہو جائے گی کیونکہ وہ انسان امید و بیم اور حرص و ہوا دو گونہ عذاب میں مبتلا ہے۔ آخر وہ حیوان ہی تو ہے۔ اس لیے اسلامی نظام حیات اس کی حیوانیت سے سراسر بار ہے۔ اگر اس میں شبہ کیا جائے تو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ انسان کو ہوس اور بے جا طمع سے دور رکھنا مقصود ہے تاکہ وہ انسان امید و بیم و حرص سے یک سورہ کر اپنے لیے اقتصادی منافع حاصل کر سکے۔ جن کے عدم حصول کے نتیجہ کی وجہ سے ایسا نظام قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

اس کی ان حضرات کے سامنے یہ دلیل ہو کہ

اسلامی نظام (ہماری پیش کردہ وضاحت کے مطابق) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اور صدر اول کے بعد خود مسلمانوں کے ہاں جاری نہ رہ سکا۔ اگر اس میں کما حقہ گہرائی اور پذیرائی ہوتی تو بعد کے ان مسلمانوں می بھی جاری رہتا جن کی حکومت دنیا کے تمام گوشوں میں قائم ہوگئی۔ لیکن ایسا نہیں ہوسکا۔ بلکہ ان مسلمانوں نے اپنے اپنے ہاں جو نظام قائم کیے وہ قرآنی نظام اجتماعیت کے بالکل متضاد تھے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کا یہ ادعا کہ قرآنی نظام حیات انسانیت کے لیے کما حقہ نفع رساں ہے خود ان کی تاریخ اس کی تغلیط کر رہی ہے۔

معترض کو تسلیم ہے کہ یہ نظام عہد رسالت اور زمانہ خلفاء میں کامیاب ثابت ہوا جو اس کے رفع اعتراض پر کافی ہے گویا اس (معترض) کے نزدیک جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات میں انسانیت کی رہبری کا کامل نمونہ تھے اور خلفائے راشدین بھی آپ کی پیروی کی بدولت اس درجہ کمال تک پہنچے کہ عوام بھی ان سے مستفیض ہوئے۔ کہنا یہ کہ خلفائے راشدین کے بعد چاروں کی طرف سے حسد وکینہ اور عناد و دشمنی کے چشمے ابل پڑے۔ کہیں یہود کی ریشہ دوانیاں ابھر آئیں کہیں قبائلی عصبیت پھوٹ نکلی جس کی بدولت اس نظام کے اجراء میں رکاوٹ پیدا ہوگئی۔ رفتہ رفتہ مسلمانوں پر بھی مادیت نے اپنا تسلط قائم کرلیا اور مسلمان خود اسی حیوانی تغلب کے بوجھ سے دب کر اپناپ وقار کھو بیٹھے۔

جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی صفات کی وجہ سے جیسا کہ قرآن مجید میں فرماتا ہے تمدن و ارتقاء کے لیے بہترین رہنما تھے جیسا کہ اس کتاب میں مذکور ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی اخوت کی بنا پر قائم کر کے انہیں اس راہ پر ڈال دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی کے مصائب پر نظر ڈالیے جہاں آپ کے ساتھ تمام مسلمان مصائب میں مبتلا تھے اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سب رفقاء سے زیادہ خوف و ہراس کا ملجا حتی کہ مدینہ میں ہجرت فرمائی جہاں مہاجرین اور انصار کے درمیان اس انداز سے بھائی بندی کا رشتہ قئم

فرمایا جس کی بدولت دونوں آپس میں یک جان دو قالب ہو گئے اور اس تمدن کی بنیاد مستحکم ہونے کا وہ مفید ذریعہ جو قرآن نے اجتماعیت کے طریق پر پیش کیا تھا مسلمانوں میں جاری ہوا۔

مہاجرین وانصار کی مواخات میں ایمان کی قوت نے اور مہمیز دیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ایمانہ کلہ کا مظہر تام تھے غزوہ بدر میں پروردگار عالم کے حضور جو یہ استدعا پیش کی۔

یا اللہ! تو نے مومنین کی نصرت کا جو وعدہ فرمایا تھا اس کے پورا کرنے کا یہی دن ہے۔ اے پروردگار عالم! اگر آج وہ شکست کھا بیٹھے تو ان کے بعد تیرا نام کس کی زبان پر آئے گا!

''بدر'' میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کردار تھا کہ خدا کی ذات کے ساتھ دائمی تعلق کر رہا ہے حتیٰ کہ آپ نے یہ تعلق کسی اور غزوہ میں بھی نظر انداز نہ ہونے دیا جو اس امر کا ثبوت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے وقفے میں ذات خداوندی سے جس قدر قرب تھا' دوسرے دوسرے اوقات حتیٰ کہ میدان کارزار میں بھی اس کیف وسرور سے محروم نہ رہتے۔ جس دل میں ایمان کا فراوانی ہو اس وجود گرامی پر موت تک ہیبت طاری نہیں ہو سکتی۔ ایسے مومنین ے لیے زندگی اور موت دونوں حالتیں یکساں ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اک نہ اک روز دنیا چھوڑنا ہی ہے۔ ہر ذی روح نے موت کا مزہ چکھنا ہی ہے وار اگرچہ خود کو بچانے کے لیے کسی چونے گچ کے گنبد میں کیوں نہ بند ہو جائے۔

جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال ایمان کا صلہ ہی تو ہے کہ مسلمان حنین (غزوہ) میں دشمن کی یلغار پر ادھر ادھر سہارا ڈھونڈ رہے تھے۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہ ہیکل کی مانند اپنی جگہ پر نہ صرف ثابت قدم تھے بلکہ دوسرے مسلمانوں کو بھی پکار رہے تھے ارے! اس موت کے ڈر سے بھاگ رہے ہو جس سے ایک نہ ایک دن دوچار ہونا ہی ہے اور جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ساتھی بھی ان کی مانند آپ کے ساتھ قدم جمائے کھڑے رہے جن کی کمک میں ان کی قوت ایمان کارفرما تھی۔ استدلال یہ ہے کہ معرکہ قتال کی وحشت ناکی میں یہ رسوخ قدم اسی نیروئے ایمان کا کرشمہ ہے کہ جس کی یاوری سے مرد مومن اپنی تنگ دستی کے عواقب نظر انداز کر

کے مفلوک الحال انسان کی کفالت اپنا فریضہ سمجھ لیتاہ۔

م...... ویوثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة (۹:۵۹)

کی طرف اشارہ ہے۔ یہی ایمان لاوارث یتیم کے ساتھ حسن سلوک پر مال کرتا ہے۔

م......اشارہ آیت

واتی المال علی حبه...... والیتمی (۱۷۷:۲)

کی طرف یہی ایمان مرد مومن کو ایسے مسافوں کی آمد آمد پر چشم براہ بنائے رکھتا ہے جن کا زاد راہ انہیں جواب دے گیا ہو آیہ:

واتی المال علی حبه...... وابن السبیل (۱۷۷:۲)

کی طرف اشارہ ہے۔ یہی ایمان اسے ضرورت مند سائل اور سوال میں حسن طلب کے پابند ناداروں کی کفالت پر آمادہ کرتا ہے۔

وفی اموالهم حق للسائل والمحروم (۱۹:۵۱)

کی طرف اشارہ۔ جن اعمال کی بدولت مومن کو کتاب اللہ کی بشارت کے مطابق ترقی کا اعلیٰ مرتبہ نصیب ہوتا ہے م......آیہ

ولا تنهوا ولا تحزنوا وانتم الا علون ان کنتم مومنین (۱۳۹:۳)

کی طرف اشارہ۔ جن میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک امر پر بے مثل عمل تھا اور جس ی متابعتمیں صدر اول کے مومنین نے حرف بہ حرف سبقت فرمائی۔ جس کی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے کئی سال بعد تک اسلام کا پھریرا ان دور دراز ملکوں پر بھی لہراتا رہا جہاں کے باشندے صدیوں ؤسے ترک اخوت کی سزا پر ایک دوسرے سے نفاق و عداوت کا شکار ہو کر ضعف نامرادی کا ملجا بنے ہوئے تھے مگر جوں ہی انہوں نے قبول اسلام کے ساتھ ایمان کی روشنی میں اپنی قوت عمل اور مواخات کا رشتہ استوار کرلیا دنیا کی طاقتور قوموں میں شمار ہوئے کیونکہ اسلام کی رہنمائی انسان کو اسرار کائنات کے قریب لے آتی ہے۔ گزشتہ صڈ یوں

کے ان مسلمانوں کا تمدن عہد حاضر کی ان قوموں کو شرما رہا ہے جو آج اپنے رفقاء کے غرور میں دوسری قوموں کو خاطر میں لانے کے روادار نہیں۔ حالانکہ انہوں نے یہ ارتقاء ایمان بیچ کر مادیت حاصل کرنے کے لیے حاصل کیا ہے جس کی بدولت انہیں بمشکل یہ عارضی فروغ بھی حاصل ہو سکا جس فروغ سے انسانیت ایسے بحران میں مبتلا ہے کہ مغرب کی یہ متمدن قومیں ہر وقت اپنے آپ کو خطرے میں گھرا ہوا پاتی ہیں۔

علمائے سود کا تسلط

مصیبت یہ آن پڑی کہ تمدن اسلام پر ایک طرف سے خود داخلی عصبیت قبائلی اثر انداز ہوئی۔ باہر سے اسرائیلیات نے ہلہ بول دیا اور سب سے زیادہ بدنصیبی یہ کہ علمائے اسلام جو انبیاء علیہم السلام کے وارث تھ ذاتی وجاہت ومناصب کے شوق میں حق گوئی سے کنارہ کش ہو گئے جس میں دوسروں کو گمراہ کرنے کے بغیر (غلط مسائلل بتانے) کامیابی حاصل نہ ہو سکتی تھی۔

موجودہ دور میں اسی قسم کے مدعیان علم و ہوس پر علمائے اسلام کی وہ یادگاریں ہیں جن کی بدولت پورا معاشرہ ذلت ونکبت میں گھرا ہوا ہے۔ ایسے علماء شیطان کے حواری ہیں جن سے روز قیامت دوسرے تمام عاصیوں سے زیادہ پرسش ہوگی۔ اس لیے ہر وہ شخص جو علوم دین پر حاوی ہے اسے سب سے پہلے انہی سے بغاوت کرنا چاہیے تا کہ اسلام ان کی ریشہ دوانیوں سے پاک ہو کر اپنے صحیح اصل پر آ جائے۔ اس قسم کے علماء سر زمین مغرب ہی کے لیے مبارک ہیں جہاں مذہب اور علم دونوں ایک دوسرے کے دست بگریباں ہیں نہ کہ اسلامی ممالک میں جہاں تمدن علوم‘ اور مذہب سب کے سب ایک دوسرے سے غیر منفک رہنے چاہئیں کیونکہ علم مذہب کے بغیر اور مذہب علم سے دامن جھٹک کر کفران نعمت شمار ہوتا ہے۔

اسلامی تمدن جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا کہ ان بادشاہوں کے اثر سے بھی محفوظ نہ رہ سکا جو نام کے تو مسلمان تھے لیکن نہ انہیں اسلامی تمدن سے آگہی تھی نہ وہ اسے خود پر ہی لازم کر سکے۔ اگر ایسے مسلمان بادشاہ عوام کو ان قوانین کا پابند نہ کرتے جو اخوت اسلامی کے خلاف تھے اور رعایا کو

اسلام کے بجائے اپنی سلطانی میں نہ جکڑ لیتے تو آج تک دنیا کا نقشہ کسی اور صورت پر ہوتا اور بے بس انسان جس کرب وابتلا میں پڑا سسک رہا ہے اس سے دوچار نہ ہوتا۔

یقین ہے کہ موجودہ اہل قلم (مغربی) اگر تعصب سے یک طرف ہو جائیں اور دنیا کے سامنے اسلامی تمدن کو اس کے صحیح نقوش کے مطابق پیش کریں تو ساری دنیا ہمارے آپ کے سامنے تمدن اسلام کو خود پر لازم کر لے جس کے اندر ذہن وقلب میں نفوذ پذیرہ کی پوری استعداد موجود ہے مگر اس مصیبت کو کیا کیجیے کہ جہاں کسی قوم نے اسلام پر توجہ کی یاران طریقت مغربی اہل قلم نے انہیں ورغلانا شروع کر دیا تاہم جو اہل علم اسلامی تمدن کے دعوے دار ہیں۔ اگر ایمان کامل اور تزکیہ قلب سے منور ہو کر دوسروں کے سامنے خدا پرستی اور اپنے ایمان کی دعوت پیش کریں تو یقین کامل کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا عہد نبوت ہی کی طرح اسلام کی دعوت پر سر آنکھوں پر رکھنے کے لیے لبیک پکار اٹھے اور ہر شخص اسلامی اخوت کی نعمت سے مستفید ہو کر فائز المرام ہو۔

اور جیسا کہ مقدمہ کتاب میں لکھا گیا ہے کہ عہد نبوت اور صدر اول میں مسلمانوں کو جو عروج حاصل ہوا تھا بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق مسلمانوں نے خود کو جن اخلاقی قدروں سے مزین کر لیا اسی انداز کے مطابق اگر آج بھی ان کی تجدید کی جائے تو دنیا کا موجودہ اقتصادی بحران بلاشبہ اپنی اصلی حالت پر آ سکتا ہے۔

مغربی اہل قلم کی نیش زنی دربارہ مسئلہ تقدیر

جب بھی مستشرقین اسلامی تمدن کے مدوجذر پر خامہ فرسائی کرتے ہیں تو مبحث سے ہٹ کر کوئی نہ کوئی ایسا شوشہ چھوڑ دیتے ہیں کہ جس سے خلط مبحث ہو کر موضوع کا رخ پلٹ جائے کہ

یحسبه الظمان ماء (۲۴ : ۳۹.م)

اور پیاسا سراب کو پانی سمجھ کر اس کی طرف دوڑ اٹھے مثلاً یہ لوگ اسلامی تمدن کی ناہمواری کے لیے مسئلہ تقدیر کو لے بیٹھتے ہیں۔ جس سے ان کا مقصد یہ ہ کہ تمدن اسلا کی غیر مقبولیت کو تقدیر

کے سر منڈھ دیا جائے۔ مسلمان جس تقدیر پر قانع رہ کر ترقی کے ذرائع سوچنے کی زحمت ہی نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قوم دنیا میں یوں ذلیل وخوار نظر آتی ہے (مسلہ تقدیر پر ہم دوسری فصل میں بحث کریں گے۔)

☆☆☆

خاتمہ ۲

اسلامی تمدن اور مستشرقین

☆☆☆

اسلامی تمدن اور مستشرقین

واشنگٹن ارونگ Washington Irving

انیسویں صدی (ع) کے مشہور امریکی مستشرق واشنگٹن ارونگ ہیں جن کی ذات پر نہ صرف امریکہ بلکہ مسیحی اقوام کو بجا طور پر فخر ہے۔ موصوف نے سیرت رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کتاب لکھی ہے اس کا ایک رخ اگر ایسے انصاف کا پہلو لیے ہوئے ہے جس سے قلوب متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تو اس کا دوسرا رخ ایسے مکروہ انداز کو پیش کرنے والا ہے کہ جس سے پہلی کیفیت سے بھی نفرت سے بدل جائے۔ کتمان حقیقت اور دروغ بافی کا کوئی پہلو قلم انداز نہیں ہونے دیا۔

مستشرقین کا اسلامی نظریہ تقدیر پر خود ساختہ تصور

مصنف مذکور نے اس کتاب کے خاتمہ میں جن مسائل کو بحث کا معمل بنایا ہے ان میں دین کے عقائد خمسہ ایمان باللہ اقرار ملائکہ تصدیق کتب سماویہ تسیم انبیائے مرسلین علیہ السلام اور یوم آخرت پر یقین کے ساتھ اسی نوع میں چھٹا عنصر ایمان بالقدر کو بھی رکھ دیا ہے واشنگٹن کہتا ہے:

مسلمانوں کے عقائد (اسلام) میں چھٹا عقیدہ تقدیر ہے جس پر جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حد تک اعتماد تھا کہ آپ کی جنگوں میں شرکت اور دلاوری کا محور یہی تقدیر تھی۔ انہیں پورا یقین تھا کہ انسانی زندگی میں ہہر پیش آنے والا حادثہ پہلے سے خدا کے علم میں ة ے اور آفرینش عالم سے قبل لوح محفوظ پر کندہ۔ انسان کے لیے جس ساعت میں مرنا مقدر ہے اس میں ایک لمحہ کا تقدم وتاخر ناممکن ہے۔ اس لیے انسان کو اپنی جان بچانے کے لیے سعی کرنا ہی نہ چاہیے۔ مسلمان اس عقیدہ کے فریب میں آکر شعلہ بار جنگوں کی آگ میں کود پڑتے کہ اگر شہادت نصیب ہوگئی تو

جنت کا لطف اٹھائیں گے اور از زندگی مقدر میں ہے تو فتح و نصرت کے نقارے بجاتے ہوئے دنیا پر حکمرانی کریں گے۔

بعد میں یہ عقیدہ ایک نئی شکل میں منضبط ہوا اور اس کے عمل پیرا ''جبریہ'' کہلائے۔ وہ کہتے (اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں) کہ انسان اپنے اعمال میں مختار نہیں بلکہ مجبور ہے۔ اس سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں اس کی ذات ان کی ذمہ دار نہیں کیونکہ خدا ہر شے پر قادر ہے اور وہی سب کچھ کراتا کرتا ہے۔ اس عقیدہ کو بعض مسلمانوں نے خدا یکھ عدل اور اس کی رحمت کے منافی سمجھ کر اس کی تردید میں پوری قوت صرف کر دی مگر اہل سنت کے فرقوں میں ان کا شمار نہیں کیا جاتا۔

تقدیر پر قانع رہنے کی آیات جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بدو رسالت ہی سے نازل ہو رہی تھیں جن کی تجدید ہر اہم موقع پر وحی کے ذریعہ بار بار ہوتی جیسا کہ غزوہ احد میں جب مسلمانوں کی ہولناک تباہی رونما ہوئی جس میں بے شمار مسلمان لشکریوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم بزرگوار حمزہؓ کے شہید ہونے سے بقیۃ السیف مسلمانوں پر خوف و ہراس کے بادل چھا گئے تب جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خدائی قانون کے انداز میں فرمایا کہ موت کے لیے معرکہ کارزار اور بستر راحت دونوں برابر ہیں۔

ظاہر ہے کہ عواقب و نتائج سے بے خبر سپاہیوں کے لیے اس سے بہتر تلقین اور کیا ہو سکتی ہے کہ اگر جنگ کی لپیٹ میں آ گئے تو مر کر جنت کا لطف اٹھائیں گے اور اگر زندگی مقدر میں ہے تو اموال غنیمت سے بہرہ اندوز ہو کر مزے لوٹیں گے۔

مسلمانوں کے اس عقیدے نے انہیں یہاں تک جری کر دیا کہ ان کا قوی ہیکل دشمن بھی ان پر غلبہ حاصل نہ کر سکتا۔ دوسرا دور آیا۔ یہی تقدیری تصور کچھ عرصہ تک ان کے لیے زہر قاتل ثابت ہوا اور ان کی سطوت کا جنازہ نکل گیا۔ جب ان کے خلفاء نے اپنی تلوار میان میں کر لی اور مسلمان جنگ جوئی و جہاں بانی کا شیوہ ترک کر کے پاؤں توڑ کر بیٹھ گئے تو یہ عقیدہ تقدیر ہی کا کرشمہ تھا۔ بے کار بیٹھے رہنے کی وجہ سے استراحت کی طرف میلان ہوا۔ وہ جن نعمتوں سے لپٹ گئے قرآن

نے بھی ان کی اباحت کی اجازت دے رکھی تھی جس (اباحت) میں مسیحیت کے قوانین قرآن سے مختلف ہیں جن کے مطابق دنیا کی نعمتوں سے اجتناب کمال ایمان کا ذریعہ ہے۔

مسلمانوں نے خود کو تقدیر کے حوالے کر کے اس حد تک مصیبت میں ڈال لیا کہ ان کے نزدیک ذاتی جدوجہد تقدیر کے مقابلہ میں محض بے مایہ ہو گئی اگر مسلمان مشہور کلیہ اعن نفسک یعنک اللہ (اگر تم خود اپنی مدد کرو گے تو خدا بھی تمہاری مدد کرے گا) پر عمل رکھتے تو ان کی یہ درگت نہ بنتی کہ صلیب ہلال پر غالب آسکتی بجز اس کے کہ اگر مسیحی یورپ بھی ابھی تک ہلال کا وجود نظر آ رہا ہے تو وہ بھی اس لیے کہ:

(الف) یہ مسیحی دول یورپ کی مہربانی ہے۔

(ب) یا مغرب کی باہمی پھوٹ کا نتیجہ ہے۔

(ج) یا اس مشہور قاعدہ کی تصدیق کے طور پر کہ جو شخص زور شمشیر سے حاصل کرلے شمشیر ہی کی قوت سے واپس لی جاسکتی ہے۔

جواب: حیرت ہے کہ اگر واشنگٹن ارونگ جیسا مرد دانا یہ بات کہے کہ گویا وہ ایسا شخص ہے جسے اسلام کی روح اور اس کے تمدن سے کوئی آگہ نہیں!

مسئلہ تقدیر میں خلط مبحث

مذکورالصدر مستشرق نے قضاوقدر اور موت کے آخری لمحے میں تعیین کو زیر بحث لا کر ایسا نتیجہ اخذ کیا جس پر دانش سر پیٹ اٹھے یا ان کا مطالعہ ایسے دفاتر میں ہے جن میں تقدیر کی تعبیر یہی دی گئی ہو۔ لیکن قرآنی ہدایات کے مطابق خود اعتمادی اور اپنی جدوجہد کا وہ نتیجہ جس کی تہہ میں حسن نیت بھی ہو ایسے انداز میں ارشاد ہے جس کے سامنے معرض اعن نفسک یعنک اللہ سے قیاس کرنا کوئی وقعت نہیں رکھتا جو (قرآن فرماتا ہے کہ):

(۱) یا ایها الناس قد جائکم الحق من ربکم فمن اهتدی فانما یهدی لنفسه ومن ضل فانما یضل علیها (۱۰:۱۸)

''(اے پیغمبرؐ) ان لوگوں سے کہہ دو کہ لوگوں جو حق بات) تھی وہ تو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس آ چکی ہے۔ پھر جس نے راہ راست اختیار کی وہ اپنے ہی فائدے کے لیے اس کو اختیار کرتا ہے اور جو بھٹکا تو وہ بھٹک کر کچھ اپنا ہی کھوتا ہے''۔

(۲) ولا تزروازرة وزرا اخری وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا(۱۷:۱۵)

''اور کوئی (متنفس کسی) دوسرے متنفس کے بار (گناہ) کو اپنے اوپر نہیں لے گا اور جب تک ہم رسول بھیج کر تمام حجت نہ کر لیں (کسی کو اس کے گناہ کی) سزا نہیں دیا کرتے''۔

(۳) من کان یرید حرث الاخرة نزدله فی حرثه ومن کان یرید حرث الدنیا نوته منها وما له فی الاخرة من نصیب (۴۲:۲۰)

''جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کی کھیتی میں اس لیے برکت دیں گے کہ اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم بقدر مناسب اس کو دنیا دیں گے (مگر) پھر آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں''۔

اور یہ کہ:

(۴) ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسهم (۱۳:۱۱)

''جو نعمت کسی قوم کو (خدا کی طرف سے) حاصل ہو جب تک وہ (قوم) اپنی ذاتی صلاحیت کو نہ بدلے خدا اس (نعمت) میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کرتا''۔

قرآن میں ارادہ و عمل کی ترغیب

ایسی بے شمار آیات ہیں جن میں قرآن نے بصراحت اپنے پیروؤں کو ارادہ و عم کے ساتھ

فلاح وکامیابی حاصل کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور اسی طرح خدا نے متعدد آیتوں میں انسان کو جہاد فی سبیل اللہ کی تاکید بھی فرمائی ہے جیسا کہ قارئین انہی اوراق میں جابجا مطالعہ فرما چکے ہیں کہ جن سے واشنگٹن ارونگ اور ان کے دوسرے یاران سرپل کے الزام کی تردید ہوتی ہے کہ اسلام پانے ماننے والوں کو ایسے توکل کی تلقین پر زور دیتا ہے کہ جس کے اثر سے انسان پر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فوز وکامیابی کا انتظار کیا کرے اور اپنی سعی کو نفع وضرر میں موثر نہ سمجھے کہ ارادہ وسعی کا تعلق بھی تو خدا کی مشیت ہی سے ہے جو مشیت مقدر میں نہیں تو ارادہ اور سعی بھی بارآور نہیں ہو سکتے۔ ہم کوشش کریں یا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں تمقدر میں ناکامی ہے تو ہماری کوشش بے سود وار اگر تقدیر میں کامیاب ہونا ہے تو سعی کے بغیر بھی سب کچھ ہوسکتا ہے“۔

لیکن قرآن ایسے الزامات کی تردید کرتا ہے جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔ شاید جو مسلمان اپنی کاہلی کی وجہ سے آخری صدی میں ناکامی اور نامرادی کی زندگی بسر کر رہے تھے یہ معترض انہیں مندرجہ ذیل آیتوں کا مورد نہ سمجھتے ہوئے ان آیتوں کو اپنے استدلال کا مبنی قرار دیتے ہوں:

تقدیر پر پیش کردہ آیات

(۱) و ما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتابا موجلا (۳:۱۴۵)

> ”اور یاد رکھو کہ خدا کے حکم کے بغیر کوئی جان نہیں مر سکتی ہر جان کے لیے ایک خاص وقت ٹھہرا دیا گیا ہے (پھر موت کے ڈر سے کیوں تمہارے قدم پیچھے ہٹیں)۔“

(۲) ولکل امتہ اجل فاذاجاء اجلھم لایستاخرون ساعۃ و لا یستقدمون (۷:۳۴)

> ”اور ہر ایک قوم کے مٹنے کا ایک وقت مقرر ہے پھر جب ان کا وقت آن پہنچتا ہے (تو اس سے) نہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ (ایک گھڑی) آگے بڑھ سکتے ہیں“۔

(۳) ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا ان ذالک علی اللہ یسیر (۵۷:۲۲)

> ”لوگوں جتنی مصیبتیں روئے زمی پر نازل ہوتی ہیں اور جو خود تم پر نازل ہوتی ہیں (وہ سب) ان کے پیدا کرنے سے پہلے ہم نے کتاب میں لکھ رکھی ہیں“۔

(۴) قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ھو مولنا والی اللہ فلیتوکل المومنون (۹:۵۱)

> ”(اے پیغمبرؐ) تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ جو کچھ خدا نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے اس کے سوا کوئی اور مصیبت تو ہم کو پہنچ سکتی نہیں۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ بس اللہ ہی پر بھروسا رکھیں“۔

قرآن اپنے پیروؤں کو جدوجہد کی تلقین کرتا ہے

اگر مستشرقن نے انہی آیات کو اپنے اعتراضات کا معمل بنا رکھا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ان کے مفہوم تک نہیں پہنچ سکے۔ یہ آیتیں خدا اور بندے کے درمیان کامل رابطہ کی شرح فرما رہی ہیں لیکن معترض یہ سمجھتا ہے کہ اسلام اپنے پیروؤں کو کاہلی کی تلقین فرماتا ہے چہ جائے کہ وہ اپنے تمدن کے لیے باہمی اخوت اور ایک دوسرے کے حال پر لطف و کرم کی ہدایت فرماتا ہے۔ اسی طرح اپنے پیروؤں کو جدوجہد جان نثاری اور شرف و مجد سے زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ قرآن کی جن آیات یمں تقدیر کا ذکر ہے ان میں اس مسئلہ کے اس پہلو کی پوری پوری عکاسی کی گئی ہے جس پر تمام فلاسفہ مغرب کا اتفاق ہے اور جس کو کہ وہ اپنی اصطلاح میں جبریت سے تعبیر کرتے ہیں اس فرق کے ساتھ کہ قرآن نے تو کائنات کے نظم و نسق کی استواریوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے طرف منسوب کیا ہے اور یہ لوگ اسے قانون فطرت یا زندگی کے تقاضوں کے سر منڈھتے ہیں۔ اور یہ ایسا تصور ہے کہ جو اسلامی تصور جبریت سے کہیں زیادہ

تنگ نظری اور سختی لیے ہوئے ہے۔

یہ علمی جبریت اس بات کی قائل ہے کہ انسان کو جو اختیار کیا جاتا ہے تو محض اضافی حیثیت سے ورنہ اس کی حدود اختیار بے حد سمٹی ہوئی ہیں۔ اتنا اختیار بھی یہ لوگ اس بنا پر تسلیم کرتے ہیں کہ اجتماعی ضرورتیں اس کا تقاضا کرتی ہیں اس بنا پر نہیں کہ یہ علمی و فلسفیانہ جبریت اس کی اجازت دیتی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اگر اختیار کی اس مقدار کو بھی انسان میں تسلیم نہ کیا جائے تو معاشرہ کے لیے قانون و تشریع کے نقشوں اور ضابطوں کو قائم رکھنا دشوار ہو جائے گا کسی شخص کو بھی اس کے اعمال پر باز پرس نہ کی جائے۔

یہ صحیح ہے کہ علماء و فقہاء میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے جزا و سزا کی بنیاد انسانی اختیار میں نہیں رکھی بلکہ اس پر رکھی ہے کہ کسی شخص کی وفات پر معاشرہ پر کیا اثر پڑتا ہے مگر اکثریت نے اختیار کی اہمیتوں کو مانا ہے ان کی یہ دلیل ہے کہ جو لوگ مسلوب الاختیار ہیں قانون ان سے بالکل مواخذہ نہیں کرتا۔ مثلاً چھوٹا بچہ مجنون یا سفیہ اپنے اعمال کے لیے کسی بھی قانون کی رو سے جواب دہ نہیں۔

لیکن جب ہم ان عملی تقاضوں کا خیال نہ کریں اور صرف مسئلہ علمی پہلو سے جائزہ لیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ علمی اور فلسفیانہ جبر ہمیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو فرد جس زمانے میں پیدا ہوا ہے مجبوری کی وجہ سے پیدا ہوا کہ نہ تو مولود کو کسی اور وقت میں پیدا ہونے کا اختیار تھا نہ اسے اپنے جننے والی کے اس فعل تولید پر یہ قدرت کہ وہ اس زمانہ میں تقدیم و تاخیر کرا سکے۔ اسی طرح نہ کسی مولود کو اپن والدین کی حالت فقر و استغناء اور ان کے شرف و مذلت پر اختیار کہ وہ اپنی مرضی سے ان حالتوں میں تغیر و تبدل پر قادر ہو۔ مولود لڑکی ہے تو واہ واہ اور لڑکا ہے تت سبحان اللہ اور نہ اسے اپنے گرد و پیش (ماحول) میں درخل اندازی کی قدت جو ہوا او ہو رہا ہے یا بعد میں جو ہوگا وہ اس میں ذرہ برابر تبدیلی کا مختار نہیں۔ اسی حقیقت کو فرانسیسی فلسفی ہیولیٹ ن یوں بیان کیا ہے کہ انسان اپنے ماحول کی پیداوار ہے۔ مزید برآں دوسرے فلاسفر بھی یہ مانتے

ہیں کہ اگر ہم کوشش کریں تو فرد اور اقوام کے مستقبل پر اس حد تک حکم لگا سکتے ہیں جس حد تک اجرام فلکی کی آئندہ نقل و حرکت اور شمس و قمر میں گرہن کے اوقات قبل از وقت کی تعین پر ہمیں قدرت حاصل ہے۔ کہنا یہ ہے کہ اس کے باوجود مشرق اور مغرب دونوں سمتوں کے علماء میں سے کسی نے ان مسلمات کے باوجود یہ دعویٰ نہیں یا کہ جب فطرت ہی نے موجودات کے ہر فرد کو اپنے اثر میں جکڑ رکھا ہے تو پھر انسان پر یہ ذمہ داری کیوں عائد کی جاتی ہے کہ وہ اپنی فلاح و بہبود کے لیے سعی جاری رکھے نہ ان فلاسفہ میں سے کسی نے یہ کہا کہ جبر فطرت کے سامنے کسی قوم کو اپنا مستقبل درخشندہ کرنے کے لیے جدوجہد کرنا مفید نہیں ہوسکتا ہے۔ لیکن یہی مستشرقین ہیں جو مسلمانوں کی تقدیر پر ایمان رکھنے کی وجہ سے ان کی زندگی میں جدوجہد کو ایک دوسرے (تقدیر و سعی) کے متضاد قرار دیتے ہیں۔

تقدیر بشرط سعی

ایک طرف علمائے مغرب کا یہ محبوب و مسلمہ اجباری قانون فطرت ہے اور دوسری طرف قرآن کا مسئلہ تقدیر بشرط سعی۔ خدا کی مشیت کچھ سہی لیکن تمہاری جدوجہد کا ثمرہ مترتب ہو کر رہے گا۔

وان لیس للانسان الا ما سعی وان سعیه سوف یری (۵۳: ۳۹. ۴۰)

> ”انسان کو اتنا ہی ملے گا جتنی اس نے کوشش کی اور یہ کہ اس کی کوشش آگے
> چل کر (قیامت کے دن بھی) دیکھی جائے گی“۔

دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کا فلسفہ تقدیر پر ان آیات کے پیش نظر زندگی کے لیے کارآمد ہے یا مستشرقین کا تسلیم کردہ اجباری قاانون فطرت جس کی سطوت کی قہرمانی کے مقابلہ میں تقدیر کی وجاہت و مشفقانہ کرم گستری کا یہ عالم ہے کہ وہ انسان کو ہر ممکن جدوجہد سے بھلائی و وجاہت و شرف حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

بے شک فریقین (اہل مغرب اور مسلمان) اس حد تک متفق ہیں کہ کائنات پر ایک ایسا اٹل

قانون مسلط ہے کہ جس کی سرتابی کی گنجائش نہیں اور انان بھی اسی قانون کی جکڑ میں کسا ہوا ہے لیکن دونوں اہل مغرب اور مسلمانوں میں بین فرق بھی ہے اہل مغرب کے تصورات کے مطابق انسان کا اپنے سود و بہبود کے لے ہاتھ پاؤں مارنا یا گم صم بیٹھے رہنا دونوں کے نتائج مساوی ہیں۔ لیکن قرآنی تصور تقدیر کے مطابق فرد کو عقل کی یاوری کے ساتھ ساتھ نیک ارادوں کی تکمیل پر توجہ دلانا ہواا ان سے کہتا ہے کہ محنت کا ثمرہ قطعی ہے۔ اگر تم محنت کرنے سے ہاتھ کھینچ لوگے تو تم دنیا میں بھی فائز المرام نہیں ہو سکتے۔

ان الله لا يغير ما بقوم (١٣ : ١١)

ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم (١٣ : ١١)

> ”جو نعمت کسی قوم کو (خدا کی طرف سے) حاصل ہو جب تک وہ قوم اپنی ذاتی صلاحیت کو نہ بدلے خدا اس کی نعمت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کرتا“۔

یہ کہ خدا نے انسان پر فکر و تدبر واجب کر دیا جیسا کہ آسامانی کتابوں اور مرسلین نے ہدایت فرمائی ہے کہ جس کے مطابق انہیں سنت اللہ اور اس کی مشیت پر دونوں پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس لیے جو خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اس کے قوانین پر متوجہ ہوگا اسے اس کی سعی کا ثمرہ حاصل ہو کر رہے گا۔ اگر اس کے لیے نیکی کی راہ میں جان دنیا لکھا ہے تو اس میں خوف و ہراس کی کون سی باتہے؟ یہ شخص اور اس کی راہ میں دوسرے سرفروش سب کے سب

احياء عند ربهم يرزقون ہ ا (٣: ١٢٩)

کے مصداق ہیں۔ اگر اسلام نے ایسی شہادت کو برتر زندگی قرار دیا ہے جو اللہ کی راہ میں حاصل ہو اور یہ دعوت پیش فرمائی ہے کہ تو سبقت اور تکمیل ارادہ کی اس سے بہتر کون سی راہ ہو سکتی ہے؟ آخر میں اس کاہلی اور نامرادی کی کون سی بات ہے؟ جیسا کہ واشنگٹن ارونگ اور ان کے ہم نواؤں کا بھی یہ مقولہ کہ خدا پر توکل کا نام کاہلی نہں توکل کے یہ معنی نہیں کہ خود کو اس کے حکموں کجی

تعمیل سے ہٹا کر گھر میں دبکا بیٹھا رہے بلکہ توکل ہے اس کے اشارہ پر سرفروشانہ جدوجہد! جیسا کہ آیہ:

عزم وارادہ توکل کے منافی نہیں

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ (۳: ۱۵۹)

”پھر جب ایسا ہو کہ تم نے کسی بات کا عزم کر لیا تو چاہیے کہ خدا پر بھروسا کرو اور جو کچھ ٹھان لیا ہے اس پر کاربند ہو جاؤ“۔

کے مطابق اپنے کام کی تکمیل کر لیں اور نتیجہ میں خدا پر بھروسہ رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ خداوند تعالیٰ اپنے فضل وکرم کے صدقے میں کامیابی سے محروم رکھے۔ جس معاملہ میں خدا جوئی کے سوا کوئی اور مقصد نہ ہو اور اس کام میں ادھر ادھر کے خوف و ہراس کو بھی جگہ نہ دی جائے تو باقتضائے سنت اللہ جو ازل سے تا بہ ابد غیر متغیر ہے ایسے جفاکش نسان کی دستگیری کے سامان خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ جس کے ساتھ وہ اس کا اپنی کوشش کے نتیجہ میں فائز المرام ہونا یا اس تگاپو میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہر دو حالتوں میں مقصد ہی کا حصول تو ہے کہ اگر نتیجہ اس کی منشا کے مطابق ہے تو اس خدا کی مہربانی سمجھے اور اگر اس کی خواہش سے متغایر ہے تو اسے اپنی کسی لغزش کا مآل سمجھے۔

اور اگر کسی شخص نے خدا کا آسرا چھوڑ کر دوسری قوتوں کو کامیابی کا ذریعہ متصور کر لیا تو اس راہ میں یہ سب سے بڑی لغزش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نیکی کی نسبت ذات کبریا کے ساتھ اور ہر برائی کا انتساب ابلیسی وسوسہ اور کار شیطانی سے کیا جاتا ہے۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہر حادثہ کے وقوع سے قبل اس کا علم خدا کو ہے۔

لا یغرب عنہ مثقال ذرہ فی السموت ولا فی الارض ولا اصغر من ذالک اکبر ا الا فی کتاب مبین (۳:۳۴)

۱؎ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے حضور اپنی روزی پا رہے ہیں۔

> ”(جو عالم الغیب ہے اور) ذرہ بھر (چیز) بھی آسمانوں اور زمینوں میں اس سے پوشیدہ نہیں اور ذرے سے چھوٹی اور ذرے سے بڑی جتنی چیزی ہیں سب اس کے ہاں کتاب واضح (یعنی لوح محفوظ) میں صاف صاف لکھی ہوئی موجود ہیں“۔

تو اس میں کیا اشکال ہے؟ بے شک ایسا ہی ہے لیکن وہ قادر مطلق کسی کے ارادہ و اختیار کو تو انسان سے منفک نہیں کر لیتا جو اس پر طعن کیا جائے۔

علماء منافق الرائے ہیں کہ اگر علم کی وسعت میں ہوتا کہ وہ اسرار حیات اور اس کے طریقے بیا کر سکے تو وہ اس معاملہ میں کبھی سکونت اختیار نہ کرتا۔ وہ تمام افراد اور قوموں کی فرد عمل کا ایک ایک حرف دہرا دیتا جس طرح ماہر انجم اپنے علم کے زور سے چاند اور سورج میں آنے والے گرہن کی گرہیں کھول کر بتا دیتا ہے۔ ایمان باللہ کے معنی یہی ہیں کہ ذات علام الغیوب پر ہم اس جہت سے بھی ایمان رکھتے ہیں کہ وہ دنیا جہاں کے ہر آنے والے حادثہ کو اس کے وقوع سے قبل اسی انداز سے جانتا ہے جس طرح وہ ظہور میں آنے کو ہے۔ جس طرح ایک کامل مہندس کسی عمارت کا نقشہ متیعن کرتا ہے تو یہ بھی بتا دیتا ہے کہ یہ محل کتنی مدت تک سلامت رہنے کے بعد خود بخود ڈھے جائے گا اور جس طرح اقتصادایت کا ماہر آنے والے اقتصادی مدوجزر پر قبل از وقت اپنی رائے قائم کر دیتا ہے۔ خالق کائنات کے علم کو اپنی ہر چھوٹی بڑی مخلوق کے متعلق قاصر سمجھنا ایسی ہی بے انصافی ہے جس سے علم و فرہنگ دونوں بیزار ہیں۔ خدا کے علم میں یہ امر تقدیر کے منافی نہیں کہ انسان اپنے معاملات پر خود بھی غور وخوض کرتا رہے اور جہاں تک اس کی وسعت ہے اس راہ میں اپنی کوشش جاری رکھے اپنی وسعت کے مطابق صحیح راہ پر گام زن ہو اگرچہ خدا نے اپنی ذات کو

كتب ربكم على نفسه الرحمة [1] (٦: ٥٤)

رحمت کا مصدر بنا رکھا ہے۔

---

[1] اس نے (از خود لوگوں پر) مہربانی کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لیا

ہے۔

جو شخص اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کرتا ہے

هو الذى يقبل التوبة عن عباده ؎ ۱ (۴۲:۲۵)

اس کو توبہ قبول کر لیتا ہے اور اپنے بندوں کے بہت سے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

ويعفوا عن كثير ؎ ۲ (۴۲:۳۰)

انسان کا یہ فرض ہے کہ کائنات پر غور و تدبر نے غفلت نہ برتے اور اپنی نیک کے معاوضة سے مایوس نہ ہو۔ افسوس ہے کہ ایسے شخص پر جو اپنی منزلت سے بے خبر رہ کر حقیقت کی تلاش میں اور ہدایات کے حصول سے کنارہ کش ہو رہے۔ ایسے لوگ خدا کی رحمت کو درخود اعتنا نہ سمجھ کر اس کی ذات سے دشمنی کرتے ہیں۔ پھر اگر خدا نے ان کے دلوں پر ضلالت کی مہر

ختم الله على قلوبهم ؎ ۳ (۲:۶)

لگا کر انہیں جہنم کا ایندھن بنا دیا ہے

ولهم عذاب عظيم ؎ ۴ (۲:۷)

تو اس میں کون سی بے انصافی ہو گئی!

الٰہی! یہ (مستشرقین) قرآن کے نظریہ وسعت و ہمہ گیری پر کیوں انصاف نہیں کرتے؟

قرآنی نظریہ تقدیر نہ تو کاہلی کا محرک ہے نہ انسان کو جدوجہد سے منع کرتا ہے اور نہ اسے خدا کی رحمت سے مایوس ہو کر گھر میں پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بلکہ جو لوگ اپنی کسی لغزش سے نادم ہو کر خدا کی رحمت اور لطف کے خواستگار ہوں تقدیر ان کی یوں دست گیری کرتی ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے خدا کی رحمت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے لیکن مستشرقین ایا یہ انصاف ہے کہ تقدیر کے اثر سے مسلمان نیک و بد کی فکر سے خالی الذہن ہو کر خود کو اس کے حوالے کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ صدیوں سے ذلت سے دوچار ہے! مگر یہ افترا حقیقت سے دور ہے۔ قرآنی تقدیر انسان کو مسلسل کوشش اور خدا کی رضا طلبی دونوں پر متوجہ رہنے کی دعوت دیتی ہے کہ انسان خدا پر

توک رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے معاملات کی انجام دہی میں اس انداز سے جدوجہد کرے کہ جس مہم میں اسے آج ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے ک اس کے لیے از سر نو سعی جاری کر دے۔ اگر اپنی کوشش سے ہاتھ نہ روکے گا تو خداوند عالم اس کی دست گیری فرما کر اس کے کام کی سرانجام دہی میں مدد فرمائے گا۔

جب اسلامی تقدیر کا یہ تصور ہو تو سعی و جدوجہد کے ساتھ اس کی رضا و عفو کی امید رکھنا تقدیر کا وہ استعمال ہے کہ جو اسلام کے یہ مہربان متعین کرنا چاہتے ہیں؟ آخر ہم اسی ذات کبریا کی عبادت اور اسی سے استعانت کرتے ہیں (م)

اشارہ آیہ:

ایاک نعبد و ایاک نستعین (۱:۴)

کی طرف اور ہر شے کا وہی ماوی و ملجا ہے۔

اس کے ماسوا اور کون سی قوت ہو سکتی ہے کہ جو انسان کو ایسی برتری کی تعلیم دے! امید کا اس سے زیادہ روشن افق کون سا ہے کہ جو انسان کے سامنے اس طرح ہویدا ہو کہ اگر تم خدا کی رضا جوئی کے پیش نظر نیکی میں سبقت کرو گے تو اپنی محنت کا حسب خواہش ثمرہ پاؤ گے؟ اور اگر شیطان کے گھراؤ میں آ کر تمہاری سوجھ بوجھ پر حرص و آز کے پردے پڑ جائیں تو پھر صراط مستقیم پر آ جاؤ تو خداوند عالم تمہاری توبہ قبول فرما لے گا۔

۱؎ اور وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

۲؎ اور خدا (تمہارے) دست سے بے قصوروں سے درگزر کرتا ہے۔

۳؎ خدا نے ان کے دلوں پر اپنی دشمنی کی مہر لگا دی۔

۴؎ ان کے لیے سب سے بڑا عذاب ہے۔

اور صراط مستقیم خدا کا وہ قانون ہے جو کائنات پر جاری و ساری ہے مگر عقل و فرزانگی کے

ساتھ اس پر دسترس ناممکن ہے۔ جو شخص ان حقائق کو نظر انداز کر کے کسی اور طاقت کو خدا کا شریک سمجھ لے تو یہ بھی شرک ہے۔ کہ انسان فنہ پردازی کو اپنی کامیابی تصور کر کے طغیان و سرکشی میں منہمک ہو جائے اور دوسروں سے برادری اور اخوت کا رشتہ پارہ پارہ کر کے صرف ذاتی بھلائی کی تکمیل میں لگ جائے۔ ایسا شخص خدا کا عدل اور رحمت دونوں پر مشتمل ہے کہ بدکرداروں کے لیے اس کی تعزیر کا تازیانہ ہر وقت حرکت میں ہے اور برے اعمال کی سزا ملنا ہی چاہیے ولیکن۔

ا۔ موت جو اس کی گھات میں لگ ی ہوئی ہے جوں ہی وہ گھڑی آ جائے ایک لمحہ کا تقدم و تاخر نہ ہونے پائے گا پھر زندگی کے لیے تک ودو کی کیا مجال ہے؟

۲۔ اور اسی طرح جب بدختی اور سعادت ازل سے انسان پر مسلط ہو کہ سعید اور شقی دونوں کا نصیبا لوح محفوظ میں مسطور ہے تو اس صورت میں بھی زندگی کے لیے جدوجہد بے سود؟ اس کا جواب!

اسلامی نظریہ تقدیر پر اعتراض

مسئلہ تقدیر پر مستشرقین کے یہ دو اعتراضات اور ہیں جن کا جواب پہلے بھی دیا جا چکا ہے جس کے بعد عمداً تکرار مدنظر ہے تا کہ موت کے اسلامی نقطہ نظر سے مقدر ہون کا تذکرہ بھی آ ہی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ غیر متبدل صرف ایک شے ہے اور یہ نظام کائنات کا وہ قانون ہے جو تخلیق عالم سے بھی پہلے مقرر تھا۔

كتب ربكم على نفسه الرحمة (٦ : ٥٤)

> ’’تمہارے پروردگار نے بندوں پر مہربانی کرنا (از خود) اپنے اوپر لازم کر لیا ہے‘‘۔

اور رحمت ذات باری تعالیٰ کی ایسی صفت ہے جو ایک حیثیت کے مطابق اس کے قانون ہی کی ایک شق ہے نہ یہ کہ خدا نے اسے (رحمت کو) واجب قرار دے دیا ہے ذات کبریا پر کسی امر کا وجوب لازم نہیں!

وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا(۱۷:۱۵)

’’اور جب تک ہم رسول بھیج کر تمام حجت نہ کر لیں (کسی کو اس کے) گناہ کی سزا نہیں دیا کرتے‘‘۔

اس (آیت) کے یہ معنی ہیں خہ جس قوم کی طرف رسول نہ آئے وہ تو ضلالت ہی میں ڈوبی رہے۔ گو خدا کا قانون ہے کہ ایسی قوم کو اس کی ضلاالت کے عوض میں عذاب سے دوچار نہ ہونے دے۔ لیکن جو شخص خدائے ہر دوسرا کو مانتا اور اسے ایک خالق ارض وسما تسلیم کرتا ہے کہ اسے یہ بھی اعتراف ہے کہ اس نے اپنی مخلوق پر اپنے قوانین عائد فرمائے ہیں اور وہ شخص ان (قوانین) کے نتائج و عواقب سے بھی باخبر ہے۔ پس اس حیثیت کے مطابق خداوند عالم جب کسی قوم کی طرف اپنا رسول بھیجتا ہے تو اس کا قانون تخلیق اور مشیت تقاضا کرتے ہیں کہ جاب بھی جو شخص ضلالت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے وہ اپنے نفس پر خود ظلم کرتا ہے۔ تب وہ (خدا) ایسے شخص کو دوسروں کی عبرت کے لیے تماشا بنا دیتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سلامی عقیدہ کے مطابق جو شخص جرم (گناہ) کرتا ہے اس نے اپنے اوپر خود ظلم کیا ہے اسے سزا دی جائے گی۔ لیکن دوسری طرف یہ قصور اس کی تقدیر میں بھی ہے۔ ایسا عقیدہ محض سادہ لوحی ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ ہماری سادہ لوحی نہیں بلکہ صرف معترض کا ایسا تصور کر لینا ہے حقیقت سے چشم پوشی اور خدا کی نعمت پر نشکری ہے۔ اس لے کہ ادنیٰ ترین انصاف یہ ہے کہ مجرم خود ارتکاب میں قصوروار ہے اور خدا اس کی سزا دہی پر ظلم نہیں کرتا۔ اس کی مثال میں یہ کافی ہوگا کہ مثلاً باپ بچے کو آگ کے قریب لے جاتا ہے گر جونہی بچہ آگ کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے تو وہ اسے پیچھے کھینچ لیتا ہے۔ مبادا اس کا ہاتھ جل جائے باپ کا مقصد بچے کے ذہن میں آگ کی مضرت پیدا کرنا ہے جس کے لیے وہ بار بار اسے آگ کے قریب ے جاتا ہے۔

اب اگر بچہ لپک کر انگارے پر ہاتھ ڈال بیٹھے تو یا باپ کی گود میں ہمک کر آگ میں کود پڑے تو باپ کو قصوروار نہیں گردانا جا سکتا۔ کہ اس نے اپنے لخت جگر کو آگ میں جھونک دیا یہ تو بچے کا اپنا

قصور ہے۔ یہی مثال ایسے باپ پر بھی دی جا سکتی ہے جو اپنے فرزند کو شراب و جوئے کے نقصانات سے متنبہ کرتا ہے۔ لیکن صاحبزادہ بالغ ہوتے ہی شراب نوشی اور جوئے میں لگ جائے تو باپ ملامت کا سزاوار نہیں۔ کیونک وہ تو اس فرزند کو جوئے اور شراب کے مضمرات سے ہمیشہ متنبہ کرتا رہا۔ اب اگر صاحبزادے اپنے کیفر کردار کر پہنچ رہے ہیں اور باپ ان کی مخلصی کے لیے کوشش نہیں خرتا تو اسے ظالم نہیں سمجھا جا سکتا۔ باوجودیکہ (وہ باپ) اسے (فرزند کو) نجات دلا سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ ایسے بد اطوار جواری و شرابی کی درگت اس کے دوسرے بھائیوں اور دیکھنے والوں کی عبرت کا سبب بن سکے بلکہ ایسے مجر کی تعزیر کے وقت زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جمع کیا جائے تا کہ ایسے اشخاص کو عبرت حاسل ہو جو بد بخت جواری کی طرح جوئے سیا پنا ہاتھ نہیں روکتے۔ اگر ہو سکے تو یہ وہ نیکی ہو گی جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح تعزیر کے اس سادہ و عام طریقے سے دنیا و جہاں کے ان گنت افراد کی اصلاح میں کس قدر مدد حاصل ہو سکے گی البتہ وہ باپ جو اپنی اولد کو یوں نظر انداز کر دے کہ مارا چہ ازیں قصہ جوان کے مقدر میں ة ے کریں۔ اگر برائی کریں گے تو خود اپنی سزا بھگت لیں گے۔ ایسا باپ اپنی اولاد کے حق میں ظالم ہے اس لیے مثلاً ہم پسو کو اس کے کاٹنے سے قبل ختم کر دیتے ہیں یا کسی متعدی مرض کے پھیلاؤ سے پہلے اس کا انسداد ضروری سمجھے ہوئے ہیں مبادا یہ بنی آدم کی ہلاکت کا ذریعہ بن جائے یا ایسا پتھر جو شاہ راہ پر یا گھر کے آنگن میں پڑا ہوا ہے۔ ٹھوکر سے بچنے کے لیے اسے وہاں سے ہٹا دیتے ہیں یا ہمارے جسم کا ایک عضو اس حد تک ماؤف ہو چکا ہے کہ جس کی وجہ سے دوسرے اعضاء کے متاثر ہونے کا خطرہ ہے۔ تو اسے قطع کر کے پھنکوا دیتے ہیں ان چیزوں کو اگر ہم ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ ہمیں کیا ہماری تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ تو پیش آ کر ہی رہے گا۔ مگر ان کی وجہ سے کسی نہ کسی وقت ہمیں تکلیف گھیر سکتی ہے تو یہ ہماری بے سمجھی کا نتیجہ ہے کیونکہ ہمیں خدان ان چیزوں کے ضرر سے محفوظ رکھنے کے طریقے بتا رکھے ہیں۔ جس طرح اس نے گناہ گار کے لیے توبہ کا طریقہ واضح کر رکھا ہے۔ اگر بے مایہ شخص یہ گرہ لگائے بیٹھا رہے کہ تقدیر اس پر غالب ہے پھر وہ ان کے

ضرر سے دوچار ہو جائے تو اس بے فہم منش کی حماقت مسلم ہے۔ وہ تقدیر کا استعمال غلط انداز سے سوچ رہا ہے۔ اس لیے کہ ہم پسو مارنے پتھر کو ایک طرف ہٹانے اور عضو فاسد کا القط کرنے کا عین عدل سمجھتے ہیں۔ قانون خداوندی ہمارا رہنما ہے کہ پسو کاٹنے سے باز نہیں رہ سکتے اور یہ کہ متعدی امراض انسان کی ہلاکت کا ذریعہ اور عضو فاسد تمام بدن کو متاثر کر کے رہتا ہے۔ لیکن اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ہم تقدیر کے بھروسے پر خود کو مصیبت میں محصور کر لیں اور ان مضرات کے خلاف اپنی قوت مدافعت کو معطل رکھ کر نہ صرف گرد و پیش بلکہ دوسروں کی زحمت کا ذریعہ قرار پائیں۔ کیا یہ عقیدہ اور عمل ہماری سادہ لوحی اور تن پروری یا کوتاہ اندیشی پر مبنی ہے؟

کائنات کے مقابلہ میں پسو سنگ گراں حتیٰ کہ انسان کی بساط ہی کیا ہے بلکہ نفس انسانیت بھی اس (کائنات) کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا جس کائنات کی پہنائی کی ابتدا اور انتہا دونوں کا پتا نہیں چلتا۔ ہمارا تصور جس میں ہم اسے محصور کرنا چاہتے ہیں اور اس کی دوڑ زمان سے لے کر مکان تک اور ازل سے لے کر ابد تک آ کر ختم ہوتی ہے کائنات کی تعریف میں ہمارے الفاظ گنگ اور تشبیہات بے مایہ ہو کر اپنا منہ چھپا لیتی ہیں۔ ہماری اس بے بسی کی دلیل ہمارے اس علم کی قلت ہے تاہم اس تقلیل علم کے باوجود ہماری عقل رہبری کرتی ہے کہ خدا کا وہ قانون جو کائنات پر جاری و ساری ہے۔ عین عدل ہے اس میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں۔ اگر ہم خود کو اس قانون کے تابع رکھیں گے تو خدا نے ہماری چشم و گوش اور دل میں دیکھنے سننے اور سمجھنے کی جو جو خوبی ودیعت فرمائی ہے اس کے واسطے سے ہم کائنات کی صنعت اور اس کے اسرار کا احاطہ کر کے ذات صانع کو پہچان سکتے ہیں اور اس کے حکموں کی تعمیل میں نیک کاموں کے لیے خود کو آمادہ کر سکتے ہیں اور جب عمل نیک ایمان کی بنیادوں پر مبنی ہو تو (عمل) خردمند کے نزدیک خدا کی عبادت کا بہترین مظہر ہے۔

موت

جو نام ہے زندگی کے ایک مرحلہ کے اختتام اور اسی کی دوسری منزل کے آغاز کا جس کے نام سے ان لوگوں کے بدن پر تھرتھری ابھر آتی ہے جن کے جیب و داماں حسن عمل سے خالی ہیں۔ یہ

لوگ اپنی بداعمالیوں کے نتائج سے گھبرا کر موت سے ڈرتے ہیں۔ مومنین جنہوں نے سن کردار سے دنیا کی زینت میں چار چاند لگا دیے ہیں موت کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتے ہیں خداوند عالم فرماتا ہے:

(۱) الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم کم ایکم احسن عملا وھو العزیز الغفور (۶۷:۲)

> ”جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ زبردست اور بخشنے والا ہے“۔

> اور اپنے نبی سے مخاطب ہو کر فرمایا:

(۲) وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد ا افائن مت فھم الخالدون کل نفس ذائقه الموت ونبلوکم بالشر و الخیر فتنه والینا ترجعون (۲۱:۳۴:۳۵)

> ”اور (اے پیغمبرؐ) ہم نے تم سے پہلے کسی بشر کے لیے ہمیشگی نہیں رکھی پس اگر تم مر جاؤ گے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ہر ایک جاندار (ایک نہ دن) موت (کا مزہ) چکھنے والا ہے اور (لوگو!) ہم تم کو بری اور بھلی حالتوں میں (رکھ کر) آزماتے ہیں اور (آخر کار) تم (سب) کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے“۔

(۳) مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا بئس مثل القوم الذین کذبوا بایت اللہ واللہ لا یھدی القوم الظالمین (۶۲:۵)

> ”جن لوگوں کے (سر) پر تورات (حکماً) لادی گئی۔ پھر انہوں نے اس کو انگیز نہ کیا (یعنی اس پر کاربند نہ ہوئے) ان کی مثال گدھے کی مثال ہے جس پر کتابیں لدی ہیں۔ جو لوگ خدا کی آیتوں کو جھٹلایا کرتے ہیں ان کی

(بھی کیا ہی) بری کہاوت ہے اور اللہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں
دیا کرتا"۔

(۴) قل یا یھا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء لله من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولا یتمنونه ابدا بما قدمت ایدیھم والله علیم بالظالمین (٦٢:٦ تا ٧)

"(اے پیغمبرؐ ان یہودیوں سے) کہو کہ اے یہود! اگر تم کو اس بات کا
گھمنڈ ہے کہ اور تمام آدمیوں کو چھوڑ کر تم ہی خدا کے چہیتے ہو (اور اپنے
اس دعویٰ میں) سچے (بھی) ہو تو موت کی تمنا کرو۔ مگر یہ لوگ ان (اعمال
بد) کے ڈر سے جن کے مرتکب ہو چکے ہیں کبھی موت کی تمنا کرنے والے
نہیں اور اللہ بے انصاف لوگوں کو خوب جانتا ہے"۔

اور

(۵) وھو الذی یتوفاکم بالیل ویعلم ما جرحتم بالنھار ثم یبعثکم فیه لیقضی اجل مسمی ثم الیه مرجعکم ثم ینبئکم بما کنتم تعملون (٦:٦٠)

"اور (لوگو) وہی (قادر مطلقؒ) ہے جو رات کے وقت (نیند میں ایک
طرح پر تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے اور کچھ تم نے دن میں کیا تھا (وہ اس
کو بھی) جانتا ہے۔ پھر دن کے وقت تم کو اٹھا کھڑا کرتا ہے تا کہ (رات
دن کی آمد و شد سے وہ) معیاد جو (حیات جو اس کے علم میں) مقرر ہے
(ایک دن) پوری ہو۔ پھر (آخر کار) اسی کی طرف (سب) کو لوٹ کر
جانا ہے پھر (اس وقت) جو کچھ ت (دنیا میں) کرتے رہے ہو وہ تم کو
(اس کا برا بھلا) بتا دے گا"۔

متذکرہ الصدر آیات کس شدت کیساتھ تقدیر محض پر قانع رہ کر بے عمل زندگی سے روک رہی

ہیں ان ہر پانچ آیات میں سے پہلی آیت سے یہ مفہوم متبادر ہوتا ہے کہ موت و زیست دونوں کا خالق خدائے برتر ہے، جو زندگی کے اعمال پر بھی نگراں ہے، کہ دنیا میں رہ کے کس شخص نے نیکی کی راہ یں کیا قدم اٹھایا یعنی زندگی محبت و عمل ہے اور آخرت ان اعمال کے لیے یوم جزا ہے کہ اگر انسان نے زندگی میں کوئی بھلا کام کیا ہے تو جس میں بحکم آیہ

هو الذی جعل لكم الارض ذلولا فامشوا فی منا كبها و كلو من رزقه و اليه النشور [۱] (۱۵:٦٧)

اس رزق میں جو خدا نے اس کے لیے چاروں طرف پھیلا رکھا ہے جس سے وہ مستفید ہے کیا اس نے دوسروں کی ضروریات کو بھی پورا کیا ہے بمصداق

ویوثرون علی انفسهم ولو كان بهم خصاصة [۲] (۹:۵۹)

اگر اس میں غفلت سے کام لیا ہے تو وہ خدا کے نزدیک مجرم ہے، لیکن دوسرا شخص جس نے ہر نیک کام کے لیے سبقت لی اس کا یہ حسن عمل خدا کے نزدیک مقبول اور آخرت میں اس کی بہتر جزا اس کے لیے یقینی ہے خداوند عالم دنیا میں اپنے بندوں کے اعمال خیر و شر کی نگرانی کرتا ہے اس نے

---

[۱] لوگو! وہی (خدا تو ہے) جس نے زمین کو تمہارے لیے نرم (ہموار) کر دیا ہے تاکہ اس کے اطراف و جوانب میں جدھر چاہو چلو پھرو اور (نیز) خدا کی دی ہوئی روزی جو زمین سے پیدا ہوتی ہے مزے سے کھاؤ پیو اور (آخرکار) قیامت کے دن دوبارہ جی (اٹھ) کر دوبارہ اسی کی طرف پھر چلنا ہے۔

[۲] اور اپنے اوپر تنگی کیوں نہ ہو (مہاجری بھائیوں کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں۔

ہمیں نیکی اور بدی میں امتیاز کی قوت کے لیے عقل و دانش عنایت فرمادی ہے۔

فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذره شرا یره ۝ ۱

(۹۹:۷::۸)

بے شک ہمارے مقدر سے زیادہ ہمیں کچھ نہیں مل سکتا۔ لیکن اس میں بجائے خود ہمارے لیے حسنات کی ترغیب ہے کہ اگر خدا ہمیں زندگی کی جدوجہد کے دوران میں دنیا سے اٹھا لے ارو یہ حادثہ ہماری جوانی کے عالم میں رونما ہو یا ہمیں اس ارذل عمر تک زندہ رہنے دے جس میں سوجھ بوجھ اور قوت عمل اک ایک جواب دے کر یک طرف ہو جاتے ہیں۔ ہارے لیے دونوں حالتیں برابر ہیں۔ زندگی سال اور مہینوں سے تعبیر نہیں بلکہ زندگی عام ہے اعمال نیک اور باقیات صالحات کا! جو لوگ نیک اعمال کرتے ہوئے دنیا سے گزر جاتے ہیں جو خدا کے ہاں زندہ ہیں اور یہ اعمال دنیا میں بھی ان کے لیے حیات و جاوید کا وسیلہ بنے رہتے ہیں اور ان لوگوں کے نام جریدہ عالم پر ہمیشہ ثبت رہتے ہیں۔ انہیں دنیا سے منہ موڑے صدیاں گزر گئیں۔ ان کے کارناموں کی وجہ سے ابھی تک انہ کی یاد زندہ ہے۔

تفسیر آیہ

فاذا جاء اجلهم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون ۝ ۲ (۷:۳۴)

بے شک موت کی گھڑی لمحہ بھر کے لیے آگے یا پیچھے نہیں ہو سکتی جس کی موافقت میں نظام عالم بھی کہہ رہا ہے کہ دنیا میں ہر انسان کی اجل کا وقت مقرر ہے اور اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی دشواری بھی نہیں آخر کسوف شمس و خسف ماہتاب کے لمحے بھی تو انسانی موت ہی کی مانند موقت سمجھے جاتے ہیں جن میں لمحہ بھر کا تقدو تاخر ناممکن ہے۔

انسان کی اجل کے موقت ہوے اور اس سے ووہ ساعت پوشیدہ رھنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان دنیا میں نیجکی کے لیے زیادہ سے زیادہ کوشش کر سکے۔ کیونکہ اس گھڑی سے بے خبر جب موت کا فرشتہ اچانک آ کر اس کی روح پر قابض ہو جائے گا جس کے بعد اس کے لیے نیک اعمال

کے سوا کوئی اور توشہ نہ ہوگا۔

ہم شب و روز موت کی ستم ظریفی دیکھ رہے ہیں۔ کسی کو وہ ایک لمحہ علالت کے بغیر دفعتہً جھپٹ لیتی ہے دوسرا دائم المرض ہے جو بیمری ؤ سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہر وقت ہاتھ پیر مار رہا ہے اور بستر علالت ہی پر بڑھاپے کی منزل میں جا پہنچتا ہے اور موت اسے نچوڑ نچوڑ کر اپنا آخری رنگ دکھاتی ہے۔۔

موت کا جرثومہ جسم انسانی میں مضمر ہے

طبی تحقیقات سے انکشاف کیا ہے کہ انسان کی ولادت کے ساتھ ہی اس کے وجود میں موت کا جرثومہ بھی مادر رحم ہی سے توام پذیر ہوتا ہے جو ایک معین مدت پر پہنچ کر انسان کی زندگی ختم کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے (اگر کوشش کی جائے تو دوسرے جراثیم کی طرح اس کی مزید دریافت بھی ممکن ہے اگرچہ آسان نہیں)۔

> ۱؎ جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس (نیکی) کو بچشم خود دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اس (برائی) جو بچشم خود دیکھ لے گا۔

> ۲؎ اور پھر جب ان کا وقت آ پہنچتا ہے تو اس نے ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موت کا یہ جرثومہ یا تو مادی شکل میں انسان کے اعضائے رئیسہ یا بدن کے کسی اور عضو میں چھپا پڑا ہے۔ یا غیر مادی حالت میں دماغ کے کسی کونے میں لگا ہوا ہے اور جو دماغ کو انسان کی معینہ موت کے وقت سے پہلے اسے دوسروں پر حملہ یا خود پر حملہ کی مدافعت کے لیے مشتعل کر کے اس کی موت کا محرک بن جاتا ہے۔

تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ خداوند خدا جس کا علم ذرے ذرے کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے اور جس کے مقرر کردہ نظام عالم میں کسی تغیر و تبدل کا امکان نہیں وہ ذات کبریا ہر انسان کی موت

کے لمحوں سے بھی آگاہ ہے۔

پروردگار عالم کا کتنا احسان ہے کہ جب تک وہ کسی قوم کی طرف رسول نہ بھیجے جو انہیں نیکی اور ہدایت کی تلقین کرے اس وقت تک کسی قوم کو اس کے گناہوں پر عذاب سے دوچار نہیں کرتا اگر ایسا ہوتا تو نسان ہی کیا دنیا میں ہر ذی روح موتوجب سزا قرار پاتا۔

ولو یؤاخذ اللہ الناس بظلمھم ما ترک علیھا من دابة ولکن یوخرھم الی اجل مسمی فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون (۱۶ : ۶۱)

> ”اور اگر خدا بندوں کو ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے پکڑتا ہے تو روئے زمین پر کسی متنفس کو باقی نہ چھوڑتا مگر وہ ایک مقرر (یعنی موت) تک ان کو مہلت دیتا ہے پھر جب ان کا (وہ) وقت آن پہنچتا ہے تو (اس سے) نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں“۔

اور اس نے رسولوں سے بار بار تاکید فرمائی کہ اپنی امت کو سمجھا دیں۔

وذر الذین اتخذوا دینھم لعبا ولھوا و غرتھم الحیوة الدنیا وذکربه (۶ : ۷۰)

> ”اور جنھوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکا میں ڈال رکھا ہے تو ایسے لوگوں کا (انہی کے حال پر) چھوڑ دو اور (موقع پا کر) قرآن کے ذریعے سے (ان کو) سمجھاتے رہو“۔

انبیائے کرام علیہم السلام کا برو دول کے خاندان میں پیدا نہیں ہوتے

نہ تو خدا نے کسی پیغمبر کو بادشاہ کے خاندان میں پیدا کیا نہ کسی دولت مند یا صاحب جاہ و منصب اور خانوادہ علم و فضل سے معبوث فرمایا۔ ہر نبی طبقہ جمہور میں ظہور فرما ہوا۔ جناب ابراہیمؑ

اوران کے والد دونوں نجار تھے۔ حضرت عیسیٰؑ اپنے مولد ناصرہ کے نجار خاندان سے ظہور فرما ہوئے۔ کئی انبیاء بکریاں پالتے تھے۔ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی یہی معمول رہا۔

نبی کے جمہور میں سے مبعوث ہونے میں یہ مصلحت ہے کہ جمہور دوسرے اوصاف کی طرح حقیقت کو اس خوش نصیب کی ملکیت سمجھیں جو خود اسے خدا کی رضا طلبی کے لیے استعمال کرے اور دوسروں کے لیے بھی اسے یوں عام کر دے کہ انسان جو کچھ اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لیے پسند کرے۔ (حدیث نبوی)

يحب لا خيه ما يحب لنفسه

اور سمجھ لیا جائے کہ اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ حقیقت کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ انسان کا شرف واحترام اس کے حسب ونسب کی بجائے اعمال صالحہ کی بدولت ہے

ان اكرمكم عندالله اتقاكم (۱۳:۴۹)

کے مطابق۔

وقل اعملو افسيرى الله عملكم (۱۰۵:۹)

> ”اور اے پیغمبر (ان کو) سمجھا دو کہ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو۔ سو ابھی تو اللہ تمہارے عملوں کو دیکھے گا“۔

اور

قل تجزون الا بما كنتم تكسبون (۵۲:۱۰)

یہ جو تمہیں سزا دی جا رہی ہے تمہارے اپنے ہی کرتوت کا بدلہ ہے (اور بس)۔

خیال رہے کہ توحید باری تعالیٰ حقیقت کبریٰ کا ہی نام ہے۔

موت کا نام ہے زندگی کے ایک مرحلہ کے اختتام اور دوسرے کے آغاز کا

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ’’موت نام ہے زندگی کے ایک مرحلہ کے اختتام اور اس کی دوسری منزل کے آغاز کا‘‘ بے شک ہم زندگی کے ایک دور سے گزر رہے ہیں بایں ہمہ اس (زندگی) کے کاروبار سے اسی حد تک واقفیت ہے جہاں تک ہماری حس و عقل اور شعور ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں۔

لیکن آخرت کی زندگی کا معاملہ اس (زندگی) سے کہیں مختلف ہے۔ اس کے متعلق خدا نے ہمیں جس قدر بتایا اس سے زیادہ نہیں جان سکتے کیونکہ اس جہاں کی کیفیت ہم سے نہاں اور خدائے برتر پر آشکار ہے۔ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے جو اس نے اپنی کتاب میں فرمایا اور ہم اس کے مکلّف کہ اس دنیا کے اعمال کی جزا وہاں ملے گی۔ ہمیں خدائے جل وعلا پر توکل رکھتے ہوئے اس سے اپنے اعمال کی عادلانہ جزا کی امید پر نیکی میں سبقت کرنا چاہیے اور اس کے سوا دوسرے معاملات ذات کبریا پر چھوڑ دینا چاہئیں۔

مستشرقین اور کلیسا کے لیے باعث ندامت

امریکی مستشرق واشنگٹن اور اس کے دوسرے یاران طریقت عام اس سے کہ مسند استشراق کے مہرے ہوں یا محض کلیسائی مجاور دونوں گروہوں کو اپنی اس غلطی پر نادم ہونا چاہیے کہ انہوں نے اسلامی نظریہ تقدیر کے سر پر کیا کیا منڈھ دیا ہے۔ ہم نے مسئلہ کے سلسلہ میں صرف قرآن ہی پیش کیا ہےس لیے کہ ہمارا مقصد نہ علمائے اسلام اور صوفیا کی توجیہات معرض بحث میں لانا منظور ہے نہ فلاسفہ اسلام کی تنقیحات پیش کرنا۔ واشنگٹن نے تقدیر کی آیات کو غزوہ احد اور حضرت حمزہؓ کی شہادت کو شان نزول بتانے میں کلیسائی مجاوروں کی تحقیق سے بھی زیادہ لغزش کا ارتکاب کیا ہے اس موضوع پر ہم نے جو آیات پیش کی ہیں ان میں سے بعض ہجرت سے قبل مکہ میں نازل ہوئیں جب کہ غزوات کا ذکر اذکار تک وجود میں نہ آیا تھا۔

واشنگٹن ارونگ اور ان کے ہمنوا مسیحی اہل قلم کی اس غلطی کا پس منظر یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی نظریہ تقدیر پر تحقیق کی بجائے اسے مسیحی تصورات کے سانچے میں ڈھال لیا ہے تا کہ

پڑھنے والوں کو بلا تکلف اپنا ہمنوا کر لیں۔ کاش یہ حضرات اسلامی نظریہ تحقیق کو قرآنی نقطہ نظر سے پرکھنے کی زحمت فرماتے۔ انہیں اندازہ ہو سکتا کہ وہ عقل و شعور کے ساتھ کس حد تک مطابقت رکھتے ہیں اور جس میں ہر زمانہ کے فلاسفہ نے اسی (اسلامی نظریہ تقدیر) کے مطابق اپنے اپنے دور کے لیے اسے قبول کیا ہے۔

اگر مستشرقین منصفانہ طریق پر اسلامی مسئلہ تقدیر کا تجزیہ کر لیں تو انہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ تقدیر اسلامی کا تصور اس قدر ارفع واعلیٰ ہے کہ زندگی کے ان تمام تصورات کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے جو مختلف دوروں کے فلاسفہ نے تقدیر کے متعلق قائم کیے اور ان میں ابتدا سے لے کر اب تک کے تمام تصورات کا بتدریج ارتقا ہوتا رہا۔

اسلامی نظریہ تقدیر اور اس کے علمی تجزیہ میں تطبیق

اگر مستشرقین اسلامی جبریت کے راز کو پا لیتے ہیں تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ مصدر کتنا اونچا ہے کتنا گہرا ہے اور کس درجہ زندگی کے ان تقاضوں کے عین مطابق ہے تقدیر کے اس تصور کو ان تمام فلسفی و عقلی کوششوں کا نچوڑ قرار دینا چاہیے جو اس سلسلہ میں بروئے کار آتی ہیں۔ یہ تصور اپنی ہیئت و ترتیب کے اعتبار سے بالکل انوکھا ہی نہیں بلکہ دراصل اسے ایک طرح کا امتزاج کہنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ نہ تو ایجابیت پسندوں کی علمی جبریت سے متصادم ہے اور نہ شوپنہار کے اس نظریہ سے برسر پیکار ہے کہ یہ عالم محض ارادوں کی کارفرمائیوں کا کرشمہ ہے اور نہ برگسان کے ارتقائے پیہم ہی سے اس کا تعلق مخاصمانہ ہے۔ اس کے برعکس ان تمام سچائیوں کو یہ اپنی وسعتوں میں لیے ہوئے ہے۔

اختصاراً چند امور بامید غور و توجہ پیش کرتا ہوں نہ اس لیے کہ مسیحانہ نظریہ تقدیر پر معارضہ مدنظر ہے۔ بارہا اعادہ کیا جا چکا ہے کہ اسلام حضرت مسیحؑ کے مبادی تعلیم کو بھی اسی طرح تسلیم کرتا ہے جس طرح دوسرے انبیائے سابقین علیہم السلام یعنی جناب ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰ وغیرہ کی تعلیم کو جیسا کہ خود جناب مسیح نے انجیل میں فرمایا کہ یہ نہ سمجھو کہ تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے

آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں آیا بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔

اسلام کا مقصد انبیائے سابقین علیہم السلام کی تعلیم کو مکمل کرنا ہے

اسلام کا مقصد انبیائے سابقین کی تعلیم کو مکمل کرنا ہے مگر ان کے شارحین کی تحریف میں صحیح کے ساتھ اس یے میں اس نظریہ کی جو تعبیر قرآن کی روشنی میں کرنے کو ہوں اس بارے میں پہلے اہل علم بھی میرے شریک ہیں۔ البتہ اسلوب بیان میں فرق ہوگا۔ پس اگر توفیق نے یاوری کی اور میں اس مقصد میں کامیاب ہو گیا تو یہ خداوند عالم کے لطف وکرم سے ہوگا۔ جن ارباب فکر و دانش کو علم کی نعمت عطا ہوئی ہے ان سے متوقع ہوں کہ لغزش پر میری دست گیری فرما کر اس کے عطا کردہ علم و فضل کا شکریہ ادا کریں گے۔

اس ضمن میں قرآن کے سامنے سب سے پہلے یہ نظریہ مسلم ہے کہ جہاں ایسا مربوط و منظّم سلسلہ ہے۔ جس میں کسی تغیر وتبدل کی گنجائش نہیں اور جہاں صرف اس زمین و آسمان یا ستاروں اور سیاروں ہی میں منحصر نہیں ہے جنہیں ہم نے اپنے گرد وپیش میں دیکھ رہے ہیں ان کے سوا بے شمار محسوسات اور بھی ہیں اور ان کے اسوا بے حساب ایسے غیر محسوس عوالم بھی ہیں جو ہماری حس ادراک سے بالاتر ہیں اور یہ سب کے سب ارض وفلک اور ستاروں کے ساتھ مل کر جہان کی تشکیل کا ذریعہ قرار پائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیے کہ جہان کے متعلق ہماری معلومات بے حد محدود ہیں مثلاً ایتھر اور کہربائیہ کے بارے میں۔ اول الذکر ہمارے اور ستاروں کے درمیان حاء ہے اور کہربائیہ جس نے ایتھر اور زمین دونوں کے درمیان تلاطم پیدا کر رکھا ہے ان دونوں ایتھر اور کہربائیہ کی وجہ سے آفتاب اور دوسرے ستاروں سے ہمیں جس قدر بعد ہے اس کے باہمی فاصلہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ذات خداوندی کے سواسی کو اس پر احاطہ ممکن نہیں۔ لیکن ان (اجرام) کے درمیان اس قدر فاصلہ ہونے کے باوجود ہم اس جہان کی نیرنگیوں سے بہت کم آگاہ

ہو پاتے ہیں۔ حتیٰ کہ جوں جوں ہماری ان معلومات میں ترقی ہوتی جائے گی ہم اصل حقیقت سے اور دور ہوتے جائیں گے البتہ ہماری معلومات میں ترقی ہوتی جائے گی۔ جس کے مقابلہ مں حقیقت ہمیں نہایت کم زور معلوم ہوگی۔ بایں ہمہ حقیقت کو ہم دوسری چیزوں سے غیر منفک تسلیم کرتے اور اسی کو اپنی ترقی کی بنیاد سمجھتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اسی حقیقت کے پرتو میں ہم زندگی کے قوانین اور جہان کو بھی محسوب کیے ہوئے ہے۔ اگر ہم اس طرح تسلیم کرتے ہوئے اپنے تصور کو دور تک لے جائیں پھر اس پر گفتگو کرنا چاہیں تو ہمارے یہ میدان اور بھی محدود ہو جائے گا پس ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مریخ میں آبادی کی مثال سے سبق

فرض کیا مریخ میں انسان آباد ہے اور اس کے قبضہ میں لاسلکی (تار برقی) بھی ہے جو اپنی آواز ایک سو ملین میل تک پھینک سکتی ہے جس کے ذریعے مریخ کے باشندے کرہ زمین پر رہنے والوں کو اپنے ہاں کے حوادث ٹیلی وژن کے ذریعے سناتے رہتے ہیں۔ کیا یہ بات ہمارے فہم میں آ سکتی ہے کہ حالانکہ مریخ ان ستاروں سے قریب تک ہے جو زمین سے لاکھوں میل اور دور واقع ہے۔ مجھے عرض کرنا ہے کہ جہان جس کے متعلق ہماری قلت علم کا یہ حال ہے کہ اس کی مختصر سے مختصر اطلاعات پر بھی ہمیں احاطہ نہ ہو سکے۔ دوسری طرف اس (جہان) کی پنہائی و پذیرائی کا یہ عالم کہ اسی کے تاثرات ہماری زمین اور اس پر بسنے والی مخوقات میویوں جاری و ساری ہوں۔ پھر اگر اس جہان کا کوئی اور ایک کرہ ذرا سا پہلو بدل لے تو دنیا کا انجام کیا ہو! انسانی زندگی جو دوسرے دوسرے موجودات کے مقابلہ میں ذرہ بے مقدار کے درجے پر ہے اپنی موجودہ صورت سے تحلیل ہو کر کس حالت میں متبدل ہو کر رہ جائے۔ چہ جائے کہ اگر اس زندگی پر کوئی بڑا حادثہ وارد ہو!

انسانی اطوار پر خارجی عوامل کے اثرات

ہماری زندگی اپنی اس بے مائیگی کے ساتھ ان خارجی اثرات سے کبھی نیکی کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور گاہے نیکی سے دامن سمیٹ کر ایک طرف ہو جاتی ہے۔ ان دونوں حالتوں میں خارجی عوامل ہی موثر نہیں ہوتے بلکہ جس نفس پر یہ عوارض عوامل ہوتے ہیں اس (نفس) کی ذاتی استعداد اور ان تاثرات کا انداز وقوع بھی نیکی کی طرف سبقت یا اس سے دامن سمیٹ لینے دونوں می سے کسی ایک کا ذریعہ بن ہو جاتا ہے۔ بارہا ایسا ہوا کہ ایک حادثہ مختلف لوگوں پر مختلف اثرات ظہور پذیر ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ایک فرد اس (حادثہ) کے اثر سے نیکی اور بدی دونوں کے درمیان آہنی فصیل کی شکل میں کھڑا ہو گیا مگر دوسرے اشخاص نے اس کی بجائے اور اثرات قبو کیے یہی وجہ ہے کہ خیر یا شر دونوں میں سے جو بھی رونما ہو نتیجہ ہے عوامل خارجی اور انسانی روح دونوں کی باہمی کیفیت کا امتزاج کے تاثرات کا ارو اسی طرح نیکی اور بدی دونوں نتیجہ ہیں قوانین خلقت اور وجود کائنات کے خواص کا جیسا کہ مثبت اور منفی دنوں کہربائیہ کی ایک ہی گرہ میں اکٹھے بندھے پڑے ہیں جس طرح جسد انسانی کی بقا کے لیے جراثیم بھی اس کے بدن میں پل رہے ہیں۔

فی زمانہ کوئی شے نہ مضر ہے نہ مفید۔ اشیا کا نفع و ضرر ان کے استعمال سے مربوط ہے۔ جو چیز ایک موقع پر مہلک ہے وہی دوسرے وقت میں جاں بخش ہے جیسے برق پاش آلات حرب جو لڑائی میں لاکھوں انسانوں کا خون چاٹ کر ہنوز سرگرم ہلاکت ہے جن کی شعلہ آشامی سر بہ فلک محلوں کو چشم زدن میں پیوند خاک کر دیتی ہے۔ دیدہ زیب مناظر ایک جھپٹ سے بھیانک نظر آنے لگتے ہیں مگر یہ آلات حرب جنگ کے بغیر اپنی افادیت کا دامن یوں پھیلائے رکھتے ہیں کہ جن سے انسان دائمی راحت محسوس کرنے لگے۔ بارود اور اسی قسم کی دوسری آتش بار چیزیں نہ ہوتیں تو پہاڑوں کے جگر میں ریل کی پٹڑی کے لیے شگاف ممکن تھا؟ اسی (بارود) کی قوت زمین کے قلب میں سے سونے چاندی ے ذرے اگلوا لیتی ہے اسی کی بدولت کوہ پیکر چٹانیں ایک طرف ہٹا کر وہ گیسیں نکالی جاتی ہیں جو لڑائی کی دوران انسان پر انسانی خون کی پچکاریاں پھینک کر اسے بھسم کر دیتی ہے اور صلح و آشتی کے دور میں یہی گیسیں مفید امور میں معاون کوئی انسانی جان بچانے کے

لیے اکثیر اور کوئی بعض استعمالی پانی کو مہلک جراثیم سے پاک کرنے میں مددگار جہازوں کے مہلک جراثیم کی ہلاکت میں ہماری مدد، جن میں ایسے خطرناک چوہے بس جاتے ہیں کہ اگر گیس نہ ہوتی تو یہ چوہے جہازوں میں شگاف ڈال کر انہیں سمندر کی تہہ میں پہنچا دیتے۔ اسی طرح ان گیسوں کی بدولت ایک کئی قسم کے جراثیم تباہ کیے جاتے ہیں۔

حشرات الارض میں منافع کا پہلو

آج سے پہلے حشرات الارض اور چرند پرند کا وجود محض بے مصرف سمجھا جاتا تھا مگر جدید انکشافات نے جوں ہی پردہ ہٹایا جن جانوروں کو ہم بے قصور کیے ہوئے تھے ان پر ہماری زندگی کی بقا دیکھنے میں آئی۔ ان جانوروں کے مسئلہ نے بعض ملکوں میں یہاں تک اہمیت حاصل کر لی ہے کہ ایسے جانوروں کی بقا کے لیے چڑی مار اور شکاریوں کو قانوناً پابند کر دیا ہے اور ماہرین حیوانات نے تسلیم کر لیا ہے کہ جب تک ایسے ذی روح انسان کے لیے خطرہ کا سبب نہ ہوں ان کی بقا و حفاظت کا انتظام ضروری ہے۔ ورنہ ایسے جانوروں کی ہلاکت اور بربادی خود انسان کی تباہی کا ذریعہ بن جائے گی۔

فعل کا موقع کی اہمیت سے علاقہ

کہنا یہ ہے کہ اس قسم کے ذی روح حیوانات ک مانند انسانی اعمال بھی فی ذاتہ نہ مفید ہیں نہ مضر بلکہ ان کی منفعت و مضرت کا حکم ان کے نتیجہ کے مطابق لگایا جاتا ہے مثلاً از روئے قرآن قتل انسان معصیت بھی ہے اور فعل حرام بھی لیکن یہی قتل ہے جسے فی ذاتہ حق سے تعبیر کیا گیا فرمایا:

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق (٦ : ١٥١)

> ''اور کسی جان کو قتل نہ کرو جسے خدا نے حرام ٹھہرا دیا ہے ہاں یہ کہ کسی حق کی بنا پر قتل کرنا پڑے جیسے قصاص میں''۔

اس سے ثابت ہوا کہ جب کوئی شخص اپنے کسی فعل کی وجہ سے مباح الدم ہو جائے تب اس کا

قتل کر دینا حق ہے اسی طرح:

ولم فی القصاص حیوۃ یا ولی الالباب (۲: ۱۷۹)

> ”اور اے ارباب! دانش قصاص کے حکم میں (اگرچہ) بظاہر ایک جان کی ہلاکت کے بعد دوسری جان کی ہلاکت گوارا کر لی گئی ہے لیکن فی الحقیقت یہ ہلاکت نہیں ہے تمہارے لیے زندگی ہے“۔

ہر قسم کا قاتل موقع کی اہمیت سے حق بجانب بھی ہو سکتا ہے

مثلاً جلا دان ہر دو آیات سے ثابت ہوا کہ:

ا۔ وہ جلاد جو مجرم کو قتل کرتا ہے۔

۲۔ اور وہ شخص جو خود پر حملہ آور کی مدافعت میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

۳۔ اور وہ سپاہی جو اپنے وطن کی حفاظت میں مقابل کی گردن بھٹے کی طرح اڑا کر پھینک دیتا ہے۔

۴۔ اور وہ مومن جو اپنے دین کی حفاظت کے لیے کفر کو فی النار کر کے خود بچ نکلتا ہے۔ کسی معصیت یا امر محرم نے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے خدا کی طرف سے خود پر عائد کردہ حق ادا کیا ہے اور وہ گناہ کی بجائے محسن نیک کردار کے برابر اجر و ثواب کے مستحق قرار پائے ہیں۔

اسی طرح مثلاً ایک شخص اپنے وطن کو وبا سے بچانے کے لے مہلک جراثیم کی ہلاکت کا جو ہر دریافت کرتا ہے جو اس وبا کا باعث ہون کو تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا مقصد نیک ہے اسی طرح وہ تمام ارباب صنعت و حرفت جو ربع مسکون پر آباد ہیں اگر ان کی ایجاد وسعی مفید کاموں میں صرف ہو تو یہ ان کے اجر و ثواب کا ذریعہ ہوگا اور اگر بنی نوع بشر کی بلاوجہ تباہی کے لیے استعمال ہو تو نتیجہ کچھ اور ہوگا۔

قدرتی تقسیم کار

خداوند عالم کا ارادہ اور دنیا میں اس کا قانون (دونوں) کارفرما ہیں۔ اس کی وجہ سے اس نے بنی نوع انسان پر مختلف قسم کی ذمہ داری تقسیم فرما رکھی ہے۔ جس میں ہر شخص کو اس کے سلیقہ کے مطابق کام کرنے کی استطاعت حاصل ہے ایک طبقہ تعمیرات سے دنیا کو آباد کر رہا ہے دوسرا کھیتی باڑی سے ان کی قوت کا سامان فراہم کرنے میں مشغول ہے۔ کچھ لوگ صنعت و حرفت کے ذریعے ربع مسکون کی رونق بڑھا رہے ہیں بعض حضرات علم و ہنر سے جمہور کی ذہنی تربیت میں مصروف ہیں لیکن جملہ علوم وفنون کے باوجود ان میں سے کوئی طبقہ قانون خداوندی کی تبیین نہیں کر سکتا۔ جس کے لیے اللہ ایک اور طبقہ کو خلعت نبوت سے ممتاز فرما کر انہیں ابلاغ رسالت پر مامور فرما دیتا ہے۔ اسی طرح ایک گروہ کو علم و حکمت کی دولت حاصل ہونے سے انبیاء علیہم السلام کا ورثہ نصیب ہوتا ہے جو ہمیں کردنی و ناکردنی امور سے آگاہ کرتے ہیں پھر بشر کو فی ذاتہ عقل و تمیز عطا فرمائی گئی ہے۔ جس سے وہ انبیاء کرام اور وارثین علوم نبوت کی تعلیم کے مطابق خود کو ناکامی کی ڈگر سے بچا کر کامیابی کی راہ پر لے جا سکیں گے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی چلنے کی دعوت دیں اور اس کے بعد جو شخص غیر مناسب امور کا مرتکب ہو کر گناہ سے باز نہ رہ سکا ریاست کا فرض ہے کہ اپنے مروجہ دستور کے مطابق اس پر تعزیر عائد کرنے میں غفلت سے کام نہ لے تاکہ جرائم کی رفتار میں اضافہ نہ ہو لیکن خدا کے حضور گناہ گاروں کے لیے توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ جو شخص غلطی سے برائی کرنیکے بعد کدا کے سامنے ندامت کا اظہار کرے اور اس کے بعد اپنے آپ کو گناہ سے پاک کرنے کا ارادہ کر لے اس کے لیے یہ گنجائش باقی ہے کہ خداوند عالم اس کا یہ گناہ معاف فرما دے۔ اسلامی نظریہ کے مطابق خدا کی یہ رحمت ہر اس شخص کے لیے ہے کہ جو سچے دل سے گناہ سے سرکشی کا تہیہ کر کے خدا کے سامنے توبہ کر لے تب وہ اس کا گناہ معاف فرما دے گا۔

انه هو التواب الرحیم (۲:۳۷)

قرآن کا یہ فلسفہ جسے اس کے بعض مخالف مسائل سے مختلف بتاتے ہیں درحقیقت زندگی کے

عین مطابق ہے۔ وہ (فلسفہ قرآنی) ثابت کرتا ہے کہ اشیا کا وجود خداوند عالم کے ارادہ محض کا نتیجہ ہے۔

انما قولنا لشی اذا اردنہ ان نقول لہ کن فیکون (١٦ : ۴٠)

> ’’جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو بس ہمارا کہنا اس کے بارے میں اتنا ہی ہوتا کہ ہم اس کو فرما دیتے ہیں اور کہ ہو اور وہ ہو جاتی ہے‘‘۔

ہمارے لیے یہ جہان محسوسات و غیر محسوسات دونوں کا سرچشمہ ہے۔ مگر ان کے قوانین غیر متغیر ہیں جن سے ادراک کے لیے ہم اپنی عقل کے مطابق خود مکلّف ہیں اور اس کے اس ادراک و تعقل کی راہ میں پیش آمدہ مسائل کو عقل و فہم ہی کی قوت سے حل کرنے کے ذمہ دار ہیں جس سے بنفسہ ہمارے ادراک و تعقل میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

(اس) جہان کا قوام خوبی (نیکی) ہے جس سے بدی ہمہ وقت برسر پیکار ہے۔ کبھی وہ نیکی غالب بھی ہو جاتی ہے اور لیکن جب نیکی بدی پر غالب ہو جاتی ہے تو انسان چشم زدن میں ترقی کئی منزلیں طے آگے نکل جاتا ہے جیسا کہ موجودہ زمانہ میں انسان کو بعض امور میں کمال حاصل ہو چکا ہے۔

عالم کون و مکاں کو چھ روز میں پیدا کرنا

ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسلام کا فلسفیانہ مسلک دوسرے مسالک کے مقابلہ میں حصول مراتب کے لیے کہیں بہتر اور اکمل ہے جو اپنی شرح اس انداز سے کر رہا ہے کہ جس کی تائید قرآن مجید ہی کے فلسفہ تخلیق ارض و فلک سے ہو رہی ہے جس کے مطابق کردگار ہر دوسرا نے زمین و آسمان کو چھ[1] روز میں تخلیق فرمایا اور اس کے بعد عرش بریں پر مستوی ہو گیا مگر ان دونوں کی مقدار ہماری دنیا کے دنوں سے کوئی نسبت نہیں رکھتی۔

---

[1] بمصداق آیہ ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم

استوی علی العرش (۷:۵۴) (لوگو) بے شک تمہارا پروردگار وہی تو ہے جس نے چھ دن میں زمین وآسمان کو پیدا کیا پھر عرش پر جا براجا"۔

وان یوما عند ربک کالف سنته مما تعدون (۲۲:۴۷)

"اور کچھ شک نہیں کہ تمہارے پروردگار کے ہاں تم لوگوں کی گنتی کے مطابق ہزار برس کے برابر (اخیر فیصلے کا) ایک دن ٹھہرا ہوا ہے"۔

مگر یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے لیکن نظریہ ارتقاء قرآن مجید کے اسی تخلیق عالم کے مطابق قرار پایا جاتا ہے اور اسی کے مطابق حامیان ارتقاء کو وسعت بھی ملتی ہے۔

آدم وحوا کی تخلیق

آخر اس کردگار حقیقی نے آدمؑ وحواؑ کو خلق فرمایا اور ملائکہ کو ان کی تعظیم کا حکم دیا جس کی تعمیل ابلیس کے سوا ہر ایک فرشتہ نے کی اگر چہ وہ (ابلیس) بھی آدمؑ کی فضیلت علمی اور تبحر کا انکار نہ کر سکا۔

ویادم اسکن انت و زوجک الجنة فکلا من حیث شعتما ولا تقربا هذه الشجرة فتکونا من الظلمین فوسوس لهما الشیطن لیبدی هما ماوری عنهما من سواتهما وقال مانها کما ربکما عن هذه الشجرة الا ان تکونا ملکین اوتکونا من الخالدین وقامسهما انی لکما من الناصحین قد لهما بغرور فلما ذاقا الشجرة بدت لهما سواتهما وطفقا یخصفان علیهما من ورق الجنة ونادهما ربهما الم انهکما عن تلکما الشجڑه واقل لما ان الشیطان لکما عدو مبین قالاربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین قال اهبطوا بعضکم لبعض عدو و لکم فی الارض مستقر ومتا ع الی حین قال فیها تحیون وفیها تموتون ومنها تخرجون (۷:۱۹.۲۵)

یا بنی ادم قد انزلنا عیکم لباسا یواری سواتکم وریشا ولباس التقویٰ ذالک خیر ذالک من آیت اللہ لعلھم یذکرون یا بنی ادم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنۃ ینزع عنھما لباسھما لیریھما سواتھما انہ یرکم ھووقبیلہ من حیث لا تروؤنھم انا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یومنون

(۷:۲٦.۲۷)

”اور ہم نے آدم سے کہا کہ اے آدمؑ تم اور تمہاری بی بی حواؑ بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ پیو مگر اس درخت کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ ایسا کرو گے تو تم آپ اپنا نقصان کرو گے پھر شیطان نے دونوں میاں بیوی کو بہکایا تا کہ ان کے پردہ کرنے کی چیزیں جو ان کی نظر سے مخفی تھیں (یعنی ان کا آگا پیچھا) انہیں کھول دکھائے اوران دونوں سے لگا کہنے کہ تمہارے پروردگار نے جو اس درخت سے پھل کانے کی تم کو مناہی کر دیہے تو ہو نہ ہو کہ اس کا سبب یہی ہے کہ کہیں ایسا نہو کہ تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا دونون ہمیشہ ہمیشہ و جیتے رہو اوران سے قسمیں کھا کھا کر بیان کیا کہ بلا شبہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض دھوکے سے ا کو درخت ممنوع کے پھل کھانے کی طرف مائل کرلیا۔ تو جونہی انہوں نے درخت کے پھل کو کھا کر چکھا تو دونوں کو پردہ کرنے کی چیزیں دکھائی دینے لگیں اور لگے بہشت کے پتوں کو اپنے اوپر چپکانے اوران کے پروردگار نے انہیں ڈانٹا کہ کیا ہم نے تم کو اس درخت کے کھانے سے مع ہی نہیں کی تھی اور کیا تم سے نہیں کہہ دیا ھتا کہ شیطنا تمہارا کھلا دشمن ہے یہ دونوں کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے تیئں اپنے آپ کو تباہ کیا اور گر تو ہم کو معاف نہیں فرمائے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم بالکل برباد ہو جائیں گے۔ اس

پر خدا نے فرمایا کہ تم میاں بیوی اور شیطان تینوں بہشت سے نیچے جاؤ۔ تم میں ایک کا دشمن ایک ہے اور تم بنی آدم کو ایک وقت خاص یعنی مرتے دم تک زمین پر رہنا (ہوگا) اور (تمہارا) سامان (زیست) بھی وہیں مہیا ہے۔ خدا نے یہ بھی فرمایا کہ زمین ہی میں زندگی بسر کرو گے تو اور اسی میں مرو گے اور اسی میں سے قیامت کے دن دوبارہ نکل کھڑے کیے جاؤ گے۔ اے بنی آدم ہم نے تمہارے لیے ایسا لباس اتارا ہے جو تمہارے پردے کی چیزوں کو چھپائے اور موجب زینت بھی ہو اور پیرہیز گاری کا باس یہ سب لباسوں سے بہتر ہے یہ یعنی لباس کا ہونا خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ اس بات پر غور کریں کہ اے بنی آدم کہیں شیطان تم کو (راہ خدا سے) بہکا نہ دے جس طرح کہ اس نے تمہارے والدین (آدم وحوا) کو بہشت سے نکلوایا کہ لگا ان کا بہشتی لباس ان سے اتروانے تاکہ ان کے پردہ کرنے کی چیزیں ان پر ظاہر کر دے۔ غرض اغوائے شیطان سے بچتے رہو۔ (کیونکہ وہ اور اس کی ذریات تم کو ادھر سے) دیکھتے رہتے ہیں جدھر سے تم انہیں نہیں دیکھتے۔ ہم نے شیطانوں کو ان ہی لوگوں کا یار (ہمدم) بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

ہابل وقابیل

آدم وحوا بہشت سے نکل آئے اور باہر آکر ان کی اولاد ایک دوسرے کی دشمن ہوگئی۔ البتہ وہاں سے نکل کر انہوں نے اپنی زندگی بہتر کرنے کے لیے کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی۔ اسی طرح آدم کے اخلاف الاخلاف نے خداوند عالم نے ان کے متعلق بعضکم لبعض عدو (۷:۲۴) میں جو انداز بتایا تھا پورا ہو کر رہا۔ ان کے دنیا میں آجانے پر سب سے پہلے ان کا قساوت وتعصب ہی رونما ہوا۔

واتل علیهم نبا انبی ادم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدهما ولم یتقبل

من الاخر قال لا قتلنک قال انما یقتبل الله من المتقين لئن بسطت الی یدک لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیک لا قتلک انی اخاف الله رب العلمين انی اریدان تبو باثمی و اثمک فتکون من اصحاب انار و ذالک جزوا ا الظالمين فطوعت له نفسه قتل اخیه فقتله فاصبح من الخاسرين فبعث الله غرابا یبحث فی الارض لیریه کیف یواری سوء ة اخیه قال یویلتی اعجزت ان اکون مثل هذا الغراب فاواری سوء ة اخی فاصبح من النادمين من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل انه من قتل نفسا بغیر نفس اوفسادفی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاها فکانما احیا الناس جمیعا ولقد جاء تهم رسلنا بالبینات ثم ان کثیرا مهم بعد ذالک فی الارض لمسرفون (۵:۲۷تا ۳۲)

”اور (پیغمبر) ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کے واقعی حالات پڑھ کر سناؤ کہ جب دونوں نے خدا کی جناب میں نیازیں چڑھائیں تو ان میں سے ایک یعنی ہابیل کی قبول ہوئی اور دوسرے یعنی قابیل کی قبول نہ ہوء تو قابیل مارے حسد کے بھائی سے لگا کہنے کہ میں تجھے ضرور قتل کر کے رہوں گا۔ اس نے جواب دیا کہ اللہ تو صرف پرہیز گاروں کی نیازیں قبول کرتا ہے۔ اگر میرے قتل کرنے کے ارادے سے تو مجھ پر اپنا ہاتھ چلائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے تجھ پر اپنا ہاتھ چلانے والا نہیں کیونکہ میں اللہ رب العلمین سے ڈرتا ہوں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ زیادتی تو تیری ہ طرف سے ہو وار تو میرا اور اپنا دونوں کا گناہ سمیٹے اور دوزخیوں میں جا شامل ہو اور ظالموں کے یہی سزا ہے۔ اس پر بھی اس کے یعنی قابیل کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے مار ڈالنے پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ آخر کار اس کو مار ڈاا اور آپ ہی گھاٹے میں آ گیا۔ اس کے بعد اللہ

> نے ایک کوا بھیجا۔ وہ زمین کریدنے لگا تا کہ اس کو (یعنی قابیل کو) دکھائے کہ اپنے بھائی کی فضیحت (یعنی اس کی لاش کو) کیونکر چھپانا چاہیے۔ چنانچہ وہ کوے کو زمین کریدتے دیکھ کر بول اٹھا ہائے میری شامت! کیا میں ایسا گیا گزرا ہوں کہ باسے اس کوے ہی جیسا (ہوشیار) ہوتا تو اپنے بھائی کی فضیحت (یعنی لاش) کو چھپا دیتا۔ الغرض وہ (اپنے کیے پر بہت ہی پشیمان ہوا) اسی واقعے کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو تحریری حکم دیا کہ جو کوئی جان کے بدلے ملک میں فساد پھیلانے کے طور پر نہیں (بلکہ ناحق) کسی کو مار ڈالے گا تو (اس کی نسبت ایسا سمجھا جائے گا کہ) گویا اس نے تمام آدمیوں کی جان لی اور جس نے اس کی جان بچالی اس نے گویا سب کو بچالیا بنی اسرائیل کے پاس ہمارے رسول کھلے کھلے معجزے لے کر بھی آ چکے ہیں۔ پھر اس کے بعد (بھی) ان میں سے بہتیرے (لوگ) ملک میں زیادتیاں کرتے پھرتے ہیں‘‘۔

ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو مار ہی ڈالا۔ یہ (قاتل) اپنے حقیقی بھائی کا حاسد شقی القلب اور کینہ توز تھا۔ دوسرا بھائی جس کا قلب خوف خداوندی سے معمور تھا جب حملہ آور بھائی نے اسے لاقتلنک (۵:۲۷) کہہ کر دھمکایا تو قتل ہونے والے نے متقی ہونے کے باوجود اپنے حملہ آور بھائی کے لیے مغفرت وعفو کی دعا کی اور اس کے گناہ کے ساتھ اپنے گناہ کا بوجھ بھی اسی کے سر ڈالنے کی طلب ظاہر کی۔

انی ارید ان تبو باثمی و اثمک فتکون من اصحاب النار ۂ ا (۵:۲۹)

غور فرمایئے کہ انسانی کردار میں انتقام اور خشونت کا جذبہ عفو و بخشش پر کس قدر حاوی ہے۔

حضرت آدمؑ کے بعد انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری ہوا

حضرت آدم وحوا کی تخلیق کے بعد ان کی نسل بڑھتی گئی اور خدا نے انہیں راہ راست پر قائم

رکھنے کے لیے انبیاء کا سلسلہ جاری فرمایا جو اولاد آدمؑ کو ان کے کاموں پر فلاح ونجات کی بشارت اور بے کاموں پر بدانجامی سے ڈراتے لیکن وہ بنی آدم نیکی سے دور ہوتے گئے۔ ان کی روحانی زندگی میں خلا بڑھتا گیا ان کے دلوں پر حق کے خلاف پردے پڑ گئے حتیٰ کہ خدا نے حضرت نوحؑ کو مبعوث فرمایا جنہوں نے اپنی قوم کو ان لفظوں میں ہدایت فرمائی۔

ان لا تعبدوا الا الله ان اخاف عليكم عذاب يوم اليم (۲۶:۱۱)

”اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہ پوجو کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ تم کو تکلیف کے دن (قیامت) کا عذاب نہ ہو“۔

لے اور تو میرا اور اپنا (دونوں کا) گناہ سمیٹے اور دوزخیوں میں جا شامل ہو۔

حضرت نوحؑ کی دعوت

لیکن حضرت نوحؑ کی دعوت معدودے چند مومنین نے قبول کی۔ ان (حضرت نوحؑ) کے بعد پے در پے یہ ظہور قائم رہا خدا کے رسول تشریف لائے اور ایک ایک خدا کی طرف رجوع کرنے کی دعوت فرماتا۔ مگر عوام پر جو جمود مسلط ہو چکا تھا اس کی وجہ سے ان کی عقلیں ادراک حقیقت سے بے بہرہ ہو چکیت ھیں وہ خدائے وحدہ لاشرک کی بجائے محسوس بتوں کو خدا کے مرتبے پر گھسیٹ لاتے اور

افكلما جائكم رسول بما لا تهوى انفسكم استكبرتم ففريقا كذبتم و فريقا تقتلون (۲:۸۷)

جب کبھی کوئی رسول اکے پاس ایسے احکام لے کر آیا جن کو ان کے دل نہیں چاہتے تھے تو کتنوں کو جھٹلایا اور کتنوں کو لگے قتل کرنے۔

رسولوں کی سعی رائیگاں نہیں جاتی

تاہم رسولوں کے پے بہ پے آتے رہنے سے آخر اس جمود میں قدرے کمی ہونے کو آئی۔ انبیائے کرامؑ کا بویا ہو تخم دیر ہی سے پھل لاتا ہے لیکن رائیگاں نہیں جاتا۔ تاخیر سہی کلمۃ الحق کا بے اثر رہنا ناممکن ہے بے شک بعض اشخاص کا غرور اور خود پسندی انہیں قبول حق سے روکتی ہے اور وہ (لوگ) اصحاب دعوت پر تمسخر اڑانے سے باز نہیں رہتے لیکن یہی لوگ جب تنہائی میں اپنے دلون کو ٹٹولتے ہیں تو حقیقت کو اپنی شہ رگ کے قریب پاتے ہیں۔ اس پر بھی بہت تھوڑے لوگ حقیقت کا تتبع کرتے اور بیشتر اشخاص بدستور عجیب ونخوب میں ڈوبے رہتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا فرعون سے مطالبہ

مصر کے یہ کاہن تو خود تو وحدانیت کے مقر تھے لیکن عوام کو دوسرے دوسرے خداؤں پر ایمان لانے کی تلقین کرتے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں کاہنوں کی جو عظمت راسخ ہو چکی ہے اس میں زوال نہ آنے پائے یہ دور اسی طرح کارفرما تھا کہ حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کا ظہور ہوا۔ جنھوں نے فرعون کو توحید کی دعوت دی اور اس کے انکار پر اپنی قوم (بنی اسرائیل) کی حوالگی کا مطالبہ فرمایا جسے فرعون اور اس کے اسلاف نے صدیوں سے غلا حلقہ بگوش بنا رکھا تھا۔ فرعون اس مطالبہ پر الٹا حضرت موسیٰؑ کے خلاف فوج لے کر ان پر پل پڑا۔

قرآن مجید میں بیشتر ایسے انبیاء کا تذکرہ موجود ہے جو یکے بعد دیگرے بنی آدم کو ان کا مقام سمجھانے کے لیے مبعوث ہوئے۔ یہ سلسلہ صدیوں تک قائم رہا لیک کسی دور میں بھی معدودے چند مومنین کے سوا عوام ان کے ہم نوا نہ بن سکے انبیاءؑ کی یہ مہم اہل نظر کے لیے بے حد جاذب توجہ ہے۔ ان حضرات میں اس موقعہ پر صرف حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور ختم الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدوں پر نظر کافی ہے۔

انبیائے کرامؑ اور معجزات

ان حضرات کی نبوت کا انکار و قبول دعوت میں صرف ایک نکتہ قابل توجہ ہے۔ جسے عقل صحیح اور

معجزات وخوارق کے درمیان حد فاصل کا درجہ حاصل ہے۔ کردگار حقیقی نے ہر نبی کو گونا گوں معجزات عطا فرمائے تا کہ ان خوارق کی تائید عوام کے لیے ان کی دعوت پر میلان کا ذریعہ بن سکے۔ لیکن پھر بھی بہت ہی کم لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ لوگ تو خدائے برتر و بالا کی بجائے مجسم ومحسوس بتوں کی خداوندی کے عادی ہو چکے تھے۔ ان کا یہ شعور اور عقل خدائے وحدہ لاشریک کی وحدانیت پر ایمان لانے میں کیوں کر رہبری کر سکتی تھی؟

حضرت موسیٰؑ کا پہلی مرتبہ مصر سے نکلنا اور مدین سے لوٹ کر پھر مصر

حضرت موسیٰؑ ہی کا واقعہ ہے خدا نے چاہا کہ سرزمین مصر میں انہیں دعوت توحید کے لیے مبعوث فرمائے جس کے اہتمام کی غرض سے پہلے جناب موسیٰؑ کو مصر سے نکلنا پڑا۔ سفر در سفر کرتے ہوئے قریہ مدین کے چشمہ پر تشریف لائے۔ آخر اسی مدین میں انہیں تزویج کا شرف حاصل ہوا۔ جس کے بعد پروردگار عالم نے حضرت موسیٰؑ کو ان کے وطن (مصر) واپس تشریف لے جانے کا ارشاد فرمایا۔

فلما اتها نودی من شاطی ء الوواد الایمن فی البقعة المبارکة من الشجرة ان یموسیٰ انی انا اللہ رب العالمین وان الق عصاک فلما راھا تھتز کانھا جان ولی مدبر اولم یعقب یاموسی اقبل ولا تخف انک من الامنین اسلک یدک فی جیبک تخرج بیضا من غیر سوء واضمم الیک جناحک من الرھب فذانک برھانان من ربک الی فرعون وملانه انھم کانوا قوما فاسقین (۲۸:۳۰.۳۲)

”پھر جب موسیٰؑ آگ کے پاس پہنچے تو اس مبارک جگہ میں میدان کے داہنے کنارے ایک درخت تھا۔ س میں سے ان کو آواز آئی کہ موسیٰؑ یہ تو ہم

اللہ ہیں۔ سارے جہاں کے پروردگار۔ اور ساتھ ہی یہ آواز بھی آئی کہ تم اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو۔ تو جب موسیٰ نے لاٹھی کو ڈالا اور اس طرح چلتے دیکھا کہ گویا وہ زندہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ ہم نے فرمایا موسیٰؑ آگے آؤ اور کسی بات کا خوف نہ کرو۔ تم ہر طرح سے امن میں ہو۔ اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر رکھو اور پھر نکالو۔ تو وہ بغیر کسی روگ کے بھلا چنگا سفید نکلے گا اور رفع خوف کے لیے اپنے بازو اپنی طرف سکیڑ لو۔ غرض عصا اور ید بیضا یہ دونوں معجزے عطیہ ربانی ہیں جو تمہاری معرفت فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجے جاتے ہیں کیونکہ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں''۔

حضرت موسیٰؑ فرعون مصر اور اس کے مداری

اور حضرت موسیٰؑ حصول نبوت کے بعد مصر تشریف لے آئے۔ جب تبلیغ فرمائی تو فرعون نے اپنے مداریوں کو ان کے معجزات کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کر لیا۔ جلسہ منعقد ہوا جس میں فرعونی مداری اپنی تمام عیاریاں سمیٹ کر حضرت موسیٰؑ کو ناکام ثابت کرنے کے لیے مقابلہ پر آئے۔ انہیں علم تھا کہ نبی اللہ کا عصا اژدھا بن کر شعلے برسانا شروع کر دیتا ہے۔ اس لیے مداری لاتعداد ٹوٹکے بنا لائے جن میں سانپ کی طرح رینگنے کی قوت بھر دی گئی تھی وار بیک لمحہ انہیں زمین پر بکھیر دیا گیا۔ جونہی حضرت موسیٰؑ نے اپنا معجزانہ عصا زمین پر رکھا تو وہ ہیبت ناک اژدھا بن کر مداریوں کے ان سنپولیوں کو نگل گیا جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا جادوگر یہ منظر دیکھ کر حقیقت کو پا گئے اور

امنا برب ھارون و موسی (۲۰ : ۷۰)

''ہم ایمان لائے ہارون اور موسیٰؑ کے رب پر'' کہتے ہوئے خدائے یکتا کے حضور سجدے میں گر پڑے۔

سب کچھ ہوا لیکن بنی اسرائیل جو خدا کی ذات کے لیے بھی پیکر محسوس کے خوگر تھے کچھ عرصہ بعد ان کے شرک کے ناسور پھر پھوٹ نکلے اور انہوں نے خدا کے رسول سے برملا تقاضا کیا:

یاموسیٰ لن نومن لک حتی نری اللہ جھرة (۲:۵۵)

> ”اے موسیٰ جب تک ہم خدا کو ظاہر میں نہ دیکھ لیں گے ہم تو کسی طرح تمہارا یقین کرنے والے نہیں“۔

حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد

جب حضرت موسیٰؑ نے وفات پائی تو یہی بنی اسرائیل اپنے سابق تصور کے مطابق بچھڑے کی پوجا پر ٹوٹ پڑے اور جب حضرت موسیٰؑ کے بعد دوسرے انبیاء علیہم السلام ظہور فرما ہوئے تو انہوں نے کسی کو جھوٹا کہا اور کسی کو قتل کر دیا۔ ایک طویل عرصہ کے بعد ان بنی اسرائیل کی آنکھ کھلی تو ایک ایسے نبی کا انتظار کرنے بیٹھ گئے جس کی معیت میں اپنے دشمنوں سے لڑ کر ان سے ارض موعود واپس لیں ا۔

حضرت مسیحؑ کا ظہور

تاریخ کے صفحات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام و بنی اسرائیل اور ان کے کوائف و سوانح کا زمانہ اس قدر پرانا نہیں کہ امتداد مدت نے انہیں دھندلا دیا ہو۔ ابھی تک پچیس صدیاں ہی گزری ہیں۔ تاریخ میں اتنا وقفہ ایک لمحہ سے بھی کم شمار ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں عقل پر جس نے غلبہ حاصل کر رکھا تھا جس کی بدولت روحانیت اور معنوی تصورات پر مادی محسوسات و تصورات کو ترجیح حاصل تھی جیسا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پانچ چھ سو سال قبل حضرت عیسیٰؑ ظہور فرمائے عالم ہوئے اور انہوں نے اپنی قوم کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی جس میں روح القدس ان کے دست و بازو تھے مگر ان کی قوم نے نہ سنا۔

جناب مسیحؑ نے معجزانہ طور سے پینے پانے کے لیے پانی

سے شراب بنا کر دکھائی

جناب مسیح نسلاً یہودی نژاد تھے۔ یہود ان کی دعوت سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے نبی اللہ کو وہ رسول منتظر سمجھا جو انہیں مسیحان روم کی غلامی سے بچا کر پھر ارض موعود (فلسطین) پر غالب ہونے میں رہنمائی کرے گا۔ یہود نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ نبی اللہؑ صرف عقل ہی سے اپنی رسالت و دعوت اللہ کی ن؟ص پیش نہیں کرتے ان کے ساتھ کئی ایسے معجزات وخوارق بھی ہیں جو ان کے دعویٰ نبوت کا ثبوت ہیں مثلاً مسیحی روایات کے مطابق پہلا معجزہ مسیح کی برکت سے قانا[۲]

---

[۱] قرآن مجید میں یہ مضمون سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۴۶ لفظ الم ترا ال الملا من بنی اسرائیل سے لے کر آیت نمبر ۲۵۲ لفظ لمن المرسلین ت منقول ہے (م)

[۲] گلیل قری کا نام ہے۔ پھر تیسرے دن قانائے گلیل میں ایک شادی ہوئی اور یسوع کی ماں وہاں تھی اور یسوعؑ اور ان کے شاگردوں کی بھی اس شادی میں دعوت تھی۔ اور جب مے ہو چکی تو یسوع کی ماں نے کہا کہ ان کے پاس مے نہیں رہی۔ یسوعؑ نے اس سے کہا اے عورت مجھے تجھ سیکیا کام ہے؟ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ اس کی ماں ؤنے خادموں سے کہا کہ جو کچھ یہ تم سے کہے وہ کرو۔ وہاں یہودیوں کی طہارت کے دستور کے مطابق پتھر کے چھ مٹکے رکھے ہوئے تھے اور ان میں دو دو تین تین من کی گنجائش تھی۔ یسوعؑ نے ان سے کہا کہ مٹکوں میں پانی بھر دو۔ پس انہوں نے ان کو لبالب

بھر دیا۔ پھر اس نے ان سے یہ کہا اب نکال کر میر مجلس کے پاس لے جاؤ۔ پس وہ لے گئے۔ جب میر مجلس نے وہ پانی چکھا تو وہ مے بن گیا تھا۔ اور جانتا نہ تھا کہ یہ کہاں سے آء ہے مگر کادم جنہوں نے پانی بھرا تھا جانتے تھے تو میر مجلس نے دولھا کو بلا کر اس سے کہا کہ ہر شخص پہلے اچھی مے پیش کرتا ہے اور ناقص اس وقت جب پی کر بہک جائیں مگر تو نے اچھی مے اب تک رکھ چھوڑی ہے۔ یہ پہلا معجزہ یسوعؑ نے قانائے گلیل میں دکھا کر اپنا جلال ظاہر کیا اور اس کے شاگرد اس پر ایمان لائے (یوجناب ۱۲ تا ۱۱م)

گلیل کی ایک شادی میں پانی شراب میں متبدل ہو گیا جس کے بعد نان و ماہی کا معجزہ دکھایا لب گور کو حیات نو بخشی مردوں کو زندہ کر دکھایا۔ (حضرت مسیحؑ نے) اسی طرح تعلیم و منق کی بجائے تو بہ تو معجزوں سے دلوں کو مسخر کرنے کی داغ بیل ڈالی۔ اگر چہ سابقہ انبیائے کے مقابلہ میں جناب مسیحؑ کی تبلیغ جاذب تھی۔ وہ ایک دوسرے پر عفو و عطوفت اور محبت کی تلقین کرتے خدا کے ساتھ رغبت کی ہدایت فرماتے مگر اس تبلیغ کے ساتھ دلیل و منطق کی یاوری نہ تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب لوگوں نے ان کی بات دعوت سننے سے انکار کر دیا تو ان کے معجزات کی بوقلمونی بڑھ گئی۔ وہ کوڑھ اور جنون کھونے لگے۔ ردوں کو زندہ کر دکھایا۔ خداوند عالم نے مسیحؑ کو یہ معجزے لوگوں کے ان کی طرف میلان کی غرض سے عنایت فرمائے تھے کہ اور ایسا ہی ہوا مگر ایک طبقہ نے انہیں خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ ابن مریمؑ کو عین ذات تسلیم کر لیا گیا جو انسانی قالب میں خود پر مصائب برداشت کر کے نبی آدم کے گناہو کا کفارہ ہونے کے لیے دنیا میں آ پہنچا ہے۔ جو اس امر کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ مسیح کے عہد عک منطق و عقل اس حد کمال تک نہ پہنچے تھے کہ حقائق کا واسطہ سے خالق ہر دوسرا کی وحدانیت کو تسلیم کیا جا سکے جو ابویت سے بیگانہ ابنیت سے

بے نیاز اور اس کی برابری کا کسی کو یارا نہیں۔

اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد (۱۱۲ : ۲ تا ۴)

فراعنہ مصر کے علوم وفنون سے یونان وروم میں تبدیلی

جن عہدوں میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیحؑ مبعوث ہوئے فراعنہ مصر کا فلسفہ اور دوسرے علوم وفنون وہاں سے یونان اور روم منتقل ہو چکے تھے۔ جنہوں نے ان کو پوری طرح اپنا لیا۔ بعد میں یونان نے فلسفہ وادب کے دریا بہا دیے جن سے منطق وحجیت کی آبپاشی مصر وفلسطین اور شام میں سب ملکوں سے زیادہ ہوئی۔ جغرافیائی طور پر مسیحیت کا منبع ان ملکوں سے بہت زیادہ قریب تھا ان تینوں ملکوں نے تصدیق نبوت کے لیے خوارق ومعجزات کی بجائے دلیل وبرہان کو مقدم سمجھا جیسا کہ ہم اس کتاب کے شروع میں اشارہ کر چکے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت از روئے منطق

بلاشبہ خداوند عالم نے دلیل ومنطق کو انسان کے لیے تاج سروری کے طور پر ممتاز کر رکھا ہے لطیف وپرکیف منطق جو عقل وحجت اور روح تینوں کے امتزاج سے مرکب اور انسان کو ادراک حقائق کا ملکہ عطا فرما سکے۔ خداوند متعال نے بدو عالم یہ منطق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدر میں ودیعت کر رکھی تھی کہ جب وہ نبی ظہور فرمائے گا تو عقل ومحبت اور روح کے موالید ثلاثہ جو اس نبی کی پشتیبان ہیں لوگوں کو قبول دعوت پر بیش از بیش مائل کرنے میں ان کی مدد کریں گے۔ جس پر نازل زدہ دین کو خدائے برتر اپنے نوشتوں کے ذریعے لوگوں کے لیے کامل کر دے گا۔ اور تکمیل دین کی وجہ سے اس کی امت کے لیے تمام نعمت ہوگا اور رسالتوں کا (تشریعی وغیر تشریعی یعنی دونوں قسم کا) سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ اسلام حقیقت توحید اور ایمان باللہ کو اساس قرار دے گا اور جس کسی کو اس پر یقین ہو جائے گا اسے دوسرے وظائف دن پر عمل کی ہدایت کرے گا۔

---

[1] اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے

پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

”خاتمہ“ کے فصل اول میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ تکمیل ایمان منحصر ہے کشف و ادراک عالم پر جو لوگ نعمت کشف حقائق کی سعی کرتے ہیں انہیں دنیا میں ایمان نصیب ہوتا ہے۔ خدا کی یہی سنت ہے جو یوم حساب تک جاری رہے گی جب کہ خداوند عالم جملہ بنی نوع بشر کو دوبارہ زندہ کر کے یک جا کرے گا۔ صدر اول کے مسلمانوں کا یہی ایمان اور اسی پر عمل تھا۔ ان کے بعد ایک عرصہ تک مسلمان اسی پر عمل پیرا رہے یہاں تک کہ حوادث نے انہیں ایسے اہم ترین عمل و سعی سے دور ہٹایا۔

اسلام تقدیر پر قانع رکھنے کی بجائے سعی عمل کی دعوت فرماتا ہے

گزشتہ اوراق میں ہم نے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ واضح طور پر نشان دیتے ہیں کہ مستشرقین نے تقدیر اسلامی پر قرآن مجید کی جن آیات کو قضا و قدر و نوشتہ لوح اور تعین ازلی و ابدی کے مفروضہ دلائل کے ثبوت میں پیش کیا ہے یہ ان (اہل قلم) کی جبلی و نسلی و فطری اور سماجی عادت ہے (کہ اسلام کے خلاف مفتریات وضع کرنے میں ان کے خلاف براہین کو سامنے نہیں آنے دیتے م) حالانکہ اسلام ہر شخص کو سعی و عمل کی ترغیب دیتا ہے۔ اور اسے اپنے اعمال کی سزا و جزا ل کر رہے گی خداوند عالم کسی پر ظلم کا روادار نہیں اور نہ جر کے بغیر سزا دینے پر مائل۔ جو اشخاص سعی اور جدوجہد چھوڑ کر کاہلی و نامرادی کو توکل سمجھ کر ایسے توکل سے رحمت کردگار کے متمنی ہیں خود پر ظلم کرتے ہیں۔

مال و اولاد اور نیکی میں امتیاز

گزشتہ اوراق میں ہم نے اپنا مقصود وضاحت سے ثابت کر دیا ہے۔ تاہم ایک ایسی دلیل

سے مفر نہیں جو ان معنوں میں قطعیت کے درجہ پر ہے۔

المال والبنون زینة الحیاة الدنیا والباقیات الصالحات خیر عند ربک ثوابا و خیر املا (۱۸:۴٦)

> ”مال اور بیٹے آرائش ہیں زندگانی دنیا کی اور باقی رہے والی نیکیاں بہتر ہیں پروردگار عالم کے نزدیک کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں“۔

انسان کے لیے مال کی طلب اور کسب معاش سے محبوب کوئی مشغلہ نہیں جس میں اکثر و بیشتر اشخاص ہمہ وقت مصروف ہیں اور اپنی ہمت و بساط سے کہیں زیادہ محنت کرتے ہیں۔ سرسری نظر سے بھی دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اس محنت میں کیسی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے' کس عجلت کے ساتھ وہ اپنا عیش و آرام قربان کر بیٹھتا ہے اور اپنا سکھ تج کر کے دکھ کے پہاڑ سر پر رکھ لیتا ہے۔ ایک اور شخص ہے جو مال و دولت کی بجائے یہی قربانی اولاد کی خاطر گوارا کر لیتا ہے اور اس راہ میں جاں نثار کرنے میں بھی دریغ نہیں کرتا۔ دونوں کی جدوجہد یعنی جمع مال و زر اور اولاد پر جاں نثاری دنیا ہی کی زینت تو ہے جہاں نیکی کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں نہ کوئی مال اندیش اسے نیکی کے مقابلے میں ترجیح دے سکتا ہے۔ یوں نادان اور کم فہم سے کیا کہیے جو نیکی سے بے بہرہ ہیں یا وہ عورتیں جو چند روزہ جوانی پر آپے سے باہر ہو اور اپنے حسن و جمال کی نمائش بڑھانے کے لیے مال و دولت کو ہر برائی کے عوض حاصل کرنے میں تامل نہیں کرتیں یا وہ سرمستان عہد شباب جو عقل و شرافت کو ٹھکرا کر اپنے ارد گرد خوشامدی مصاحبوں کو جمع کر لیتے ہیں کہ انہیں کھلا پلا کر اپنے اثر و نفوذ میں ان مصاحبوں سے آڑے وقت میں کام لیا جا سکے حالانکہ ان موسمی پروانوں کے دلوں میں ایسے آقاؤں کی عظمت پر کاہ کے برابر نہیں ہوتی۔ یہ سب قسمیں ایسے ہوش باختہ دیوانوں پر مشتمل ہیں جو نیکی سے بے خبر ہو کر متاع عقل و خرد کو ظاہر کے پلے باندھے بیٹھے ہیں فکر امروز میں فردا کے مال سے بے خبر! جو لوگ دنیاوی آسائشیں اور ایسے طریقوں سے حاصل

کرنے میں منہمک ہوں انہیں دیوانہ کہے تو پھر دنیا میں اور کون ہے جو دیوانہ ہے۔

مال وزر اور اولاد سے دنیا میں آسائش حاصل ہونے میں شبہ نہیں لیکن یہ حقیقت تو نہیں کہ انہیں اپنی کوششوں کا محسور بنائے رکھیے۔ حقیقت نام ہے نیکی اور حسن عمل کا جنہیں کبھی فنا نہیں۔ اس لیے حقیقت تک رسائی کے لیے مال وزر اور اولاد کی ترقی سے زیادہ جدوجہد کرنا چاہیے۔

اصل منفعت نیکی ہے

آیہ

المال والبنون زينة الحياة الدنيا والباقيات الصالحات خير عند ربك ثوابا و خير املا (١٨:۴٦)

مسلمانوں کے سامنے کس قدر مفید تعلیم کا نقشہ پیش فرما رہی ہے کہ جس طرح وہ دنیوی آسائش و استراحت و زینت و جمال کے لیے سر توڑ کوشش کرتے ہیں اس کے مقابلہ میں انہیں روح اور قلب کو حقیقت و نیکی کی راہ میں اس سے بھی زیادہ متوجہ رہنا چاہیے۔ دنیوی آسائش اگرچہ نیکی کا ذریعہ ہوسکتی ہے تاہ زندگی نیکی ہی کے لیے صرف کی جائے۔ مال ودولت ہے تو اس کا مصرف بھی اسی راہ میں ہو خدا نے اولاد عطا فرمائی ہے تو اس کی تربیت بھی اسی انداز سے کیجیے جس سیوہ اپنے لیے وادین اور عوام کی خاطر نیکی کی راہ میں نثار ہونے پر کمربستہ ہیں۔ اسی لیے خدا کے سامنے نیکی کا اجر اور سرور دنیا میں مال ودولت اور اولاد زندگی کے لطف سے کہیں زیادہ ہے۔ لیکن مسلمانوں کی فکر کس حد تک ناکارہ ہو چکی ہے جو بدیہات اور اسے خوش آئند منافع سے منہ پھیر کر صرف

زينة الحيوة الدنيا يعنى المال والبنون

کو اپنی دلچسپیوں کا مرکز سمجھ رکھا ہے اور نیکی جیسی نعمت دوام سے یوں پیٹھ پھیر رکھی ہے جیسے دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی سروکار ہی نہیں۔

زوال المسلمین پر شیخ محمد عبدہ مصری کی رائے

آخر مسلمانوں کی قوت ایسی واضح منطق سے ہٹ کر ان چیزوں کی طرف مائل ہو گئی جنہیں ان کے عقائد سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ ہم نے فصل اول میں اس پر اشارہ کیا ہے کہ اس تغیر عقیدہ کا موجب وہ فاتحین ہیں جنہوں نے دور عباسیہ کے آخری ایام میں مسلمانوں کی بستیوں کو تاخت و تاراج کیا اور یہ کہ صدر اول کے بعد نظام حکومت کے لیے شوریٰ کی جگہ جابر بادشاہ نے لے لی جس میں نمایاں کردار اموی بادشاہوں کا ہے۔ اس کی قدرے وضاحت شیخ الاسلام محمد عبدہ کی مصنفہ کتاب الاسلام والنصرانیہ سے نقل کی جاتی ہے۔

اسلام عرب سے نکلا اور یونانی علوم سے ملوث ہو کر دین عربی کی بجائے علم عربی سے موسوم ہونے لگا حتیٰ کہ عباسی خلیفہ سے سیاسی غلطی کا ارتکاب ہوا اور اس نے اسلامی ریاست کو اپنی خاندانی مملکت میں محصور رکھنے کی غرض سے یہ منصوبہ بنایا کہ مبادا عربی نژاد مسلمان سپاہی کسی وقت علوی خلفاء کی حمایت پر کود پڑیں۔ ان کی بجائے ترک و دیلم اور دوسرے ملکوں کے نوجوان فوج میں کیوں نہ بھرتی کیے جائیں جن میں علوی خاندان سے عقیدت کا وہم تک نہیں کیا جا سکتا۔ عجمی لشکری میرا کلمہ ہی پڑھیں گے اور میری سطوت سے لرزہ بر اندام رہیں گے، میں انہیں اپنے انعامات سے یوں بھی بس میں خرلوں گا اور یہ بادشاہت تا بہ حشر میرے خاندان کا پانی بھرے گی۔

اسلامی احکام کے مطابق غیر ملکیوں کو فوج میں بھرتی کرنے کی اجازت پہلے سے موجود تھی۔ ایسا ہی ہوا۔ خلیفہ نے عجمی لشکر بنا لیا جس سے رفتہ رفتہ عربی دین میں عجمی بو باس سرایت کر گئی۔ عباسی خلیفہ نے اپنی سطوت اور اپنے خلاف کے لیے ملک لا یبلی (۲۰:۱۲۰) (ایسی سلطنت جو کبھی پرانی نہ ہو) کی بنیاد ڈالی جس سے امت محمدیہ میں خلفشار اور دین اسلام میں شگاف پڑ گیا۔ عجمی سپاہی اپنے محبوب خلیفہ کی امیدوں کا پامال کرتے ہوئے اس کی سلطنت پر اس طرح سے قابض ہو گئے کہ خلیفہ کو برائے بیت بادشاہت رہنے دیا مگر اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ ان سپاہیوں اور عجم نژاد عناصر کے عماغ اسلامی تصورات سے بیگانہ قلوب اسلام کی محبت سے خالی اور

اپنے وطن سے خشونت وظلم کا جوترکہ وہ اپنے ہمراہ لائے تھے یہاں تک کہ پہنچ کر اس ترکہ میں انہوں نے اوراضافہ کرلیا اوران (عجمیوں) میں بے شمار ایسے سپاہی اور افسر تھے جو اپنے پیکری خداؤں کو گریبانوں میں ڈال کر سینے سے چپکائے ہوئے تھے۔ جونہی تخلیہ ملتا ان کے آرتی بجا لاتے۔ ان عجمی نژاد عناصر کے دخل درآمد کے بعد فتنہ تاتار سر بلند ہوا۔ جس نے عباسیوں کو عدم آباد میں دھکیل دیا۔ شروع میں عباسی عہدیداروں میں سے جو اشخاص کلیدی آسامیوں پر قابض ہوئے ان لوگوں کو علم و دین دونوں سے خدا واسطے کی دشمنی تھی۔ یہ امیر ابتدا ہی سے علمائے حق کے خلاف تھے۔ کلیدی آسامیاں ملنے پر اور بھی کھل کھیلے۔ علمائے حق کی تائید ونصرت سے ہاتھ روک لیے اور ان کی بجائے ایسے مدعیان علم وافتا کو مسند علم پر جانشین مقرر کیا جن کے لبادے علمائے حق ہی کے سے تھے۔ ان ہی کی سی بول چال اور وہی لب ولہجہ لیکن اسلام کی بیخ کنی کا فریضہ ادا کرنے میں ہر لمحہ مصروف عمل۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح بن سکے مسلمانوں کو صحیح اسلامی تصورات سے بے گانہ کردیا جائے اور اس میں کامیاب ہوتے گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو طرح طرح کے فریب میں مبتلا کردیا۔ کبھی دین کو ناقص ثابت کر کے خود کو کامیاب ہوتے گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو طرح طرح کے فریب میں مبتلا کردیا۔ کبھی دین کو ناقص ثابت کر کے خود کو اس کا مکمل کرنے والا بتایا کبھی دین کی مریض بتا کر خود کو اس کا مسیحا ثابت کیا کبھی کہا کہ قصر اسلام کی بنیادیں کھوکھلی ہوگئی ہیں۔ ہم انہیں ازسرنو مرسوص کررہے ہیں۔ یہ افراد اسی طرح کے بہانوں سے دی میں درپردہ نقب زنی کرتے رہے۔

عوام پہلے سے اس قسم کی تلقینات قبول کرنے کے لیے منفعل تھے۔ نصاریٰ ان کے قرب وجوار میں آباد تھے۔ جن کے مذہبی چلن سے یہ (مسلمان) بھی متاثر تھے۔ انہوں نے نصرانی عقائد کو اسلامی عقائد میں محلول کرنا شروع کردیا ازبس مفید سمجھ لیا۔ انہیں یہ خیال نہ آسکا کہ غیر مذہبی عقیدہ کی تحلیل اسلام کے پاکیزہ تصورات میں مسیحیت کے ان ملوثات کو نہ سمو دے، جن کا بنی اصل دین مسیحی کے بجائے ان کے علماء ورہبان کی دعات ہیں نہ ان کو یہ خیال آیا کہ اس طرح

مسلمانوں کے پہلے میں کیا رہ جائے گا نہ انہیں یہ سجھائی دے گا کہ نصرانیت کے ایسے تداخل سے مسلمان اپنے ولیوں اور عالموں کی پوجا کرے سے اپنی وحدت کو پارہ پارہ تو نہ کردیں گے، نہ وہ یہ سوچ سکے کہ ایک مرتبہ ایسی ضلالت میں گھر جانے کے بعد جب انہیں منع کیا گیا تو وہ برملا کہیں گے کہ بعد والوں کو پہلوں کے مسلمات میں ردوبدل کا کیا مجاز ہے آخر یہ بات ان کے عقیدہ میں داخل ہوگ ءاوران کی فرزاندگی پر جہالت کے پردے پڑہی گئے۔

یہاں تک اثر ونفوذ حاصل کر لینے کے عدان متشبہین بالاسلام (برائے بیت مسلمان) نے اپنے یارام ہمدم کو اسلامی ملکوں میں پھیلا دیا جن کی زبانوں سے مسلمانوں نے نئے نئے عقائد اور عجیب عجیب تصورات کے ذکر اذکار سن کر خود میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی حتی کہ عجمی تصورات کے ان داعیوں نے مسلمانوں کو متعدد ایسے عقائد پر مستحکم کردیا مثلاً

(۱) کہ از روئے شرع شریف مسلمانوں پر امور سلطنت کے بارے میں کوئی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ بار صرف عمال حکومت کے سر ہے۔

(۲) انسان کی خستہ حالی کا مداوا نہ اس کے اختیار میں ہے نہ ریاست اسکی زمہ دار۔ اس لیے کسی تباہ حال مسلمان کا اپنی فلاح و بہبود کی سعی کرنا اور نہ کرنا دونوں یکساں ہیں۔

ان کے چالاک داعی مسلمانوں کو اس تباہ حالی پر قناعت کرنے کے لیے بھی انہیں قرب قیامت کی ان روایات سے متاثر کرتے ہیں جن کا نتیجہ ان کے الفاظ میں بجز خستہ حالی کے اور کچھ نہیں ہوسکتا یا ایسی روایات پیش کرتے ہیں جن میں تشابہ کا امکان تھا۔ ان کی من مانی تاویلات سے مسلمانوں میں کاہلی اور سستی برقرار رکھنے کی تجویزیں کرتے رہتے۔ اس معاملہ میں وضع روایات کی باگ ڈور ان ہی داعیوں کے ہاتھ میں تھی۔ جہاں جیسا موقعہ دیکھا ایسی ہی روایت کا جوڑ لگا کر انہیں ٹھنڈا کردیا۔

ان داعیان علم و تبلیغ کی جعل سازی میں سب سے نمایاں عنوان مسئلہ قضا و قدر کو حاصل تھا۔ گویا یہ مسئلہ ان کی مٹھی میں تھا۔ جس کی تفصیل سن کر مسلمان یک قلم بے حس ہو کر رہ گئے جو مقدر

میں ہے۔

مسلمانوں میں ایسے عقائد ان کی سادگی اور دینی حقائق سے بے خبری کی وجہ سے مقبول ہوتے گئے۔ ایسے نفوذ میں مسلم و غیر مسلم میں تمیز ہی کیا ہے؟ جو قوم حقائق سے تہی دامن ہو کر مضروضات سے جیب بھر لے اسی طرح ناکامی و نامرادی میں گھر جائے گی جیسا کہ مسلمانوں سے حقیقت نے منہ موڑ کر انہیں دور دھکیل دیا۔ ان پر دین ہی کے نام سے ایسے عقائد مسلط ہو گئے ہیں جو اسلامی تصورات سے متضاد ہونے کی بنا پر مسلمانوں کی بربادی کا زریعہ بن گئے ہیں۔ ان نام نہاد مشتبہی بالاسلام کی یہ سیاست ان کی جہالت اور خود پرستی دوگونہ خصائل پر مبنی تھی جس (سیاست) نے اسلام میں ان عقائد کا الحاق کر دیا جن کے ساتھ دین کو دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ اور پیروان اسلام سے ایسی خوبیاں سلب کر لیں جن کے سہارے وہ افلاک تمدن کی سیر کر سکتے تھے۔ اب ان کی ہمتوں کو یاس و حرمان نے بے دست و پر کر دیا۔ اسلام ہی کے نام پر یہ رسمیں ان میں داخل ہو گئیں چہ جائیکہ ان پر اسلام کی مہر نہ تھی البتہ مسلمانوں کی نماز روزہ اور حج ان کی دستبرد سے بچ گئے یا چند اوراقوال جن میں صرف تحریف موثر نہ ہو سکی۔

کہاں تک بیان کیجیے اور کب تک سنیے گا۔ اس غلبہ نے مسلمانوں میں بدعات و خرافات کھڑے کر دیے اور اس عیاری کے ساتھ کہ اسلام کے ماننے والے ان بدعات کو اصل دین سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہوتے گئے

نعوذ بالله منهم وما يفترون على الله ودينه

انتہا یہ ہے کہ آج تک جو کچھ اسلام کے نام سے موسوم ہے وہ ابھی ان ہی افترا کنندوں کا ہےا۔

متذکرہ الصدر سطور میں شیخ محمد عبدہ نے جو کچھ فرمایا ہے ظاہر ہے کہ دشمنان دین نے اسلام میں ایسے خرافات شامل کر دیے جنہیں بادی النظر میں خدا اور اس کے رسول کا حکم سمجھا گیا ہے سب سے بڑا افترا القدیر کا تصور ہے جس (تصور) کے خلاف قرآن مجید میں بے شمار آیات موجود ہیں۔

اسلام کے ان مہربانوں نے تقدیر کی تاویلوں کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر کاہلی و نامرادی کی تخم ریزی اس طرح کی کہ سعی و تدبیر کو کامیابی سے کوئی واسطہ نہیں۔ اسے سے واضح صداقت اور کہاں ملے گی؟ کامرانی و فوز کی نبض تقدیر کے ہاتھ میں ہے جس میں انسانی جدوجہد کو ذرہ بھر دخل نہیں۔

میں پھر اعادہ کرتا ہوں کہ اسلام میں تقدیر کا یہ تصور نہیں میں یہ بھی کہتا ہوں کہ مستشرقین نے ازراہ حسد و بغض اسے اسلام کے سر منڈھ دیا ہے۔

اسلام پر مادیات سے اجتناب کا افترا

مسیحی مہربانوں کے ہاتھوں تقدیر ہی کا گلہ نہیں۔ وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق مادیات سے انتفاع بھی روا نہیں جیسا کہ یونان کے رواقی فرقہ کا مسلک ہے جو عہد عباسیہ میں مشرق وسطیٰ پہنچا اور مسلمانوں کے ایک فرقہ نے اسے اپنا لیا۔ کچھ سہی لیکن قرآن مایدات سے انتفاع کی برملا ترغیب فرماتا ہے۔

قرآن مادیات سے انتفاع کی ترغیب دیتا ہے

ولا تنس نصیبک من الدنیا (۲۸:۷۷)

”اور دنیا سے جو تیرا حصہ ہے اسے فراموش نہ کر“۔

قرآن مسلمانوں کو ایسے اعتدال و میانہ روی کی تعلیم فرماتا ہے جس میں نہ رواقیت کا سا ترک دنیا ہے اور نہ رندانہ حظ نفس میں استغراق وانہماک! لیکن ارونگ مستشرق یہ دونوں برائیں تقدیر کے کندھوں پر رکھ کر مسلمانوں کے گلے ڈال رہا ہے کہ مسلمانوں کو تقدیر اور ادھر عیش طلبی نے سعی و جدوجہد سے روک کر سدا کے لیے تلپٹ کر دیا جس سے وہ ابھی تک نہیں سنبھل سکے۔

اس مصنف پر جو اپنی مسیحیت کے دامن میں پاکیزگی و ایثار کے نقش دکھا کر اسلام کے جیب و گریبان کو ان دونوں صفتوں سے معرا ثابت کرنا چاہتا ہے کیا کیا جائے۔ ہمیں ہی گوارہ نہیں کہ علمی نصرانیت اور اسلام کا تقابل س حیثیت سے کیا جائے کہ اس لیے کہ اصل میں دونوں ایک ہیں۔ اگر

ہم اس باب میں عملی مسیحیت کا رخ پیش کریں تو ایک حیثیت میں مشاجرہ کا دروازہ کھولنا ہے اور ہمیں یہ منظور نہیں ۔ اس میں اسلام یا عیسویت دونوں میں سے کسی کے لیے منفعت نہیں ۔ لیکن انجیل مقدس کی اس آیت کو کیا کیجیے گا جو حضرت مسیحؑ کو رواقی ثابت کرنے کی بجائے انہیں چہ جائے کہ جناب مسیحؑ کو فی الجملہ رواقی ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے انجیل کی اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ:

حضرت مسیحؑ کا سب سے پہلا معجزہ یہ ہے کہ قانائے گلیل کی ایک شادی میں شراب نہ تھی مگر مسیحؑ نے اپنے اعجاز سے پانی کو شراب میں تبدیل کر دیا طرفہ یہ ہے کہ جب یہ شراب ختم ہوگئی تو ان کے جو ساتھی اس نعمت سے پوری طرح شادکام نہ ہوئے تھے انہیں فریسیوں کے دسترخوان پر لے پہنچے جہاں دوسری دوسری نعمتوں کے ساتھ شراب بھی موجود تھی ۔ ثابت ہوا کہ نہ تو حضرت مسیحؑ دنیاوی نعمتوں سے اپنا دامن سمیٹا نہ اپنے دوستداروں کو یہ تلقین فرمائی البتہ انہوں نے دولت مندوں کو یہ تلقین ضرور فرمائی کہ وہ محتاجوں کی دست گیری کریں ان کے ساتھ محبت سے پیش آئیں اور انہیں اپنا احسان نہ جتائیں ۔

جناب مسیحؑ کے خلاف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار میں ان معاملات کی رو سے کس قدر اعتدال نظر آتا ہے اس کی مدحت قرآن مجید نے بھی جا بجا فرمائی ہے جیسا کہ ہم گزشتہ اوراق می زکوۃ وصدقہ کے احکام پر چند آیات نقل کر چکے ہیں جن کا تکرار تحصیل حاصل ہے

مسیحی مفتری ارونگ (مستشرق) نے اسلام پر رواقیت کا جو افترا باندھا ہے ۔ اس کی تردید کے لیے قرآنی تعلیم میں توسط واعتدال کی تلقین کافی ہے ۔

جو شخص تلوار کے زور سے کوئی چیز حاصل کرے وہ شے اس سے تلوار ہی کی قوت سے واپس لی جاسکتی ہے

---

[1] الاسلام والنصرانیہ از شیخ محمد عبدہ ص ۱۲۲ تا ۱۲۵

ارونگ نے اسلام کے جسد میں جو تیز و نشتر پیوست کیے ہیں ان میں سے ایک نشتر مسلمان ترکوں کی یورپ میں حکومت بھی ہے۔ اس میں ارونگ کہتا ہے کہ اگر مسیحی یورپ میں ابھی تک ہلال ترکوں کا وجود نظر آ رہا ہے تو اس لیے کہ الف یہ مسیحؑ دول یورپ کی مہربانی ہے (ب) یا مسیحی دول یورپ کی باہمی پھوٹ کا نتیجہ ہے (ج) یا ترکوں ہی کی ہمت کا نتیجہ ہے اس کلیہ کے مطابق کہ جو شخص زور شمشیر سے حاصل کرے شمشیر ہی کی قوت سے وہ چیز اس سے واپس لی جا سکتی ہے۔ مگر شمشیر اور واپسی (بمطابق ج) انجیل مقدس کا کلیہ ہے جسے ارونگ نے اسلام کے سر پر ڈال دیا ہے۔ بے چارہ ارونگ معذور بھی تو ہے کہ اس نے یہ کتاب انیسویں صدی میں لکھی جب تک یورپ کا استعمار یا بقول ارونگ ......استعمار مسیحی موجودہ صدی کے مطابق حریص اور شمشیر پر بھروسا کرنے والے نہ ہوں گے لیک انیسویں صدی منقضی ہوت ہی بیسویں صدی کے آغاز (۱۹۱۸) میں مسیحی یورپ کی شمشیر کی کاٹ دیکھیے کہ لارڈ ایلن بی اتحادی فوجوں کا ٹڈی دل لے کر بیت المقدس پر حملہ آور ہیں جہاں یورپ ہی کے ترک حکمران ہیں۔ جب ایلن بی اس منصوبے میں کامیاب ہو گئے تو سلیمانی ہیکل ؤ کے حضور کھڑے ہو کر فرمایا کہ صلیبی جنگیں آج ختم ہوئی ہیں بیت المقدس کے اس یسقوط پر پٹر سین ایم سمتھ نے اپنی تصنیف سیرت المسیحؑ میں لکھا ہے کہ سنہ ......۱۹۱۸ء میں اتحادیوں کا بیت المقدس پر قبضہ آٹھویں صلیبی جنگ تھی جسے مسیحیت اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکی۔ اگرچہ بیت المقدس کا یہ سقوط تنہا مسیحی یورپ کی کوششوں کا ثمرہ نہیں۔ اتحادیوں نے اس مقصد کے لیے ان یہودیوں کو آلہ کار بنایا جو صدیوں سے ارض موعود (بیت المقدس) میں قدم جمانے کے لیے کوششوں میں لگے ہوئے تھے جن کی آڑ میں مسیحی یورپ نے مسلمان ترکوں سے بیت المقدس چھین کر مظلوم مسیحؑ کے قاتلوں کی نذر کر دیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام زمین پر آگ بھڑکانے آئے!

اس لیے انجیل کا کلیہ

میں زمین پر آگ بھڑکانے آیا ہوں اور اگر آگ لگ چکی ہوتی تو کیا ہی خوش ہوتا لیکن مجھے

بپتسمہ لینا ہے اور جب تک وہ نہ ہو لے میں بہت ہی تنگ رہوں گا کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں میں تم سے کہتا ہوں کہ نہیں! بلکہ جدائی کرانے!

اسلام پر صادق نہیں آتا کہ اس نے کوئی ملک تلوار کے زور سے حاصل ہی نہیں کیا بلکہ یہ وصف ملت مسیحؑ کا خاصہ ہے جس نے گزشتہ صدیوں سے جہاں گیری و جہاں بانی کا اپنا شیوہ بنالیا مگر آج اسے پیروان مسیحؑ اسلام کے سر پر ڈالنا چاہتے ہیں جب کہ آج کا یورپ ہوس استعمار میں سرشار ہو کر ان تاتاریوں کی پیروی کر رہا ہے جنہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ملک فتح کیے اور لیکن اسلامی تعلیم کا ان تاتاریوں پر شمہ بھر اثر نہ تھا۔ ان کے اس جرم کی سزا میں دوسرے مسلمان بھی خدائی گرفت میں جکڑے گئے۔

مسیحی یورپ نے بھی اپنے نبی کا اقتدا کیا

پھر دیکھیے یورپ نے جہاں استعمار کی طرح ڈالی ان ملکوں کے باشندے ان کی نیتوں سے جلدی آگاہ ہو گئے۔ بخلاف ان کے جو ملک مسلمانوں کے زیر نگیں ہوئے ان ملکوں کے غیر مسلم باشندے جوں جوں اسلام کی عظمت اور سادگی و خلوص سے آگاہ ہوئے ازخود اسلام قبول کرتے چلے گئے۔ دونوں (یورپ اور مسلمان حکمرانوں) میں مابہ الامتیاز پہلے کی ہوس استعمار اور ثانی الذکر کی اس ذوق سے محرومی ہے یورپ کے پیچھے دینی قت کا شائبہ تک نہیں جس کی بدولت مغرب کی عیسائیت ایسا بے ثمر پودا ہے جس کی قیمت یورپ میں بھی نہیں رہی۔ اسی بے عملی کی وجہ سے مسلمانوں میں ان کی تبلیغ بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے مگر بخلاف عیسویت اور مغربی استعمار پسندوں کے اسلام کی عظمت اور سادگی عقل و ادراک میں وسعت پیدا کرتی ہے جس کی بنا پر اس کے مقابلہ میں دوسرے مذاہب کی پذیرائی نہیں ہو سکتی۔

من اخذ بالسیف فبالسیف یوخذ

بلاشبہ مسلمہ ہے لیکن یہ کلیہ مندرجہ ذیل دو طبقوں پر صادق اتا ہے۔

(الف) ان مسلمان حکمرانوں پر جنہوں نے مدافعت یا اپنے عقیدہ کی حفاظت سے قطع نظر

جہاں بانی کی ہوس میں ملک فتح کیے۔

(ب) مسیحی مستعمرین یورپ پر جو پس ماندہ اقوام کو اپنا غلام بنائے رکھنے کے لیے ان میں گھس جاتے ہیں۔

۱؎ لوقا۱۲ آیت ۴۹ تا ۵۱

صدر اول کے مسلمانوں کی فتوحات کا نتیجہ استعمار نہ تھا

مگر صدر اول کے مسلمان کیا بزمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کیا بعہد خلفائے راشدینؓ اور ان سے کچھ مدت بعد کے امرائے اسلامی سے کسینے کسی غیر قوم پر محض غلبہ یا ہوس استعمار کی غرض سے حملہ نہیں کیا۔ ان کی جنگوں کا مقصد دشمنوں سے مدافعت کرنا یا اپنے عقیدہ کا تحفظ تھا جیسا کہ جب قریش نے بعہد نبوت پناہ مسلمانوں کو ان کے عقیدہ سے لوٹانے کی کوشش کی اور اس معاملہ میں پورا عرب قریش کے ساتھ ہو کر مسمانوں پر دوڑ پڑا تب مسلمانوں نے انہیں خود پر سے ہٹانے کے لیے جوابی جنگ ضرور کی۔ اسی طرح روم کے مسیح دشمنان اسلام اور ایران کے مجوسی حاسدان دین حنیفی کا ماجرا ہے جب ان کی طرف سے مسلمانوں کے عقائد کی وجہ سیمداخلت و حملہ پر مسلمانوں نے انہیں سرکوبی کے لیے باڑھ پر رکھ لیا قریش و عرب اور روم و ایران کی جنگوں میں صداقت مسلمانوں کی طرف تھی اور جدھر صداقت ہو فتح ان کے لیے مقدر ہوتی ہے یہی ہوا کہنا یہ ہے کہ ان جنگوں میں مسلمانوں نے فاتح ہونے کے باوجود اپنے کسی مقابل کے عقیدہ میں مداخلت گوارا نہ کی کہ اسلامی تصورات میں کسی کے دی میں مداخلت اکراہ ہے

لا اکراہ فی الدین ے ا ......البقرہ......م

ان فاتحین نے یورپ کے مستعمرین کی طرح اپنے مفتوحہ ممالک کو اپنے لیے استعمار کی منڈیاں نہیں بنایا۔ جیسا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انداز سے ثابت ہے کہ ہر مفتوح قبیلہ میں سے اس کے سابق امیر کو اس کے منصب پر جوں کا توں برقرار رہنے دیا۔ مسلمانوں خو کسی

مذہب وملت کے عقیدہ میں مداخلت کا تحمل ہ نہیں لیکن ہی ان کے اختیار میں نہ تھا کہ ان کے عقیدہ کی استواری اور اہل عرب کی اہالیان عجم پر عدم ترجیح دیکھ کر مفتوحہ ممالک کے باشندے خود بخود اسلام قبول نہ کر لیں اور ایسے مساواتی عقیدہ اور اس پر عمل سے آنکھیں بند کر کے کون گزر سکتا ہے؟

مسلمان فاتحین کا چلن اسلام کی تبلیغ تھی

جس عقیدہ میں خدائے مطلق کے سوا کسی انسان کو کسی انسان پر برتری نہیں۔ جب عرب سے باہر کے رہنے والوں نے ان فاتحین اسلام کے یہ چلن دیکھے تو قبول اسلام کے لیے سبقت کے بغیر چارہ نہ رہا۔

لیکن گزشتہ آخری صدیوں میں یہاں بھی ملوکیت نے ڈیرے ڈال لیے۔ مسلمان بادشاہوں نے جہاں گیری و جہاں بانی کے لیے جنگیں شروع کر دیں اور اس نوک شمشیر سے ملک فتح کیے کہ جس سے دوبارہ واپس لیے جاتے ہیں لیکن نہ تو اسلام زور شمشیر سے فتح کرنے کا حامی ہے نہ کسی کو اس کے مفتوحات میں بزور شمشیر ملک کا کوئی حصہ واپس لینے کی اجازت دیتا ہے۔

اس لیے اسلام ملکوں پر حکمرانی کی بجائے اذہان وقلوب پر قبضہ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر غیر مسلم حکومت ان پر غالب آ گئی تو سہی لیکن انہیں اسلام سے برگشتہ کرنے میں غلبہ حاصل نہ کر سکی۔ آج جن مسلم ممالک پر عیسائیوں نے تلوار کے زور سے غلبہ حاصل کیا ہے ان پر انجیل کا مقولہ جو شخص زور شمشیر سے حاصل کرے وہ چیز شمشیر ہی کے زور سے واپس لی جاتی ہے (انجیل لوقا ب۱۲ ۴۹تا۵۱)

مذکورہ الصدر تحریر کے مطاق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مفتوحہ قبائل کے سابق امراو نوابین کو ان کے مناصب پر بدستور بحال رکھا۔ مسلمانوں کی طرف سے اپنے منصب میں عدم اکراہ دیکھ کر اہل عرب از خود وحدت اسلامی میں منسلک ہو گئے۔ اب تمام ملک میں کوئی راجا تھا

---

[۱] دین میں زبردستی (کا کچھ) نام نہیں۔

پر جا حتیٰ کہ قبائل عرب مکہ یا مدینہ میں بھی کسی کی ماتحتی کے بار سے سرنگوں نہ تھے۔ ان میں ایمان و عمل کی حیثیت مابہ الامتیاز تھی لیکن اس پر بھی سب مسلمان خدا کے سامنے مساوی درجہ پر تھے۔ ایک دوسرے پر برتری اور کمتری کا سوال ہی نہ تھا البتہ جب غیروں میں کوئی ان کی جمعیت کو پراگندہ کرے یا ان کے عقیدہ و ایمان کی وجہ سے ان پر حمل یا حملہ کی تیاری کر رہا ہوتا تو سب کے سب مل کر مدافعت کرتے کیونکہ ہر فرد مسلم ملت کا جزو ہے اور ان کا مرکز انکے خلیفہ کا دارالخلافت لیکن خلیفہ اور دارالخلافت دونوں میں سے کسی کو اقتدار و منزلت یا معنوی برتری میں جمہوری پر کوئی تفوق نہ تھا۔ اسلام میں یہ برتری صرف احکام الٰہی کو حاصل ہے۔ اسی مساوات کے صدقہ میں مسلمانوں کا ہر بڑا شہر علم و فن اور صنعت و حرفت کا مرکز بنا ہوا تھا جہاں امن و آشتی کا دور دورہ ہوتا چاروں طرف سے ہن برستا اور صدیوں تک یہی عالم رہا۔

مسلمان اصول اسلام میں خود ہی تحریف کر کے تباہی میں مبتلا ہو گئے

اب ان کے برے دن آ گئے مسلمانوں نے اصول اسلام میں تحریف شروع کر دی جس کے وہ خود ہی شکار ہوئے باہمی اخوت میں بے اعتنائی اور تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر گئے۔ ایک دوسرے مسلمان کی ضرورتوں پر اپنے اپنے کاموں کو ترجیح دی اور غیروں کے محتاج بن گئے۔ ہر فرد پر خود پرستی غالب آ گئی۔ جس سے وقت نے اپنا رخ بدل لیا۔ دشمن کی تلوار میان سے نکل آئی۔ شمشیر کے قانون کا جزو اول نافذ ہو گیا اور مسیحی تلوار نے ان کی حکومت کے پرخچے اڑا دیے اب اس شمشیری قانون کے آخری جملہ کے پورے ہونے کا انتظار ہے کہ مسلمانوں کو مسیحی فاتحین سے شمشیر ہی کا قانون ان کا ملک واپس دلائے گا۔

فاتح ممالک میں مسیحی یورپ کا قانون تلوار ہے

ہوا یہ کہ پندرھویں صدی ع کے آغاز میں مسیحیت نے ایسی کروٹ بدلی کہ اگر آپس میں انکی

پھوٹ نہ پڑتی تو ان کا وجود دنیا کیلیے بھی مضر ثابت ہوتا۔ مسیحی یورپ کی شمشیر نے ان مسلمانوں کو اپنے نرغے میں لے لیا جو اصول اسلام ترک کر چکے تھے۔ لیکن عیسائیوں نے مسلمانوں پر کس طرح حکومت کی؟ فاتح ومفتوح کے درمیان تلوار رکھ دی گئی۔ اب یہ کہنا تحصیل حاصل ہے کہ جہاں شمشیر کے زور سے حکومت کی جائے تو ایسے فاتحین سے عقل وعلم اور شرافت ومحبت بلکہ ایمان اور انسانیت تک رخصت ہو جاتے ہیں۔

مسلمانوں میں باہم جنگ وجدال پر اسلامی قانون

دنیا کا موجودہ اخلاقی بحران زور شمشیر ہی کا تو نتیجہ ہے۔ یورپ کی جو بادشاہیاں زور شمشیر سے پس ماندہ ممالک پر حکمران ہیں آج سے بیس سال قبل یہی قومیں دنیا میں امن وآشتی پیدا کرنے کا احساس کر رہی تھیں لیکن ایسی صلح ومحبت کا سبق صرف اسلام کے پاس ہے کہ:

وان طاء فتن من المومنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما فان بغت احدهما على الاخرى فقاتلوا التى تبغى حتى تفى ء الى امر الله فا ء ت فاصلحو بينهما بالعدل واقسطوا ان الله يحب المقسطين انما المومنون اخوة فاصلحوا اخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون(۴۹: ۹. ۱۰)

> ”اور اگر (تم) مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں کا ایک (فرقہ) دوسرے پر زیادتی کرے تو جو فرقہ زیادتی کرتا ہے (تم بھی) اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ حکم خدا کی طرف رجوع لائے۔ پھر جب رجوع لے آئے تو فریقین میں برابری کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کو ملحوظ رکھو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مسلمان تو بس (آپس میں) بھائی بھائی ہیں۔ تو اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرا لیا کرو اور خدا (کے غضب) سے ڈرتے رہو تا کہ (خدا کی طرف سے) تم پر رحم کیا جائے“۔

مغربی تمدن استعمار پر مبنی ہے

بخلاف اس آیت کے مغربی حکمرانوں کی ایسی کوششیں ابھی تک ناکام ہیں جن کی نحوست کے اثر سے صلح و آشتی کا وجود دنیا کے کسی حصہ میں نہیں پایا جاتا اور کیسے پایا جا سکتا ہے جب کہ مغرب کے تمدن کی بنیاد ہی استعمار پر ہو اور استعمار زیر دستوں کو اپنی گرفت میں جکڑ رکھنے سے تعبیر ہو۔ پھر استعمار میں جکڑے ہوئے پس ماندہ اپنی نجات کے لیے ہاتھ پیر نہ بھی ہلائیں، لیکن جب وہ حرکت کریں گے تو دنیا جنگ کے شعلوں سے کرہ نار بن کر فنا ہو جائے گی۔ آخر پس ماندہ اقوام ان ابلیسان سیاست کو اپنی گرفت میں لا کر دم لیں گے۔ ظاہر ہے کہ جب تک دنیا میں ایسا ایک ابلیس باقی رہے گا جسے ہوس استعمار نے پاگل کر رکھا ہو صلح و آشتی کا برقرار رہنا ناممکن ہے اگر چہ آئے دن معاہدے کیوں نہ ہوتے رہیں۔ باوجود اس کے نہ تو ان (معاہدین) میں سے کوئی خود کو دوسرے کے حملے سے محفوظ سمجھتا ہے اور نہ موقع ملنے پر خود دوسرے پر حملہ آور ہونے میں غافل ہے۔ غریب دنیا والے ان احوال و سوانح میں امن و راحت سے زندگی کیسے بسر کر سکتے ہیں؟

صلح و آشتی کا دور دورہ صرف ایک صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہر قوم اپنی برتری کا سودا سر سے نکال کر باہمی محبت و مساوات کی فکر میں گم ہو جائے۔ ہر قوم کا اساسی عقیدہ اسی پر مبنی ہو گا کہ جب کوئی ملک دوسرے پر حملہ آور ہو تو سب مل کر حملہ آور پر ٹوٹ پڑیں۔

لیکن یہ صورت اس وقت ممکن ہے جب کہ تمدن کی بنیاد استعمار پر نہ ہو اور دنیا پر واضح ہو جائے کہ اب سے طاقتور ملک پس ماندہ قوموں کی کمک پر کمر بستہ ہو جائیں گے۔ حکمران اپنے ماتحتوں کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کریں گے۔ علم دوست بے پڑھوں کی تربیت اپنا فرض سمجھیں گے۔ عقل و دانش کا علم سرفراز ہو گا۔ علم سے بے بہرہ قوموں کو سائنس و فنون کی جھلک سے رام نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ہر حال میں انسانیت کی منزلت کو مقدم رکھا جائے گا۔

اگر تمدن کی بنیاد استعمار کی بجائے اسلامی نظریہ تہذیب پر قاء کی جائے تو امن و آشتی خود بخود پھیل جائے گی انسان دنیا کے ہر کونے کو اپنا وطن تصور کرے گا، ایک دوسرے کو بھائی سمجھ کر اپنی

ضروریات اس کی احتیاج پر قربان کرنے لگیں گے، دلوں میں انسانی محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے پر آجائے گا۔ جب برسر اقتدار جماعتیں اپنے لب و لہجہ میں تبدیلی کر لیں گی ہر قوم دوسرے فریق کی حرمت خود پر واجب سمجھ لے گی۔ باہم دوستانہ مبادلات زندگی کا وظیفہ قرار پائیں گے اور یہ تمام اطوار و کردار صرف خدائے برتر کی خوشنودی کے لیے کیے جائیں گے پھر کوئی وجہ نہیں کہ صداقت کو فروغ حاصل نہ ہو سکون و امن کی حکومت قائم نہ ہونے پائے۔ خداوند عالم ایسے ہ دور میں اپنے بندوں پر خوش ہو سکتا ہے اور اس کے بندے اسی طرح اپنے خالق کو خوش رکھ سکتے ہیں۔

اسلام کی اساس عفو و مساوات پر ہے

ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصری واصبئین من امن باللہ والیوم الاخر و عمل صالحا فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (٢:٦٢)

> ”بیشک مسلمان اور یہودی اور عیسائی اور صابی ان میں سے جو لوگ اللہ پر
> اور روز آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے تو ان (کے کیے)
> کا اجر ان کے پروردگار کے ہاں ملے گا اور ان پر نہ کسی قسم کا خوف طاری
> ہوگا اور نہ وہ کسی طرح آزردہ خاطر ہوں گے“۔

اسلام کے سوا مساوات و باہمی عفو و کرم کی اس سے بہتر اور وسیع افق کون سے آسمان پر تلاش کیجیے گا۔ جس میں خدائے یکتا پر ایمان اور یوم الحساب پر یقین کے ساتھ ساتھ نیک کرداری پر اجر مقدر ہے، عام اس سے کہ یہ شخص مسلمان ہے یا اسلام کی دعوت نہ پہنچنے کی وجہ سے مرنے تک یہودیت پر قائم رہا، نصرانیت پر اس کا خاتمہ ہوا یا صابیت کی گود میں بیٹھا ہوا قبر میں جا سویا۔

وان اھل الکتاب لمن یومن باللہ وما انزل الیکم وما انزل الیھم خاشعین للہ لا یشترون بایت اللہ ثمنا قلیلا اولئک لھم اجرھم عند ربھم ان اللہ سریع

الحساب (۳:۱۹۹)

> ’’اور یقیناً اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ ان پر نازل ہو چکا ہے سب کے لیے ان کے دل میں یقین ہے۔ نیز ان کے دل اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ وہ ایسا نہیں کرتے کہ خدا کی آیتیں تھوڑے داموں پر فروخت کر ڈالیں۔ تو بلاشبہ ایسے لوگوں کے لیے کوئی کھٹکا نہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے پروردگار کے حضور ان کا اجر ہے۔ یقیناً اللہ (کا قانون مکافات) اعمال کے حساب میں سست رفتار نہیں‘‘۔

کیا قرآن مجید کی اس عفو ولطف عام کے مقابلہ میں مغرب کا وہ تمدن پیش کیا جا سکتا ہے جس کی بنا عصبیت پر اس کا اکمال دوسرے سے حسد وباہی جنگوں پر ہو؟

عفوو صلح کی جو تعلیم قرآن کی اس آیت (۱۹۹:۳) میں ہے اس کا پرچار دنیا کے کونے کونے میں کرنا ہمارا فرض ہے۔ تاکہ ہر انسان اپنا مرتبہ معلوم کر سکے اور یہی روح ہے کہ جو ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی الٰہی کے ذریعے نازل ہوئی۔ انسانی زندگی کے لیے جو لائحہ عمل مرتب کیجیے اس آیت کے پیش نظر کیجیے جس سے روحانی واخلاقی مسائل کے حل ہونے میں مدد مل سکتی ہے۔ جن کا تعلق ہماری روزمرہ زندگی سے ہے اور جس حل کے لیے اہل علم لوگوں سے سرگرداں ہیں۔

حیات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت

اس کتاب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے جو نقوش دکھائے گئے ہیں انہیں ایک ایسے انسان کی زندگی کا خاکہ کہیے جو مقام علو و برتری کے تمام درجات طے کر چکا ہو۔ اور جو لوگ زندگی کے لیے نمونہ و مثل کی جستجو میں ہیں ان کے لیے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ایک ایسا جامع و مانع درس ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے کسی اور جگہ درس کا تلاش کرنا لا حاصل ہے۔ ایسے جاذب نقوش اور کہاں ملیں گے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت سے قبل

بھی تو صداقت و شرافت میں ضرب المثل ہیں اور نبوت کے بعد آپ میں یہ کمالات پائے جاتے ہیں کہ زندگی کا ہر لمحہ قربانی کے لیے وقف ہے۔ جس کی بدولت بارہاوت کے ریب قریب پہنچ گئے۔ اس پر یہ امتیاز کہ اگر کسی نے جاہ و مال کی جھلک دکھا کر آپ کو زندگی (کے ان کمالات) سے ہٹانا چاہا تو آپ نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندگی کے جس بلند و بالا مرتبہ پر فائز ہیں کسی اور انسان کی وہاں تک رسائی ممکن نہیں اور یہ کمالات زندگی کے کسی ایک شعبہ من نہیں بلکہ حیات کے ہر زاویہ میں یہی تکمیل دیکھیے گا۔ بشر کے لیے اس سے زیادہ برتری کی گنجائش کیسے پیدا کیجیے گا۔ کہ ایک طرف یہ کمالات حاصل ہوں اور دوسری طرف خداوند برتر سے بھی پورا واسطہ جس کا یہ اچر ہے کہ چودھویں صدی ختم ہونے کو آئی مگر

ہنوز آن بر رحمت درفشان ست

جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت و نبوت کا سکہ ابھی تک جاری ہے چہ جائے کہ اس طویل عرصہ میں کئی ایسی بلند مرتبہ ہستیاں دنیا میں آئیں جو زندگی کے مناسب مقام پر فائز ہوئیں مگر ان میں کسی کو نبوت و رسالت من اللہ نصیب نہیں ہوئی۔ پھر یہی نبوت جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے اس قدر عام تھی کہ ہر قوم میں نبی مبعوث ہوتا جو اپنی قوم کو ہدایت کی تلقین کرتا۔ مگر ان بے شمار نبیوں میں سے نہ تو کسی نے خود کو تمام دنیا کے لیے پیش کیا نہ کوئی اپنی ختم المرسلینی کا حرف زبان پر لایا ماسوائے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنہوں نے اپنی رسالت کا دعویٰ تمام عالم میں اور رہتی دنیا تک کے لیے پیش کیا اور سنن والوں نے اس دعویٰ کی تصدیق کی۔ کیوں نہ ہوتا کہ نہ رسالت بدعی امر تھا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل شدہ کتاب نیا معاملہ۔

ما کان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیه و تفصیل کل شئی و هدی و رحمة لقوم یومنون (۱۲ : ۱۱۱)

”یہ قرآن کوئی بنائی ہوئی بات تو ہے نہیں بلکہ جو (آسمانی کتابیں) اس کے نزول سے پہلے (موجود) ہیں ان کی تصدیق کرتا ہے اور اس میں ان لوگوں کے لیے جو ایمان والے ہیں ہر چیز کا تفصیلی بیان اور ہدایت اور رحمت ہے“۔

* * *

حرف آخر

☆☆☆

حرف آخر

خدا کے لطف و رحمت سے امید ہے کہ میں نے جس مقصد کے لیے قلم اٹھایا ہے جہاں تک میری وسعت تھی اس نے مجھے پوری کامیابی عنایت فرمائی اور

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا

> ”اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا۔ ہر جان کے لیے وہی ہے جیسی کچھ اس کی کمائی ہے جو کچھ اسے پانا ہے وہ بھی اس کی کمائی سے ہے اور جس کے لیے اسے جواب دہ ہونا ہے وہ بھی اس کی کمائی۔ (پس ایمان والوں کے صدائے حال یہ ہوتی ہے کہ) خدایا! اگر ہم سے (سعی و عمل میں) بھول چوک ہو جائے تو اس کے لیے نہ پکڑیو اور ہمیں بخش دیجیو“۔

ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به

> ”خدایا! ہم پر بندھنوں اور گرفتاریوں کا بوجھ نہ ڈالیو جیسا کہ ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ خدایا! ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوائیو جس کے اٹھانے کی ہم (ناتوانوں) میں سکت نہ ہو“۔

واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولنا فانصرنا علی القوم الکفرین

(٢:٢٨٦)

> ”خدایا! ہم سے درگزر کر! خدایا ہم پر رحم کر خدایا! تو ہی ہمارا مالک و

آقا ہے۔ پس ان (ظالموں) کے گروہ کے مقابلے میں ہماری مدد فرما‘‘۔

وتمت كلمات ربک صدقا وعدلا

☆☆☆

مآخذ

(جن کا تذکرہ مصنف نے متن میں کیا)

(الف)

الابطال......کارلیل

اسباب النزول......الواحدی

الاسلام......اب لامنس

الاسلام الصحیح ......استاد محمد اسعاف انشاشیبی

الاسلام والنصرانیۃ ......امام محمد عبدہ

(ب)

البحر الرائق ......ابن نجیم

البدایۃ والنہایۃ ......ابن کثیر

(ت)

تاریخ ابن کثیر......البدایۃ والنہایۃ

تاریخ ابی الفداء......البدایۃ والنہایۃ

تاریخ الرسل والملوک......طبری

تفسیر الطبری (جامع البیان)

تفصیل آیات القرآن الحکیم

(ح)

حیات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ......امیل درمنجم

حیات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ......ولیم مویر

(د)

دائرۃ المعارف البریطانیہ

دلائل النبوۃ......ابی نعیم اصبھانی

(ر)

رسالتہ فی تاریخ العرب کوسان دیریسفال

روح الاسلام......سید امیر علی

روح المعانی......آلوسی

(س)

سیرۃ ابن ہشام

(ش)

شرح مسلم......نووی

الشفاء......قاضی عیاض

(ص)

صحیح مسلم

(ط)

الطبری......تاریخ الرسل والملوک

طبقات ابن سعد......ابن سعد

(ف)

فتح العرب لمعصر......دکتور بتلر

فجر الاسلام......استاد احمد امین

فی الادب الجاھلی......دکتور طہ حسین

(ق)

قصص الانبیاء......استاد عبدالوھاب النجار

(ک)

کتاب البخاری (الجامع الصحیح)

کتاب واشنطن ازفنج

کلیات ابی البقاء

(م)

مجلۃ المستشرقین الالمانیہ

مجلۃ المنار

مغازی الواقدی

مفتاح کنوز السنۃ

موسوعۃ ......اروس الفرنیسۃ

(ن)

الناسخ والمنسوخ......ابن سلامۃ

النھایۃ ......ابن اثیر

(و)

الوحی المحمدی......رشید رضا

(ی)

الیھود فی بلاد العرب......اسرائیل ولفنسن

☆☆☆

اختتام-------------The End